مقالاتِ نعمانی

محقق العصر

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ

کے علمی و تحقیقی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ

مرتب

شوکت علی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مُرتّب

اللہ رب العزت کا بہت بہت شکر ہے کہ اس نے ہمیں مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے وہ بلند پایہ مقالات بصورتِ مجموعہِ عکوس اصلیہ مرتب کرنے کی توفیق بخشی ہے کہ جن کے بارے میں عالم عرب کے عظیم محقق شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''علامہ نعمانی رحمہ اللہ کے مقالات اور تحقیقات بہت زیادہ ہیں، ان میں سے اکثر جامعہ علوم اسلامیہ کراچی (بنوری ٹاؤن) سے شائع ہونے والے مجلہ ''بیّنات'' میں طبع ہو چکے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی ہندو پاک کے کئی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، اور بعض ان میں سے مستقل رسائل اور کتابچوں کی صورت میں بھی طبع ہوئے ہیں، لیکن چاہئیے کہ یہ تمام یکجا صورت میں ''مقالات نعمانی'' کے نام سے شائع ہوں، تاکہ اس سے اہل علم کو فائدہ ہو''۔[1]

تو شیخ عبد الفتاح رحمہ اللہ کی اسی مذکورہ چاہت کی تکمیل کی خاطر ہم نے علامہ نعمانی رحمہ اللہ کے مقالات کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے، لیکن ہم نے اس میں ان مقالات کو شامل نہیں کیا جو پہلے کتابچہ یا رسالہ کی صورت شائع ہو چکے ہیں، جیسے کہ مشہور مقالہ ''ناصبیت تحقیق کے بھیس میں'' اور '' تبصرہ بر المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری'' کہ یہ اب کتابی صورت میں شائع شدہ ہیں، اور ایک مضمون ''کفر اعتقادی اور کفر عملی'' کے عنوان سے بھی مولانا رحمہ اللہ کا تھا جس کا تذکرہ مولانا روح الامین صاحب نے ''الکلام المفید'' [2] میں کیا ہے، وہ ہمیں تلاشِ بسیار کے بعد بھی کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکا، اور اگر یہ مضمون کسی قاری کے پاس ہو تو وہ ہمیں اخیر میں دیے گئے ای میل پر اطلاع کر سکتا ہے، اور بعض مضامین (''کیا یہی اسلام ہے ؟'' اور ''مسئلہ رفع یدین اور اہل حدیث'' اور ''تنقید و تبصرہ بر ہفت روزہ الہُدیٰ بخاری نمبر'' اور ''تنقید و تبصرہ بر صبح صادق کا قرآن نمبر'' اور ''تبصرہ بر کتاب قادیانی غلط بیانی اور قادیانیت کا آغاز وانجام'' اور ''تبصرہ بر کتاب برکات الاسلام'' اور ''تبصرہ بر نئی نسلیں خاص نمبر'' اور ''تبصرہ بر مجلہ دانش'' اور ''تبصرہ بر کتاب ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب'') کے عکوس اصلیہ جب ہمیں نہ مل سکے تو مجبوراً ہم نے وہ مضامین مولانا عبد الحلیم چشتی صاحب رحمہ

---

۱) دیکھئیے: الإمام ابن ماجہ وکتابہ السنن، المؤلف في سطور، (ص:۱۹)، ط / مکتب المطبوعات الاسلامیہ۔

۲) (ص:۱۲۳)، ط / مکتبہ حجاز دیوبند، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۵ھ۔

اللہ کے ذخیرہ کتب میں ''مقالات نعمانی'' کے نام سے کمپوز و تصحیح شدہ مسودہ سے عکوس لے کر یہاں جوڑ دیے ہیں، البتہ اس مجموعہ کے مسودے میں وہ کثیر چیزیں شامل نہیں جو کہ ہمارے مرتب کردہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ فللہ الحمد

مزید یہ کہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ کی مستقل کتب کی فہرست حضرت رحمہ اللہ کے حالات وغیرہ سے متعلق جو تحریرات لکھی گئی ہیں ان میں دیکھی جاسکتی ہے، اور حضرت رحمہ اللہ کے حالات سے متعلق جو تحریرات ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں وہ بھی ہم نے بصورتِ مجموعہِ عکوس مرتب کیں ہیں وہ مجموعہ بھی ہماری ویب سائٹ[۳] پر شیئر کر دیا گیا ہے اور مقدمات نعمانی رحمہ اللہ بھی اسی ویب سائٹ پر شیئر کیے جا چکے ہیں۔[۴]

''مقالات نعمانی'' کے اس مجموعہ کو گر کتابی صورت میں کمپوز کرا کر شائع کیا جاتا تو بہت خوب ہوتا، لیکن درپیش مسائل کی وجہ سے ہم اسے اسی حال میں تقسیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اہل علم مولانا رحمہ اللہ کی ان تحقیقات سے یکجا صورت میں فائدہ اٹھا سکیں، البتہ اگر کوئی ادارہ ان مقالات کو کمپوز کر کے کتابی صورت میں شائع کرنا چاہے تو دیانت کا خیال رکھتے ہوئے من وعن انہیں شائع کرے، ان میں تحریف و قطع وبرید کر کے علمی خیانت کا مرتکب نہ ہو، مزید یہ کہ ان مقالات کو اس طرح جمع کرنے میں کئی اہل علم ساتھیوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے، ہم ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، اور تمام قارئین سے دست بستہ گزارش کرتے ہیں کہ ان معاون ساتھیوں کے لیے دعا گو ضرور رہیں۔

أبو ذکوان زکریا

۱۳/ محرم الحرام/ ۱۴۴۳ھ

۲۲/ اگست/ ۲۰۲۱ء

رابطہ بذریعہ ای میل:sylar_ali@yahoo.com

---

۳)https://islamicbookscity.com/allama-abdur-rasheed-nomani-ra-hayat-afkaar-khidmaat/

۴)https://islamicbookscity.com/muqaddimaat-i-nomani/

اداریے

جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸۲ھ　　رجسٹرڈ نمبر　　جلد ۱ عدد ۱

مرتبہ

محمد عبد الرشید نعمانی

مقامِ اشاعت :-

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن
کراچی ۵

چندہ سالانہ :-

چھ روپے ، فی پرچہ
۵۰ پیسے

منیجر: محمد احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

اما بعد

اسلام پر آغازِ دعوت ہی سے اہلِ باطل کی سخت یورش رہی ہے، اور اُمتِ مسلمہ کو ہر دَور میں دشمنانِ اسلام سے بڑی معرکہ آرائی کرنی پڑی ہے، اعداء نے دینِ حق کو مٹانے کے لئے ہر طرف سے حملے کئے اور ہر سمت سے بھرپور وار کیا مگر مسلمانوں نے ہر حملہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر وار کا منہ توڑ جواب دیا۔ یہ حملے کبھی جان و مال پر ہوئے اور کبھی دین و ایمان پر، کبھی تیغ و سنان سے نبرد آزمائی ہوئی اور کبھی زبان و قلم سے معرکہ آرائی۔ مسلمانوں پر بڑے بڑے سخت وقت آئے اور گزر گئے، کٹھن سے کٹھن گھڑیاں آئیں اور بیت گئیں۔ دشمنانِ اسلام آندھی کی طرح اُٹھے اور رعد کی طرح گرجے لیکن دینِ حق کی شمع اسی طرح تاباں و فروزاں رہی، گزشتہ بارہ سو سال میں کیا کیا نہ ہوا، صلیبیوں نے بڑے ساز و سامان سے متحد ہو کر حملہ کیا اور ناکام واپس گئے، ترک فاتحانہ آئے اور مفتوح ہو کر رہ گئے۔ پرستارانِ صلیب نے اندلس سے مسلمانوں کو بے دخل کیا تو حلقہ بگوشانِ اسلام نے ان کے عین قلب قسطنطنیہ پر قبضہ جما لیا، تاریخ میں

ان رزم آرائیوں کی یاد آج بھی تازہ ہے۔
معرکۂ قلم میں کیا ہوا فلسفۂ یونان کے اثر سے جو اضطراب فکر مسلمانوں میں پیدا ہو چلا تھا جس کی بدولت الحاد و زندقہ نے جنم لیا، باطنیت اور اعتزال نے زور پکڑا، وہ متکلمین اسلام کی دقیقہ سنجیوں اور موشگافیوں کے مقابلہ میں بالکل نہ ٹھیر سکا، تھوڑی سی عقلی کشاکش کے بعد پادر ہوا ہوا اور بیخ و بنیاد سے اکھڑ کر رہ گیا، لیکن

یہ قصّہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

ادھر دو سو سال سے مسلمانوں پر انحطاط کے آثار نمایاں ہیں اور ان میں اس اولوالعزمی، ولولہ اور جوش کا فقدان ہے جو اُن کے اسلاف کا طغرائے امتیاز تھا ہمتیں پست ہو گئیں اور حوصلے جاتے رہے، اس عرصہ میں انھوں نے ہر حملہ کا مفتوحانہ مقابلہ کیا ہے، پہلے میدانی شکستیں کھائیں، سلطنتوں پر زوال آیا، ملک پر غیروں کا قبضہ ہوا، اب ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں، خاص طور پر وہ طبقہ جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے اور جو ہر جگہ اور ہر ملک میں سیاست و صحافت اور آئین سازی و نظام تعلیم پر مسلط ہے وہ ہمہ تن فاتح قوم کے رنگ میں رنگا ہوا ہے اور کلّی طور پر اس سے متاثر ہے، اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اسی کے کان سے سنتا ہے اور اسی کے دل و دماغ سے سوچتا اور غور و فکر کرتا ہے، اس کے نزدیک ہر شے میں حُسن و قبح کا ٹھیک وہی معیار ہے جو فاتح قوم کا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اسلام پر اس وقت ہر طرف سے جاہلیت جدیدہ کی چڑھائی ہے، اور ہمارا با اختیار طبقہ دیوانہ وار اس کے نافذ کرنے کی دُھن میں تن من دھن سے لگا ہوا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ ایسا سخت وقت مسلمان قوم پر کبھی نہیں آیا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ اسلام اور جاہلیت کی آخری جنگ ہی، اگر مسلمانوں نے اس وقت اس خطرہ کا صحیح احساس کر کے اس کے خلاف پوری طرح صف آرائی نہ کی تو عین ممکن ہے کہ جاہلیت نمایندگانِ اسلام کو ایک چھوٹے سے خطۂ ارضی میں محدود و محصور کر کے رکھ دے۔
یاد رکھیے —— اس جاہلیت کے مقابلہ میں اب تک جو لڑائی لڑی گئی اس کی حیثیت محض دفاعی تھی کہ جہاں تک ہوسکا قوم کو اس سے بچانے کی کوشش کیگئی اور اس سلسلہ میں صرف روکنے اور باز رکھنے کو کافی سمجھا گیا حالانکہ ضرورت اقدامی حملہ

کی تھی، چاہیئے یہ تھا کہ ان علوم وفنون کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا اور ان نظریات وافکار کا علمی محاسبہ کیا جاتا جن کے جلو میں یہ درآمد ہوئی تھی اور اس فلسفہ کی دھجیاں اُڑائی جاتیں جس کے سایہ میں یہ پروان چڑھی تھی اور ایک ایسی نسل تیار کی جاتی جو علوم اسلامیہ سے واقفیت کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی باخبر ہوتی اور وہ ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کی بالادستی کو ثابت کرسکتی لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوسکا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس کے کچھ قدرتی اسباب بھی تھے، فاتح اور مفتوح میں عرصہ تک اجنبیت رہا کرتی ہے اور مدت تک ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا کرتے ہیں، مسلمان ایک غیور قوم تھی اُنھوں نے صدیوں تک اقوامِ عالم کی امامت کی تھی، بارہ سو سال تک وہ متمدن دنیا کے بہت بڑے حصہ پر بلا شرکت غیرے قابض و متصرف رہ چکے تھے، ان کا اپنا فلسفہ تھا علوم وفنون تھے، وہ اپنے اعلیٰ اخلاق اور مذہب وتمدن کے اعتبار سے دنیا جہان سے فائق تھے، تاریخ میں پہلی مرتبہ ان کو مغربی اقوام کے مقابلہ میں اس صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا تھا، ظاہر ہے کہ نفسیاتی طور پر فاتح سے جو نفرت ان کو ہونی چاہیئے تھی وہ ہوئی اور عرصہ تک زندگی کے ہر شعبہ میں انھوں نے من حیث القوم اس سے ترک تعلق قائم رکھا، آخر تابکے،، النَّاسُ علیٰ دینِ ملوکھم"

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

آہستہ آہستہ ان کی مقاومت میں کمی آتی گئی اور ہر جگہ اور ملک میں سب سے پہلے مسلمانوں کے اس طبقہ نے جو نرا دنیا طلب تھا فاتح قوم سے آشتی کی ان کے افکار کو اپنایا ان کی وضع قطع کو اختیار کیا ان کے علوم کو پڑھا اور اپنے اندر ہضم کیا اس سے ان کو خاطر خواہ منافع حاصل ہوئے پھر کیا تھا ساری قوم اسی ڈگر پر چل پڑی، نظامِ تعلیم پر اغیار کا قبضہ تھا انھوں نے اسکول سے لیکر کالج تک زندگی کے ہر شعبے سے اسلامی اثر ونفوذ کو چُن چُن کر نکال ڈالا، آخر جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا، ایک نئی نسل عالمِ وجود میں آئی جو زبانی نعرہ بازی

کا جہاں تک تعلق ہے پُوری اور پکّی مسلمان ہے، سیاسی اور معاشرتی مصالح اس کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہے اور ببانگِ دہل اپنے اسلام کا اعلان کرے، لیکن اس کے تحت الشعور میں اسلام کا کوئی ٹھوس تصوّر نہیں نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ان لوگوں کا یقین ہے، نہ اس کے شعائر کی ان کے دل میں عظمت ہے، نہ اسلامی جذبات ہیں نہ اسلامی غیرت و حمیت، جمہور بہر حال اب بھی مسلمان ہیں مگر ان پر جو طبقہ مسلّط ہے وہ ذہنی طور پر اسلام سے مطمئن نہیں، بدقسمتی سے اسی طبقہ کے ہاتھ میں ان کی زمام ہے اور ادب و صحافت، قانون و عدالت، تعلیم و معاشرت، غرض ہر شعبۂ زندگی پر یہی لوگ ہیں جو ہر جگہ چھائے ہوئے ہیں، ان میں کھُلے ہوئے ملحد بھی ہیں اور چھپے ہوئے منافق بھی، کچھ مومن بھی ہیں مگر حد درجہ ضعیف الایمان کہ اسلام کے لئے بحیثیتِ اسلام کچھ کرنے پر آمادہ نہیں۔

یہ صورتِ حال ہے جو ایک عرصہ سے اُمّتِ مسلمہ کو دعوتِ عمل دے رہی ہے اور ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنا چاہتی ہے۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں را چہ شد

اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی خدمت موجودہ نوجوان نسل کو اسلام سے آشنا کرنا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح بھی بن سکے ان کو اصلی اور پکّا مسلمان بنایا جائے، اہلِ دل اپنی قلبی توجہات سے، اہلِ قلم اپنی تصنیفات سے، معلمین اور اصحابِ درس تعلیم و تدریس سے، خطبا اور مقررین اپنی تقریر و خطابت سے، اربابِ اثر اپنے اثر و رسوخ سے مغرب کے اس طلسم کو توڑیں جس نے اس نسل کو مسحور کر رکھا ہے۔

موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنی بے اطمینانی اور اضطرابِ فکر کو دُور کرنے کے لئے شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ بہت جلد ایسا صالح دلآویز اور موثر اسلامی و دینی اور علمی لٹریچر فراہم کیا جائے جس سے وہ گتھیاں سلجھ جائیں جو مغربی اقوام کے زیر اثر رہنے اور ان کے نظریات و افکار کے مطالعہ نے ان

کے خانہائے دماغ میں پیدا کر دی ہیں تاکہ اسلام اپنی پوری تابانی اور جلوہ گری کے ساتھ ان کے دل و دماغ کو منور کر سکے۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی میں ایک "شعبہ تصنیف" اس سال سے قائم کر دیا گیا ہے اور ماہنامہ:۔

بَیِّنَات

کا اجراء اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے —— یہ رسالہ خالص دینی اور علمی رسالہ ہے۔ جس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اسلام کے اساسی مسائل کی حفاظت، اور عصر حاضر کے علمی فتنوں کی نشان دہی اور ان کے مؤثر جوابات

۲۔ جدید فقہی مسائل کا قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں صحیح حل۔

۳۔ علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، فقہ اصول اور کلام پر علمی مقالات کی اشاعت،

۴۔ جدید تعلیمیافتہ اصحاب کی دینی و علمی تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر اچھے اچھے مضامین لکھنا۔

۵۔ مستشرقین اور دیگر معاندین اسلام نے اسلام کے بارے میں جو مختلف طریقوں سے غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان کا علمی اور ٹھوس طریقہ پر موثر انداز میں ازالہ کرنا۔

اگر آپکو ان مقاصد سے اتفاق ہے

تو خریداری کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوا دیں، یہ رسالہ ماہ بماہ آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے گا، اس کا سالانہ چندہ چھ روپے اور قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے ہے، سردست اس کی ضخامت ۴۸ صفحات ہوگی۔

ہم نے کام بحمد اللہ شروع کردیا ہے

لیکن سرمایہ، وسائل، رجال کار اور سب سے زیادہ خدا کی توفیق اور اس کی اعانت کی ضرورت ہے۔

ہم ملک کے ان تمام حضرات سے جن تک ہماری آواز پہنچ سکتی ہے اور جو اپنے دل میں اسلام کے لئے کچھ درد رکھتے ہیں، یہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ

اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائیں،

اہلِ قلم جن کو اللہ نے لکھنے کی صلاحیت دی ہے وہ قلمی معاونت کریں!

جو اہلِ خیر ہیں وہ اس کی خریداری اور اشاعت میں میں سرگرمی سے حصّہ لیں، اور عام حضرات اپنا وقت نکال کر

اِس کو پڑھنے اور اس کے مطابق اپنے ذہن کو بنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پرنٹر و پبلشر محمّد ادریس۔ مشہور آفسٹ پریس کراچی۔

قرآن کریم اور سنّتِ نبوی کا علمبردار

ماہنامہ بیّنات کراچی

جلد ۱	بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۲ء	عدد ۲

فہرستِ مضامین

جملہ خط و کتابت و ترسیلِ زر کا پتہ

محمد احمد منیجر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵

چندہ سالانہ .... چھ روپے

فی پرچہ .... ۵۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

زندگی میں آپ نے بہت سے ایسے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کو دیکھا ہوگا جو کبھی بڑے عالی شان محل تھے۔ راجہ بادشاہ ان میں رہا کرتے تھے پھر گردش لیل ونہار سے ان فلک بوس عمارتوں کے مکین عالم بالا کو سدھارے، رفتہ رفتہ ان مکانوں کی آبادی ختم ہوگئی اور ایک مدت دراز کے بعد یہ سب ویرانوں میں تبدیل ہوگئے۔ اس قسم کے مناظر روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے آتے اور گزرتے رہتے ہیں، اور چونکہ یہ ایک روزمرہ کی بات ہوکر رہ گئی ہے اس لئے ہم اس انقلاب زمانہ پر توجہ ہی نہیں دیتے۔ لیکن اگر ذرا دیر کیلئے بھی دیدہ عبرت نگاہ سے ان ویرانوں پر ایک نظر ڈالی جائے اور ان کے اس تدریجی انقلاب پر غور کیا جائے تو فوراً ہمارے ذہن میں سب سے پہلے اس وقت کا نقشہ آئیگا جب یہ محلات اپنے مکینوں سے معمور تھے اور ہر طرح کی زیبائش وآرائش سے آراستہ وپیراستہ تھے، پھر وہ منظر سامنے آئیگا جب یہاں کے رہنے والے مرکھپ گئے اور ان عالی شان محلات کا کوئی خبر گیراں نہ رہا پھر اسی طرح مدتیں گزرتی چلی گئیں اور بالآخر طوفان حوادث نے ان کے استحکام پر حملہ کردیا سب سے پہلے ان محلات کا رنگ وروغن اترا پھر چونہ قلعی جھڑنے لگا پھر پتھروں کے گرنے کی نوبت آئی پھر چھت گری دیواریں منہدم ہوئیں اور ساری عمارت زمین پر آرہی تاہم در ودیوار شکستہ کے نقش ونگار اپنے مکینوں کی عظمت ماضی کی اب بھی یادگار ہیں۔

زمانے کے اس تدریجی انقلاب کی جو نوعیت ایک عالی شان فلک بوس عمارت کے تعمیر ہونے سے لیکر رفتہ رفتہ اس کے کھنڈر بن کر زمین پر آرہنے تک ہوتی ہے یہی حالت بعینہ ایک قوم کے بن کر بگڑنے کی ہوتی ہے۔ آیئے اب ذرا ہم اپنی مذہبی حالت کا جائزہ لیں، ایک وقت وہ تھا کہ جب ہم دین کی ہر چیز کے قدر دان تھے اور اپنے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی ہر بات پر جان دیتے تھے۔ توحید سے ہمارا سینہ معمور تھا، اور ہماری زندگی نیکیوں سے بھرپور تھی، فرد ہو یا معاشرہ سب اللہ کی اطاعت میں مصروف نظر آتا تھا، خدا کی حاکمیت اور رسول کی اتباع زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھی،

عدالت میں خدا کا قانون چلتا تھا اور دلوں پر اسی کی حکومت تھی، تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا حرفت، عبادات ہوں یا معاملات سب جگہ اسی کے احکام پر عمل درآمد تھا، غرض قوم گناہ پر دلیر نہ تھی بلکہ اچھائی کو اچھائی اور برائی کو برائی ہی سمجھتی تھی، عہد رسالت کے بعد سے اگرچہ اس صورت حال میں مسلسل کمی ہوتی رہی تاہم ایک ہزار سال تک کسی نہ کسی طرح یہ سلسلہ چلتا ہی رہا جس سے ایوانِ اسلام کی عظمت برابر باقی رہی اور مسلمانوں کا تفوق دوسری اقوام پر بدستور قائم رہا۔

ہزار سالہ دور گزرا تو مسلمانوں میں انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے پھر جس درجہ مذہب سے بعد تھا اتنا ہی زوال آیا، آج ہم کہنے کو تو ساٹھ ستر کروڑ سے کم نہیں لیکن ہماری جو حیثیت اقوام عالم میں ہے سب کو معلوم ہے۔ افسوس ہے کہ اسلام کا سر رشتہ مضبوطی سے پکڑنے کی بجائے اب ہم اسے چھوڑتے ہی جا رہے ہیں، ادھر ہماری شامت اعمال سے اقوام یورپ نے ہم پر حملہ کیا تو رہا سہا شیرازہ بھی درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ پہلے عدالتوں سے خدا کا قانون نکلا، پھر نصابِ تعلیم سے مذہب کا رہا سہا تعلق ختم ہوا۔ اب حالت یہ ہے کہ کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں لیکن ہمارے تحت الشعور میں نہ اسلام کا کوئی ٹھوس تصور ہے نہ اس کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ، یہ تبدیلی ہم میں ایک دن میں نہیں آئی بلکہ اس نے ایک مدت درازلی ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ ہوئی ہے کہ ہم تبدیل ہوتے رہے اور پتہ بھی نہ چلا، پہلے ہمارے ظاہر میں انقلاب ہوا، شکل و صورت بدل گئی، وضع قطع کو خیرباد کہنا پڑا، پھر دل و دماغ میں تبدیلی ہونا شروع ہوئی اور ہم بتدریج ایک ایسی قوم بن گئے جو رنگ کے اعتبار سے تو ایشیائی یا افریقی ہے اور مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان، لیکن دل و دماغ ذہن و فکر اور اپنے طرز معاشرت کے اعتبار سے آپ کو اس میں اور اقوام یورپ میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوگا۔ یہ بات ہر دردمند مسلمان کے سوچنے کی ہے کہ اس صورت حال سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے دوسری طرف ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ امتِ مسلمہ کے آج کل جو لوگ سربراہ ہو گئے ہیں وہ امت میں کس قسم کی اصلاح کے درپے ہیں، کسی ملک کے وزیر اعظم کی حیثیت قوم کے دل و دماغ کی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اگر وہی کجی و کج روی اختیار کرلے تو پھر اس قوم کا اللہ ہی بیلی ہے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں ملایا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمن نے اپنے ورود مسعود سے مملکتِ پاکستان کو رونق بخشی تھی، موصوف نے پشاور میں ۱۳ تاریخ کو اخبار نویسوں سے

بات چیت کے دوران جس دلسوزی کے ساتھ موجودہ زمانے میں مذہبی مشکلات کے حل کی ایک تجویز رکھی ہے اور پھر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسلامی ممالک کی دولتِ مشترکہ قائم کرنے پر جس طرح زور دیا ہے وہ سننے کے قابل ہے فرماتے ہیں :۔

"اسلامی ممالک کی دولت مشترکہ قائم ہوگئی تو وہ باہمی رضامندی سے مسلمانوں کے معاشرتی قوانین کو زمانے کے مطابق بنا سکے گی، انھوں نے کہا کہ بہت سے اسلامی ملک اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں لیکن ان میں سے کوئی تنہا خود کو اس کا اہل تصور نہیں کرتا، لیکن وہ سب ان قوانین پر غور کرنے کیلئے متحد ہو جائیں، انھیں زمانے کے مطابق بنانا ممکن ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر پاکستان نے عائلی قوانین کا جو آرڈی ننس نافذ کیا ہے اور جس کے تحت صرف ایک شادی کی جاسکتی ہے، وہ نیز اس قسم کے دیگر قوانین دولت مشترکہ کو پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح ماہ رمضان المبارک کی مدت بلحاظ موسم تبدیل ہوتی رہتی ہے اور دولتِ مشترکہ قائم ہوگئی تو وہ روزوں کی مدت مقرر کر سکے گی۔ وزیر اعظم ملایا نے کہا کہ اگر اسلامی ممالک نے اس تجویز کی حمایت کی تو زمانۂ حج میں ہر سال اپنے مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع مل سکے گا"

وزیر اعظم کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دینی امور میں ہمارے بڑے آدمیوں کی معلومات کا کیا حال ہے۔ علم و دانش کی انتہا ہے کہ روزوں کیلئے موسم کا تعین ضروری ہے، تاکہ نصف کرۂ ارض پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روزے ٹھنڈے موسم میں رکھے جایا کریں اور نصف کرۂ ارض پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرم موسم میں، اور گرم موسم والے اس اسلامی مساوات کا خون ہونے پر ہمیشہ جلتے رہیں۔ پھر یورپ سے ان بڑے لوگوں کی مرعوبیت بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ اگر ایک شادی پر اکتفا کی گئی تو اسلام زمانے کے مطابق ہوگیا اور معصوم یورپ (جو ہمیشہ ایک ہی عورت پر قناعت کرتا چلا آیا ہے اور عیاشی و بدکاری کے نام تک سے آشنا نہیں اس) کے ان طعنوں سے انھیں نجات مل گئی کہ مسلمان بڑے عیاش ہوتے ہیں اور کئی کئی شادیاں کرتے ہیں، پھر اس مرعوبیت پر پندار کا یہ عالم ہے کہ بزعم خویش یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جو ہم فیصلہ کریں گے قوم سے منوا بھی لیں گے۔ شاید ان لوگوں کو اپنے متعلق یہ خوش فہمی ہے کہ پوری مسلمان قوم بس ان کے کہے پر گوش برآواز ہے اور جیسے ہی اسلامی دولتِ مشترکہ کے دو چار وزراء نے مل کر یہ اعلان کیا کہ آئندہ سے رمضان کے

روزے ہمیشہ ماہ دسمبر میں رکھے جائیں گے تو ساری قوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر ان کے کہے پر فوراً عمل درآمد شروع کردے گی۔

آج کل جو طبقہ اسلامی ممالک میں برسر اقتدار ہے اس کی ذہنیت کا یہ نمونہ ہے۔ ادھر عام مسلمانوں پر کٹھ ملاؤں نے ستم ڈھا رکھا ہے ان کا کام یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح غریب عوام کی اندھی عقیدت سے کام لے کر ان کی جیبوں سے روپیہ بٹورا جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہیں میلاد کے نام پر اور کہیں سیرت کے نام پر اپنے جلسے منعقد کرتے اور اکھاڑے جاتے ہیں اور پھر بڑے بڑے نذرانے وصول کرتے اور خوب دعوتیں اڑاتے ہیں، انھیں زندگی کے مسائل سے کچھ دلچسپی نہیں ان کی بلا سے قوم جنت میں جائے یا جہنم میں انھیں تو اپنے حلوے مانڈوں سے کام ہے۔ ان کے صرف دو کام ہیں ایک گا بجا کر اور مچھے دار تقریریں کر کے اپنی جیبیں گرم کرنا اور دوسرے جو لوگ تعمیری کاموں میں مصروف ہیں ان کے لئے لیتے رہنا، تاکہ قوم ان کے دام فریب سے نکل کر واقعی اصلاح میں مصروف نہ ہو جائے اور ان کی آمدنی میں فرق نہ آجائے، اس لئے ان لوگوں کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ہو سکے اہل حق کو بدنام کیا جائے اور ان کے متعلق عوام کو باور کرایا جائے کہ یہ لوگ رسول کے دشمن ہیں اور اولیاء اللہ کی توہین کرتے ہیں۔ آج اس ملک میں بریلویوں کا کردار یہی ہے آئے دن ملک میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں اور اکابر دیوبند کو جنھوں نے اس ملک میں اسلام کے صحیح خط وخال کو آج تک باقی رکھا ہے برابر برا کہے جاتے ہیں یہ صورت حال کسی طرح بھی مناسب نہیں، اسلام تو عدل کی تعلیم دیتا ہے اور وہ کسی شخص کے متعلق بے جا سختی کا روادار نہیں، یہ لوگ ذرا اپنے ایمان اور ضمیر کا جائزہ لیں، کیا انھوں نے کبھی یہودی، نصرانی، مجوسی، مشرک، کمیونسٹ، دہریے، قادیانی، بابی، منکرین حدیث کے خلاف کبھی کوئی آواز اٹھائی ہے۔ آج اسلامی اقدار اس ملک میں پامال ہو رہے ہیں اس کے بارے میں بھی کوئی کارنمایاں انجام دیا، یا بس ایک گردن زنی ہیں تو فقط دیوبندی، کیونکہ انھوں نے سب سے زیادہ سفید سامراج کا مقابلہ کیا ہے اور اسلامی علوم وفنون اور اسلامی اقدار کی ہر حال میں جی جان سے حفاظت کی ہے۔ ذرا سوچو اور غور کرو بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین۔

قرآن کریم اور سنّتِ نبویؐ کا علمبردار

ماھنامہ بیّنات کراچی

جلد ۱	بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۲ء	عدد ۳

فہرست مضامین

جملہ خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

محمد احمد ناظم شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن ۔ کراچی ۵

چندہ سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چھ روپے

فی پرچہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵۰ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علی رسولہ محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

گزشتہ ماہ میں ۲۷ر اکتوبر کو ملتِ پاکستان نے یوم انقلاب منایا، میں اس روز صبح کو گھر سے نکلا تھا بارہ بجے کے بعد واپس ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے نیچے شامیانہ تنا ہوا ہے اور محلہ کا ایک غریب مزدور جو اپنی ٹانگوں کی خرابی کے باعث تندرستوں کی طرح چلت پھرت بھی نہیں کر سکتا کھڑا ہوا ناچ رہا ہے اور جوان لڑکے اس کے سر پر چپت لگاتے جاتے ہیں۔ میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھتا ہوا اپنے مکان پر چڑھ گیا۔ پھر عصر کے بعد جب نماز پڑھ کر لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اسکول کا ایک لڑکا جس کی عمر مشکل سے آٹھ دس برس کی ہوگی تخت پر کھڑا بڑے انداز سے رقص میں مشغول ہے اور طرح طرح بھاؤ بتا کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے۔ استفسار پر جو لوگ پاس کھڑے ہوئے تھے انھوں نے بتایا کہ جناب یہ کوئی شادی کا ہنگامہ نہیں بلکہ جشنِ انقلاب کی خوشی منائی جا رہی ہے اور آج رات یہاں قوالی ہوگی۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی کہ مسلمان قوم جنھیں سپاہیوں کا کرتب دکھانا چاہیئے تھا کتنی جلدی ہیجڑوں گویوں اور ڈوم ڈھاریوں کا روپ دھار بیٹھی۔ اخبارات نے بھی اس جشن کی جو تفصیل مختلف مقامات کے متعلق دی ہے وہ رقص و سرود، سینما بینی، اور اسی قسم کی واہیات سے پُر ہے۔ ۱۴ر اگست کو بھی ہماری قوم نے جشن پاکستان اسی شان سے منایا تھا حالانکہ اس روز ربیع الاول کی ۱۲ر تاریخ تھی اور کون نہیں جانتا کہ اس تاریخ کو خلاصۂ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے عالم بالا کو رحلت فرمائی تھی۔ ظاہر ہے کہ کوئی غیور قوم اپنی محبوب ترین ہستی کے یومِ وفات کو جشن نہیں منایا کرتی، مگر ہماری قوم کی عقل کا کیا ٹھکانا اس روز گلی گلی میں گانے بجانے کا وہ شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، پھر اس بارے میں مسجد کے قرب و بعد کا بھی ذرا پاس و لحاظ نہ تھا بلکہ ایک طرف مسجدوں میں اقامت کہی جا رہی تھی اور دوسری طرف زور شور سے ریکارڈنگ جاری تھی۔

اللہ کی کسی نعمت پر خوشی کا اظہار کرنا بڑی اچھی چیز ہے، اسلام نے خود شکر نعمت کا حکم دیا ہے مگر ساتھ ہی اس کا طریقہ بھی سکھلایا ہے۔ آخر عیدین میں مسلمان کس طرح اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کیا کرتے ہیں؟ اللہ کی قدرت کے قربان! حصولِ پاکستان کا وقت تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے وہ مقرر تھا جس کا شمار مسلمانوں کے نزدیک متبرک ترین اوقات میں سے ہے۔ جس وقت قیام پاکستان کا اعلان ہوا رمضان المبارک کا اخیر عشرہ اور ماہِ مذکور کی ستائیسویں شب تھی جو تمام راتوں میں افضل ترین رات ہے اور بہت سی صحیح احادیث کے مطابق اسی کا شب قدر ہونا زیادہ قرین صحت ہے۔ یہ پورا عشرہ مسلمانوں کی خصوصی عبادات کا ہے دن کو روزے رکھتے ہیں اور رات کو خدا کی یاد میں بسر کرتے ہیں اور خاص طور پر ستائیسویں شب میں مصروف عبادت رہنے کی جو فضیلت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اس حصول نعمت کا وقت ہی وہ مقرر کیا جو خصوصیت سے بڑی برکت وقبولیت کا ہے۔ اور خدا کے حضور دعا وتضرع کا، تو پھر اس متبرک وقت کو اقوام یورپ کی ریس میں ان اوقات سے بدلنا جو اس برکت سے خالی ہوں کفرانِ نعمت نہیں تو کیا ہے؟ اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر، لیکن اگر یہی لیل ونہار رہا تو قوم سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ خود شب قدر میں اسی طرح عیش وطرب کا مظاہرہ کرنے لگے جس طرح ان جشنوں میں کیا کرتی ہے۔

قوم کی عیش پرستی کی ایک اور خبر سنئے اور کفِ افسوس ملئے:۔

> کراچی۔ ۳۰ اکتوبر (اسٹاف رپورٹر) ڈویژنل ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفیسر مسٹر اشرف نے آج صبح کمشنر سکریٹریٹ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ گذشتہ تین سال میں کراچی میں شراب کی دکانوں میں ۳۳ دکانوں کا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں کراچی میں شراب کی ۱۰۴ دکانیں تھیں، کراچی کے سابق کمشنر نے شراب کی دکانوں کے عام لائسنس دئیے جس کی بنا پر یہ اضافہ ہوا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے حکومت سے کہا ہے کہ آئندہ قانون کے مطابق فیس لیکر لائسنس دئیے جائیں، کراچی میں منشیات کی ناجائز تجارت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔
>
> (روزنامہ انجام یکم نومبر ۱۹۶۲ء)

یہ صرف ایک شہر کراچی کا حال ہے، پاکستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں جتنے شراب خانے ہیں اگران کے مکمل اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو نہ معلوم یہ تعداد کہاں تک پہنچے، محتاط اندازے کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک شراب خواری میں پانچ گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ یہ صورتِ حال ایک ایسے ملک کے لئے جو محض اسلام کے نام پر قائم ہوا ہو کس درجہ افسوسناک ہے۔ قرآن مجید نے نہایت صاف لفظوں میں تنبیہ کی ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ	اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بُت
الْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ	اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ	بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے
أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي	کہ تم میں دشمنی اور بیر شراب اور جوے کے ذریعے
الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ	ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے
وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ۔	سو اب بھی تم باز آؤ گے؟

قرآن مجید نے فلاح اور کامیابی شراب اور جوے کے چھوڑنے میں بتائی ہے مگر پاکستان کے عوام ہیں کہ بے دریغ شراب کے جام پر جام اور خم کے خم لنڈھائے جا رہے ہیں، نہ ان کو شراب پینے میں کچھ عار ہے نہ جوا کھیلنے میں اور حکومت ہے کہ جوے، شراب، زنا سب چیزوں کے لئے بے تکلف لائسنس دیئے چلی جاتی ہے اور ذرا نہیں شرماتی۔ یہ طرزِ عمل ایک ایسی قوم کے لئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتی ہو بڑا ہی شرمناک ہے۔

موجودہ علمی انحطاط کے دور میں جب کوئی علمی کتاب چھپ کر آجاتی ہے تو طبیعت کو بڑی خوشی ہوتی ہے حال ہی میں حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ کی مشہور کتاب تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ بغداد سے طبع ہو کر آئی ہے۔ یہ صرف ان حنفی علما کے تذکرہ پر مشتمل ہے جنھوں نے اپنی کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے مصنف نے تراجم میں حتی الوسع اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ علامہ قاسم حنفی بڑے پایہ کے مصنف گذرے ہیں اور محقق ابن ہمام کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کی جلالتِ علمی کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ حافظ عصر

شیخ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے (جو خود علامہ قاسم کے استاذ بھی تھے) ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں الامام العلامۃ المحدث الفقیہ الحافظ، اور ایک اور موقع پر حافظ ابن حجر نے ان کے حق میں یہ لکھا ہے الشیخ الفاضل المحدث الکامل الاوحد، اور حافظ سخاوی نے الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں ان کی خدمت میں اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وھو امام علامۃ قوی المشارکۃ فی فنون۔

تاج التراجم آج سے پوری ایک صدی قبل مشہور مستشرق فلوگل نے ۱۸۶۲ء میں لیپزک سے شائع کی تھی۔ اور ایک عرصہ سے یہ کتاب بالکل نادر و کمیاب تھی، مکتبہ مثنی بغداد نے اس کو دوبارہ شائع کرکے علمی دنیا پر بڑا احسان کیا۔ حافظ قاسم کی تصانیف میں موطا امام محمد اور کتاب الآثار امام محمد پر تعلیقات کا بھی ذکر ملتا ہے کوئی اللہ کا بندہ اگر ان نادر مخطوطات کو بھی کہیں سے تلاش کرکے شائع کرا دے تو بڑا اچھا ہو۔ تاج التراجم کی طباعت دیدہ زیب ہے اور کاغذ نہایت عمدہ، مگر افسوس ہے کہ طباعت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

ایک ضروری تصحیح

حضرت مولانا محمد چراغ صاحب نے مدیر "بینات" کے نام حسب ذیل مکتوب روانہ کیا ہے:۔

"محمد چراغ صدر مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ ۱۷ ۱۱/۶۲

محترمی مولانا زید کرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غلام احمد پرویز گورداسپوری کے بارہ میں جدید ایڈیشن کا فتوی موصول ہوا۔ اب کے فتوی خوب تیار ہوا ہے بالتفصیل اس کی الحادی عبارتوں کے حوالجات دیئے گئے ہیں پھر ان حوالوں سے تنقیحات قائم کرکے ہر تنقیح پر کتاب وسنت اور اسلامی کتب سے اس پر خوب تبصرہ کیا گیا ہے۔

نئے ایڈیشن کے ص۵۳ پر پرویز کی عبارت سے جو اس پر فتوی عائد ہوتا ہے وہ "معارف" ۱۹۳۵ء کا ہے کتاب میں ۱۹۵۳ء لکھا گیا ہے اس کی ضرور تصحیح ہونی چاہئے۔

نیز حضرت الشیخ مولانا محمد ولی اللہ صاحب کا اسم گرامی "مشاہیر" میں آنا چاہیئے تھا، مطبوعہ ایڈیشن کے ص۱۶۷ پر بالکل غیر معروف سے رنگ میں لکھا گیا ہے۔ حالانکہ میں نے اپنے خط میں نوٹ دیا تھا کہ حضرت بہت بڑے پایہ کے علماء میں سے ہیں۔ مولانا نصیر الدین صاحب شیخ الحدیث و مولانا عبد الرحمن صاحب شیخ الحدیث کے پایہ کے ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب سے سلام عرض کردیں۔ والسلام"

ہم مولانا کے اس توجہ دلانے پر تہ دل سے شکرگزار ہیں، اور اپنی اس کوتاہی پر معذرت خواہ اور شرمسار، ممکن ہے کہ اس قسم کی اور بھی کوئی فروگذاشت ہم سے ہوگئی ہو، اس لئے ہم تمام قارئین فتاوی کی خدمت میں یہ گذارش کرتے ہیں کہ اگر ایسی ہی اور کوئی بات ان کی نظر میں کھٹکے تو وہ ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

(مدیر)

قرآنِ کریم اور سنّتِ نبوی کا علمبردار

ماہنامہ بیّنات کراچی

جلد ۱	بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۶۳ء	عدد ۴

فہرستِ مضامین

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

محمد احمد ناظم شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ - نیوٹاؤن - کراچی ۵

چندہ سالانہ	قیمت فی پرچہ
چھ روپے	۶۰ پیسے

طابع و ناشر محمد ادریس - مشہور آفسٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

وبہ نستعین، وصلے اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ آپ ہندو تہذیب و تمدن کو اختیار کرلیں، سر پر چوٹی رکھیں، ماتھے پر قشقہ کھینچیں، پاجامہ کی جگہ دھوتی پہنیں، لُٹیا سے اشنان کریں، چوکا دے کر کھانا کھائیں، اوک سے پانی پئیں، چھوت چھات کا خیال رکھیں، دان پُن کے وہی طریقے اختیار کریں جو ہندو دھرم کے مطابق ہیں، ماہ و تاریخ کا حساب سمبت بکرمی اور ہندو مہینوں سے لگائیں، دکانوں اور مکانوں پر نام اور پتہ کی جو لوحیں اور تختیاں لگائی جاتی ہیں اور جتنے اشتہار دیئے جاتے ہیں ان کو اردو کی بجائے ہندی میں لکھیں اور اپنا قومی نشان ہلال کی بجائے ترسول یا اور کوئی ایسی چیز مقرر کریں جو ہندوؤں کا مذہبی یا تمدنی نشان ہو تو آپ ان باتوں کو سنجیدگی کے ساتھ سننے کے بھی روادار نہیں ہوں گے اور فوراً بگڑ کر کہہ اٹھیں گے کہ بھلا مسلمان قوم کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ ہندوؤں کی ریس کرنے لگے اور پھر معاً بعد آپ مسلمانوں کی شان میں ایک طویل تقریر شروع کردیں گے جو ان کی رفعت شان و علو مکان اور ہندوؤں کی توہین و تذلیل سے پُر ہوگی۔ یہ کیوں! اس لئے کہ آپ کی قومی خودداری ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتی کہ آپ کسی طرح ہندو تہذیب و تمدن میں رنگ جائیں ــــ ہندو قوم سے آپ کی یہ بیزاری اور ان کی تہذیب و تمدن سے آپ کی یہ وحشت صرف اس لئے ہے کہ آج تک آپ کبھی اس قوم سے مرعوب نہیں ہوئے اور آپ کی ذہنیت نے کبھی ان کے مقابلے میں شکست نہیں کھائی، اس لئے ان کے کفر کی عظمت کو کبھی آپ خاطر میں نہیں لائے۔

لیکن کبھی آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ کیا مسیحیت اور اقوام یورپ کے مقابلہ میں بھی آپ کا طرز عمل وہی ہے جو ہندو قوم کے مقابلے میں ہے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ آپ کے سر پر انگریزی بال ہیں، گلے میں نکٹائی ہے، ٹانگوں میں

پاجامہ کی جگہ پتلون ہے، نہانے کے لئے انگریزی وضع کا ٹب درکار ہے، دعوتوں میں کھڑے ہوکر کھانا پسند ہے، پینے کے لئے بائیں ہاتھ کے استعمال میں کوئی تکلف نہیں چھوت چھات کی جگہ جراثیم کے ڈر اور خوف نے لے لی ہے، ہلال احمر کی جگہ صلیب احمر کی عملداری ہے، ماہ وتاریخ کے لئے ہجری نبوی قمری ماہ وسال کی بجائے انگریزی شمسی مسیحی ماہ وسال کا رواج ہے۔ مکانوں دکانوں اور اشتہاروں میں اردو کی بجائے انگریزی کا دور دورہ ہے اور انہی ہی باتوں پر بس نہیں زندگی کا کونسا شعبہ ایسا ہے جس میں آپ اقوام یورپ کی ریس نہیں کرتے، پھر یہ کیا بات ہے کہ ہندوؤں سے تو آپ کو اتنی اجنبیت ہے حالانکہ قوم وطن زبان اور نسل کے اعتبار سے آپ میں اور ان میں چنداں فرق نہیں (کیونکہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی بہت تھوڑی اقلیت ہے جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوگئی ورنہ یہاں کی مسلم اکثریت نسل کے اعتبار سے ہندو قوم سے جدا نہیں ہے) اور انگریزوں سے اتنا پیار ہے کہ ان کی کوئی چیز چھوڑنے کو آپ کا دل نہیں چاہتا؟ بس بات وہی ہے کہ انگریزوں نے آپ کو اتنا پیٹا ہے کہ اب آپ میں کچھ سوچنے کی سکت ہی نہیں رہی۔ آپ اپنے فاتح سے اس درجہ مرعوب ہوئے ہیں کہ ہر وقت اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے رہتے ہیں، پہلے زمانے میں لڑائی ہوتی تھی تو افراد کو غلام بنایا جاتا تھا مگر اس زمانے میں پوری قوم کو غلام بناتے ہیں اور اس سلیقہ کے ساتھ کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے، غلام قوم کے قوائے فکریہ مفلوج ہوں اور اس کے علم وعمل کی تمام صلاحیتیں اپنے آقا کے منشا کے مطابق کام کرنے لگ جائیں، پوری قوم اپنے فاتح کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو اور اس پر فخر کرے بعینہ یہی حال ہمارا ہے کنونشن مسلم لیگ کے سربراہ جناب چودہری خلیق الزماں صاحب کس بے باکی کے ساتھ علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ

"اس صدی میں جہاد کا تصور مضحکہ خیز ہے"

برطانیہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "لیگسی آف اسرائیل" اس کے صفحہ ۱۲۹ پر روحی فداہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فرضی تصویر شائع ہوئی ہے جس میں آپ کو براق پر سوار معراج کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، یہ اس کتاب کی دوسری اشاعت ہے جو ۱۹۵۳ء میں طبع ہوئی ہے۔ پہلی بار یہ کتاب برطانیہ کے مشہور آکسفورڈ پریس سے ۱۸۲۷ء میں شائع ہوچکی ہے۔ چند ماہ پہلے اسی تصویر کا ایک حصہ شائع کرنے پر حکومت پاکستان مشہور امریکی رسالہ لائف کو ضبط کرنے کا بھی

حکم دے چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کتاب کا موجودہ ایڈیشن کراچی کے بڑے بڑے کتب فروشوں کے پاس فروخت کے لئے اب بھی موجود ہے۔

صلیب احمر (ریڈ کراس) کے پرچم تلے صدیوں تک مسیحی دنیا نے مسلمانوں سے جنگ کی ہے۔ یہ عیسائیوں کا قومی اور مذہبی نشان ہے۔ آج بھی ساری مسیحی دنیا میں طبی امداد کے ادارے اسی نام سے موسوم ہیں اور ان کا نشان یہی صلیب احمر ہے جو ان کے زعمِ باطل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی یادگار ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا فسانہ سراسر غلط اور محض جھوٹ ہے۔ جس میں ذرہ برابر بھی حقیقت کا شائبہ نہیں۔ خود قرآن کریم نے عیسائیوں کے اس دروغ بے فروغ کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی ہے لیکن ہماری مملکت پاکستان کی طبی تنظیم بھی اسی نام و نشان کے ساتھ قائم ہے اور آج اس مملکت کو قائم ہوئے جو محض اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تھی۔ اگرچہ پورے پندرہ سال ہوگئے مگر کیا مجال کہ یہ اسلام دشمن نام و نشان جو سرتاسر شعارِ کفر و یادگارِ اہلِ صلیب ہے ہمارے ارباب اقتدار کی نظر میں ذرا بھی کھٹکے۔ حالانکہ دنیا کے اور مسلمان ملکوں میں جہاں ان کی اپنی طبی تنظیم ہے، مسلمانوں نے اس کا نام "ہلال احمر" رکھا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ شمارہ میں ہم نے ملایا کے وزیر اعظم جناب ٹنکو عبد الرحمٰن صاحب کے اس بیان پر کڑی تنقید کی تھی جو موصوف نے ۱۳ر اکتوبر کو پشاور میں اخبار نویسوں کے بھرے مجمع میں اسلامی دولتِ مشترکہ کی ضرورت بتاتے ہوئے دیا تھا، بعد کو بعض موثق ذرائع سے معلوم ہوا کہ وزیر موصوف کی تمام باتیں بطور طنز تھیں مگر ہمارے اخبار نویسوں نے خوش فہمی سے اسے حقیقت پر محمول جانا۔ مقامی اخبارات میں ملایا کے مروجہ قانون کے بارے میں جو خبر شائع ہوئی ہے اس سے بھی یہ گمان قوی ہو جاتا ہے کہ وزیر موصوف نے واقعی ہم پر صحیح معنی میں طنز ہی کیا ہوگا یہ خبر حسب ذیل :۔

"ملایا میں غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے
مذہبی عدالتوں سے اس جرم کے مرتکبین کو سزائیں دیدی جاتی ہیں"

کوالالمپور ۱۹ر دسمبر۔ ملایا میں "خلوت" لفظ کے معنی یہ ہیں کہ "مخالف جنسوں یعنی مرد عورت کا ملاپ یا

میل جول" ۔ ملایا میں اسلامی قوانین کے ماتحت خلوت کا مرتکب ہونا ایک جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اگر کوئی مسلم مرد یا عورت ماسوائے میاں بیوی کے کسی غیر عورت یا مرد سے میل ملاپ کرے تو وہ گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلم عورت یا مرد کسی غیر مسلم عورت یا مرد کے ساتھ ایک کمرہ میں، یا ایک بنچ پر، یا ایک ہی پلنگ پر بیٹھے دیکھے جائیں تو اس اقدام کو بھی معیوب اور خلاف قانون تصور کیا جاتا ہے۔ گذشتہ کئی مہینوں کے دوران اس طرح کے (خلوت کے) واقعات مذہبی عدالتوں میں پیش کئے گئے ہیں، ان مقدمات میں بعض لوگوں کو جرمانے اور سزائیں بھی دی گئیں اور بعض کو بالکل بری کر دیا گیا۔

اس سلسلہ میں ملایا کی ہر ایک اسٹیٹ کے الگ الگ قوانین و ضوابط ہیں ملایا کی بعض اسٹیٹوں میں خلوت کیلئے لوگوں نے کڑی سے کڑی سزا مقرر کرنے کا مطالبہ کیا ہے، مثال کے طور پر سیلن کے مسلم لیڈروں نے تجویز کیا ہے کہ اگر غیر مسلم بھی کسی مسلم عورت یا مرد کے ساتھ "خلوت" کے مرتکب ہوں تو انھیں بھی سزائیں دی جانی چاہئیں۔ اس وقت ملایا میں غیر مسلم لوگوں پر مذکورۂ بالا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ملایا میں موجودہ آئین کے مطابق غیر مسلم لوگوں کو اس طرح کی آزادی ہے۔ اس لئے اگر "خلوت" کے متعلق قانون کو غیر مسلم لوگوں پر بھی لاگو کرنا ہوگا تو حکومت کو آئین میں ترمیم کرنا پڑیگی، لیکن اس سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے کہ ان مسلم عورتوں یا مردوں کو بھی سزا دی جایا کرے جو ایک بیوی یا خاوند کی موجودگی میں غیر مسلم بیوی یا خاوند کو رکھتے ہیں۔

اسوقت ملایا میں مسلمانوں کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی غیر مسلم ایسا کرے تو اس کیلئے کم سے کم سات برس کی سزا مقرر ہے[له]، اسی طرح حال ہی میں سنگاپور کے ایک ہندوستانی باشندے کو گرفتار کیا گیا اور اسے ۲۵ ڈالر جرمانہ کی سزا دی گئی۔ اس واقعہ کو ملایا کے اخبارات نے خوب شائع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذکورہ کیس کی روشنی میں ہائی کورٹ کے ججوں کو بھی متعلقہ معاملہ کے بارے میں چھان بین کی ضرورت پڑی اور اس وقت ملایا کے عوامی لیڈر اس بارے میں کافی غور و خوض کر رہے ہیں۔"　　(روزنامہ انجام ج ۲۱ ع ۳۳۰ مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء)

غور فرمائیے ملایا کے موجودہ قانون میں اجنبیہ کے ساتھ "خلوت" سنگین جرم ہے۔ اور ہمارے ملک میں غیر مردوں کے ساتھ عورتوں کا بے باکانہ اختلاط فیشن میں داخل ہے۔ ملایا میں مسلمان مرد کو چار شادیوں کی عام اجازت ہے اور ہمارے ملک میں دوسرا نکاح کرے تو اس پر قدغن ہے۔

[له] غالباً اس میں غیر مسلم پرسنل لاء کی رعایت ملحوظ ہے۔

جلد ۱ | بابت ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۶۳ء | عدد ۵

فہرست مضامین

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

محمد احمد ناظم شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ۔ نیوٹاؤن۔ کراچی ۵

چندہ سالانہ	قیمت فی پرچہ
چھ روپے	۶۰ پیسے

طابع و ناشر محمد ادریس۔ مشہور آفسٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

الحمد للہ الذی احاط بکل شئ علما، ووسع کل شی رحمۃ وحلما، وصلے اللہ علی خاتم الانبیاء محمد نبی الرحمۃ، وخیر نبی بعث الی خیر امۃ، وعلے آلہ واصحابہ وسلم تسلیماً کثیرا، اما بعد

پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور صرف اسی مقصد کے لئے ملک کی تقسیم عمل میں آئی ہے کہ یہاں خدا کا قانون نافذ ہو، اس امت کا طغرائے امتیاز بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، امت مسلمہ کو جو "خیر امت" کہا گیا ہے وہ بھی اسی لئے کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ع ۱۱)

تم بہترین امت ہو جو عالم میں بھیجی گئی اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

معلوم ہوا "خیر امت" بننے میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ دخل "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو ہے اور اسی حکم کی بجا آوری پر مسلمانوں کو یہ لقب عطا فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ جب کسی ملک میں مسلمانوں کو تسلط و اقتدار عطا فرمادے تو خود سوچ لیجئے کہ اس سلسلہ میں ان کی ذمہ داری کتنی بڑھ جاتی ہے، چنانچہ دوسرے موقع پر مسلمانوں کی اسی فرض شناسی کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔ (الحج ع ۶۴)

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو ملک میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور بھلے کام کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں۔

یہ دونوں آیتیں آپ نے پڑھ لیں اب ذرا ان کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لیجئے آج آپ کے ملک میں "اقامت صلوۃ" کا کیا حال ہے۔ روزانہ نمازوں کے اوقات میں ذرا اذان کے بعد کسی شہر قصبہ یا گاؤں کا جائزہ لے لیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ نمازیوں کی تعداد آپ کے ملک میں کتنی ہے۔ مؤذن کی اذان پر کتنے لوگ ہیں جو اپنا سب

کام کاج چھوڑ کر مسجد کی راہ لیتے ہیں اور کتنے ہیں جو حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کی منادی کو سرے سے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ ہمارے کارخانوں، دفتروں، بازاروں اور تفریح گاہوں کی ہما ہمی میں کبھی اس پرجلال آواز سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ ریل کے تمام ڈبے مسافروں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے ہیں، ان مسافروں میں کبھی نماز کے لئے بھی آپ نے کوئی ہل چل محسوس کی؟ آپ کی حکومت روزانہ نئے محلے اور کالونیاں بناتی رہتی ہے۔ تعمیر کے نقشے میں ضروریاتِ زندگی کی ساری ہی چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پارک، سینما، ڈاک خانے شفاخانے سب کے لئے آبادی کے تناسب سے مناسب جگہیں مقرر کر دی جاتی ہیں پھر کیا مسجدوں کی تعمیر کے سلسلہ میں بھی ہر محلے اور کالونی میں اسی طرح کا اہتمام کیا جاتا ہے جس طرح کا اہتمام، پارک، سینما، سڑک، ہسپتال، تھانہ اور اسکول کا ہوتا ہے؟ کیا آپ کے تعمیری بجٹ میں جس طرح اور سرکاری عمارتوں کے لئے رقم مخصوص کی جاتی ہے اسی طرح مسجدوں کے لئے بھی کی جاتی ہے؟ مسجدوں کی تعمیر تو درکنار آئے دن یہ قضیے اٹھتے رہتے ہیں کہ فلاں مسجد سرکار کی بغیر اجازت بن گئی لہذا اسے ہٹا دینا چاہئے۔ آپ کے شہر کراچی میں کتنے نئے محلے اور کالونیاں ہیں کہ جہاں کے باشندے جماعت سے صرف اس لئے محروم ہیں کہ قریب میں کوئی مسجد نہیں۔ ربین کی مسجد کا قصہ آج کل اخبارات میں چل رہا ہے کہ وہاں مسجد کی زمین عیسائی مشنری کو دیدی گئی۔ چنانچہ اس کی واگذاشت کیلئے کوششیں جاری ہیں۔

زکوٰۃ پر نظر ڈالئے، کتنے مالدار ہیں جو باضابطہ حساب کتاب کر کے پابندی سے زکوٰۃ نکالا کرتے ہیں تفتیش کیجئے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں، لاکھوں مالداروں میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اس فرض کو صحیح طور پہ حکم شرع کے مطابق بجالاتے ہیں۔

روزوں کے زمانے میں روزانہ کھلے دھڑلے ہوٹلوں میں پردہ ڈال کر شکم پُری کی جاتی ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں کہ اللہ کے بندو کیا کر رہے ہو۔ رمضان میں ایک طرف مسجد میں نماز تراویح ہوتی ہے اور دوسری طرف اسی مسجد کے زیر سایہ ریکارڈنگ جاری رہتی ہے۔ ملکی ریڈیو کا پروگرام بھی حسب معمول چلتا ہی رہتا ہے۔ اور اس کے نشریات غنا و موسیقی پر رمضان کی آمد و رفت کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

حج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے ملک میں ان اغنیا کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جن پر حج فرض ہو گیا ہے وہ حج کرنا چاہتے بھی ہیں لیکن حکومت کی طرف سے قدغن ہے کہ ایک محدود تعداد کے علاوہ کسی کو حج کی اجازت

نہیں یہ صریح ظلم ہے۔ اس پابندی کو فوراً ختم ہونا چاہیئے۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس ملک میں جو اسلام کے نام پر بنا تھا۔ احتساب کا محکمہ قائم ہوتا جو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا مگر اُلٹا ہو یہ رہا ہے کہ ادائیگی فرض پر پابندی ہے۔ کبیرہ گناہوں کا کھلے بندوں لائسنس دیا جاتا ہے۔ کسبیاں زنا کی باضابطہ سرکار سے اجازت لیتی ہیں۔ ریس اور طرح طرح کے جوے خود سرکار کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ حکومت کا بنک سودی کاروبار کرتا ہے۔ شراب کی تجارت کا پرمٹ حکومت خود عطا کرتی ہے۔ مخلوط تعلیم، رقص وسرود کی سرپرستی حکومت کے اپنے بجٹ سے ہوتی ہے۔ لوگ آئے دن ان منکرات کے خلاف آواز اٹھاتے اور صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں مگر ع

صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

ابھی گذشتہ ماہ میں ۱۶ جنوری کو کراچی میں فریر مارکیٹ میں شراب خانہ کھولنے کی اجازت دینے پر احتجاج کے طور پر مکمل ہڑتال کی گئی، اسی تاریخ کو پشاور میں "یوم حیا" بھی منایا گیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ زنانہ ہسپتال میں صرف خواتین ڈاکٹر کام کریں۔ مگر ان احتجاجوں سے ہوتا کیا ہے یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ویسے ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا، مرض لاعلاج نہیں، آپ ہمت کریں تو اس صورت حال کا مداوا اب بھی ہو سکتا ہے۔ بس آج سے عہد کر لیجئے کہ کچھ بھی ہو اپنے آپ کو اسلامی زندگی میں ڈھالنا ہے، پہلے اپنے گھر سے ابتدا کیجئے سب سے اول اپنی فکر ہو پھر جن پر زور ہو ان کی اصلاح میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھئے۔ دوست احباب میں جہاں زور نہ چلے زبانی فہمائش سے کام لیجئے۔ جہاں نہ اپنا زور چلے نہ زبانی فہمائش کام دے وہاں دل سے بیزاری کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اجتماعی انقلاب کی کنجی یہ ہے کہ ووٹ کا صحیح استعمال کیجئے، صرف انھیں لوگوں کو ووٹ دیجئے جو سچے اور پکے مسلمان ہوں اور اسلام کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ اور حوصلہ رکھتے ہوں، دین دشمن اور بدکار و بدکردار لوگوں کی حیلہ سازیوں اور چالبازیوں سے بچئے، سوچئے یہ باتیں دل کو لگتی ہیں؟ تو پھر ان پر عمل کیوں نہ کیا جائے۔

قرآن کریم اور سنتِ نبویؐ کا علمبردار

ماہنامہ بینات کراچی

جلد ۱	بابت ماہ شوال و ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ مارچ و اپریل ۱۹۶۳ء	عدد ہ ۶ ، ۷

فہرست مضامین

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

محمد احمد ناظم شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ - نیوٹاؤن - کراچی ۵

چندہ سالانہ	اس پرچے کی قیمت
چھ روپے	۷۵ پیسے

طابع و ناشر محمد ادریس - مشہور آفسٹ پریس کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وبہ نستعین

فکر و نظر

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد

قومی اسمبلی کا اجلاس ۸ مارچ سے ڈھاکہ میں ہو رہا ہے موجودہ سیشن چھ ہفتوں تک جاری رہے گا، اس میں بعض نہایت اہم بل پیش کئے جائیں گے جس میں ایک بل اس ملک کے نام سے بھی متعلق ہے، ۵۶ء کے آئین میں اس ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" تجویز کیا گیا تھا جس کا ملک میں ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور فوجی حکومت کے قیام تک ملک کا یہی نام برقرار رہا۔ لیکن موجودہ آئین میں بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس نام کو تبدیل کر دیا گیا۔ اب عوام کے پرزور احتجاج سے مجبور ہو کر حکومت خود اس سلسلہ میں ایک بل پیش کر رہی ہے اور مملکت کے سابقہ نام کو بحال کرنا چاہتی ہے حکومت کا یہ اقدام یقیناً مستحق تحسین ہے۔ یہ نام درحقیقت پاکستان کی آئیڈیالوجی کا صحیح عنوان اور اس کے نصب العین کا حقیقی آئینہ دار ہے ہم حکومت اور عوام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے کردار و عمل سے اس نام کی عظمت کو قائم رکھیں گے۔

اس سیشن کے موقع پر محترم نمایندگانِ قوم وملت سے ہماری ایک گذارش ہے امید ہے کہ وہ ہماری اس گذارش کو ٹھنڈے دل سے سنیں گے۔

یہ ملک جو صرف اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے اس میں چاہئے تو یہ تھا کہ اسلام کو پھولنے پھلنے کا موقعہ دیا جاتا کہ یہاں کے لوگ اسلامی نظام حیات کے مطابق اپنی زندگیاں گذارتے اور اس طرح وہ دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار ہوتے لیکن بدقسمتی سے یہاں اس کے بالکل برعکس حالات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسلامی روح کو بری طرح کچلا گیا، اور اسلام کی ہر چیز کا ملا کا مذہب کہہ کر مذاق اڑایا گیا اسلامی اقدار مجروح ہوئے، آرٹ کونسلوں کی سرپرستی کی گئی تاکہ ملک میں عریانی اور فحاشی عام ہو، باطل فرقوں اور انتشار پسند گروہوں کی ہمت افزائی کی گئی، یہ سب کچھ اس مٹھی بھر اقلیت کی طرف سے عمل میں آیا جو اس ملک پر بدقسمتی سے مسلط ہو گئی تھی اور مغرب پرستی جس کی روح میں سرایت

کئے ہوئے تھی۔

اس اقلیت نے پہلے ہی دن یہ محسوس کر لیا تھا کہ عوام کا ذہن چونکہ مذہبی ہے اس لئے اسلام کا نعرہ تو خوب زور شور سے لگاتے رہنا چاہئے مگر اسلام کو اس طرح مسخ کر دینا چاہئے کہ وہ "اکبری دین" بن کر رہ جائے۔ اس فکر نے ان کو دین میں "تجدد" کے راستہ پر ڈال دیا، متعدد ادارے وجود میں لائے گئے جن کا مقصد وحید صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو اصل اسلام سے کس طرح برگشتہ کیا جائے اور شکوک و شبہات کی پرخار وادی میں ان کو کیونکر الجھایا جائے۔ ان اداروں سے جو لٹریچر اب تک شائع ہو چکا ہے انصاف سے اگر اُن کا جائزہ لیا جائے تو ہر مسلمان اسی فیصلہ پر پہنچے گا۔ ان اداروں کا وجود ہی مسلمانوں کے لئے کچھ کم ضرر رساں نہ تھا کہ حکومت نے مسلمانوں کے مذہبی قانون میں مداخلت شروع کر دی۔ اس تجدد پسندی کی پہلی قسط عوام کو اس طرح وصول ہوئی کہ ۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو مرکزی حکومت کی طرف سے ایک آرڈیننس بنام "فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء" جاری ہوا۔ اس آرڈیننس کے خلاف ملک کے ہر گوشہ سے آواز اٹھائی گئی۔ علماء اور دین پسند طبقہ نے نہایت جرأت سے برملا کہا کہ اس قانون کی متعدد دفعات احکام قرآن وسنت کے صریح خلاف ہیں اور مسلم معاشرہ کے لئے نہایت نقصان دہ ہیں۔ اور بالکل صحیح کہا گیا کہ اس آرڈیننس کو ایسے لوگوں نے مرتب کیا ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلامی احکام سے واقف نہ تھے بلکہ مغربی تصورات اور مغربی تہذیب وتمدن سے اس حد تک متاثر تھے کہ احکام خدا اور رسول میں بھی وہ ان تصورات کے مطابق ترمیم کرنے سے باز نہ رہ سکے۔ "بینات" میں ایک نہایت ہی مدلل ومفصل مقالہ بعنوان "عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں" مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اور اب ہم اس شمارہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب زید مجدہم کا ایک جامع مقالہ اسی مضمون پر شائع کر رہے ہیں جس کے مطالعہ سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس آرڈیننس کی اکثر وبیشتر دفعات اسلام کے صریح خلاف ہیں۔

ملک کی قومی اسمبلی بھی اپنے ابتدائی اجلاس میں واضح اکثریت کے ساتھ اس آرڈیننس کا قابل تنسیخ ہونا ظاہر کر چکی ہے۔ جناب صدر پاکستان بھی سابق میں یہ تصریح کر چکے ہیں کہ اگر پارلیمنٹ مناسب سمجھے گی تو قانون کو منسوخ کر دے گی۔

اس بنا پر جناب صدر اور آپ تمام حضرات سے ہماری نہایت دلسوزی کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ اس بار اس سیاہ وبدنام آرڈیننس کو آپ حضرات ختم کر کے ہی اٹھیں۔ مشرقی پاکستان کی دین پسند

سرزمین سے اس قانون کے خاتمہ کا اعلان ملک کی عظیم اکثریت کے قلوب کی آواز ہوگا۔ اور دین میں ترمیم و تحریف کے باب کا خاتمہ۔

اس ماہ کراچی میں " موتمر العالم الاسلامی " کا اجلاس منعقد ہوا جو ۳ رمارچ سے لیکر ۸ رمارچ تک جاری رہا موتمر میں اقطار عالم سے ممالک اسلامیہ کے نمایندے شریک ہوئے جن میں بعض اکابر علماء بھی تھے۔ ان میں جناب مفتی امین الحسینی صاحب مفتی اعظم فلسطین نے ایک جمعہ جامع مسجد نیوٹاؤن میں ادا کیا۔ موصوف نے حضرت مولانا بنوری مدظلہ العالی کو ٹیلیفون پر پہلے سے اطلاع دیدی تھی کہ میں چند رفقاء کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آرہا ہوں مفتی صاحب کی تشریف آوری پر حضرت مولانا نے ان سے اصرار کیا کہ نماز جمعہ آپ پڑھائیں لیکن مفتی صاحب اس پر رضامند نہیں ہوئے فرمانے لگے کہ میں تو خاص طور پر آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے آیا ہوں۔ پیر کی صبح کو دمشق کی کلیۃ الشریعۃ کے استاذ محمد المنتصر الکتانی اور مفتی لبنان عبد اللہ ندیم الجسر خصوصی طور پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو دیکھنے اور حضرت مولانا ممدوح سے ملنے کے لئے آئے۔ صبح کا ناشتہ یہیں کیا، دیر تک مجلس مذاکرہ گرم رہی۔ کتانی صاحب کلیۃ الشریعیہ میں حدیث و تفسیر کے پروفیسر ہیں اور ایک مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جعفر کتانی صاحب الرسالۃ المستطرفہ کے احفاد میں سے ہیں خود بھی صاحب قلم ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ عبد اللہ ندیم الجسر بھی صاحب تصانیف عالم ہیں، ان کے والد علامہ حسین الجسر کا شمار اسلام کے بڑے متکلمین میں ہے ان کے رسالہ حمیدیہ سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے۔

دنیا کا قیام صلحا کے دم سے ہے۔ جب اللہ والے نہ رہیں گے دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ سال رواں اور سال گذشتہ میں اتنے باخدا بزرگ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے کہ اہل دل اسے قیامت کی نشانی سمجھنے لگے۔ خطباء و زعماء میں مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی متکلمین میں مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی امام اہل سنت والجماعت، ارباب قلوب میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی، یہ سب وہ حضرات ہیں جن سے علم و عرفان کی شمعیں روشن تھیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک امت تھا

افسوس کہ سال گذشتہ یہ سب حضرات یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوئے (رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً)

اس سال کا سب سے بڑا حادثہ جس نے ارباب قلوب کی کمر توڑ دی، بزم عرفاں میں جس سے زلزلہ آگیا وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات ہے۔ حضرت ممدوح کی وفات کا غم ابھی تازہ تھا کہ اسی بزم کا ایک اور رکن اللہ کے حضور جا پہنچا یہ حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پوری ہیں جنہوں نے گذشتہ ماہ رمضان کی ۲۱ تاریخ کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت موصوف کی عمر ۸۵ سال تھی۔ موصوف کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا جب تک قویٰ بحال رہے اور سفر کی استطاعت رہی پابندی سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مدت تک قیام پذیر رہتے۔ مجھے حضرت مفتی صاحب مرحوم سے سب سے پہلے خانقاہ رائپور ہی میں شرف نیاز حاصل ہوا، یہ رمضان ۱۳۶۶ھ کا واقعہ ہے جس سال ملک کی تقسیم عمل میں آئی۔ پھر جب کبھی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لاتے اکثر حضرت ممدوح کے یہاں جناب مفتی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوتا مفتی صاحب ایک با خدا بزرگ اور پختہ عالم تھے۔ دینی صلابت میں ممتاز تھے، بدعت کے شائبہ پر بھی بے اختیار برہم ہو جاتے تھے۔ اس کا تجربہ راقم الحروف کو رائے پور کے دوران قیام اسی ماہ رمضان میں ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اس سال جبکہ خانقاہ میں تراویح کی امامت موصوف فرزند جناب مولانا عبداللہ صاحب کو تفویض ہوئی۔ موصوف نے مولوی اشفاق صاحب کے کہنے سے جو بڑے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے ختم قرآن میں سورۂ اخلاص کی تین بار تلاوت کی چونکہ اس طرح ختم قرآن میں سورہ کی تکرار تعامل صحابہؓ سے ثابت نہیں حضرت مفتی صاحب اس پر سخت برہم ہوئے۔ سلام پھیرتے ہی صاحبزادے کو سخت تنبیہ کی کہ یہ کیا بدعت ہے۔ اس وقت حضرت مفتی صاحب کا جلال قابل دید تھا لفظ لفظ سے اتباع سنت کے جوش کا مظاہرہ ہو رہا تھا، ساری مجلس دم بخود تھی۔ مولوی اشفاق صاحب نے صاحبزادہ کی طرف سے دفاع کرنا چاہا لیکن مفتی صاحب نے ان کو روک دیا۔ رائے پور کی مسجد کا یہ پر جلال منظر آج بھی خاکسار کی نظروں میں پھر رہا ہے۔ افسوس کہ اب ایسی ہستیاں برابر اٹھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

٭

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ؐ کا علمبردار

ماہنامہ بیّنات کراچی

جلد ا	بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۶۳ء	عدد ۸

فہرست مضامین

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

محمد احمد ناظم شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ۔ نیوٹاؤن۔ کراچی ۵

چندہ سالانہ: چھ روپے

قیمت فی پرچہ: ۶۰ پیسے

(مولانا محمد ادریس طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ پریس کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المرسلین و خاتم النبیین وعلی آلہ وعترتہ وازواجہ واصحابہ وحزبہ الذین بھداہ اھتدوا فکانوا من المفلحین۔

اما بعد

یورپ نے اپنے دورِ استعمار میں ایشیا اور افریقہ کے اندر اپنے پرستاروں کی ایک کھیپ تیار کی تھی اور بدقسمتی سے اسلامی ممالک میں جہاں جہاں سے بھی اہلِ فرنگ نے اپنا بوریہ بستر باندھا یہی لوگ ان کی مسندِ اقتدار پر آبیٹھے۔ دانایانِ فرنگ نے ان لوگوں کی جس طرح ذہنی اور دماغی تربیت کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی شعائر کے مظاہرہ کے موقع پر یہ لوگ ہمیشہ مسلمان قوم کے آڑے آتے رہتے ہیں چنانچہ رائٹر کی ۲۶ اپریل کی اطلاع ہے کہ

"الجزائر کے وزیر اعظم جناب احمد بن باللہ نے الجزائری عوام سے اپیل کی ہے کہ ملک میں مویشیوں کی دولت میں تشویش انگیز کمی کے مدنظر عید اضحیٰ کے موقع پر ہر مسجد میں متعلقہ آبادی کی طرف سے صرف ایک بھیڑ کے ذبیحہ پر اکتفا کی جائے۔

انھوں نے کہا ہے کہ آزادی کے عالم میں عید کی مبارک رسم کے موقع پر بیجا اسراف سے گریز اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ گذشتہ آٹھ سالہ جہاد آزادی کے دوران ملک کی ایک کروڑ بھیڑوں کی تعداد اب کل تیس لاکھ رہ گئی ہے اور اگر عید روایتی دریا دلی سے منائی گئی تو مزید تین لاکھ بھیڑیں ذبح کردی جائیں گی۔

وزیر اعظم نے قوم کے نام یہ اپیل ایک ریڈیو ٹیلیویژن پروگرام کے ذریعہ کی"۔

(روزنامہ "حریت" مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۳ء ص ۱۔ کالم ۷)

یاد رہے یہ اسرافِ بیجا اور قومی دولت کے ضیاع کا خطرہ ان لوگوں کو صرف اسی وقت ستاتا ہے جب مسلمانوں کے

مذہبی فرائض کی بجا آوری کا وقت آتا ہے، چنانچہ عین قربانی کے وقت بن باللہ صاحب کو اپنی قومی دولت کی حفاظت کا خیال آیا جس طرح ہماری سرکار دولت مدار کو عین ایام حج میں زرِ مبادلہ کا فکر ستایا کرتا ہے۔ غرض ان لوگوں کے نزدیک مسلمان قوم کے اسراف بیجا اور نقصانِ زر کا اگر کوئی وقت ہے تو وہ حج و قربانی کا وقت ہے۔ رہا شراب و کباب، سودی کاروبار، جوا اور قمار بازی، رقص و سرود اور سینما، زناکاری و عیاشی، حکومتوں کے ڈنر اور قومی جشن، اربابِ اقتدار کے آئے دن کے بیرونی ممالک کے دورے، سفارت خانوں کے اللّے تللّے کے خرچ، سو ان چیزوں سے قومی دولت میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے نقصان نہیں۔ یورپ و امریکہ سے جس قدر آرائش و زیبائش کا سامان آئیگا جتنی غیر ملکی فلمیں درآمد ہوں گی، جنسی کتابیں آئیں گی، ولایتی شراب منگائی جائے گی، فنکار اور موسیقاروں کی آمد و رفت بڑھیگی اتنا ہی زرِ مبادلہ بچے گا اور قومی دولت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی۔

علمی حلقوں میں یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت علامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کی گرانقدر اور بیش بہا تالیف منیف معارف السنن کا ایک باب جو "کتاب الوتر" کی شرح پر مشتمل ہے شائع ہو گیا ہے۔ معارف السنن، جامع ترمذی کی شرح ہے جو کتاب الحج تک لکھی جا چکی ہے یہ کتاب علومِ حدیث کا گنجینہ ہے۔ شارح علامہ کو اس دور کے دو بڑے اماموں کی صحبت اور ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہے ایک امام العصر حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ دوسرے امام علامہ مولانا محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نائب شیخ الاسلام ترکیہ۔ علامہ بنوری نے ان دونوں بزرگوں سے خصوصی فیض اٹھایا اور ان کے علوم سے متمتع ہوئے ہیں۔ مولانا نے اس شرح میں نہایت سلیقہ کے ساتھ امام عصر علامہ محمد انور شاہ کے علوم کی بہترین شرح کی ہے۔ مصنف علامہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے منجملہ ان کے قوت حفظ، ذکاء مفرط، وسعت علم جودتِ تصنیف، حسنِ ترتیب، ورع و تقویٰ، خشیت و انابت بھی ہیں۔ مولانا کی یہ تصنیف اس دور میں علم حدیث کی سب سے بڑی خدمت ہے جو اپنی معنوی خوبیوں کے اعتبار سے مشاہیر محدثین کی بہترین تالیفات کے ہم پایہ ہے۔

"شرح ابواب الوتر" کی ضخامت ایک سو صفحات پر مشتمل ہے، جو نہایت اعلیٰ کاغذ پر بہترین عربی ٹائپ میں شائع ہوئی ہے۔ پروف کی قرأت اور ان کی تصحیح میں مولوی محمد احمد صاحب مدرس مدرسہ عربیہ نے خاص اہتمام کیا ہے،

سرورق بھی دیدہ زیب ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنی حسن صورت میں اس طرح جلوہ گر ہو کر آئی ہے کہ اس پر مصر و بیروت کے بھی بہترین مطابع رشک کریں۔ اہلِ علم سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس کی ظاہری و معنوی خوبیوں سے اپنے قلب و نظر کو معمور کریں گے۔

قوموں کی تعمیر میں ان کی اپنی زبان کا بڑا دخل ہے۔ سنت اللہ بھی یہی ہے کہ جب کسی قوم کی طرف کوئی نبی بھیجا گیا تو انھیں کا ہم زبان بھیجا گیا تاکہ وہ انھیں کی قومی زبان میں ان کو خدا کا پیغام سنائے۔ ارشاد ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورۂ ابراہیم ع ۱)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان بولنے والا بھیجا تاکہ ان کو سمجھا سکے۔

ظاہر ہے کہ ہر پیغمبر کی اولین مخاطب چونکہ اسی کی قوم ہوتی تھی لہذا انھیں کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی تھی تاکہ احکامِ الٰہی کو سمجھنے سمجھانے میں کسی کو دقت پیش نہ آئے۔ زبانِ وحی کے اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمت ہے کہ دین کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ وہی حکمت جملہ علوم و فنون کی تعلیم و تعلم میں ہے کہ جو سہولت لوگوں کو علوم و فنون کی تحصیل میں اپنی قومی زبان کے اندر ہوتی ہے وہ قدرتی طور پر دوسری زبان میں نہیں ہوتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت گو دنیا کی تمام اقوام کی طرف ہوئی ہے تاہم آپ جس قوم سے مبعوث کئے گئے وہ عرب تھے اس لئے ترتیب طبعی کے مطابق آپ کی اولین مخاطب یہی قوم تھی چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی کیلئے بھی اسی زبان کا انتخاب فرمایا اور پھر اس کو ایسا فروغ دیا کہ باید و شاید، جہاں جہاں عرب فاتحین کے قدم پہنچے ان کی قومی زبان عربی بن گئی۔ اور جن قوموں کی مادری زبان عربی نہ بن سکی ان کی مادری زبانوں میں اتنا تغیر آ گیا کہ اگر ان کی زبانوں میں سے عربی کے الفاظ کو چن چن کر خارج کر دیا جائے تو وہ زبانیں بے معنی ہو کر رہ جائیں۔

عربوں کے بعد عالمِ اسلام کی قیادت اہل فارس اور ترکوں کے حصہ میں آئی، اس لئے مسلمانانِ عجم کی قومی زبان ایک مدت تک فارسی رہی پھر ہندوستان میں اردو نے فارسی کی جگہ لے لی۔ اور مسلمانانِ ہند و پاک کی قومی زبان اردو بن گئی لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں انگریز کا اقتدار تھا، اس لئے سرکار دربار میں اردو کی بجائے انگریزی کا عمل دخل تھا۔ تاہم حیدر آباد دکن میں اردو نے اپنا وہی مقام حاصل کر لیا تھا جو اپنے ملک کی قومی زبان کا ہونا

چاہیے تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان میں اسلام کا جتنا لٹریچر اب تک منتقل ہو چکا ہے اس کی نظیر عربی کے علاوہ اور کسی زبان میں ملنی مشکل ہے۔

تقسیم ملک کے بعد بجا طور پر پاکستان سے یہ توقعات قائم تھیں کہ یہاں اردو کو اس کا صحیح مقام عطا کیا جائیگا اور ملک کی تعلیمی اور عدالتی زبان یہی قرار پائے گی۔ لیکن انگریز کے اقبال کو کیا کہیے اس کی معنوی اولاد اس ملک میں اب تک اپنے آقا ہی کی زبان سے چمٹے ہوئے ہے اور وہ کسی طرح بھی اپنی قومی زبان کو اپنانے پر نہیں آتی۔ ایسے میں کراچی یونی ورسٹی کی "اکیڈیمک کونسل" کا یہ فیصلہ کہ اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے بڑا ہی جرأتمندانہ فیصلہ ہے ہم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی اور اکیڈیمک کونسل کے تمام اراکین کو ان کے اس اہم اور تاریخی اقدام پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ فیصلہ تغافل کی نذر نہ ہوگا۔ اور اس پر پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ عمل درآمد شروع ہو جائیگا۔ یونیورسٹی کا یہ فیصلہ جب روبعمل آئیگا تو قومی زندگی کا نیا باب شروع ہوگا اور آنے والی نسل ہمیشہ ان حضرات کو خراج عقیدت پیش کرتی رہے گی۔

دو اور اہلِ کمال چل بسے، ایک مولوی حکیم محمد الیاس خاں صاحب بانی جامعہ طبیہ قرول باغ دہلی جنھوں نے ۲۶ فروری کو دہلی میں بیاسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حکیم صاحب مرحوم قصبہ سہاور ضلع ایٹہ کے رہنے والے تھے۔ فن طب کے نامور اور ممتاز علماء میں سے تھے۔ ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت گزاری میں بسر کر دی، اُن کے اٹھ جانے سے اس فن کی عظیم یادگار اٹھ گئی۔

دوسرے ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، جنھوں نے لاہور میں ۱۴ مارچ کو اسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف عربی و فارسی کے بڑے فاضل اور عظیم اسکالر تھے، انھوں نے ساری عمر خالص علمی اور تحقیقی کاموں میں گزاری، بہت سی نادر اور اہم مخطوطات کو تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا اورینٹل کالج میگزین کا علمی وقار قائم رکھا اور اخیر میں اردو اسلامی دائرۃ المعارف کی سرپرستی کرتے رہے۔

افسوس ہے کہ ملک سے اہل کمال ایک ایک کرکے اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی ان کی جگہ لینے والا پیدا نہیں ہوتا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کے اٹھنے سے قوم میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا ہے اُس کو پُر کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے *

قرآن کریم اور سنت نبویؐ کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

بینات

کراچی

جلد ۲	بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۸۳ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۶۳ء	عدد ۲

فہرست مضامین

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

ناظم شعبۂ تصنیف۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ۔ نیو ٹاؤن۔ کراچی ۵

چندہ سالانہ: چھ روپے —— قیمت فی پرچہ ۶۰ پیسے —— غیر ممالک سے پندرہ شلنگ

بھارت میں "بینات" کے لئے چندہ بھیجنے کا پتہ:۔ حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی صدر مجلس "احیاء المعارف النعمانیہ"
جلال کوچہ ۹۳۲/۲۶۵ بلدہ حیدرآباد دکن (بھارت)

(مولانا) محمد ادریس طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ پریس کراچی میں چھپوا کر شائع کیا۔

ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۳ھ کا چاند شب شنبہ کو نظر آیا اور محرم کی پہلی تاریخ یکشنبہ کی ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ نستعین

فکر و نظر

الحمد للہ الذی خلق فسوی، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد ن المصطفیٰ وعلیٰ

آلہ واصحابہ الذین اتبعوا الھدی امابعد

۵ محرم شب چہار شنبہ کو مشرقی پاکستان میں ڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جو قیامت خیز طوفان آیا صوبہ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، متعدد ساحلی جزائر میں آبادی کا نام ونشان مٹ گیا، کرینیں ٹوٹ گئیں، پورٹ ٹرسٹ کے جہاز تباہ ہوگئے، سمندر سے بیس بیس فٹ بلند طوفانی موجیں اٹھیں اور انھوں نے پوری پوری آبادیوں کو ملیامیٹ کرکے رکھدیا، صوبہ کا جنوبی علاقہ بالکلیہ تباہ وبرباد ہوکر رہ گیا اور وہاں ایک فرد بھی ایسا نہ بچا کہ جس کا جانی یا مالی نقصان نہ ہوا ہو۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق کم سے کم دس ہزار افراد لقمہ اجل ہوئے، غیر سرکاری اندازے کے مطابق اتلاف جان کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار تک پہنچتی ہے۔ باقی مویشی چرند پرند مکانات اور مال واسباب کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تو کچھ اندازہ ہی نہیں، طوفان کیا تھا قہر خداوندی تھا کہ جس نے آن کی آن میں متاع زندگی کو تاراج کرکے رکھدیا۔ اسی قسم کے موقعوں کے لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (القلم ۱٤)

یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

ہماری قوم اگر خدا ترس ہوتی اور حق تعالیٰ ہم کو چشم بصیرت عطا فرماتا تو اس ہولناک سانحہ سے ہماری آنکھیں کھلتیں اور اس واقعۂ ہائلہ سے عبرت حاصل کرتے۔ پچھلی زندگی پر ندامت ہوتی اور آخرت کی درستی کا فکر ستاتا گناہوں پر شرمسار ہوتے، توبہ واستغفار کرتے، حق تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے اور آئندہ کے لئے صلاح وتقویٰ کا عہد کرتے لیکن ہمارا حال تو اب بالکل یہ ہے کہ

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۔ (المومنون ع ۴) اور ہم نے پکڑا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے۔

ذرا اخبارات ورسائل کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، لیڈروں کی اپیلیں پڑھ لیجئے، قوم کے سربراہوں نے جو بیانات دیئے ہیں ان کا جائزہ لے لیجئے ان میں سب کچھ ہے، چندہ کی اپیلیں ہیں مصیبت زدگان کی امداد پر قوم کو متوجہ کیا گیا ہے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی ہے، مرنے والوں پر دلی رنج وافسوس کا اظہار ہے، طوفان کے سلسلہ میں محکمہ موسمیات پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس نے اس بارے میں پہلے سے کوئی پیشین گوئی نہیں کی ورنہ خلقت اس طرح تباہ نہ ہوتی، حکومت کی غفلت شعاری پر باز پرس ہے کہ اس نے حالات کا صحیح جائزہ نہیں لیا۔ اور ساحلی مقامات پر پہلے سے ایسا انتظام نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے طوفان کے پرخطر موقع پر لوگوں کو سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ ملتی۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ طوفان زدہ لوگوں کی حکومت نے بروقت کوئی خبر نہ لی۔ غرض جو جس کی سمجھ میں آرہا ہے اس کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ ایک صاحب نے دنیا والوں کو چھوڑ خود اپنے پروردگار کو نشانہ طعن وملامت بنایا اور بڑی برجستگی کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ

"گذشتہ چند سالوں سے مشرقی پاکستان قدرت کے ان ظالمانہ حملوں کا شکار ہے"۔

گویا ان کے نزدیک ظلم کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے خود حق تعالیٰ شانہ کی طرف زیادہ موزوں ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

بلاشبہ مصیبت زدگان کی امداد ہمارا دینی اخلاقی مذہبی اور ملی فریضہ ہے اور اس بارے میں کسی قسم کی ادنیٰ سی کوتاہی کا بھی اسلام سرے سے روادار نہیں۔ اڑے وقت پر لوگوں کی دستگیری کرنا مصیبت میں غیروں کے کام آنا یہ ایک مسلمان کا فرض منصبی ہے۔ مشرقی پاکستان والے تو ہمارے دینی اور ملی بھائی ہیں اس وقت ان پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اس مصیبت میں ہم جتنے بھی ان کے کام آسکیں یہ ہماری سعادت ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں جس مسلمان سے جو کچھ بھی بن سکے امداد واعانت میں دریغ نہ کرے اخلاص کے ساتھ ذرا سا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت مقبول ہے کہ اس کا عام اعلان ہے۔ فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

لیکن یہ بھی کوئی دانائی نہیں کہ اس سلسلہ میں ظاہری تدابیر تو سب اختیار کی جائیں اور باطنی

اسباب کے ازالہ کی طرف سے بالکل صرف نظر کرلیا جائے کہ جن کے ازالہ کے بغیر رحمت حق کو جوش نہیں آتا۔ اور امن و آسائش کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔

سوچنے کی بات ہے حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایک طویل و عریض خطہ ملک عطا فرمایا، یہ خطہ جس کا نام پاکستان ہے ہمیں محض اسلام کے نام پر حاصل ہوا ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو صرف اسی لئے تقسیم کرایا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کا بول بالا نہیں ہو سکتا تھا وہاں نہ اسلام کا قانون نافذ ہو سکتا تھا نہ اسلامی تہذیب پنپ سکتی تھی۔ اس لئے ان کو ہندو اکثریت کے علاقہ سے بالکل الگ ایک ایسے قطعۂ زمین کی ضرورت تھی جو خالص اسلامی ماحول کے لئے بالکل سازگار ہو، جہاں اسلامی تہذیب کو فروغ ہو مسلمانوں کے علوم و فنون کو رواج ہو، اللہ عزوجل کا قانون نافذ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل درآمد ہو، اور زندگی کے تمام مظاہر میں اسلام کا غلبہ اور اس کا اقتدار ہو۔ یہی ایک مقصد تھا جس کی خاطر مسلمانوں نے ترک وطن کیا، لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، ہزارہا عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، بے شمار مال و اسباب پر کفار کا قبضہ ہوا۔ لیکن تاریخ کا کتنا بڑا اعجوبہ ہے یہ کہ جس مقصد کے لئے مسلمانوں نے اتنی بڑی قربانی دی تھی اسی مقصد کو قوم نے سرے سے فراموش کر دیا۔ اب اسلامی حکومت کا قیام تو درکنار اپنی ساری توانائیاں خدا سے بغاوت پر صرف ہو رہی ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایام جاہلیت میں عربوں کی .... اخلاقی حالت تباہ تھی، بے حیائی و عریانی عام تھی، رقص و سرود کی گرم بازاری تھی، شراب اور جوئے سے قوم کو دلچسپی تھی، زنا کا عام رواج تھا۔ اولاد کو زندہ درگور کرنا شریفوں کا طغرائے امتیاز ہو چکا تھا، سود کا چلن تھا، خدا کا قانون یکسر معطل ہو چکا تھا اور قوی ضعیف کو کھائے جاتا تھا، وہی حال بعینہٖ اس وقت ہمارا ہے۔ بڑے لوگوں کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ ملک کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے لہٰذا جس طرح بن سکے اس کا خاتمہ کیا جائے، چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر بے دریغ روپیہ لٹایا جا رہا ہے اور پوری کوشش جاری ہے کہ کسی طرح مسلم معاشرہ میں اجتماعی طور پر نسل کشی کا چلن ہو جائے، سود ہماری معاشی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ سینما، تھیٹر، ریڈیو، فلمی رسالوں نے قوم کی اخلاقی حالت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، مخلوط تعلیم نے معاشرہ میں وہ گندگی پھیلائی ہے کہ خدا کی پناہ۔ ہوٹلوں میں عریاں رقص کا مظاہرہ ہر روز

دیکھا جاسکتا ہے، زناکاری کی کھلے بندوں اجازت ہے۔ طرح طرح کی قمار بازی سے قوم کا پیٹ نہیں بھرتا۔ گانا بجانا، ناچنا تھرکنا تو زندگی کے لوازم میں داخل ہو چکا ہے۔ مے نوشی کھانے پینے طبقے میں عام ہے۔ عدالتوں میں خدا کے قانون کی بجائے یورپ کا قانون رائج ہے۔ سرمایہ دار اور با اقتدار طبقہ غریبوں اور زیر دستوں کو پیسے ڈالتا ہے، رشوت اور ناجائز آمدنی نے شیر مادر کی جگہ لے لی ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جو عذاب بھی آئے کم ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو روس اور امریکہ کی اندھی تقلید پر ڈال دیا ہے اور یہ مذہب بیزار اور خدا سے باغی قومیں اب اس مقام پر پہنچ چکی ہیں کہ بغیر کسی آسمانی تنبیہ کے ان قوموں کا ہوش میں آنا بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ کچھ تعجب نہیں جو یہ آسمانی تنبیہ ایٹمی جنگ کی صورت میں نمودار ہو اور ان مغضوبین کا دنیا سے نام و نشان مٹا کر رکھدے۔ غفلت کی پٹی آنکھوں سے کھولئے۔ ہم جو ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں ہمارا حشر بھی وہی ہونا ہے جو ہمارے ان نافرمان آقاؤں کا ہونے والا ہے۔

حق تعالیٰ چشم بینا، گوش شنوا اور دل دانا عطا فرمائے تو اس طوفان میں ہمارے لئے بڑا درس عبرت ہے یاد رکھئے یہ روز روز کے طوفان باد و باران، یہ آئے دن کی طغیانیاں، یہ سیم اور تھور کا دن بدن بڑھتے رہنا، یہ اقتصادی بدحالی اور معیشت کی ناہمواری ان میں سے ہر ایک حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے جھنجھوڑنے کے لئے ایک تازیانہ ہے، اس پر بھی اگر آنکھیں نہ کھلیں تو پھر کہیں پناہ نہ ملے گی، وقت ہے کہ خواب غفلت سے جاگیں، اپنے ایک ایک گناہ کا جائزہ لیں اور عذاب آنے سے پہلے توبہ و ندامت اور تضرع و انابت کے ذریعہ اپنے رب کو راضی کرلیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جن گناہوں کی بدولت اگلی قوموں کو تباہ کر دیا گیا تھا موجودہ قوموں کو ان پر کچھ نہ کہا جائے۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے اپنے اس عادلانہ قانون کا صاف اعلان فرما دیا ہے:-

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (العنکبوت ع ۴)	پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر، پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے، اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے، اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے زمین میں اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ اپنا آپ ہی برا کرتے۔

اصلاحی مقالات

اللہ کی رحمت کے سایہ میں

(از محمد عبد الرشید نعمانی)

اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایمان اور عمل صالح کی قدر و منزلت ہے۔ انسان میں اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو کچھ بھی نہیں آخرت میں جو دائمی فضل و انعام کے وعدے ہیں وہ انہی دونوں چیزوں سے وابستہ ہیں۔ ارشاد ہے:۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات) — بیشک عزت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا۔ (النساء) — اور جو لوگ یقین لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کیلئے صاف ستھری عورتیں ہیں اور ان کو گھن کی چھاؤں (گھنے سایہ) میں داخل کریں گے۔

یہ "ظل ظلیل" گھن کی چھاؤں یا گھنا سایہ، یعنی راحت تمام ایمان اور ایمان کے ساتھ نیک اعمال ہی کی بدولت ہے۔ احادیث میں ایسے اعمال کا ذکر آیا ہے جن سے رحمت الٰہی کا سایہ میسر آسکے، یہ اعمال بہت ہیں، جو مومن ان اعمال میں سے کسی ایک عمل پر بھی کاربند ہوگا اس کیلئے امید مغفرت ضرور ہے اور اگر خوش قسمتی سے کسی مسلمان میں یہ سب اعمال پائے جائیں تو اس کا تو کہنا ہی کیا ؏

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یقیناً اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے جن میں یہ ساری خوبیاں جمع ہوں گی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی میں ان میں سے اکثر یا بعض اوصاف بھی پائے جائیں تو وہ بڑا بختاور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس مسلمان کو ایمان کی چاشنی نصیب فرماتا ہے وہ ہمیشہ آخرت کی ترقی میں کوشاں رہتا ہے۔ اسی خیال سے ارادہ ہوا کہ ایسی تمام حدیثیں یکجا جمع کردی جائیں جن میں ان خصال کا بیان ہے کہ جن کی بدولت قیامت کے دن رحمتِ الٰہی کا سایہ میسر ہوگا۔ کیا عجب ہے جو کوئی اللہ کا بندہ ان احادیث کو پڑھ کر ان پر عمل پیرا ہو اور اس کے طفیل اس ناکارہ کو بھی ان پر عمل کی توفیق اس داتا کی بارگاہ سے عطا ہو جائے ؎

مگر صاحب دلے روزے برحمت کند بر حال این مسکیں دعائے

مومن دیندار کو چاہئے کہ ان خصال کا اپنے اندر جائزہ لے اور اگر کوئی خصلت فی الحال اس میں موجود ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ انشاء اللہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم)　　اگر تم نے شکر کیا تو میں بھی زیادہ عطا کروں گا۔

کے وعدہ کے مطابق دوسری خصلت کی بھی توفیق عطا ہو جائیگی۔ خدانخواستہ اس قسم کی کوئی خصلت فی الحال اس میں اگر موجود نہیں تو ان کے حصول کی صدق دل سے کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق استقامت مانگتا رہے وہ جس طرح نکتہ گیر ہے اسی طرح نکتہ نواز بھی، تھوڑے کئے پر بہت کچھ دیدیتا ہے اور پھر اس کی دین کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

اس باب میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان سب میں اصح وہ حدیث ہے جو صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اس حدیث میں سات خصلتوں کا ذکر ہے پھر حفاظِ حدیث نے تتبع اور تلاش سے اور خصال بھی جمع کر دیئے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کئی بار جستجو کی اور ہر بار ان کو کچھ جدید خصائل میسر آئے۔ ان تمام روایات کو حافظ صاحب موصوف نے اپنی امالی میں نقل کر دیا ہے اور اس بارے میں ایک مستقل جزء بھی تالیف فرمایا ہے جس کا نام معرفۃ الخصال الموصلۃ للظلال ہے۔ حافظ صاحب نے ان خصال کی تعداد اٹھائیس تک پہنچائی ہے پھر شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس باب کا استقراء کیا تو ان خصال کی تعداد ستر تک جا پہنچی چنانچہ انھوں نے ایک مستقل کتاب اس موضوع پر تحریر کی ہے جس کا نام تمہید الفرش فی الخصال المؤدیہ لظل العرش ہے۔ اس کتاب میں تمام احادیث کو مع اسانید کے یکجا جمع کر دیا گیا ہے جو ان خصائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، بعد میں تمہید الفرش کی ایک مختصر رسالہ میں تلخیص کی اور اس کا نام بزوغ الہلال فی الخصال الموجبۃ للظلال رکھا۔ افسوس کہ ان تینوں رسالوں میں سے کوئی ایک رسالہ بھی ہمیں فراہم نہ ہو سکا۔ تاہم فتح الباری اور تنویر الحوالک میں ان خصال کو نظم کیا ہے جس سے بہت مدد ملی۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ الامام العادل والشاب نشأ فی عبادۃ اللہ عز وجل ورجل قلبہ معلق بالمساجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علی ذلک وتفرقا علیہ،	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں اس دن جگہ دیگا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا — (۱) امام عادل — (۲) وہ جوان جس کی نشوونما ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی — (۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہے — (۴) وہ دو شخص جو آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں، اسی محبت پر

[1] ملاحظہ ہو فتح الباری بشرح صحیح البخاری جلد ۲ ص ۱۲ طبع بہیہ مصر ۱۳۰۰ھ [2] تنویر الحوالک علی موطا مالک ج ۳ ص ۱۱۹ طبع مصر ۱۳۴۳ھ

ورجلا دعتہ امرأۃ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ، ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ، رواہ البخاری ومسلم وغیرھما (ترغیب منذری)

ملتے اور اسی پر جدا ہوتے ہیں — (۵) وہ شخص جس کو کسی جاہ و جمال والی عورت نے بلایا اور اس نے کہدیا کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں — (۶) وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اسکی آنکھیں بہنے لگ گئیں۔

یہ حدیث صحیحین کے علاوہ موطا امام مالک، سنن نسائی اور جامع ترمذی میں بھی موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو اپنی صحیح میں چار جگہ روایت کیا ہے۔ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحدود میں تو پوری روایت نقل کی ہے اور کتاب الرقاق میں مختصراً نقل کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں:-

ھذا احسن حدیث یروی فی فضائل الاعمال واعمھا واصحھا۔ (تنویر الحوالک ج ۳ ص ۱۲۷)

فضائل اعمال میں جو روایتیں مروی ہیں ان میں یہ حدیث سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ صحیح ہے۔

علامہ کرمانی نے اس کی جامعیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اطاعت کی بجا آوری دو طرح سے ہوتی ہے، بندے اور خالق کے درمیان، اور بندے اور خلق کے درمیان۔ پہلی صورت کی عبادت لسانی ذکر اللہ ہے۔ عبادت قلبی مساجد سے دل کا اٹکا رہنا ہے۔ اور عبادت بدنی اطاعت الٰہی میں نشو و نما پانا ہے اور دوسری صورت میں جس عبادت کا تعلق عام خلق سے ہے وہ عدل و انصاف ہے اور جس کی بجا آوری خاص لوگوں کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا تعلق قلب سے ہے وہ باہمی محبت ہے اور جو مال سے متعلق ہے وہ صدقہ دینا ہے اور جس کا بدن سے تعلق ہے وہ عفت ہے۔[1]

(۱) حدیث میں امام سے مراد خلیفہ اور حاکم ہے، عادل وہ شخص ہے جو متبع امر خدا ہے، افراط و تفریط سے دور ہے اور ہر شے کو اپنے موقع اور محل پر استعمال کرتا ہے، امام عادل کا سب سے پہلے اس لئے ذکر ہوا کہ اس کا نفع عمومی ہے۔

(۲) شباب کا اعتبار اس لئے کیا ہے کہ جوانی دیوانی مشہور ہے، حدیث میں آیا ہے:- الشباب شعبۃ من الجنون سعدیؒ نے خوب کہا ہے - "در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی"

چونکہ جوانی میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنا آسان کام نہیں اس لئے جواں سال عابد مستحق سایۂ الٰہی ہے ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است ۔۔۔ وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۰۔

دیگر
توبہ از بادہ در آغاز جوانی کردم　　　اول مستی من بود کہ ہشیار شدم

(۳) تعلق مسجد سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل ہر دم مسجد میں جانے اور عبادت کرنے کو چاہتا ہے اگرچہ وہ مسجد سے باہر ہو چنانچہ موطا امام مالکؒ کے الفاظ ہیں:۔

ورجل قلبہ معلق بالمسجد اذا خرج منہ حتی یعود الیہ۔　　　اور وہ شخص کہ جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے تو اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہے جب تک کہ لوٹ کر نہ آئے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کا دل مسجد کی محبت سے وابستہ ہو جب ایک نماز پڑھ کر مسجد سے چلا آتا ہو تو دوسری نماز کا منتظر رہتا ہے کہ کب نماز کا وقت آئے اور مسجد میں جا کر دوبارہ نماز پڑھ سکے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز کا بھی اہتمام رکھتا ہو اور جماعت کا بھی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو کہ ہمیشہ وہ مسجد ہی میں بیٹھا رہے اور کبھی باہر نہ نکلے بلکہ جب کسی کام کو وہاں سے چلا آتا ہے تو اس کے دل میں لگن رہتی ہے کہ پھر مسجد میں جا کر وہاں نماز پڑھے اور اعتکاف کرے۔

(۴) محبت باہمی سے مراد یہ ہے کہ فقط اظہار دوستی نہ ہو بلکہ محبت حقیقی اور واقعی ہو، نیز اس دینی محبت میں دوام بھی ہو جو کسی دنیوی سبب سے منقطع نہ ہو۔

(۵) جاہ و جمال کے متعلق ظاہر ہے کہ انہی دو وجوہ سے صنف نازک کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے۔ پھر جمال اور مال و منال دونوں کا عورت میں جمع ہو جانا اکثر کمیاب ہو اس پر ستم یہ کہ مرد کو سیہ کاری کیلئے خود ہی بلائے۔ ظاہر ہو کہ ایسے تمام مواقع بہم پہنچنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے دامن کو گنہگاری کے دھبہ سے بچا لینا کوئی معمولی کام نہیں، خوفِ الٰہی کی قید اور شرط اس جگہ اس لئے ضروری ہو کہ بہت سے مرد اور عورتیں زناکاری کو شرافت[لہ] کے خلاف سمجھتے ہیں یا غیر کے مطلع ہونے سے ڈرتے ہیں اور اسلئے مرتکب حرامکاری نہیں ہوتے ظاہر ہے کہ ان کا زنا سے اس طرح باز رہنا خدا کے خوف اور ڈر سے نہیں ہوتا بلکہ صرف اسلئے کہ شرافت پر دھبہ نہ آنے پائے یا غیر اس پر مطلع نہ ہونے پائے۔ لہذا حدیث میں فقال انی اخاف اللہ فرمایا ہے۔ یہ سایۂ الٰہی اور یہ بہشت اسی خوف کا نتیجہ ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن)　　　اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کیلئے دو باغ ہوں گے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

[لہ] افسوس ہو کہ آج شرافت بھی معاشرہ سے رخصت ہو رہی ہے۔ اور ملکی قانون میں جو زنا مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے ہو وہ تعزیری جرم بھی نہیں ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا پھر بیشک اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انی اخاف اللہ اس نے زبان سے کہا تاکہ عورت کو اس کا عذر معلوم ہو جائے اور وہ خود بھی خوف الٰہی سے اس برائی کا ارتکاب نہ کرے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مرد اپنے دل ہی دل میں کہے کہ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں کہ تقویٰ کا تعلق دل ہی سے ہے۔ بہر حال یہ بات صرف اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان کا دل اللہ کے خوف سے معمور ہو اور وہ خود حیاء و تقویٰ سے معمور ہو۔

(۶) لفظ "صدقہ" حدیث میں نکرہ آیا ہے اس میں ہر صدقہ (کم ہو یا زیادہ) داخل ہے اس لئے بظاہر یہ صدقہ فرض و نفل دونوں پر مشتمل ہے لیکن شیخ محی الدین نوویؒ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ صدقہ فرض کا اظہار بہ مقابلہ اخفا کے اولیٰ اور بہتر ہے تاکہ متہم بفسق نہ ہو اور لوگ یہ نہ سمجھیں کہ تارک فرض ہے۔ پھر فرمایا کہ "بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، یہ اخفاء صدقہ میں مبالغہ ہے کہ اس قرب کے باوجود جو ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے حاصل ہے ایک ہاتھ کے فعل کا دوسرے ہاتھ کو علم نہ ہو، مقصد اصل میں یہ ہے کہ صدقہ جس قدر چھپا کر دیا جائے اسی قدر بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں کوئی خاص شکل اخفا کی متعین نہیں فرمائی ہے، اس لئے جس صورت سے بھی اخفا ہو سکے وہی صورت اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ غرض اخفا سے ہے، نام و نمود اور نمائش سے بچنے کی ضرورت ہے اس کا طریقہ جو بھی ہو مدعا حاصل ہو جاتا ہے۔

(۷) مراد ذکر خدا سے عام ہے، دل سے ہو یا زبان سے یا دونوں سے اور تنہائی سے مراد یہ ہے کہ کوئی اور موجود نہ ہو، یا مجلس میں ہے تو غیر اللہ کی طرف التفات نہ ہو، ارشاد ہے:-

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور) وہ مرد کہ غافل نہیں ہوتے سوداگری نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے۔

دست بکار و دل بیار، سفر در وطن اور خلوت در انجمن اسی سے عبارت ہے ؎

داند دلے کہ در دریا و دادہ اند چیست ۔۔۔ از خلق دور رفتن و تنہا گریستن

آنسو بہتے ہیں لیکن حدیث میں آنکھوں کا بہنا ذکر ہے، یہ مبالغہ ہے اور کثرت بکا کا کنایہ، گویا آنکھیں خود آنسو بن گئیں۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ ذاکر کا رونا اپنے حال کے مطابق اس وقت جو چیز اس پر طاری ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہوتا ہے، چنانچہ وہ اوصاف جلال کی حالت میں خوفِ الٰہی سے روتا ہے اور اوصاف جمال کی حالت میں شوقِ الٰہی میں روتا ہے لیکن

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں اس حدیث میں خشیۃ اللہ (خوف الٰہی) کی قید کو دیے چنانچہ جوزقیؒ نے

بروایت حماد بن زید مرفوعاً نقل کیا ہے ففاضت عیناہ من خشیۃ اللہ اور اسی طرح بیہقی کی روایت میں بھی آیا ہے ؎

بریز اشکِ ندامت کہ نامہائے سیاہ — بآب دیدہ تواں شست ودست استغفار

طاعت کند سرشک ندامت گناہ را — بارش سفید می کند ابرِ سیاہ را

خوفِ خدا سے رونے کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں اور محدثین نے احادیث کی کتب میں اس کیلئے مستقل باب منعقد

کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے :۔

ما من عبد مومن یخرج من عینیہ دموع وان کان — جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو اللہ کے خوف سے نکلے اگرچہ وہ

مثل رأس الذباب من خشیۃ اللہ ثم یصیب — مکھی کے سر کے برابر ہی ہوں اور پھر اس کے چہرہ کے کسی حصہ پر بہہ نکلے تو

شیئا من حرّ وجھہ الا حرمہ اللہ علی النار ۔ — اللہ تعالیٰ اس بندہ کو آگ پر حرام فرما دیتا ہے۔

خوف خدا کے رتبہ کو دیکھنا چاہئے کہ اگر اس کے ڈر سے سر مگس کے برابر آنسو بہہ کر چہرہ پر آتا ہے تو جہنم اس رونے والے پر حرام ہو جاتی

ہے، پھر جو شخص کہ ہمیشہ خوفِ خدا سے گریاں بریاں رہے گا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا رتبہ کس درجہ بلند ہوگا۔

تواند قطرۂ اشکے بہم پیچید دوزخ را — چہ می اندیشی از آتش چو باخود چشم تر داری

می توانی دوزخ خود را بہشتے ساختن — کوثرے نقدے زچشم اشکبارت دادہ اند

نور آورد بسینہ وظلمت بر دزد دل — آغاز صبح وآخر شبہا گریستن

از ابر غیر آب تمنا نبودہ است — مطلوب نیست از مژہ الا گریستن

یہ واضح رہے کہ یہ خصلتیں کچھ مردوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس میں عورتیں بھی ان کی شریک ہیں۔ ہاں "امام عادل" سے مراد اگر

خلیفہ ہے تو بیشک حق خلافت ان کو حاصل نہیں ورنہ اگر عورت عیالدار ہے تو وہ بھی اپنی اولاد کی نگراں اور حاکم ہے جہاں اس کو انصاف سے

کام لینا چاہئے۔ اسی طرح مسجد کی حاضری بھی عورتوں کیلئے ضروری نہیں بلکہ ان کیلئے گھر میں نماز ادا کرنا مسجد سے بہتر ہے۔

علامہ ابوشامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل نے ان خصائل سبعہ کو خوب نظم کیا ہے ؎

وقال النبی المصطفیٰ ان سبعۃً — یُظِلُّہم اللہ الکریم بظلہ

مُحِبٌّ، عَفِیفٌ، نَاشِئٌ، مُتَصَدِّقٌ — وَبَاكٍ، مُصَلٍّ، والامام بعدلہ

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی

مغفرتِ عام کا اعلان

اللہ تعالیٰ شاکر علیم ہے اس کی قدردانی کا کیا ٹھکانہ، اس کو محض بہانہ چاہیئے کہ وہ بندوں پر اپنی رحمت کے پھول برسا سکے۔ کسی نے بہت ہی سچ کہا ہے ؎

رحمتِ حق بہا نہ می جوید

اللہ کی رحمت قیمت کی خواہاں نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت تو محض بہانہ ڈھونڈھتی ہے۔ بندے نے ذرا رضاجوئی کی کوشش کی اور رحمتِ الٰہی نے آکر خود ہی سارے گناہ دھو ڈالے۔ اعلان عام ہے:۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر)

کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے بلاشبہ وہی ہے بڑا معاف کرنے والا۔ بہت مہربان۔

ترجمانِ وحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے متعدد اعمال کی نشاندہی کی ہے کہ اگر وہ شرف قبولیت سے نواز دیئے جائیں تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ محدثین کرام کا (اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں) تمام امت پر یہ احسان، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا کہ ان کی مبارک کوششوں کی بدولت اس قسم کی ساری چیزیں فراہم ہو کر منظر عام پر آگئی ہیں۔ شکر اللہ مساعیہم۔

سب سے پہلے حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری صاحب "ترغیب و ترہیب" (المتوفی ۶۵۶ھ) نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا۔ پھر حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی صاحب "فتح الباری" (المتوفی ۸۵۲ھ) نے رسالہ "الخصال المکفرہ للذنوب المقدمہ والمؤخرہ" تصنیف کیا اور احادیث کی کتابوں سے اس قسم کی روایات کو تلاش کرکے یکجا جمع فرمایا۔ پھر علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے "تنویر الحوالک علی موطا مالک" میں اس رسالہ کی تلخیص کی اور افادۂ عام کے لئے ان احادیث کو نقل فرمایا جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وضو کی فضیلت

(۱) اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ومسندہ وابوبکر المروزی فی مسند عثمان والبزار عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایسبغ عبد الوضوء الا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وما تاخر۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف اور مسند میں اور ابوبکر مروزی نے مسند عثمان میں اور بزار نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جو اچھی طرح وضو کرے مگر اسکے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔

اذان سن کر شہادت دینے کی فضیلت

(۲) واخرج ابوعوانۃ فی صحیحہ

ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں حضرت سعد

عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال حین یسمع المؤذن اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وفی لفظ رَسُوْلًا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وماتأخر۔

بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مؤذن کی اذان سن کر کہا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اور ایک روایت میں بجائے نبیًا کے رسولًا ہے۔ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

آمین کی فضیلت

(۳) اخرج ابن وھب فی مصنفہ عن ابی ھریرۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا امن الامام فامنوا فان الملائکۃ تومن فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وماتأخر۔

ابن وہب نے اپنی مصنف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب امام کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں پھر جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

نماز اشراق کی فضیلت

(۴) واخرج آدم بن ابی ایاس فی

آدم بن ابی ایاس "کتاب الثواب"

کتاب الثواب عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی سبحۃ الضحیٰ رکعتین ایمانا واحتسابا غفرت لہ ذنوبہ کلھا ما تقدم منھا وما تأخر الا القصاص۔

میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اشراق کی دو رکعت نماز ادا کی ایمان و احتساب کے ساتھ، اس کے سب اگلے پچھلے گناہ سوائے خون ناحق کے معاف کر دیے گئے۔

جمعہ کے بعد سورۂ فاتحہ اخلاص اور معوذتین کی فضیلت

(۵) واخرج ابو الاسعد القشیری فی الاربعین عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ اذا سلم الامام یوم الجمعۃ قبل ان یثنی رجلیہ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس سبعا سبعا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

ابو الاسعد قشیری نے اربعین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی جمعہ کے دن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے دونوں پیروں کو موڑنے سے پہلے سورۂ فاتحہ قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی سات سات مرتبہ تلاوت کی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

قیام رمضان یعنی تراویح کی فضیلت

(۶) اخرج احمد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قام رمضان ایمانا و

امام احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان و احتساب

احتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

کے ساتھ رمضان میں قیام (تہجد و تراویح کو ادا) کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔

روزہ کی فضیلت

(۷)

اخرج احمد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

امام احمد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کے (سارے) روزے رکھے، اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت

(۸)

اخرج النسائی فی الکبریٰ وقاسم بن اصبغ فی مصنفہ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام شھر رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر ومن قام لیلۃ القدر ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

امام نسائی نے ... کبریٰ میں اور قاسم بن اصبغ نے اپنی مصنف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ماہ رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت

(۹) اخرج ابو سعید النقاش الحافظ

حافظ ابوسعید نقاش اپنی امالی میں

فی امالیہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام یوم عرفۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام کیلئے حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کی فضیلت

(۱۰) اخرج ابوداؤد والبیہقی فی الشعب عن ام سلمۃ انہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اھل بحجۃ او عمرۃ من المسجد الاقصیٰ الی المسجد الحرام غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر ووجبت لہ الجنۃ۔

امام ابو داؤد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس نے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) سے مسجد حرام کی طرف حج کا یا عمرہ کا احرام باندھا اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے اور جنت اسکے لئے ضروری ہو گئی۔

حج کی فضیلت

(۱۱) اخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ ھو ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من جاء حاجًا یرید وجہ اللہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو اللہ کی رضا کے ارادے سے حج کرنے آیا اسکے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

جس نے حج اس حال میں ادا کیا کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے اس کی فضیلت

(۱۲) واخرج احمد بن منیع وابو یعلی فی مسندیھما عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قضی نسکہ وسلم المسلمون من لسانہ ویدہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

احمد بن منیع اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کے ارکان پورے کئے اس طرح کہ مسلمان اسکی زبان اور اسکے ہاتھ کے شر سے محفوظ رہے اسکے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔

سورۂ حشر کی آخری آیتوں کی فضیلت

(۱۳) اخرج الثعلبی فی تفسیرہ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ اٰخر سورۃ حشر غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورہ حشر کے آخر کی تلاوت کی اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔

نابینا کو چالیس قدم لیکر چلنے کی فضیلت

(۱۴) اخرج ابو عبد اللہ بن مندۃ فی امالیہ عن ابن عمر قال قال

ابو عبد اللہ بن مندہ نے اپنی امالی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قاد مکفوفا اربعین خطوۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی نابینا کو چالیس قدم لیکر چلا اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔

اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں سعی کرنیکی فضیلت

(۱۵) اخرج ابو احمد الناصح فی فوائدہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سعی لاخیہ المسلم فی حاجۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔

ابو احمد ناصح نے اپنے فوائد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی کسی حاجت کے پورا کرنے میں کوشش کی اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے اور درود پڑھنے کی فضیلت

(۱۶) اخرج الحسن بن سفیان و ابو یعلی فی مسندیھما عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال ما من عبدین یلتقیان فیتصافحان ویصلیان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا لم یتفرقا حتی یغفر لھما ذنوبھما ما تقدم منھما وما تأخر۔

حسن بن سفیان اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی دو بندے ملاقات کرکے مصافحہ کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں تو وہ جدا ہونے نہیں پاتے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

کھانا کھانے اور کپڑا پہننے کے بعد کی دعا اور اسکی فضیلت

(۱۷) اخرج ابوداؤد عن معاذ بن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اکل طعاما ثم قال الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ ومن لبس ثوبا فقال الحمد للہ الذی کسانی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر۔

امام ابوداؤد حضرت معاذ بن انس سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کھانا کھا کر یہ کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ (اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں کہ جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر میری طاقت اور قوت کے یہ کھانا مجھے عطا کیا) اس کے اگلے گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے کپڑا پہن کر یہ کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ (اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں کہ جس نے مجھے یہ پہنایا اور اس کو بغیر میری طاقت اور قوت کے مجھے عنایت فرمایا) اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔

مغفرت کی اس وسعت پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس فضل کی تصریح فرمادی ہے کہ

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ہ

بلاشبہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو، یہ یاد داشت ہے یاد رکھنے والوں کے لئے۔

لیکن یاد رہے کہ مغفرت کی اس وسعت کے حصول کے لئے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کی نحوست اس انعام عام کے ملنے سے مانع ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات ما بینھن اذا اجتنب الکبائر۔ (ترغیب منذری باب ما ورد فی فضل صیام شھر رمضان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، پانچوں نمازوں کے درمیان اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔

اور خود قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ارشاد ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا

اگر تم بچتے رہوگے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئیں (یعنی کبیرہ گناہ سے) تو ہم اتار دیں گے تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کر دیں گے تم کو عزت کے مقام میں

شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی فرماتے ہیں :-

"کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر قرآن یا حدیث میں صاف وعدہ دیا دوزخ کا یا اللہ کا غصہ یا حد مقرر فرمائی اور تقصیر وہ کہ منع فرمایا اور زیادہ کچھ نہیں"۔

اور سورۃ النجم میں ہے :-

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۔

جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی، بیشک تیرے رب کی بخشش میں سمائی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اس مغفرت عام پر غرہ نہ ہونا چاہیئے اور نہ اپنے آپ کو اس سلسلہ میں دھوکہ میں ڈالنا چاہیئے۔ ابن ماجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وضو سے گناہوں کا کفارہ ہونے والی روایت کے آخر میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

ولا یغتر احد — اور کوئی فریب نہ کھائے۔

اور صحیح بخاری کتاب الرقاق نیز ابن ماجہ میں حضرت عثمانؓ ہی کی حدیث میں آخر میں وارد ہے:۔

ولا تغتروا　　　　اور دھوکہ میں نہ پڑو

مطلب یہ ہے کہ مغفرت کا تعلق قبولیت سے ہے اور عمل کے قبول ہونے نہ ہونے کا پتہ آخرت میں چلے گا۔ اس لئے کوئی عمل خیر کرکے اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ بس کام بن گیا۔

پڑھیے سورۃ مومنون کی آیات ذیل :۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ۔

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھیراتے اور جو لوگ دیتے ہیں (اس میں سے) جو (ہم ان کو) دیتے ہیں اور انکے دلوں میں ڈر ہے کہ انکو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

یعنی نہ معلوم وہاں قبول ہو یا نہ ہو آگے کام آئے یا نہ آئے، دیتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (موضح القرآن)

احادیث مذکورہ میں جو "ایمان واحتساب" کے الفاظ بار بار آئے ہیں وہ انہی مذکورہ بالا صفات کی تعبیر ہیں۔ "ایمان واحتساب" کا مطلب یہ ہے کہ جو عمل بھی اللہ کے حضور پیش کیا جائے وہ اس طرح پیش کیا جائے کہ اللہ کی ذاتِ عالی پر یقین ہو اس کے وعدوں کی تصدیق ہو اس کی خشیت سے دل

بھرپور ہو تعمیل حکم پر پورا پورا دھیان ہو پھر اس کی رضا اور اس کے موعودہ اجر و ثواب کے شوق اور طمع میں اس عمل خیر کو انجام دیا جائے۔

یاد رہے کہ یہی "ایمان واحتساب" عمل کی روح اور اس کی جان ہے اور اس کا حصول فضل الٰہی پر موقوف ہے۔ بندے کے لائق ہے کہ وہ جس طرح بنے تعمیل حکم میں مصروف رہے اور اپنے کئے پر نہ اترائے۔

وصول الی اللہ کا آسان ذریعہ وصولِ رمضان ہے

ماہِ مبارک میں ان اُمور کا اہتمام کیجئے:

۱۔ پنج وقتہ نمازوں کو تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا۔

۲۔ روزہ میں کھانے پینے مباشرت سے رُکنے کے ساتھ ساتھ غیبت۔ جھوٹ۔ بدنظری لڑائی جھگڑا وغیرہ امور سے بھی پرہیز کرنا۔

۳۔ تراویح میں ایک قرآن کریم ختم کرنے (سنا کر یا سن کر) کے ساتھ پورے ماہ ۲۰ رکعت تراویح کا بھی اہتمام کرنا۔

۴۔ سب ہی مسلمانوں کے ساتھ غمخواری (ہمدردی) کرنا۔

۵۔ اپنی چاہت و رغبت کے خلاف جو بات پیش آئے اس پر صبر کرنا۔

۶۔ روزہ دار کو افطار کرانا۔

۷۔ کلمہ طیبہ و استغفار کی کثرت کرنا۔

۸۔ اللہ رب العزت سے جنت کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگنا۔

۹۔ افطار اور تہجد میں دُعاؤں کا اہتمام کرنا۔

۱۰۔ پچھلی زندگی پر آئندہ تادمِ حیات طاعت کے عزم کے ساتھ نادم ہونا۔

۱۱۔ پوری امت کی اصلاح۔ رجوع الی اللہ اور فلاحِ دارین کیلئے اہتمام سے دُعا کرنا۔

واللہ الموفق وھو المستعان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ

میری پونجی کھوگئی

امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری (۳۶۲ - ۴۲۸ھ) جن کی کتاب المختصر ان کے زمانہ سے لے کر آج تک فقہائے حنفیہ کے یہاں داخل درس ہے اور فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ہدایہ اسی کتاب کی مستند و متداول شرح ہے۔

ان کے والد جناب ابوبکر محمد بن احمد قدوری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز جامع بغداد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جامع مسجد کے درمیانی ایوان میں شیخ وقت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نہایت پریشانی و اضطراب کے عالم میں فرمارہے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم کرے اور اس کے ماں باپ پر رحم کرے جو اس شخص کے حق میں دعا کرے کہ جس کی پونجی کھوگئی اور بار بار اللہ تعالیٰ کے جناب میں عرض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کھوئی ہوئی پونجی اس کو واپس کردے۔"

لوگ سکتے کے عالم میں خاموش ہیں کہ دفعتًا ایک نوجوان حلقہ چیر کر نکلتا ہے اور عرض پیرا ہوتا ہے کہ حضرت کس کی پونجی کھوگئی؟ فرمایا: میری! اس نے حیرت سے عرض کیا! حضرت آپ کے پاس کونسی پونجی تھی؟ فرمایا صبر کی پونجی جو ہاتھ سے جاتی رہی۔ حضرت کی زبان سے ان کلمات

کا نکلنا تھا کہ ایک کہرام سا مچ گیا اور لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔
عاشقانِ خدا کا یہی حال ہوتا ہے۔
سعدی نے سچ کہا ہے :-

قرار در کفِ آزادگان نہ گیرد مال
نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال

جب فریفتگانِ دنیا اپنی پونجی کھو کر بدحال ہو جاتے ہیں تو جو عشقِ الٰہی میں گرفتار ہو گا اسکی کیا کیفیت ہو گی۔

(ملاحظہ ہو الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ
تذکرہ فقیہ محمد بن احمد ابوبکر قدوری)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا مکتوبِ گرامی

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کے لئے ایک لمحہ فکریہ

حضرت شیخ الشیوخ عارف وقت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس اخیر دور میں حق تعالیٰ نے جیسی مرجعیت عطا فرمائی تھی کم کسی کو نصیب ہوئی ہوگی، ہند و پاک کے طالبانِ حق پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے اور حسب استعداد آپ کی صحبتِ بابرکت سے فیض اٹھاتے تھے تقسیم ملک کے بعد سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر یہ معمول تھا کہ باوجود پیرانہ سالی اور سخت ضعف و ناطاقتی کے پاکستان برابر تشریف لاتے اور مہینوں یہاں قیام فرماتے تھے۔ اس مرتبہ جو حضرت کی لاہور تشریف آوری ہوئی تو دورانِ قیام میں مرض الموت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور بالآخر بروز پنجشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو آپ کی روح پر فتوح اس دار فانی سے عالم جاودانی کو پرواز کر گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کے اقارب کے اصرار پر نعش مبارک لاہور سے ڈھڈیاں منتقل کی گئی اور شباً شب تدفین عمل میں آگئی موضع ڈھڈیاں کوٹ جھاوریاں ضلع سرگودھا سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی وطن اور آپ کا مولد و منشا ہے۔ تدفین عین اس جگہ عمل میں آئی جہاں حضرت اقدس علیہ الرحمۃ اپنے ڈھڈیاں کے دوران قیام میں وضو اور غسل فرمایا کرتے تھے۔ جب تک حضرت علیہ الرحمۃ کے قوی چلنے پھرنے کے قابل رہے معمول مبارک تھا کہ جب بھی پاکستان تشریف آوری ہوئی ڈھڈیاں ضرور تشریف لایا کرتے اور یہاں خاصا قیام فرماتے کبھی کبھی یہ مدت مہینوں تک ممتد ہو جاتی تھی۔ اس وقت تدفین میں اگرچہ سب حضرات شریک تھے جو لاہور سے اسی غرض کے لئے سفر کر کے یہاں تک آئے تھے، تاہم ہندوستان کے بعض خدام اور خاص کر وہ حضرات کہ جن کو رائے پور ہی میں رہنا تھا یہاں کی تدفین سے سخت کبیدہ خاطر تھے، اور یہ بات ایک قدرتی تھی۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ حضرتؒ کی تدفین رائے پور میں ہوگی لیکن خلاف توقع ایسا نہ ہو سکا اس لئے ان حضرات کی

برہمی بڑھ گئی، افسوس کہ ان لوگوں نے اپنی اس خواہش کا لاہور میں برملا اظہار نہیں کیا اور نہ اس پر کچھ زیادہ اصرار فرمایا، ورنہ ممکن تھا کہ حضرت کے اقرباء اور پاکستانی متوسلین اس بارے میں ایثار سے کام لے کر ان حضرات کی خواہش کا احترام کرتے لیکن ان لوگوں نے اس وقت کچھ بھی نہ کیا۔ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کی تدفین میں شریک ہوئے جا بجا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ کی امامت کی اور کسی مجمع میں بھی برملا . . . . دو لفظ اس سلسلہ میں اپنی زبان سے نہ نکالے، اور اس طرح ڈھڑیاں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین پر خود اپنے عمل سے مہر تصدیق ثبت کی، غرض بات آئی گئی ہوئی۔ حضرت کی تدفین پر دن پر دن گزرتے گئے اور نوبت ہفتوں اور مہینوں تک جا پہنچی تو اندر سے یہ شاخسانہ کھڑا ہوا کہ اُن میں سے ایک صاحب نے جن کا اثر و رسوخ سرکار بھارت میں ہے۔ بھارت سرکار کے ذریعہ سرکاری طور پر حکومت پاکستان سے مطالبہ کرا دیا کہ حضرت علیہ الرحمۃ چونکہ بھارت کے شہری تھے لہٰذا ان کی لاش کو بھارت منتقل کیا جائے۔ اس نامعقول مطالبہ پر حضرت کے تمام متوسلین اور متعلقین کو خواہ وہ پاکستانی ہوں یا ہندوستانی سخت رنج پہنچا۔ دفن کے بعد قبر کھودنا شرعاً حرام و ناجائز ہے یہ بات تو ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔ پھر اس بیہودہ مطالبہ سے حضرت علیہ الرحمہ کے ہر مخلص کو دکھ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد کا یہ عالم ہے کہ نعش مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے کے لئے ایک مستقل مہم جاری کر رکھی ہے اور آئے دن اخبارات میں بیان بازی کا سلسلہ چل رہا ہے جس سے حضرت کی جماعت میں افتراق و انتشار ہے۔ حالانکہ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ سب لوگ جو اس باب میں جھگڑ رہے ہیں حنفی ہیں مقلد ہیں مجتہد نہیں، دیوبندی ہیں بریلوی نہیں، کسی کی شخصی عقیدت میں اندھے نہ ہوں، آپس میں دست و گریباں ہونے سے کیا فائدہ، اپنے معتمد علیہ علماء سے مسئلہ پوچھ لیں اور بات ختم کر دیں۔ جہانتک ہو سکے کف لسان کریں دعا و انابت میں متوجہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس اختلاف کو دور کرے۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کا ایک مکتوب درج ذیل ہے جس میں حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ کے تمام متوسلین اور وابستگان سلسلہ کے لئے بڑا سامان عبرت ہے۔ واللہ الموفق۔

(نعمانی)

مکرم محترم مولانا الحاج شاہ محمد سعید احمد صاحب زادت معالیکم

بعد سلام مسنون۔ گرامی نامہ موجب منت ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کے خدام میں جو انتشار ہو رہا ہے اس کا حال خطوط سے معلوم ہو کر بہت ہی رنج و کلفت ہو رہی ہے۔ آپ سب حضرات کا مجتمع ہو کر سرگودھے جانا اور وہاں سے واپسی پر ڈھڈیاں جانا بھی عزیز جلیل کے خط سے معلوم ہو گیا تھا۔ یہ ناکارہ دعا کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہم لوگوں کے حال پر رحم فرمائے۔

میں نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے عرصہ ہوا یہ سنا تھا کہ جن مشائخ کے یہاں جس چیز کا بہت خصوصی اہتمام ہوتا ہے ان کے اخلاف میں اس کا ردِ عمل ہوا کرتا ہے، مجھے حضرت کا یہ مقولہ بار بار یاد آرہا ہے اعلیٰ حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے زمانے میں ان کے خدام کے آپس کا تعلق محبت تواضع دوسرے کا احترام ایسی ضرب المثل چیزیں تھیں کہ اس دور میں حضرت اقدس سہارنپوری حضرت شیخ الہند حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہم کے خدام میں یہ چیز ضرب المثل اور رشک کے طور پر ذکر کی جاتی۔ اللہ کی شان کہ اب اس کا ردِ عمل ایسا رونما ہو رہا ہے، کہ سننے سے بھی کلفت ہوتی ہے۔ آپ نے اس ناکارہ کی حاضری کے . . . . متعلق تحریر فرمایا۔ اگر یہ ناکارہ اس قابل ہوتا تو حضرت قدس سرہ کے بار بار ارشاد بالخصوص آخری طویل علالت میں کیسے ممکن تھا کہ حاضر نہ ہوتا۔ مگر یہ ناکارہ سفر سے بالکل ہی معذور اور معذوری ہیں روز افزوں۔ مسجد تک جانا بھی دشوار، دو آدمیوں کے سہارے بغیر جانا مشکل۔ دماغ کی یہ حالت ہے کہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا ریل یا کار کا سفر بھی ۲۴ گھنٹہ دورانِ سر کے لئے کافی ہے۔ ان حالات میں اس کا تصور بھی مشکل ہے کہ میں سفر کی ہمت کر سکوں گا۔ دعا فرماویں حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے صحت و قوت عطا فرماوے۔ مجھے خود ہی اکابر احباب سے ملاقات کا اشتیاق ہے مگر معذوری مجبوری ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ حضرت حافظ عبد العزیز صاحب کے ساتھ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء خواص اور علماء میں سے کون کون ہیں۔ اس کی تفصیل ضرور تحریر فرماویں۔ مزار پر حاضری ہو تو اس ناکارہ کی طرف سے بھی سلام عرض کر دیں۔ فقط والسلام

محمد زکریا

۲۸ ذیقعدہ ۸۲ھ

شخصیات

امام ابوالحسن کبیر سندھیؒ

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

[یہ مقالہ اگرچہ ایک ماہنامہ میں شائع ہو چکا ہے، لیکن اس قدر اغلاطِ کتابت سے مملو ہے کہ گویا مسخ ہو گیا ہے۔ اب مقالہ نگار کی نظرِ ثانی اور جدید اضافات کے ساتھ اس کو "بینات" میں شائع کیا جا رہا ہے۔ نعمانی]

مسلمانوں نے اپنے نبی پاک جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم کو جس طرح بعینہٖ اپنی اصلی شکل میں محفوظ رکھا، دنیا کی تمام دوسری قومیں اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ ترجمانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو الفاظ ادا ہوئے امت کے مختلف طبقوں نے ان کی حفاظت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ قراء و محدثین نے ان کو اپنے سینوں میں جگہ دی، اربابِ تجوید نے مخارج حروف کو، صرفیوں نے صیغوں کی ساخت کو، نحویوں نے ترکیب کلام کو منضبط کیا، اہل معانی نے اعجاز کلام کو سمجھنے کے لیے فن معانی و بیان کی تدوین کی، لغویوں نے مفردات کی تشریح کی، متکلمین نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کی توضیح کی، اصولیوں نے استنباط کے گُر بتائے، فقہاء نے ضوابط حیات کو متعین کیا، صوفیہ نے قلبی کیفیات کو محفوظ رکھا اور تنویر باطن پر متوجہ ہوئے۔

حاملان دین کے یہ طبقے عہد رسالت سے لے کر آج تک اس طرح مسلسل چلے آتے ہیں کہ ان میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ ان مبارک بزرگوں کے حالات میں جنھوں نے حفاظت دین کی یہ عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ آپ کو تاریخ اسلام میں سینکڑوں ہزاروں کتابیں ملیں گی۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر ان ہی خادمان دین میں سے اپنے ملک کی ایک ایسی عظیم شخصیت کا تعارف کرانا ہے جس کو اپنی جلالت علمی کی بناء پر ان مختلف طبقات میں خاص حیثیت حاصل ہے۔ یہ شیخ الحرم المدنی امام ابوالحسن کبیر سندھی ہیں جو نحو، معانی، منطق، اصول تفسیر، فقہ، حدیث ان تمام

علوم میں ایک بلند پایہ محقق سمجھے جاتے ہیں۔

سندھ کی سرزمین پر ۹۲ھ میں مسلمانوں نے اپنا قدم جمایا اور جب تک اس صوبہ کا تعلق مسلمانوں کی مرکزی حکومت سے رہا یکے بعد دیگرے متعدد اہل علم یہاں کی خاک سے اُٹھے اور علمی دنیا میں خاص شہرت کے مالک ہوئے، جن میں (۱) قاضی منصورہ ابوالعباس احمد بن محمد تمیمی منصوری فقیہ داؤدی (۲) حافظ حدیث خلف بن سالم سندی المتوفی ۲۳۱ھ، (۳) فقیہ ابونصر فتح بن عبداللہ (۴) محدث ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی المتوفی ۳۲۲ھ (۵) امام مغازی و سیر ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان سندی المتوفی ۱۷۰ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تاہم اس دور میں سندھ کو کبھی بھی یہ حیثیت حاصل نہیں ہوئی کہ جس طرح دیگر بلاد اسلامیہ کی طرف تشنگان علم نبوی سماع حدیث کے لیے سفر کیا کرتے تھے۔ سندھ کی طرف بھی کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جس طرح ان شہروں کی تاریخ پر کہ جن کو اس عہد میں کتاب و سنت کی مرکزی درس گاہ ہونے کی حیثیت حاصل تھی اور جہاں دور و دراز سے طلباء تحصیل حدیث کی غرض سے آیا کرتے تھے اور رواۃ و مسندین اور دیگر مشاہیر اہل علم کی نمایاں تعداد وہاں موجود ہوتی تھی مستقل کتابیں لکھی ہیں سندھ یا ہند کی تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی اور پھر جب سندھ کا تعلق دارالخلافہ سے کٹ گیا تو یہاں ہر شعبہ میں علمی انحطاط شروع ہوگیا اور علمی ترقی اس مقام سے آگے نہ بڑھ سکی کہ جتنی محکمہ قضا کو باقی رکھنے کے لیے اس وقت تھی اس لیے سندھ کو اس زمانہ میں وہ درجہ نصیب نہ ہو سکا جو دیگر ممالک عجم و فارس و خراسان و ماوراء النہر وغیرہ کو نصیب ہوا حتیٰ کہ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی نے جب اپنا مشہور رسالہ "الامصار ذوات الآثار" قلمبند کیا[1] جو ان شہروں کے حالات میں ہے کہ جو ایک زمانہ تک علم حدیث کی نشر و اشاعت کے مرکز رہ چکے ہیں تو برصغیر ہند و سندھ کے متعلق ان کو یہ رائے ظاہر کرنا پڑی

فالأقاليم التی لا حدیث بها یروی — اور وہ ممالک کہ جہاں حدیث کی روایت نہیں کی جاتی

ولا عرفت بذلك الصین اغلق الباب — اور نہ اس علم میں ان کی شہرت ہے چین ہے کہ جس

---

[1] یہ حافظ ذہبی کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں انہوں نے ان شہروں کا حال لکھا ہے جو ایک زمانہ میں حدیث و روایت کا مرکز رہ چکے ہیں، یہ رسالہ اب نہیں ملتا۔ محدث سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (ص ۱۳۶ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ) میں اس کو بہ تمام و کمال نقل کر دیا ہے اور جابجا ان شہروں کے متعلق اپنی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے جو ذہبی کی عبارت کے بعد "قلت" کہہ کر شروع ہوتا ہے۔

والهند والسند ۔ نے دروازہ ہی بند کر رکھا ہے اور ہند اور سندھ ہیں۔

حافظ ذہبی نے ۸۴۷ھ میں وفات پائی ہے اس بناء پر یوں سمجھنا چاہیے کہ آٹھویں صدی کے وسط تک علم حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کی کچھ شہرت نہ تھی۔ باقی یہ ایک الگ بات ہے کہ اس دور میں بھی ایک آدھ محدث اس برصغیر ہندوپاک کے طویل وعریض علاقہ میں کہیں نہ کہیں موجود ہو چنانچہ امام حسن بن محمد صغانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ اور شیخ الاسلام عماد الدین مسعود بن شیبہ سندھی مصنف کتاب التعلیم وطبقات الحنفیہ تو اس پایہ کے محدث گذرے ہیں کہ ان کی تالیفات سے خود عربی دنیا نے فائدہ اٹھایا ہے بلکہ حافظ عبد القادر القرشی ۷۷۵ھ نے الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ میں امام صغانی کے تذکرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ

سمع بمکۃ و عدن والھند ۔ انھوں نے مکہ معظمہ، عدن اور ہندوستان میں حدیث کی سماعت کی ہے۔

اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ خود ہندوستان میں بھی ساتویں صدی میں درس حدیث کا سلسلہ موجود تھا تاہم چونکہ اس ملک میں علم حدیث کی عام اشاعت نہ تھی اس لیے حافظ ذہبی نے اس کا شمار ان ممالک میں نہیں کیا کہ جو حدیث وروایت کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ محدث سخاوی نے بھی "الاعلان بالتوبیخ" میں حافظ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کر کے اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک ہندوستان کی اس فن میں وہی حالت تھی جو ذہبی نے بیان کی ہے، سخاوی کی وفات ۹۰۲ میں ہوئی ہے اس لحاظ سے ہم کو یوں سمجھنا چاہیے کہ نویں صدی کے اخیر تک یہاں علم حدیث کا رواج نہ تھا۔

اسناد وروایت میں سندھ و ہند کے ترقی نہ کرنے کے کچھ قدرتی اسباب بھی ہیں، سندھ ایک مدت سے دارالخلافہ سے کٹا ہوا تھا پھر باطنیہ کی تحریک یہاں زوروں پر تھی جس نے آگے چل کر ملک پر مکمل اقتدار جما لیا اور طویل عرصہ تک باطنیہ نے یہاں حکومت کی، ادھر ہندوستان میں مسلمانوں کو جب اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا اور فارغ البالی کے ساتھ حکمرانی کرنے کا وقت آیا جو علوم و فنون کی نشو ونما کے لیے بہترین وقت ہوتا ہے تو عالم اسلام پر زوال آچکا تھا۔ تاتاری وحشیوں نے خوارزم سے لے کر بغداد تک تمام بلاد اسلامیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا تھا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس خونیں انقلاب میں سب سے زیادہ نقصان حنفیوں کو اٹھانا پڑا۔ ان کے تمام علمی مراکز تباہ

ہو گئے. کتب خانے برباد ہو گئے اور علماء تہ تیغ کر دیے گئے اس سے پہلے دینی علوم کی وہ سیادت جو اس سے
پہلے عراق و فارس اور خراسان و ماوراء النہر میں علماء احناف کو حاصل تھی تمام تر علماء دماشقہ و مصاریہ[1] کو منتقل
ہو گئی. حنفیوں نے زوال بغداد پر علمی حیثیت سے اتنا بڑا نقصان اٹھایا تھا کہ اس کی تلافی صدیوں کے بغیر ناممکن
تھی. چنانچہ یہی ہوا تین سو سال تک علوم اسلامیہ میں صرف مصر و شام سے کیا بلحاظ کثرت تعداد اور کیا بلحاظ
جلالت مرتبت جس قدر اور جس شان کے علماء پیدا ہوتے سارے عالم اسلام سے نہ ہو سکے.

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں. دسویں صدی ہجری سے آہستہ آہستہ یہ علمی سیادت
ہند و سندھ کی طرف منتقل ہونا شروع ہو گئی اور ان قرونِ متاخرہ میں جیسے اکابر علماء یہاں کی سرزمین سے
اٹھے سارا عالم اسلام ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے. علم حدیث ہی کو لے لیجئے اس سلسلہ میں
ہند و سندھ کے بارے میں ابھی حافظ ذہبی کی تصریح آپ کے گوش گزار کی جا چکی ہے، اب ذہبی وقت
محدثِ ناقد علامہ محمد زاہد کوثری علیہ الرحمۃ کا وہ اعتراف عظمت بھی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اس عظیم اقلیم کی
خدماتِ حدیث و سُنّت پر کیا ہے. فرماتے ہیں.

وكان حظ اقليم الهند من هذا الميراث	اور اقلیم ہند کے حصہ میں اس میراث نبوی
منذ منتصف القرن العاشر هو النشاط في	میں سے دسویں صدی ہجری کے وسط سے
علوم الحديث فاقبل علماء الهند عليها	علوم حدیث کی سرگرمی آئی ہے چنانچہ (اس عہد
اقبالاً كلياً بعد ان كانوا منصرفين الى الفقه	سے) ہندوستان کے علماء خالص فقہ اور علوم
المجرد والعلوم النظرية ولو استعرضنا	نظریہ میں مشغول رہنے کے بعد علوم حدیث
ما لعلماء الهند من الهمة العظيمة في علوم	پر بالکلیہ متوجہ ہوئے اور اگر ہم علوم حدیث کے
الحديث من ذالك الحين مدة ركود	متعلق علمائے ہند کی اس عظیم توجہ کا اس وقت سے
سائر الاقاليم لوقع ذلك موقع الاعجاب	جائزہ لیں کہ جب سے تمام ممالک اسلامیہ میں
الكلي والشكر العميق وكم لعلمائهم من	اس علم کی ترقی کا سلسلہ رک گیا تو یہ پوری تحسین
شروح ممتعة وتعليقات نافعة على	اور گہرے تشکر کا سبب بنے گا. چنانچہ اندازہ
الاصول الستة وغيرها وكم لهم	کیجئے کہ وہاں کے علماء نے صحاح ستہ وغیرہ

[1] اہل دمشق و اہل مصر.

من اياد بيضاء في نقد الرجال وعلل الحديث وشرح الآثار وتاليف مؤلفات في شتى الموضوعات والله سبحانه هو المسئول ان يديم نشاطهم في خدمة مذاهب اهل الحق ويوفقهم لامثال امثال ما وفقوا له الى الآن و ان يبعث هذا النشاط في سائر الاقاليم من جديد -

("مقالات کوثری" صفحہ ۷۳، طبع قاہرہ ۱۳۷۲)

پر کتنی مفید شرحیں اور کتنے مفید حواشی لکھے ہیں اور احادیث احکام پر ان کی کتنی وسیع تالیفات موجود ہیں اور تنقید رجال، علل حدیث اور شرح حدیث میں ان کے کس قدر شاندار کارنامے ہیں نیز حدیث کے متعلق مختلف موضوعوں پر انہوں نے کس قدر تالیفات چھوڑی ہیں دعا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ مذاہب حقہ کی خدمت کے سلسلہ میں ان کی سرگرمیوں کو مدام جاری رکھے اور اب تک جو کچھ ان کو کرنے کی توفیق ملی ہے اس سے کئی گنی کرنے کی مزید توفیق ارزانی فرمائے اور اس سرگرمی کو دوسرے ممالک میں بھی نئے سرے سے پیدا فرمائے (آمین)

اور پھر احادیث احکام کی مشہور ترین کتابوں کا ذکر کرکے فرماتے ہیں

ثم ياتي دور اخواننا الهنود من اهل السنة فمآثرهم في السنة في القرون الاخيرة فوق كل تقدير وشروحهم في الاصول السنة تزخر بالتوسع في احاديث الاحكام (صفحہ ۷۴)

پھر ہمارے اہل سنت ہندی بھائیوں کا دور آیا جن کے شاندار کارنامے پچھلی صدیوں میں علم سنت کے متعلق ہر اندازہ سے بڑھ کر ہیں اور صحاح ستہ پر ان کی شرحیں احادیث احکام کی وسیع معلومات سے بھرپور ہیں۔

اور مصر کے مشہور صحافی سید رشید رضا نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ۔

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن

اور اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو ان علوم کے زوال کا بلاد مشرق میں فیصلہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ یہ علوم مصر، شام، عراق

العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر۔ (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ ص ۶ طبع مصر)

اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے ضعیف ہو چکے ہیں حتیٰ کہ اس چودہویں صدی کے اوائل میں تو انتہائی ضعف کو پہنچ چکے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب امام ابوالحسن سندھی کا تذکرہ پڑھیے۔

نام و نسب

ان کا نام محمد کنیت ابوالحسن اور لقب نورالدین ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبدالہادی السندی التتوی ثم المدنی الحنفی، اپنے تلمیذ التلمیذ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی صغیر سے امتیاز کی بناء پر آپ کی شہرت ابوالحسن کبیر کے نام سے ہے۔

ولادت، تعلیم و تربیت

ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی اور تعلیم حاصل کی تا آنکہ اپنے وطن ہی میں ایک محقق عالم کی حیثیت سے شمار ہونے لگے اور طلبہ کا مرجع بن گئے۔ ان کے شاگرد رشید شیخ محمد حیات سندھی کا بیان ہے کان مولدہ فی السند فی بلدۃ یقال لها تتہ نشا بها عالماً محققاً مرجعاً للطلبۃ [۱]

علامہ مرادی کی سلک الدرر کا جو نسخہ ۱۲۹۱ھ میں آستانہ سے طبع ہو کر شائع ہوا ہے اور مکتبہ مثنی بغداد نے اس کا عکس لے کر حال میں دوبارہ چھاپ دیا ہے۔ اس میں ابوالحسن کے ترجمہ میں اس مقام پر عبارت میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے، مطبوعہ نسخہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"ولد بتتہ قریۃ من بلاد السند و نشابها ثم ارتحل الی تستر واخذ بها عن جملۃ من الشیوخ"

یعنی یہ ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے جو دیار سندھ کا ایک گاؤں ہے وہیں نشو و نما پائی پھر تستر کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ کی ایک جماعت سے تحصیل علم کی۔

ہمارے خیال میں یہ عبارت کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔ تستر کی طرف سفر کا کوئی تذکرہ نگار ذکر نہیں کرتا ویسے بھی تستر کی طرف سفر کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ اس زمانہ میں اس کی کوئی علمی شہرت نہ تھی کہ وہاں سفر کر کے جایا جاتا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف (کمپوزیٹر) یا کاتب کی عنایت سے یہاں تتہ کا

---

[۱] درج الدرر فی نقض وجوہ وضح الایدی تحت السرر۔ از ابوتراب رشد اللہ۔

تستر ہو گیا ہے اور ولد بتتہ میں اس گاؤں کی نشاندہی سے جو ٹھٹھہ کے حوالی میں شیخ کا مولد تھا اور شاید تستر کی طرح اس کو بھی تتہ سے تجنیس خطی کا شرف حاصل ہوگا ورنہ ظاہر ہے کہ "تتہ کی حیثیت اس عہد کی تاریخ میں قریہ کی نہیں بلکہ بلدہ عظیمہ کی تھی، صاحب نزہتہ الخواطر کا ماخذ علامہ ابوالحسن کبیر کے تذکرہ میں یہی "سلک الدرر" ہے، وہ تتہ کو قریہ بتلانے پر تو چونکے ہیں اور اس لیے انہوں نے عبارت میں تصرف کر کے ولد بتتہ قریہ من بلاد السند کی بجائے ولد ببلدہ تتہ من اقلیم السند لکھا ہے، لیکن اس طرف ان کا ذہن منتقل نہ ہوا کہ سفر تستر کی کیا ضرورت تھی اس لیے اس کو برقرار رکھا۔

اساتذہ و شیوخ

علامہ موصوف نے سوائے علم حدیث کے جملہ علوم و فنون کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی تھی۔ سلسلہ روایت کی بناء پر ان شیوخ کے نام تو محفوظ ہیں جن سے حرمین شریفین میں سماع حدیث کیا تھا، لیکن مقامی علماء جن کی بدولت شیخ کی علمی استعداد علوم متداولہ میں کمال کو پہنچی اور وہ علامہ وقت کہلائے ان میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہیں، مرادی کی مذکورہ بالا عبارت سے جس میں "تتہ" کا "تستر" بن گیا ہے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے واخذ بھا عن جماعۃ من الشیوخ یعنی انہوں نے وہاں کے اساتذہ کی ایک جماعت سے علم کی تحصیل کی تھی۔ ملا عابد سندی بھی یہی لکھتے ہیں کہ

اخذ عن جماعۃ من العلماء الاعلام فی بلدہ والحرمین وغیرھا[2]	انھوں نے نامی گرامی علماء کی ایک جماعت سے اپنے وطن میں اور حرمین وغیرہ میں علم حاصل کیا۔

ان علماء اعلام میں جو مشاہیر حرمین تھے وہ یہ ہیں۔

۱۔ ملا برہان الدین ابراہیم بن حسن الکردی الکورانی المتوفی ۱۱۰۱ھ شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے فرماتے ہیں۔

---

[1] بعد کو کتاب مذکور کی مزید مراجعت سے ہمارا قیاس صحیح نکلا چنانچہ ملا محمد حیات سندھی کے ترجمہ میں بھی یوں طبع ہوا ہے۔ ثم انتقل الیٰ "تستر" قاعدۃ بلاد السند ج ۴ ص ۳۴ پھر وہ "تستر" کی طرف جو صوبہ سندھ کا صدر مقام ہے منتقل ہو گئے اب اس میں کیا شک رہا کہ یہ "تستر" تتہ ہی کی تحریف ہے۔

[2] ملاحظہ ہو درج الدرر، واضح رہے کہ درج الدرر میں علامہ ابوالحسن کا جتنا تذکرہ ہے وہ بہ تمام وکمال صحیح مسلم کا جو حاشیہ علامہ موصوف کا ملتان میں شائع ہوا ہے اس کے آخر میں صفحہ ۹۰ پر مولوی عبدالتواب ملتانی نے نقل کر دیا ہے۔

"شیخ ابراہیم کردی قدس سرہ عالم بود و عارف در فنون علم از فقہ شافعی و حدیث و عربیت و اصلین ید طولی داشت، و در ہر یکے تصانیف دارد .... زبان فارسی و کردی و ترکی و عربی ہمہ می دانست و بتوقد ذہن و تبحر علم و زہد و تواضع و صبر و حلم متصف بود ..... عبداللہ[1] عیاشی گفت کہ کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ چوں تقریر مسائل حکمت کردے البتہ حقائق صوفیہ در ضمن آن ذکر کردے و ترجیح کلام صوفیہ بر تحقیق آنہا بیان فرمودے و گفتے ھؤلاء الفلاسفۃ قاربوا عثورا علی الحق ولم یھتدوا الیہ"[2]

علامہ مرادی کی سلک الدرر میں دوسرا تذکرہ موصوف ہی کا ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے

"ابراھیم بن حسن الکورانی الشھرزاری الشافعی نزیل المدینۃ المنورۃ الشیخ الامام العالم العلامۃ خاتمۃ المحققین عمدۃ المسندین العارف باللہ تعالیٰ صاحب المؤلفات العدیدۃ الصوفی النقشبندی المحقق المدقق برھان الدین"

پھر اخیر میں فرماتے ہیں۔

"کان جبلاً من جبال العلم، بحرا من بحور العرفان"

علامہ کورانی نے جو تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ان کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ صاحب سلک الدرر نے ان میں سے متعدد تصانیف کو نام بنام گنایا ہے۔ منجملہ ان کے "مسلک الابرار الی احادیث النبی المختار" بھی ہے جس میں انھوں نے امام ابو حنیفہؒ کی تابعیت کا اثبات کیا ہے۔ کورانی کا ثبت "الامم لایقاظ الھمم" جو ان کی مرویات کی اسانید پر مشتمل ہے ۱۳۲۸ھ میں حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

ملا صاحب کی ولادت ماہ شوال ۱۰۲۵ھ میں اپنے وطن کوران میں ہوئی جو شہرزور کا ایک قریہ ہے۔ اور بروز چہار شنبہ بعد عصر بتاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۱ھ مدینہ منورہ میں اپنے دولت کدہ پر وفات پائی۔ "مقالات سلیمان"[3] میں جو ان کی تاریخ وفات ۱۰۸۰ھ مرقوم ہے صحیح نہیں ہے۔ ۲۷ شعبان ۱۰۹۰ھ کو ملا کورانی نے

---

[1] "انسان العین" کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ اغلاط سے مملوء ہے اس میں "عبداللہ عیاشی" ہی طبع ہوا ہے لیکن ہمارے خیال میں صحیح محمد بن عبداللہ عباسی ہے جو ابراہیم کورانی کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ مرادی نے "سلک الدرر" میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ عبداللہ عیاشی نامی کوئی شخص ابراہیم کورانی کے تلامذہ میں متعارف نہیں ہے۔

[2] یہ فلاسفہ حق سے بہرہ ور ہونے کے قریب تھے مگر راہ نہ پا سکے [2] انسان العین فی مشائخ الحرمین ص ۸۷

[3] حصہ دوم ص ۳۹ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۳۸۷ھ

"الامم" کا ذیل تمام کیا ہے ۲؎ اسی طرح قاضی شوکانی نے جو "البدر الطالع" میں ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انھوں نے مکہ مشرفہ میں توطن اختیار کر لیا تھا وہ بھی درست نہیں ہے۔

۲۔ محمد بن عبد الرسول برزنجی، یہ ملا کورانی مذکور صدر کے شاگرد خاص تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ سید محمد برزنجی کہ یکے از اجلہ تلامذہ شیخ بود (ص ۹)

برزنجی کا شمار حرم نبوی کے مشہور مدرسین میں ہے۔ سید محمد خلیل مرادی نے سلک الدرر میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور المحقق المدقق النحریر الاوحد الھمام کے شاندار الفاظ سے ان کا تعارف کرایا ہے۔ محقق برزنجی نے ابراہیم کورانی کے علاوہ اور بھی بہت سے شیوخ و اساتذہ سے کہ معظمہ، ہمدان، بغداد، دمشق، قسطنطنیہ، مصر، ماردین اور حلب میں رہ کر فیض اٹھایا تھا۔ بعد میں مدینہ منورہ میں توطن اختیار کر لیا تھا اور وہیں غرّہ محرم ۱۱۰۳ھ میں وفات پائی تاریخ ولادت شب جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ ہے۔ آبائی وطن شہرزور تھا وہیں پیدا ہوئے اور نشوونما پائی۔ بہت سی مفید تصانیف آپ کی یادگار ہیں جن میں سے الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ۱۳۲۵ میں مصر کے مطبع السعادۃ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ عبداللہ بن سالم بصری، شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین میں ان کا بھی ترجمہ لکھا ہے فرماتے ہیں:

"شیخ عبداللہ بن سالم البصری ثم المکی احیاء بسیارے از کتب حدیث کرد، از انجملہ مسند امام احمد ......
و از کتب ستہ نیز اصول مصححہ ساخت ..... و بر بخاری شرح دارد مسمی بضیاء الساری کہ بہ سبب ضعف پیری اتمام آں نتوانست کرد، و ہمہ عمر بروایت کتب حدیث سرداً و بحثاً گذرانید، بالجملہ بتحقیق حافظ دریں زمانہ منافرد بود .... و سبب ایں سلسلہ وے شد از ابتدا صبا رغبت علم و علماء و صلاح و ورع پیشہ مرضیہ وے بود .... و ہیچ وقت خالی نبود وے از درس یا تلاوت یا نماز یا سخن ضروری......
عمرے طویل یافت و آں ہمہ در مرضیات الٰہی گذاشت و تا آخر عمر بوفور عقل و حفظ وصحت حواس متصف بود الا سامعہ کہ فی الجملہ فتور یافتہ بود ..... اہل مکہ اکثر ایشان بر وے سماع کردند رابع رجب ۱۱۳۴ھ اربع وثلاثین بعد الالف برفت از دنیا۔"

یوں علامہ سندھی نے اس طبقہ کے بعض اور اکابر سے بھی علم حدیث کی تحصیل کی ہے، لیکن مشہور یہی تین ہیں۔ شیخ عبدالحئی کتانی فاسی المتوفی ۱۳۸۰ھ فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات" میں شیخ ابوالحسن کبیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"یروی عن الشمس محمد بن عبد الرسول البرزنجی، والبرہان الکورانی، و عبداللہ البصری وتلک الطبقۃ"۔

ان تمام شیوخ و اساتذہ میں سب سے زیادہ جس کا اثر علامہ سندھی کے ذہن و فکر پر ہوا وہ شیخ ابراہیم کورانی ہیں، یاد رہے کورانی کی اس درسگاہ سے سندھ و ہند کے دو مشہور امام متاثر ہو کر نکلے ہیں۔ ایک امام ابوالحسن کبیر سندھی دوسرے امام ولی اللہ دہلوی، ابوالحسن نے باپ سے تحصیل حدیث کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کے بیٹے ابوطاہر بن ابراہیم کردی سے یہی درس گاہ ہے جہاں ان دونوں اماموں کی اثنیدیت میں اشعریت کا ــــــــ اور حنفیت میں شافعیت کا اور تصوف میں فلسفہ کا اور تنزیہ میں تشبیہ کا اور توحید شہودی میں توحید وجودی کا پیوند لگایا گیا ہے ان حضرات کی تصانیف میں ہمارے اہل علم کو جو بعض مقامات پہ فقہاء حنفیہ اور متکلمین سے کچھ اختلاف نظر آتا ہے وہ اسی کا اثر ہے اس تاثر کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ اگرچہ سندھ و ہند میں علوم معقول و منقول کی پوری تحصیل کر کے گئے تھے۔ لیکن ان کی معلومات میں دو بڑے خلا تھے ایک یہ کہ مشکاۃ سے آگے علم حدیث میں رسائی نہ تھی دوسرے قدماء حنفیہ کی تصانیف پر سرے سے نظر نہ تھی اس لیے قدرتی طور پر ان دونوں بزرگوں امام سندھی و ہندی کا جو اپنے [1] مدرسے کے مشہور و وسیع النظر عالم تھے، متاثر ہونا ضروری تھا۔

(باقی)

---

[1] السان العین ص ۱۲ و ۱۳ [2] ج ۱۰ ص ۱۰۳

امام ابوالحسن کبیر سندھیؒ

سفر حرمین، مجاورت حرم نبوی اور درس حدیث

علامہ سندھی نے جب تحصیل حدیث کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر کیا تو پھر وہیں کے ہو رہے اور مراجعت وطن کا خیال ہی دل سے نکال ڈالا۔ شروع شروع میں تو دس سال تک عزلت گزینی کی وجہ سے ان کی شہرت نہ ہو سکی۔ لیکن بعد کو جب حرم نبوی میں مجلس درس آراستہ کی تو آسمان علم پر خورشید درخشاں بن کر چمکے، ملاّحیات کے الفاظ ہیں: ثم سافر الی الحرمین علی نیۃ القراءۃ، فمکث فیھا نحواً من عشر سنین لم یشتھر لکثرۃ عزلۃ ثم جلس للتدریس فی الحرم النبوی (درج الدرر) مدینہ طیبہ میں علامہ موصوف جن کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، ارباب تذکرہ نے ان میں حسب ذیل کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر میں : تفسیر قاضی بیضاوی

حدیث میں : صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد بن حنبل۔

فقہ میں : ہدایہ۔

مقام درس کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ "مدینہ منورہ میں ایک مدرسہ "دارالشفاء" کے نام سے تھا جو اب تک کسی نہ کسی حال میں باقی ہے۔ میں نے اس کی زیارت کی ہے۔ "دارالشفاء" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے واقف نے یہ شرط کی ہے کہ اس میں قاضی عیاض کی کتاب "الشفاء فی حقوق المصطفٰےؐ" کا روزانہ درس دیا جائے۔ شیخ ابوالحسن سندھی گیارہویں[1] صدی ہجری کے وسط میں اس میں مدرس تھے ۱۱۳۹ھ میں وفات پائی"۔[2]

---

[1] گیارہویں صدی میں نہیں بلکہ بارہویں صدی میں اور وسط میں نہیں بلکہ اس صدی کے آغاز ہی سے مدرس تھے

[2] مقالات سلیمان ج۔ ۲ ص ۸۰ طبع اعظم گڑھ بھارت ۱۳۸۰ھ

حسن اخلاق و ورع و تقوی

علم کے ساتھ اللہ تعالے نے عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا، مزاج میں انکساری عمل میں نکوکاری اور کتاب و سنت کی اتباع کا جذبہ موصوف کے خصوصی اوصاف تھے۔ چنانچہ تذکرہ نگاروں نے فضل و ذکاء کے ساتھ ساتھ ان کی نکوکاری صلاح و تقوی اور زہد و ورع کو بھی خاص طور پر بیان کیا ہے۔

علامہ مرادی لکھتے ہیں۔

"اشتهر بالفضل والذكاء والصلاح ... وكان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً (ج ۳۔ ص ۶۶)

ملا محمد حیات کا بیان ہے:

وكان زاهداً متورعاً كثير الاتباع لكتاب الله تعالى وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم ومتواضعاً (ورج الدرر)

تصرف و کرامت

علامہ ابوالحسن کبیر کو حق تعالی نے کرامت و تصرف کے شرف سے بھی نوازا تھا۔ ملا محمد عابد سندھی نے "حصر الشارد" میں اس سلسلہ کے دو واقعات اپنے استاذ شیخ صالح فلانی سے ابوالحسن کبیر کے شاگرد محمد سعید سفر کی زبانی جو فلانی کے شیخ تھے نقل کیے ہیں۔

۱۔ جب علامہ سندھی کا وقت رحلت قریب آیا تو تلامذہ نے موصوف کی خدمت میں درخواست کی کہ تدریس کے سلسلہ میں اپنے تلامذہ میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں۔ اس پر علامہ ابوالحسن سندھی نے ان کو حکم دیا کہ شیخ محمد حیات سندھی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ سن کر سارے تلامذہ دم بخود رہ گئے اس وقت تو کچھ نہ بولے، لیکن باہر آکر آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ بھلا یہ تدریس کے لیے آگے بڑھیں گے۔ وجہ یہ تھی کہ شیخ محمد حیات سندھی ایک تو اس قدر ہکلاتے تھے کہ بمشکل کوئی لفظ ان کی زبان سے نکل پاتا تھا۔ پھر اپنے شیخ کے زمانہ حیات میں بات بھی بڑی دیر میں سمجھا کرتے بہرحال شیخ کی تعمیلِ وصیت میں جب ان کے شاگردوں نے اکٹھے ہو کر شیخ محمد حیات سے درخواست کی کہ آپ ہمیں سبق پڑھا دیجئے۔ اور در پردہ مقصد یہ تھا کہ اس طرح ان کے عجز کا اظہار ہو جائے اور وہ درس کے ارادہ سے اپنے آپ کو باز رکھیں مگر خلاف توقع ایسا نہیں ہوا۔ شیخ محمد حیات مسند درس

پر جلوہ آراء ہوئے۔ بیضاوی کا درس شروع ہوا اور جب شاگرد عبارت پڑھ کر خاموش ہوا تو شیخ محمد حیات نے سبق کی اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کی اور بحث میں وہ داد تحقیق دی کہ سارے تلامذہ حیران و ششدر رہ گئے۔ درس ختم ہوا تو سب نے اٹھ کر ان کے ہاتھ چومے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور سمجھ گئے کہ استاذ مرحوم کی نسبت ان کی طرف منتقل ہو گئی ہے اور ان کا فیض ان میں سرایت کر گیا ہے۔

۲- شیخ ابوالحسن کبیر علیہ الرحمہ دنیوی مال و متاع کے جمع کرنے سے بالکل نفور تھے۔ وفات کے وقت آپ کی صرف ایک صاحبزادی بقید حیات تھیں۔ آپ نے شیخ محمد حیات سے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد جو کچھ میری ٹوپی میں تمہیں ملے میری لڑکی کو دے دینا۔ شیخ محمد حیات کا بیان ہے کہ جس وقت شیخ ابوالحسن یہ فرما رہے تھے میری نظر اس ٹوپی پر جمی ہوئی تھی وہ اس وقت بالکل خالی تھی اس میں کچھ بھی نہ تھا، لیکن شیخ کی وفات کے بعد جب اس کو اٹھا کر دیکھا تو سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ سونا میں نے ان کی صاحبزادی کو پیش کر دیا[1]

تلامذہ

علامہ سندھی کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے ملا عابد سندھی لکھتے ہیں۔

واخذ عنہ جماعۃ	ان سے اتنی بڑی جماعت نے علم اخذ کیا
لا یحصون	کہ جو شمار نہیں کی جا سکتی۔

لیکن ان تمام تلامذہ میں ان کی جانشینی کا شرف جس خوش قسمت کے حصہ میں آیا وہ محدث محمد حیات سندھی مدنی ہیں۔ آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان" اور "مآثر الکرام" میں اور نواب صدیق حسن خان نے "اتحاف النبلاء المتقین" میں ان کا مبسوط تذکرہ کیا ہے۔ علی شیر قانع نے "تحفۃ الکرام" میں لکھا ہے کہ ملا حیات کے بعد ان کی مسند درس کو جس بزرگ نے سنبھالا وہ ملا موصوف کے شاگرد رشید شیخ ابوالحسن صغیر محدث سندھی ثم المدنی ہیں[2]۔ اس طرح حرم نبوی میں درس حدیث کا جو سلسلہ علامہ ابوالحسن کبیر نے جاری کیا تھا وہ ان کے شاگرد کے شاگرد تک برابر قائم رہا، اور ایک عالم اس سے فیضیاب ہوا۔

---

[1] کتب خانہ پیر وہب اللہ شاہ صاحب میں ایک مخطوطہ ہے جس کا اول غائب ہے۔ کتاب کا نام حصر الشارد لکھا ہوا ہے جو ملا عابد کا مشہور ثبت ہے۔ اسکی فصل ثانی میں یہ دونوں واقعات بہ تفصیل درج ہیں۔ [2] بر صفحہ آئندہ۔

علماء کا ان کی خدمت میں خراج تحسین

علامہ مرادی کے "سلک الدرر" میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں "محمد السندی، ابن عبدالھادی السندی الاصل والمولد الحنفی نزیل المدینۃ المنورۃ الشیخ الامام العالم العامل العلامۃ المحقق المدقق النحریر الفھامۃ ابوالحسن نورالدین...... درس بالحرم الشریف النبوی...... وکان شیخاً جلیلاً ماہراً محققاً بالحدیث والتفسیر والفقہ والاصول والمعانی والمنطق والعربیۃ وغیرھا"

شیخ جبرتی لکھتے ہیں۔

العلامۃ ذوالفنون ابوالحسن بن عبدالھادی الاثری شارح المسند والکتب الستۃ وشارح الھدایۃ۔

اور شیخ محسن ترہتی الیانع الجنی میں رقمطراز ہیں۔

وابوالحسن الکبیر ... کان عالماً جلیلاً فقیھا اصولیاً محدثاً من اصحاب الوجوہ فی المذھب [۱]

علامہ محمد عابد سندھی فرماتے ہیں۔

کان عالماً محدثاً ضابطاً متقناً حوی جمیع العلوم وخاض فی منطوقھا والمفھوم واختص بعلم الحدیث وبلغ فیہ الغایۃ (درج الدرر)

شیخ محمد حیات کے الفاظ ہیں۔

کان شیخاً جلیلاً ماھراً محققاً فی النحو والمعانی

---

[۲] قانع نے تحفۃ الکرام میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

"میاں غلام حسن المعروف بمخدوم ابوالحسن بحرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً رفتہ نمو وافی کرد، بعد فوت مخدوم محمد حیات سندی کہ مدرسہ آرائے مدینہ منورہ بود در آن سرزمین اعلم علماء واقدم فضلا زیستہ جانشین سرآمد محدثان باکمال وسرگروہ مدرسان قال وحال می باشند" (ج ۳ ص ۲۳۶)

[۱] ص ۳۳ طبع دیوبند برحاشیہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار۔ واضح رہے کہ سلک الدرر، عجائب الآثار، اور الیانع الجنی سے علامہ ممدوح کا تذکرہ راقم الحروف نے اپنی عربی تالیف ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجۃ میں نقل کر دیا ہے۔

والمنطق والاصول والتفسیر والحدیث وله تحقیق فی الفقه (درج الدرر)

صاحب فہرس الفہارس شیخ عبدالحی کتانی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے

ھو محدث المدینة المنورة واحد من خدم السنة من المتاخرین خدمة لایستھان بھا۔ (ص ۱۰۳ - ج ۱۰)

منزلت علمی

ان علماء اعلام کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ علامہ سندھی کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، عربیت، معانی، منطق تمام علوم میں تبحر کا درجہ حاصل تھا اور وہ ان سب فنون میں محققانہ امتیاز رکھتے تھے۔ خاص طور پر فقہ و حدیث میں ان کا درجہ بہت ہی اونچا تھا۔ علامہ سندھی کی متعدد تصانیف اب چھپ کر منظر عام پر آگئی ہیں جن سے ان کی جلالت علمی کا آج بھی اہل علم کو اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحاح ستہ پر حافظ سیوطی نے بھی تعلیقات لکھی ہیں اور علامہ سندھی نے بھی سنن نسائی اور ابن ماجہ پر ان دونوں حضرات کے حواشی طبع ہو چکے ہیں[1] دونوں کا موازنہ کر لیا جائے اس میں شک نہیں کہ حافظ سیوطی کے یہاں غرر نقول موجود ہیں اور علامہ سندھی نے خود ان کی شروح سے کافی فائدہ اٹھایا ہے، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاں نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام پڑتا ہے اور فہم مراد اور توضیح مطلب کی باری آتی ہے وہاں کس کا پلہ بھاری ہے یہ مختصر مقالہ بیان امثلہ کا متحمل نہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ حافظ سیوطی اگر وسعت نظر میں بڑھے ہوئے ہیں تو علامہ دقت نظر میں فائق ہیں اور جہاں پر دوسرے شارحین توجیہ حدیث سے عاجز ہوتے ہیں۔ وہاں علامہ سندھی بہترین توجیہ پیش کر دیتے ہیں، حافظ سیوطی کو سات علوم میں اجتہاد کا دعویٰ تھا۔ منجملہ ان کے نحو و عربیت بھی

---

[1] سنن نسائی پر تو ان دونوں حضرات کے حاشیے ہندوستان و مصر میں کتاب کے ساتھ ہی طبع ہوئے ہیں۔ مگر سنن ابن ماجہ پر علامہ سندھی کا حاشیہ تو متن کے ساتھ مصر میں طبع ہو گیا ہے، لیکن حافظ سیوطی کا حاشیہ کتاب کے ساتھ طبع نہیں ہوا بلکہ اس کا اختصار جو شیخ دمنتی نے کیا ہے وہ مصر میں بغیر متن کتاب کے الگ شائع ہوا ہے یہ اختصار کہنے کو اختصار ہے ورنہ اصل کتاب کی پوری نقل ہے۔ صرف کتب حدیث کے حوالوں میں نام ذکر کرنے کے بجائے ان کے رموز دے دیئے ہیں۔

ہیں لیکن نسائی کے دونوں حاشیے اس بات کے شاہد ہیں کہ متعدد مقامات پر علامہ سیوطی نے تحلیل صرفی یا ترکیب نحوی یا وجوہ معانی کے لحاظ سے کسی ایک خاص توجیہ کی صحت سے انکار کیا اور ہمارے علامہ نے اسی خاص توجیہ کو صرف یا نحو یا علم معانی کی روشنی میں مدلل و مبرہن کر دیا۔ سنن نسائی کے تراجم ابواب پر جس طرح علامہ سندھی نے کلام کیا ہے کسی نے نہیں کیا اسی طرح سنن ابن ماجہ کے زوائد پر حافظ بوصیری کی تحقیقات کو نقل کرکے حافظ سیوطی کے مقابلہ میں انھوں نے اپنی شرح کو آسمان پر پہونچا دیا ہے۔

علم حدیث پر علامہ سندھی نے خاص توجہ کی ہے اور اس فن میں انھوں نے بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ برِّصغیر پاک و ہند میں یہی ایک بزرگ ہیں جن کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں پر شرح لکھنے کا فخر حاصل ہے ان کی ——— جلالت قدر کا اعتراف عرب وعجم کے علماء کو ہے۔ شیخ اسماعیل بن محمد سعید نے جب اپنے مشہور شاگرد کو علم حدیث کی سند دی تو علامہ سندھی کے متعلق یہاں تک لکھ دیا کہ

"کان احد الحفاظ المحققین والجھابذۃ المدققین"[1] علامہ ممدوح کے محقق و مدقق اور جہبذ ہونے میں تو ہمیں کلام نہیں البتہ ان کو حافظ حدیث کہنا مبالغہ سے خالی نہیں، حافظ کی جو تعریف کتب اصول حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ ان پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان پر روایت سے زیادہ درایت کا غلبہ ہے۔ ہمارے نزدیک علم حدیث میں ان کا وہی درجہ ہے جو علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ کا۔ حافظ سیوطی نے علامہ طیبی کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

ولہ المام بالحدیث لکنہ لم یبلغ فیہ درجۃ الحفاظ، و منتھی نظرہ الکتب الستۃ ومسند احمد والدارمی لا یخرج من غیرھا۔[2]	ان کو علم حدیث پر توجہ رہی ہے، لیکن یہ اس فن میں حفاظ حدیث کے درجہ پر نہ پہنچ سکے، ان کا منتہائے نظر صحاح ستہ، مسند احمد اور دارمی ہیں ان کے علاوہ اور کتابوں سے یہ تخریج حدیث نہیں کرتے۔

---

[1] فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات از حافظ عبدالحئی فاسی المتوفی ۱۳۸۰ھ ج ۱ ص ۱۰۳

[2] شرح المواہب اللدنیہ از علامہ زرقانی ج ۵ ص ۷۷ طبع مصر۔

علامہ طیبی کی طرح علامہ سندھی کا منتہائے نظر بھی صحاح ستہ اور مسند احمد پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اس لیے حافظ حدیث کے بجائے ان کو محدث فقیہ کہنا زیبا ہے۔ کتب مذکورہ کے متون احادیث پر ان کی بڑی گہری نظر ہے وہ شرح حدیث کے امام ہیں اور خوب سے خوب توجیہ اور عمدہ سے عمدہ نکتے بیان کرتے ہیں۔

فقہ میں بھی علامہ کے شاگرد ملا حیات سندھی نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ "ولہ تحقیق فی الفقہ" جو ایک حقیقت کا بیان ہے کہ بعض مسائل فقہ میں ان کی تحقیق حنفی مذہب سے الگ ہے، مگر صاحب "الیانع الجنی" نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ "من اصحاب الوجوہ فی المذہب" معلوم نہیں صاحب الیانع الجنی اصحاب الوجوہ کی اصطلاح سے واقف بھی تھے یا نہیں "اصحاب الوجوہ" کا درجہ مجتہد فی المذہب سے بڑھ کر اور مجتہد مطلق منتسب کے بعد ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جو طحاوی کرخی حارثی اور جرجانی کا تھا، علامہ سندھی کو ان آئمہ سے وہی نسبت ہے جو ستارہ کو آفتاب سے۔ یہ تحقیق و وجوہ جنہیں اتنی اہمیت دی جا رہی ہے وہی ہیں جن کی داغ بیل ملا کورانی کی درسگاہ میں پڑی تھی۔ یہاں علمائے شوافع کی بہترین کتابیں مطالعہ کے لیے موجود تھیں، مگر احناف کی ترجمانی کے لیے فتح القدیر سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ امام شافعی کی کتاب الام اور بغوی کی شرح السنہ کا مقابلہ جبکہ صحاح ستہ کی بتویب بھی سامنے ہو تنہا فتح القدیر سے نہیں کیا جا سکتا اس لیے اثنائے درس میں جن تحقیقات نے دل میں گھر کر لیا تھا وہ آخر تک اپنا رنگ دکھاتی رہیں۔ "تاہم علامہ سندھی اپنے کو حنفی ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ علامہ سندھی اور شاہ ولی اللہ یہ دونوں بزرگ حنفی مذہب کے مسائل کو صحاح ستہ اور مسند احمد کی روایات پر پیش کیا کرتے ہیں۔ اگر موافقت ہو تو فبہا، ورنہ درصورت اختلاف ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جن پر ارباب صحاح نے تبویب کی ہے۔ اس تحقیق میں ایک تو کمی یہ ہے کہ بعض اوقات ایک روایت ان ہی کتابوں میں موجود ہوتی ہے مگر وہ اس لیے نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ اپنے مظان پر مذکور نہیں ہوتی جیسے رویت ہلال کا مسئلہ کہ جب مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی شہادت درکار ہے کہ جس پر اطمینان کیا جا سکے یہ مسئلہ جس حدیث سے لیا گیا ہے وہ نہ کتاب الصوم میں ملے گی نہ ابواب عیدین میں بلکہ کتاب الصلوۃ باب سجود السہو میں ملے گی جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اٹھ

کر تشریف لے جانے لگے اس پر ذوالیدین نامی ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا نماز کم گئی یا آپ بھول گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی بات کا یقین نہ کرتے ہوتے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا ظاہر ہے کہ جس واقعہ سے سب کو سابقہ پڑا ہو وہاں تنہا ایک شخص کا بیان کس طرح کافی ہو سکتا تھا اور جب دیگر صحابہ نے بھی اس امر کی شہادت دی تو آپ نے بقیہ نماز ادا کر کے سجدہ سہو ادا فرمایا اس روایت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس مسئلہ میں ابتلاء عام ہو وہاں خبر احاد قابل قبول نہیں بلکہ اتنی وقیع شہادت درکار ہے جو قابلِ اطمینان ہو۔ اسی بناء پر مسئلہ رویت ہلال میں فقیہ ابوب بلخی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں پانچسو آدمی بھی بلخ میں کم ہیں ظاہر ہے کہ جہاں لاکھوں نظریں آسمان پر جمی ہوں وہاں معدودے چند افراد کی شہادت کیسے قبول کی جا سکتی ہے، تاہم بعض فقہا کی نظر اس روایت پر نہ گئی اور انھوں نے اس موقع پر بھی دو آدمیوں کی شہادت کو کافی سمجھ لیا۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حدیث کا ذخیرہ ان ہی چند کتابوں میں محدود نہیں بعض وقت یا تو سرے سے ایک مسئلہ کی روایت ان میں موجود ہی نہیں ہوتی۔ یا ہوتی بھی ہے تو وہ قابل ترجیح سند سے نہیں ہوتی ایسی صورت میں جس کی نظر میں جو روایت ہوگی وہ اسی کو ترجیح دے گا۔ علامہ مخدوم محدث محمد ہاشم سندھی اور علامہ ابوالحسن سندھی کی تحقیقات میں بنیادی فرق یہی ہے کہ مخدوم صاحب جب کسی مسئلہ کی تحقیق کرنے بیٹھتے ہیں تو اپنی تحقیقات کا دائرہ مسند احمد اور صحاح ستہ تک محدود نہیں رکھتے بلکہ جیسا کہ ان کے نامور صاحبزادے مخدوم مولانا عبداللطیف سندھی نے ذب ذبابات الدراسات (ص ۱۵-ج ۱) میں تصریح کی ہے وہ حدیث کی سو ڈیڑھ سو کتابوں کا ایک ساتھ جائزہ لے ڈالتے ہیں اور جب تک پوری طرح اطمینان نہیں کر لیتے اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو حدیث و فقہ کی بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ بھی ایسا عنایت کیا تھا کہ باید و شاید[1] یہی وجہ ہے کہ اس دیار میں مخدوم صاحب کے مقابلہ میں اور کسی عالم کا چراغ روشن نہ ہو سکا۔

"تاہم اجتہادی مسائل میں طرفین سے مجال سخن تنگ نہیں، غلط فہمی نہ ہو مسائل فروعیہ کی الگ بات ہے۔ جہاں تک شرح حدیث اور توجیہ معانی کا تعلق ہے نہ علامہ ابوالحسن سندھی کی نظیر علماء سندھ

---

[1] ان کے قیمتی کتب خانہ کی یادگاریں آج بھی آپ کو سندھ و ہند کے کتب خانوں میں بکھری ہوئی ملیں گی۔

ہیں ہے نہ شاہ ولی اللہ کی مثال علماء ہند میں، دقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی ان دونوں بزرگوں پر ختم ہے۔

تصانیف

(۱-۶) حواشی علی الصحاح الستۃ: یہ حدیث کی مشہور چھ کتابوں پر ان کے الگ الگ چھ حاشیے ہیں البتہ جامع ترمذی پر ان کا حاشیہ مکمل نہ ہو سکا۔ سنن ابن ماجہ کا حاشیہ سب سے زیادہ مبسوط ہے باقی حواشی مختصر ہیں ان حواشی میں مطمح نظر زیادہ تر کتاب کا حل اور مشکل مقامات کی توضیح ہے، ضبط لفظ، ایضاح غریب، تفصیل اعراب سے زیادہ اعتنا کیا ہے، جو کچھ لکھتے ہیں کام کی بات لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری اور سنن ابن ماجہ کے حواشی مصر میں مکرر طبع ہو چکے ہیں، سنن نسائی کا حاشیہ ہندوستان اور مصر دونوں جگہ سے شائع ہو چکا ہے۔ صحیح مسلم کا حاشیہ جو نہایت مختصر ہے ملتان سے شائع ہوا ہے۔ سنن ابی داود کا حاشیہ جس کا نام فتح الودود ہے اگرچہ علیحدہ طبع نہیں ہوا، لیکن سنن ابی داود کے تمام شروح و حواشی میں موقع بموقع منقول ہے اس کا قلمی نسخہ بھی کتب خانہ پیر جھنڈو میں موجود ہے۔

۷۔ حاشیہ علی مسند الامام احمد۔ اس کا ربع اوّل صاحب فہرس الفہارس کے پاس موجود تھا۔ جس کا تعارف انھوں نے ان لفظوں میں کرایا ہے۔ "لا یستغنی عنها مطالعه و قاريه" (کہ جس کو مسند کا مطالعہ کرنا یا پڑھنا ہو وہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا) صاحب سلک الدرر لکھتے ہیں "وله حاشية نفيسة على مسند الامام احمد۔ محمد حیات فرماتے ہیں وکتب عليه حاشية جليلة لم يسبق اليها۔

۸۔ حاشية على تفسير البيضاوى ملا حیات اس کے بارے میں لکھتے ہیں وكتب عليها حاشية لطيفة

۹۔ حاشیہ علی فتح القدیر شرح الہدایہ۔ یہ کتاب النکاح تک تو فتح القدیر کا حاشیہ ہے اور پھر اس کے متن ہدایہ کا۔ ملا حیات اس کو حاشیہ ذات تحقیق بتاتے ہیں۔ اس حاشیہ کا نام البدر المنیر ہے اس کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ اور پشاور کے اسلامیہ کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۰۔ حاشیہ کتاب الاذکار امام نووی۔

۱۱- حاشیہ علی الزہراوین، ملا علی قاری

۱۲- تفسیر لطیف - یہ ایک مختصر سی تفسیر ہے

۱۳- حاشیہ علی الجلالین

۱۴- حاشیہ علی شرح جمع الجوامع لابن القاسم اس کا نام الآیات البینات ہے۔

۱۵- الفیوضات النبویہ فی حل المغازی البرکویۃ - اس کا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے

۱۶- حاشیہ علی شرح النخبہ - اس کا ذکر صاحب فہرس الفہارس نے کیا ہے - لیکن ہمارے خیال میں ان کو مغالطہ ہوا ہے۔ یہ حاشیہ ابوالحسن کبیر کا نہیں بلکہ ابوالحسن صغیر کا ہے جو لاہور سے طبع ہوکر شائع ہوچکا ہے۔

۱۷- الوجازۃ فی الاجازۃ لکتب الحدیث مع ذکر بعض الاحادیث الممتازۃ - اس کا ذکر حافظ عبدالحئی فاسی کتانی نے "فہرس الفہارس والاثبات" میں کیا ہے[1] یہ علامہ سندھی کا "ثبت" ہے جس میں علامہ موصوف نے کتب حدیث کی اسانید اپنے شیوخ سے لے کر مصنفین کتب تک بیان کی ہیں اور بعض خاص خاص حدیثوں کو سند کے ساتھ روایت بھی کیا ہے۔

اس "ثبت" کو محدث عبدالحئی کتانی "فہرس الفہارس والاثبات" میں علامہ ابوالحسن سندھی کے شاگرد خاص محمد حیات سندھی کے واسطے سے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ ان اسانید میں خاص طور پر یہ دو سندیں قابل ذکر ہیں۔

۱- عن الشیخ محمّد سعید زمان السندی عن ابیہ الشیخ محمد زمان السندی عن الشیخ عابد السندی عن عمہ محمّد حسین بن مراد السندی عن ابی الحسن محمد بن صادق السندی عن محمد حیات السندی عن الامام المحدث الکبیر الشیخ ابی الحسن محمد بن عبد الهادی السندی المدنی[2]

اس سند کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ "مسلسل بالسندیین" ہے یعنی اس سند میں کوئی غیر سندھی راوی نہیں ہے حافظ عبدالحئی کے شیخ سے لے کر آخر تک مسلسل سب راوی سندھی ہی ہیں۔ یہ مغرب اقصیٰ

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ج-۱ ص ۴۴۵ طبع طالحہ فاس ۱۳۴۷ھ [2] ایضاً ج-۱ ص ۱۰۳

کے محدث ہمارے شیخ الشیخ شیخ عبدالحئی کتانی المتوفی ۱۳۸۰ھ کا وہ امتیاز ہے جو شاید ہی برصغیر ہند و پاکستان کے کسی محدث کو حاصل ہوا ہو۔

۲- اخبرنی الشیخ احمد المکی عن المولوی فرید الدین بن فسیح الدین کاکوروی الحنفی عن الشیخ تقی الدین علی بن الشیخ تراب علی عن امین الدین بن حمید الدین الکاکوروی عن ابی الحسن السندی الصغیر عن شیخہ محمد حیاۃ عن ابی الحسن الکبیر۔ اس سند کے بارے میں محدث کتانی کی تصریح ہے۔ وھذا اسیاق غریب (یعنی یہ نادر سلسلہ سند ہے)[1]

محدث صالح فلانی المتوفی ۱۲۱۸ھ نے "قطف الثمر فی رفع اسانید المصنفات فی الفنون والاثر" میں لکھا ہے کہ

> "شیخ ابوالحسن سندھی کبیر نے "صحاح ستہ" اور مسند امام احمد پر جو حواشی لکھے ہیں میں نے ان کے اوائل کو شیخ محمد سعید سفر سے پڑھا ہے اور شیخ موصوف نے مجھے ان ساتوں کتابوں کی روایت کی اجازت عطا کی ہے۔ اور شیخ محمد سعید نے خود مؤلف سے ان کتابوں کے راوی ہیں"[2]

محدث عبدالحئی کتانی نے فہرس الفہارس" میں شیخ صالح فلانی کے مذکور الصدر ثبت "قطف الثمر" کو باسانید کثیرہ روایت کیا ہے جن میں مشہور ترین سند حسب ذیل ہے۔

عن الشیخ الوالد عبدالکبیر عن الشیخ عبدالغنی المجددی عن الشیخ عابد السندی واسماعیل بن ادریس الرومی کلاھما عن الفلانی۔

اور خاکسار مقالہ نگار محمد عبدالرشید نعمانی کو محدث کتانی رحمہ اللہ سے بیک واسطہ اجازت کا شرف حاصل ہے چنانچہ مجھے شیخ حسن مشاط اور سید علوی مالکی رحمہما اللہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے اور ان دونوں حضرات کو محدث کتانی سے اس طرح الحمد للہ امام ابوالحسن کبیر سندھی تک اپنا سلسلہ اسناد بھی پہنچ جاتا ہے۔

فی الجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است

---

[1] ایضاً ج ۱۔ ص ۱۰۴ [2] ص ۸۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۸ھ

اور میں" فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات" کی روایت کی اجازت اپنے
برادر خورد مولانا محمد عبدالحلیم چشتی اور فرزند عزیز مولوی محمد عبدالشہید سلمہما اللہ تعالیٰ کو دیتا ہوں
امام ابوالحسن کبیر کی تمام تصنیفات بغایت نافع ومفید تھیں حق تعالیٰ نے قبول عام بھی انکے شایاں شان نصیب فرمایا
مرادی لکھتے ہیں۔" الف مؤلفات نافعة ... التی سارت بها الرکبان"
اور صاحب الیانع الجنی کی تصریح ہے۔ له مولفات نافعة جداً

وفات : سنہ وفات میں عجیب اختلاف ہے۔ ملا عابد سندی نے ۱۱۴۱ لکھا ہے (درج الدرر) ملاحیات
۱۱۳۹ بتاتے ہیں (درج الدرر) مرادی نے ۱۱۳۸ بیان کیا ہے اور جبرتی نے ۱۱۳۶ فہرس الفہارس اور الیانع
الجنی میں ۱۱۳۹ . . . . . ہی مرقوم ہے، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، عورتیں تک شریک ہوئیں، بازار میں دکانیں
بند رہیں عمال حکومت ان کا جنازہ کاندھوں پر لیے ہوتے پہلے حرم نبوی میں حاضر ہوتے اور وہیں نماز
جنازہ ادا کی گئی پھر بقیع میں تدفین عمل میں آئی لوگوں کو ان کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ ایک خلقت ان کے
غم میں رو رہی تھی۔ غفر اللہ له مغفرة عامة ورحمه رحمة واسعة۔

محمد عبدالرشید نعمانی

یوم دوشنبہ ۹ رشوال المکرم ۱۳۸۰ ھجری

مولانا عبدالرشید نعمانی

حضرت مولانا بنُوری رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۴۷ھ (۱۹۳۸ء) کے غالباً درمیان سال کا واقعہ ہے، مہینے کی تعیین ذہن سے اتر گئی کہ مولانا محمد یوسف صاحب کامل پوری حیدرآباد دکن تشریف لائے۔ مولانا کو ''مجلس علمی ڈابھیل'' نے وہاں اس غرض سے بھیجا تھا کہ امام حافظ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۶۲ھ کی علم حدیث میں مشہور ومعروف تالیف ''نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ'' کا جو قلمی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ ''سعیدیہ'' میں موجود تھا، اس کا مقابلہ مطبوعہ نسخہ سے کیا جائے، مجلس مذکور تصحیح وتحشیہ کے اہتمام کے ساتھ مصر میں دوبارہ طبع کرانا چاہتی تھی۔ چنانچہ مولانا کا قیام اس سلسلہ میں دو ماہ کے قریب حیدرآباد دکن میں رہا' اثناء قیام مولانا محمد یوسف صاحب کامل پوری دفتر ''معجم المصنفین'' میں صاحب ''معجم المصنفین'' حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۶ء) کی خدمت میں بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ میں بھی ''معجم المصنفین'' کے عملہ سے وابستہ ہوچکا تھا۔ مولانا کامل پوری سے میری ملاقات وہیں ہوئی۔ اثناء گفتگو انہوں نے ''نصب الرایہ'' اور ''فیض الباری'' کی مصر میں طباعت شروع ہونے کا حال بتلایا اور فرمایا کہ: ان دونوں کتابوں کی طباعت کے اہتمام کے لئے مجلس علمی نے مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری کو مصر روانہ کیا۔ بس یہ پہلا موقع تھا جب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی میرے کانوں میں پڑا' پھر دونوں کتابیں چھپ کر آئیں۔ ان سے استفادہ کا موقع بھی ملا' لیکن حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا موقع نہ ملا۔ تاآنکہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کی نوبت آئی اور مجلس علمی کا کتب خانہ ڈابھیل سے کراچی منتقل ہوا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں حضرت مولانا بنوری اور مولانا احمد رضا خان بجنوری دونوں حضرات کی کراچی میں آمد ہوئی اور اس وقت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی پہلی مرتبہ زیارت

ہوئی۔ اس زمانے میں حضرت مولانا کے ساتھ متعدد ملاقاتیں ہوئیں' جن میں اکثر علمی مذاکرہ کا سلسلہ چلتا۔ مذاکرہ میں ہمیشہ مولانا کو حاضر العلم، قوی الحافظہ، متوقد الذہن پایا۔ اس موقع پر کراچی میں محض چند روز حضرت مولانا کا قیام رہا اور پھر واپس ڈابھیل روانہ ہوگئے' اس کے بعد جب ٹنڈو الٰہ یار میں دار العلوم کا قیام عمل میں آیا تو مولانا استاذ حدیث ہوکر وہاں تشریف لائے۔ صدر المدرسین اس زمانہ میں وہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا سے خاصہ ارتباط رہا۔ حضرت مولانا طبیعت کے اعتبار سے بڑے ذکی اور حساس تھے' ہر چیز پر نظر رکھتے تھے' اس لئے مدرسہ کی انتظامیہ سے ان کی نہ بن سکی' حالات میں بگاڑ پیدا ہوا۔ میں تو صورتحال دیکھ کر پہلے ہی مستعفی ہوکر آ گیا تھا' لیکن مولانا نے اس امید پر شاید اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا ہو' وہاں مزید دو سال تک قیام فرمایا' آخر میں پھر وہ بھی کراچی تشریف لے آئے اور یہاں آ کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ واقع جامع مسجد نیوٹاؤن کی بنیاد ڈالی' جو ان کے خلوص اور کوشش کی برکت سے اس وقت پاکستان کے ممتاز ترین دینی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے اس فیض کو تا ابد جاری رکھے۔ آمین۔

مولانا اپنی شخصیت کے اعتبار سے اپنے تمام علماء معاصرین میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے' نسب کے اعتبار سے ان کا سلسلہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، علمی حیثیت سے یہ برصغیر پاک و ہند کے واحد عالم ہیں جن کو براہ راست عالم اسلامی کی دو ایسی جلیل القدر اور عظیم الشان ہستیوں سے علمی استفادہ کا موقع ملا کہ جن کی نظیر علم و فضل، دقت نظر، وسعت مطالعہ کے اعتبار سے اس صدی میں تو کیا اگلی چند صدیوں میں بھی کم ہی ملے گی۔ ایک حضرت امام العصر حافظ حدیث علامہ یگانہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری محدث رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۵۲ھ اور دوسرے محدث ناقد امام علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۷۲ھ مولانا مرحوم کو اگرچہ تلمذ کی خصوصی نسبت تو حضرت امام کشمیری سے حاصل ہے، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے امام کوثری سے بھی اپنے زمانہ قیام مصر میں جو دس ماہ کے قریب تھا' بہت استادہ کیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات تھیں۔ تمام علوم متداولہ پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے' بہت سے علوم میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ حضرت امام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مشکلات علوم پر گہری نظر تھی۔ درس حدیث کے وقت آپ کے علمی خزانوں کے دروازے وا ہوتے تو طلباء و حاضرین میں سے ہر شخص فیض بقدر استعداد پاتا اور اپنی نظر و بصیرت کے مطابق علمی زر و جواہر سے اپنے دامن کو مالا مال کر لیتا۔ علامہ کوثری کی نظر متقدمین کی تصانیف پر بڑی وسیع تھی اور عالم اسلامی کے مخطوطات اور نوادر کا ان کو پوری طرح علم تھا' تصنیف کا سلیقہ بھی حق تعالیٰ شانہ نے ان کو خوب عطا فرمایا تھا' ان کی تمام تصانیف حشو و زوائد سے پاک نہایت قیمتی علمی

معلومات سے پر ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اخاذ طبیعت نے ان دونوں بزرگوں کے فیض علمی سے خوب ہی اخذ و استفادہ کیا۔ مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ نے حافظہ غیر معمولی عطا فرمایا تھا' طبیعت میں ذکاوت تھی' عالی نسب والا حسب تھے۔ ان پر ان بزرگوں کی صحبت و برکت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا' اس لئے بہت جلد عالم متبحر بن کر اپنے تمام اقران پر گوئی سبقت لے گئے۔ بڑے بڑے علمی غامض مضامین، جن کو اکابر علماء، متعدد اوراق میں سپرد قلم فرماتے ہیں' مولانا ان کو چند جملوں میں نہایت مختصر اور منقح الفاظ میں پیش کر دیتے تھے۔ جن ذی استعداد طلباء کو ان کے درس میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے' ان کے لئے تو یہ بات واضح ہے۔ علماء مولانا کی تالیفات ''معارف السنن'' وغیرہ کا مطالعہ کرتے وقت حدیث کی دوسری شروح کو سامنے رکھ کر اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا نے جو کچھ مطالعہ کیا تھا اس کا بیشتر حصہ متحضر تھا۔ ''معارف السنن'' کی تالیف کے وقت ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ حضرت امام العصر نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' اس کو اصل ماخذ میں تلاش کیا جائے۔ اس میں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اصل ماخذ تک رسائی ممکن نہ ہوتی' کتاب مطبوعہ نہ ہوتی اور مخطوطہ کا کوئی نسخہ برصغیر ہند و پاک کے کتب خانہ میں موجود نہ ہوتا' ایسی صورت میں بڑے غور و فکر سے کام لے کر حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ذوق مطالعہ کا جائزہ لیتے اور پھر حضرت ممدوح کا مزاج شناس ہونے کی بناء پر فیصلہ کرتے کہ یہ بات حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں مطبوعہ کتاب سے لی ہوگی' چنانچہ اس کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کر دیتے اور بالآخر بمصداق من جد وجد گوہر مراد ہاتھ آجاتا۔ فرماتے تھے: ایک بار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے درس میں فرمایا کہ: امام ابوزید دبوسی نے لکھا ہے کہ ''جب فقہاء صحابہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو پھر کسی ایک جانب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔'' ''معارف السنن'' کی تصنیف کے وقت حوالہ دینے کا خیال آیا تو سوچا۔ یاالٰہی! ابوزید دبوسی کی ''تقویم الادلہ'' اور ''کتاب الاسرار'' تو ناپید ہیں' اب کیا کیا جائے؟ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ غالباً حضرت شاہ صاحب نے یہ بات امام عبدالعزیز بخاری کی ''کشف الاسرار'' میں دیکھی ہوگی' چنانچہ اس کا مطالعہ شروع کیا تو الحمدللہ! امام دبوسی کی بات مل گئی۔ اسی طرح بارہا ایسا ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی بات حافظ ابن حجر کے حوالہ سے سنی تھی' مگر اس کا مظان اور موقع سمجھ میں نہ آیا تو ساری ''فتح الباری'' کا مطالعہ شروع کر دیا اور آخر کو وہ بات کہیں نہ کہیں مل گئی۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ غیر معمولی قوی تھا' جو کچھ پڑھ لیتے تھے وہ مدت تک ذہن سے محو نہ ہوتا تھا اور اس میں علمی، غیر علمی' موضوع، غیر موضوع کی قید نہ تھی۔ وہ عام معلومات کا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ ابھی چند ماہ کا ذکر ہے ایک مرض کا تذکرہ کیا تو اس کے علاج کے سلسلہ میں دس بارہ انگریزی دواؤں کے نام فرفر سنا دیئے۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ مولانا کے درس و تصنیف میں برکت تھی' دوسرے لوگ جو علمی کام مہینوں اور ہفتوں میں بدقت انجام دیتے تھے، مولانا وہ دنوں اور گھنٹوں میں بسہولت پورا کر دیتے۔

مولانا مرحوم کوحق تعالیٰ نے تقویٰ اور خشیت سے بھی نوازا تھا' بڑے عفیف اور پارسا تھے۔ ادھر تلاوت قرآن کریم کی آواز مولانا کے کانوں میں پڑی اور ادھر آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوا۔ مدرسہ کے تمام مالی معاملات ایسے صاف رکھتے کہ کیا مجال ایک پیسہ اِدھر اُدھر ہو جائے' یا ایک مد کی آمدنی دوسری مد پر صرف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اہل دنیا کو ان کی نظروں میں ہیچ کر رکھا تھا۔ دنیا طلبی کی ان کے یہاں مد ہی نہ تھی۔ جود و کرم کا یہ حال تھا کہ بے تحقیق سائلوں کو دیتے رہتے تھے۔ ایک بار بیٹھا ہوا تھا' عصر سے پہلے دو صاحب مولانا کو پوچھتے ہوئے آئے۔ میں نے کہا کیا کام ہے؟ کہنے لگے: مکان بنوانا ہے۔ مولانا سے اعانت کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ تم لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ مولانا کے پاس کونسی دولت ہے جو وہ تمہیں مکان بنانے کے لئے دیں گے' تمہیں مولانا کو تنگ نہیں کرنا چاہئے' مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ اتنے میں مولانا بھی تشریف لے آئے اور صورت حال معلوم کر کے اپنی جیب سے کچھ رقم نکالی اور بڑی معذرت کے ساتھ ان کے حوالہ کر دی' میں صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس طرح میں ایک دفعہ مولانا کے پاس دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اٹھ کر گھر جانے لگے تو صاحبزادہ محمد بنوری نے بتایا کہ فلاں صاحب اس لئے بیٹھے ہیں کہ ان کے یہاں میت ہوگئی ہے، تجہیز و تکفین کی ضرورت ہے۔ مولانا فوراً گھر تشریف لائے اور بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے سو روپے کا نوٹ صاحبزادہ صاحب کے حوالہ کیا کہ ان کو دے دو۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا ولی حسن صاحب سے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ حضرت کی سخاوت تو بجا' مگر اتنی سی تحقیق کر لی جاتی کہ واقعی کوئی میت ہوئی بھی ہے یا نہیں تو زیادہ اچھا تھا۔ اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ: میرا بھی یہی ذوق ہے' میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا' میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ بہر حال اللہ والوں کی شان ہی الگ ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کس کس بات کو یاد کیا جائے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا ارشد مدنی کراچی تشریف لائے' حضرت مولانا کے مہمان ہوئے' میں ان سے مل نہ سکا تھا۔ ''مجلس دعوت و تحقیق اسلامی'' سے اٹھا تو ان کی ملاقات کے ارادے سے نکلا۔ راہ میں مولانا حبیب اللہ مختار صاحب ملے' میں نے ان سے دریافت کیا کہ مولانا ارشد صاحب مدنی کہاں تشریف فرما ہیں؟ کہنے لگے: حضرت کے یہاں دسترخوان بچھ چکا ہے' آپ بھی چلے چلیں۔ میں نے مولانا حبیب اللہ صاحب سے کہا کہ آپ کو دوسرے کے دسترخوان پر دعوت دینے کا حق نہیں' میں پھر مل لوں گا۔ یہ کہہ کر میں تو چلا گیا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب نے حضرت مولانا کو بتایا ہوگا۔ دوسرے روز ظہر کی نماز پر مولانا ملے تو فرمانے لگے: ''آپ نے بڑا تکلف کیا۔ میں تو آپ جیسے احباب کے یہاں باسی روٹی مانگ کر کھانے میں بھی تکلف محسوس نہیں کرتا۔'' میں نے مولانا کی زبان سے یہ کلمات سنے تو بڑا نادم ہوا۔ مولانا سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ انشاء اللہ! ایسا نہ

ہوگا۔ ہائے اب دوبارہ یہ موقع کہاں؟

میں جب ستمبر۱۹۶۳ء کو مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن سے جامعہ اسلامیہ بہاولپور جانے لگا تو مولانا کو میرا وہاں جانا گراں گزرا' جب ملتا ہمیشہ شکایت فرماتے۔ گزشتہ سال جب میں وہاں سے فارغ ہوگیا تو آتے ہی مولانا نے فرمایا کہ: آپ یہاں آجائیے۔ ہم آپ کو تنخواہ کم دیں گے۔ میں نے عرض کیا: بسر وچشم۔ ''مجلس دعوت و تحقیق'' میں حاضری کے دوسرے ہی دن فرمایا کہ: آپ پہلے مسجد میں دو رکعت پڑھ کر دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے آپ کو قبول فرمائے۔ کیا تعجب ہے جو آپ کے آنے سے یہاں سے دارالمصنفین بن جائے اور اللہ تعالیٰ آپ سے کام لے لیں۔ خدا کرے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمنا اور دعا پوری ہو۔

ایک روز حضرت مخدومی مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدظلہ العالی کی معیت میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ امام مہدی کا تذکرہ آیا تو مجھ سے فرمایا: اس موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ لکھ دیجئے' حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی اجازت تو میں نے پہلے بھی لی تھی' مگر اس سال تحریری اجازت کے لئے بھی عرض کیا تھا' اس پر مولانا نے ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں جاتے وقت وضوخانہ کے قریب جب میں وضو کے لئے کھڑا تھا فرمایا۔ ''میری طرف سے آپ کو میری تمام روایات کی عامۃً تامۃً ہر طرح روایت کی اجازت ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

چہارشنبہ ۲۷ شوال ۱۳۹۷ھ' ۱۲ نومبر ۱۹۷۷ء کو بعد نماز عصر جامع مسجد نیوٹاؤن میں' میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ رائے ونڈ تشریف لانے والے ہیں' بندہ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتا ہے' دعا فرمائیں حق تعالیٰ ان کی برکات سے مجھے بھی متمتع فرمائے۔ مولانا نے آمین کہی۔ دعا کا وعدہ فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث کی تشریف آوری کا پروگرام بتایا اور سفر پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کیا خبر تھی کہ بس یہ آخری ملاقات ہوگی اور اس کے بعد پھر کبھی دنیا میں ملنا نصیب ہی نہ ہوگا۔ میں جمعہ کو شام ۴ بج کر ۴۰ منٹ پر چناب ایکسپریس سے پنجاب کے سفر پر روانہ ہوا اور مولانا دوسرے دن ہوائی جہاز سے اسلام آباد تشریف لے گئے۔ دوشنبہ کو ملتان سے لاہور ٹرین پر سفر کر رہا تھا کہ اخبار میں یہ خبر پڑھی۔ مولانا پر دل کا دورہ پڑا' لیکن اب افاقہ ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد شیخوپورہ میں ایک صاحب نے یہ وحشت اثر خبر سنائی کہ ریڈیو پر اطلاع آئی ہے کہ حضرت مولانا کا آج انتقال ہوگیا۔ یہ سن کر اول تو دل ماننے کے لئے تیار ہی نہ ہوا۔ پھر جو گذرا وہ کیا بیان کیا جائے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اللهم اغفرله مغفرةً تامةً وارحمه رحمة عامة.

اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده' (۹ محرم ۱۳۹۸ھ)

شاہ صاحبؒ میری نظر میں

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

یہ دین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے ہیں، اس دین متین کے تین جز ہیں: ایک جز کا تعلق ہے قلب کے یقین اور ایمان سے جس کی تشریح علمِ کلام سے متعلق ہے اور اس فن کے مدون اور جمع کرنے والے حضرات کو متکلمین کہا جاتا ہے، اور کوئی انسان اس وقت تک راہِ ہدایت پر نہیں آ سکتا، جب تک کہ وہ ''اہلِ السنۃ والجماعت'' کے طریقے کے مطابق اپنے عقائد کو درست نہ کر لے۔ اس سلسلے کے ائمہ امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ جیسے حضرات ہیں اور ان کی تعلیمات علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ نے جا بہ جا اس بات پر زور دیا ہے کہ اصلاح کے سلسلے میں سب سے پہلے ''اہل السنۃ والجماعت'' کے عقیدے کے مطابق اپنے اعتقاد کو درست کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

دین کا دوسرا جز یہ ہے کہ جس قدر اعمالِ شرعیہ بھی انجام دیے جاتے ہیں اور جو بھی احکامِ الٰہی بجا لائے جاتے ہیں، ان کے متعلق حلال و حرام، مکروہ، مباح، مستحب، واجب اور فرض کی تفصیل معلوم کی جائے۔ شریعت کی اس تفصیل و تحقیق کا تعلق علمِ فقہ سے ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ(۱)

---

(۱) آل عمران: ۱۶۴

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بڑا) احسان کیا جب کہ ان ہی میں سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ تلاوتِ کتاب

۲۔ تزکیہ

۳۔ تعلیم کتاب اور

۴۔ حکمت

اگلے انبیا علیہم السلام جتنے بھی آئے ہیں، ان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ پر انبیا علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور آپ آخری نبی ہیں، اب آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔ اگلے انبیا چوں کہ مختلف بستیوں کے لیے مختلف زمانوں کے لیے مختلف ممالک کے لیے ہوتے تھے اور ان کی تعلیم کو دوام نہیں تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم کی حفاظت کا انتظام بھی نہیں کیا۔ جس نبی کی تعلیم کو جس حد تک چلنا تھا، اس حد تک وہ چلتی رہی اور اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے دوسری شریعت بھیج دی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابد الآباد کے لیے آئے ہیں، جب تک یہ عالم قائم ہے، ان کی شریعت اس وقت تک نافذ العمل رہے گی، اس لیے حق تعالیٰ کی توفیق سے آپ ﷺ کی ساری تعلیمات کی حفاظت اس امت نے خوب اچھی طرح کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ریکارڈنگ کا کوئی سلسلہ نہ تھا جو آواز کو منضبط کر لیا جاتا مگر اس امت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس نے تلاوتِ کتاب کے سلسلے میں حروف کی صفات مخارج، ان کی لمبائی چوڑائی، غرض وہ تمام اوصاف جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تلاوت کے اوصاف تھے، آج تک بعینہٖ اسی طرح سے محفوظ ہیں۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کتاب اللہ کی تشریح میں جو کچھ کر کے دکھایا اور جو کچھ زبانی بتایا، کتاب اللہ کو جس ٹون اور لہجے میں جس انداز اور جن صفات کے ساتھ سنایا، وہ

سب محفوظ ہیں اور جو کچھ اس کی تشریح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، کر کے دکھایا، وہ بھی محفوظ ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے محدثین نے اپنی عمریں وقف کیں، فقہا نے اپنی قوتیں اور توانائیاں اس میں لگا دیں اور مفسرین نے اس کی تشریح کو پورے طور پر محفوظ رکھا۔

تصحیح عقائد اور احکامِ شرعیہ کی تفصیل کے بعد دین کا تیسرا جز جو سب سے اعلیٰ ہے، وہ اصلاحِ باطن ہے۔ یہ اعمال کی اندرونی کیفیات سے متعلق ہے جس کا تعلق قلب کی اصلاح سے ہے۔ جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اعمالِ صالحہ سے اخلاص کی یہ دولت، انوار پیدا ہوتے ہیں جن کی بنا پر قربِ حق نصیب ہوتا ہے، اسی اخلاصِ عمل کا نام درحقیقت تصوف ہے اور جن حضرات کے حصے میں یہ دولت آئی ہے وہ حضرات صوفیہ کہلاتے ہیں۔ متکلمین، محدثین، مفسرین، فقہا اور صوفیہ یہ وہ حضرات ہیں جو سب کے سب شریعتِ محمدیؐ اور تعلیم مصطفویؐ کے حامل ہیں اور ان ہی کا صدقہ ہے کہ اس امت میں یہ دینِ حق جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، اسی طرح آج بھی اپنی اصل شان کے ساتھ قائم ہے اور ہر طبقے کے اندر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرماتا رہتا ہے، جو اس دین کے حامل ہوتے ہیں اور ان کیفیات اور تعلیمات کے علم بردار ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ دین پہلے کی طرح آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے۔ اس بات کو پھر ذہن میں رکھیے کہ عقیدے کا تعلق علم کلام سے ہے، اصلاح عمل کا تعلق فقہ سے اور اندرونی کیفیات کا تعلق تصوف سے۔ یہاں ہندوستان میں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والے بہت سے بزرگ آئے، ان کی مساعیٔ جمیلہ سے یہاں اسلام کا نور چمکا، روح کو غذا ملی۔ روحانی اصلاح کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے طائفۂ اولیا کو توفیق دی اور یہ حضرات گروہ در گروہ یہاں آتے رہے۔ پہلے اس ملک میں چشتی حضرات آئے، ان ہی کے ساتھ فردوسی بھی آئے، پھر سہروردی آئے، قادری آئے، پھر آخر میں نقشبندی آئے۔

برصغیر پاک و ہند کا علاقہ اصل میں تو حضراتِ چشت اہلِ بہشت کا مفتوحہ علاقہ تھا اور اقالیمِ دل پر اصل فرماں روائی ان ہی کی تھی، لیکن ہزارۂ دوم کے آغاز پر نقشبندی حضرات اس زور کے ساتھ یہاں آئے کہ ان کی نسبت سب پر چھا گئی۔ پوری اقلیم ہند کے اندر ان کے بڑے بڑے خانوادوں نے دین کا نور پھیلانے میں وہ شان دار خدمات انجام دیں کہ باید

وشاید۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا خاندان اس سلسلے کا گل سر سبد ہے۔ ان حضرات کے بڑے اثرات و برکات ہیں جن سے ہندوستان سے لے کر کابل و خراسان تک سب نے یکساں فیض پایا اور یہ سلسلۂ فیض روم تک پہنچا۔ پھر اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان ہوا، اس خاندان کے سب افراد اسی نقشبندی سلسلے کے حامل تھے اور ان کی غالب نسبت یہی نقشبندی نسبت ہے۔ ان حضرات سے اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف کی بھی بڑی خدمت لی اور ان کے ذریعے ایک عالم کی تربیت بھی ہوئی۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے طفیل ولایت کا وہ سلسلہ قائم ہوا اور ایسا طبقہ پیدا ہوا کہ جن کو بہت جلد قربِ حق حاصل ہوتا چلا گیا، نیز ان حضرات نے تصوف کو بھی بہت ہی قرینے سے مرتب کیا اور خاص طریقے سے اس کو مدون فرمایا۔ لہٰذا جو حضرات اس راستے سے گزرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پہلے ولایتِ صغریٰ پھر ولایتِ کبریٰ اور پھر ولایتِ علیا کے مدارج کس طرح طے ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد پھر قیم طریقہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں علیہ الرحمہ ہوئے، پھر ان کے بعد شاہ غلام علی صاحب علیہ الرحمہ نے اس سلسلے کو سنبھالا، پھر حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کے بعد حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسی سلسلے کے ساتھ وابستہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے علم و عمل کا ظہور ان کی جامع و بسیط تالیفات اور ان کی مخلص جماعت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اس جماعت کو جو کچھ بھی توفیق حاصل ہوئی ہے یہ سب ان ہی کی صحبت کی برکت سے ہے۔

درحقیقت توبہ کرلینا، برائی چھوڑ کر نیکی کی طرف آجانا اور معصیت کی زندگی سے اطاعت کی طرف لوٹ آنا جس بندۂ خدا کی صحبت سے یہ بات پیدا ہوجائے، وہ بڑا ولی اللہ ہے اور سب سے بڑی کرامت یہی ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ (۲)

کیا (ایسا نہیں ہے کہ) جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور بنایا، جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔

۲۔ الانعام: ۱۲۲

پس جو قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے وہ میت ہے اور جو قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور ہو وہ حی یعنی زندہ ہے۔ لہٰذا جن بزرگوں کی صحبت میں یہ بات پیدا ہو جائے وہ ان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے میرا تعلق بہت پرانا، تقسیم سے پہلے کا ہے۔ شروع میں تو کچھ پتا نہیں چل سکا۔ ہمارے ایک دوست مولانا ادریس صاحب دہلوی تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخشے۔ اس زمانے میں مجھے خوش نویسوں کی وصلیوں کو دیکھنے کا شوق تھا، چناں چہ مولانا ادریس صاحب سے اس کا ذکر آیا، انہوں نے کہا کہ ہمارے ایک دوست خوش نویس ہیں، آپ کو ان کے پاس لے چلتے ہیں، چناں چہ وہ مجھ کو لے کر مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب یاد نہیں کہ مولانا اس زمانے میں کس جگہ رہتے تھے۔ مولانا صاحبؒ سے ہماری یہ پہلی ملاقات تھی۔ مولانا کو دیکھ کر جو پہلا اثر طبیعت پر ہوا وہ یہ کہ یہ مولوی صاحب خاموش طبیعت بالکل چپ رہنے والے ہیں۔ وصلیوں کے متعلق مولانا نے معذرت کر دی کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی دو ایک مرتبہ مولانا ادریس صاحب کے ہم راہ آپ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا، پھر ایک عرصے بعد ۱۹۴۲ء میں دہلی پہنچا تو مولانا ادریس صاحب نے میری دعوت کی، اس میں حضرت مولانا سیّد زوّار حسین صاحب بھی مدعو تھے، پوری دعوت میں ہم تو یا وہ گو فضول باتیں کرنے والے تھے مگر مولانا پر وہی خاموشی کی کیفیت طاری تھی جو نقشبندیوں کی نسبت بھی ہے۔ ربودگی کی ان کے ہاں کیفیت ہی دوسری طرح کی ہوتی ہے، وہاں تو ''دل بہ یار دست بہ کار'' کا معاملہ ہے، شاید وہ بھی اپنے اسی شغل میں ہوں گے، میں اس وادی کا شناور کیا، آشنا بھی نہیں، مجھے پتا بھی نہیں تھا، سمجھتا تھا کہ مولانا کم گو، بزرگ، نیک آدمی ہیں، بس شروع میں یہی ایک تاثر تھا۔

اس کے بعد پھر مولانا کو اس وقت دیکھا، جب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے، خانیوال میں ذکر کرنے والوں کا حلقہ جمع تھا۔ مولانا آئے اور خاموشی کے ساتھ ذکر کے حلقے میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اب معلوم ہوا کہ ان کو بھی اس سے بڑی مناسبت ہے۔

اس کے بعد کراچی میں منشی محمد اعلیٰ صاحب نے جب وہ جہانگیر روڈ کے کوارٹرز میں رہتے

تھے، دعوت کی، جس میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب علیہ الرحمہ اور مولانا زوّار حسین صاحبؒ بھی تشریف فرما تھے، اپنی کرم فرمائی کے سبب سے حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے مجھے بھی دعوت دے دی تھی۔ میں ٹھہرا کھانے کا رسیا، دعوتوں میں شرکت موجب برکت سمجھتا ہوں، فوراً آموجود ہوا۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا تو وہیں نماز باجماعت ادا کی گئی۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے نماز پڑھنے کے بعد فرمایا:

بھئی کوئی صاحب نسبت ہوا کرے تو بتا دیا کریں۔

اب معلوم ہوا کہ یہ خاموش بزرگ صاحب نسبت بھی ہیں، ورنہ ہم تو اب تک مولانا کو بس ایک خاموش، کم گو آدمی سمجھتے تھے۔ مولانا کی بزرگی کے بارے میں یہ پہلا تاثر تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مولانا سے تعلق بڑھتا گیا۔

مولاناؒ کی ولایت اور کمالات سے متعلق تو مولانا کے خلفا اور متنسبین جانیں، جنہوں نے مولانا سے استفادہ کیا ہے، مجھ پر تو مولانا کا جو سب سے بڑا تاثر ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مولانا بڑے بزرگ آدمی تھے، علم سے بھی بہرہ ور تھے اور تعلق باللہ کے سلسلے میں بھی وہ مجاز اور مرشد تھے، اس کے باوجود مولانا سے زندگی میں برسوں ہی تعلق رہا اور مولانا بے تکلفی کے ساتھ غریب خانے پر رونق فرما بھی ہوتے رہتے تھے، بہاول پور میں بھی، یہاں بھی مگر کبھی یہ بات نہیں دیکھی کہ ان کی زبان پر کسی قسم کا اپنا کوئی تعارف آیا ہو اور اپنے آپ کو کہیں وہ سامنے لائے ہوں، یہ بہت ہی بڑی بات ہے۔

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (۳)

اپنے آپ کا تزکیہ مت کرو، اپنے آپ کی تعریف مت کرو، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ تم میں متقی کون ہے۔

بزرگ ہونے کے باوجود اور بڑا ہونے کے باوجود یہ کمال کہ اپنے کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے اور اپنی عظمت کو بالکل محو کر دیا جائے، بہت بڑی بات ہے ورنہ عام طور پر تو جس کو اللہ تعالیٰ کچھ دے دیتا ہے، اس کا یہ حال ہوتا ہے:

اعرفوني اعرفوني

۳۔ النجم: ۳۲

مجھے پہچان لیجیے، مجھے پہچان لیجیے۔

چناں چہ اب لوگوں کی یہ عام عادت سی ہوگئی ہے، مولوی ہو یا صوفی وہ اپنا تعارف کرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کورے مٹکے میں جب پانی بھرتے ہیں تو سوں سوں ضرور کرتا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ خود اپنی کوئی کرامت بتا دیں گے، کوئی کشف بتا دیں گے۔ بعض لوگوں کو ایسا بھی دیکھا ہے کہ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے قلب سے ٹھوکر دے کر بتایا کہ ہمارا قلب بھی جاری ہے۔ ہم نے مولانا کی جو صفت دیکھی وہ یہ تھی کہ ان میں ایسی باتوں کا مطلقاً شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا اور میرے نزدیک یہ سب سے بڑے کمال کی بات ہے۔ صدیقیت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ آدمی بہت اونچا ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہ سمجھے، مجھے تو سب سے زیادہ مولانا کی جس چیز نے اپیل کی، وہ یہی ہے۔

دوسری چیز جو مولانا میں دیکھی وہ یہ کہ پہلے تو مولانا خاموش ہی رہتے تھے، مگر پھر جب تعلقات بڑھے تو مولانا کو دیکھا، تقریر بھی کرتے تھے، معارف اور تصوف کے سلسلے میں بھی گفت گو فرماتے تھے، علمی گفت گو بھی فرماتے تھے۔ مسائل کے سلسلے میں اگر کسی عبارت میں کوئی اشکال پیش آجاتا تو پوچھنے میں کوئی تکلف نہیں تھا۔ مسائل میں تو میرا کچھ بس نہیں چلتا تھا وہ تو میں مفتی ولی حسن صاحب کے حوالے کر دیتا تھا۔ بہ ہر حال مولانا میں بہ ایں ہمہ بزرگی و علم کسی بات کے دریافت کرنے اور کسی اشکال کو پیش کر کے اس کے حل کی درخواست میں کسی قسم کی جھجک نہ تھی۔ حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نوازا تھا۔

تیسری بات جو ان میں محسوس کی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی۔ چند سالوں میں ان کے قلم سے ضخیم ضخیم جلدیں نکلیں۔ تصوف کے سلسلے میں، فقہ کے سلسلے میں۔ یہ بات ویسے تو شاید اہم نہ معلوم ہو، لیکن آدمی جب تصنیف کرنے بیٹھتا ہے اس وقت اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کام کے لیے کتنا وقت درکار ہوتا ہے اور کتنی مدت صرف ہوتی ہے۔ مولانا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اور احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں وسعت اور برکت عطا فرمائی تھی کہ یہ ضخیم ضخیم جلدیں مرتب ہوگئیں، یہ بھی میرے نزدیک ایک کرامت ہے۔ غرض ایک کرامت تو مولانا کی جماعت، دوسری ان کی بے نفسی، تیسری تصنیفات میں برکت، اور پھر یہ دیکھا کہ پوری زندگی میں عام طور پر

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیه (۴)

انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔

کا نمونہ تھے۔ان کی گفت گو کے اندر کبھی ادھر ادھر کی بات ہوتی ہی نہیں تھی، کام کی بات ہوتی تھی، باقی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہنے کو تو معمولی باتیں ہیں مگر زندگی میں جب یہی چیزیں معمول بن جاتی ہیں تو یہی ولایت کی دلیل ہوتی ہیں اور مولانا کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں سے نوازا تھا، جن میں سے یہ چند چیزیں بھی تھیں جو میں نے ذکر کیں اور جن کا میرے اوپر خاص اثر ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے مراتب کو بلند فرمائے اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ رکھے، ان کے فیوض سے ہمارے قلب کو آراستہ فرمائے اور ان کی صحبت اور توجہ جیسی دنیا میں ہمارے حال پر تھی، آخرت میں بھی ہمارے کام آئے اور وہ ہمارے لیے باعثِ شفاعت ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

۴۔مسند احمد: ج ۱، ص ۲۰۱

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

برصغیر کے عُلماء اور ان کی خدمات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحَمَلَۃِ مِلَّتِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْد

اللہ جلّ شانہٗ کی آخری کتاب جو اس نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمائی اور جو عالم انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے یعنی قرآن مجید سب جانتے ہیں کہ اس وحی ربانی کا آغاز سورۃ العلق کے نزول سے ہوا۔ جس کی ابتدا ہی ان مبارک الفاظ میں ہوتی ہے :-

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

یعنی اللہ کی صفت خالقیت اور ربوبیت کے بعد سب سے پہلے انسان کو اس کی جس صفت سے روشناس کرایا گیا وہ صفت تعلیم ہے۔ اللہ جلّ ذکرہٗ نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا اور اس سکھانے کا ذریعہ قلم کو بنایا۔ انسان اور حیوان میں اگر فرق ہے تو اسی [illegible] ہے۔ تمام حیوانات ماں کے پیٹ سے جو کچھ سیکھ کر آتے ہیں مرتے دم تک کچھ اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعہ وہ تعلیم دی ہے کہ

برابر اس کی معلومات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک میں جس دعا کی ہدایت کی گئی ہے وہ

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا تعارف انھی لفظوں میں کرایا ہے کہ

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ مطلوب و محمود علم، علم نافع ہے۔ ادعیۂ مسنونہ میں جہاں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علم نافع کی دعا مانگی ہے۔ چنانچہ آپ کی دعا کے الفاظ ہیں:—

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا يَنْفَعُنِیْ

اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع کو مانگتا ہوں۔ اے اللہ جو تو نے مجھے سکھایا ہے اس سے مجھے نفع دے اور جو مجھے نفع بخشے اسی کی مجھے تعلیم دے۔

وہیں حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ

اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

غرض یہ ہے کہ جس امت کو آغاز وحی ہی میں تعلیم کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا اور جس کے نبی نے ہمیشہ علم نافع کی تحصیل پر امت کو متوجہ کیا۔ اس امت کو علم نافع سے جو قدرتی لگاؤ اور تعلق ہونا چاہیے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے قدم جس خطۂ زمین پر جم گئے وہ علم نافع کی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن گیا۔ دنیا میں جہاں جہاں اسلام پھلا پھولا ہے وہاں کی تاریخ کا ہر ورق ہمارے اس دعوے کا شاہد عدل ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں مسلمانوں کے علمی کارناموں پر نظر ڈالیے۔ یہاں کے اہل علم نے علوم و فنون کی کون سی شاخ ہے جس میں قابل قدر خدمات انجام نہ دی ہوں۔

مؤرخین میں باہم اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اسلام میں کس نے تصنیف کی۔ بعض اس سلسلے میں اولیت کا سہرا امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی المتوفی ۱۵۰ھ کے سر رکھتے ہیں۔ اور بعض حافظ سعید بن ابی عروبہ البصری المتوفی ۱۵۶ھ کے۔ چناں چہ محدث خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۴ھ نے اس سلسلہ میں ان ہی دونوں حضرات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن خطیب سے بھی ایک سو سال پہلے حافظ ابو محمد حسن بن خلاد رام ہرمزی (المتوفی بعد ۳۶۰ھ) جنھوں نے فن اصولِ حدیث پر سب سے پہلے ایک مفصل اور مبسوط کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی لکھی ہے، محدث ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کی بابت یہی تصریح کر چکے ہیں۔ یہ ربیع بن صبیح کون ہیں؟ شیخ محدث محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار نے اپنی کتاب "المغنی فی ضبط الاسماء فی لفظ صبیح" کا ضبط بیان کرتے ہوئے ان کے متعلق یہ مختصر سے دو جملے لکھے ہیں جن سے ان کا پورا پورا تعارف ہو جاتا ہے:

هو ابو حفص سمع الحسن وعنه الثوری مات بالسندھ

یعنی یہ امام حسن بصری کے شاگرد اور امام سفیان ثوری کے استاد ہیں اور سندھ کی خاک میں آسودہ ہیں۔ فنِ رجال کے عالم جانتے ہیں کہ ان ہی دو لفظوں میں ان کی عظمت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آگئی۔ کتب اسماء الرجال میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ا

"اسلام کے ابتدائی دَور کے مشہور مصنفین سفیان بن عُیینہ، امام مالک، عبداللہ بن وہب، معمر، عبدالرزاق، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، ہشیم اور عبداللہ بن مبارک ان سب حضرات نے ان ہی کے بعد اپنی اپنی تصنیفات قلم بند کی ہیں۔"

یہ وہ دَور ہے کہ جب مصنفین اسلام کے پیشِ نظر قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیمات کا انضباط اور اس کے معنیٰ کی تدوین تھی۔ علوم آلیہ یعنی لُغت، نحو، صرف، بلاغت

ا ملاحظہ ہو کشف الظنون، فصل رابع، اشارہ ثالثہ

وغیرہ کی تدوین اس کے بعد عمل میں آئی ہے۔

اسی دور میں ایک اور سندھی عالم ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی بھی گزرے ہیں جن کی وفات ۱۷۰ھ میں دارالخلافہ بغداد میں ہوئی اور خود امیرالمؤمنین ہارون الرشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ یہ علم حدیث کے حافظ اور مغازی و سیر کے امام ہیں۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔

بلکہ ان سے بھی پہلے امام مکحول شامی کی نسبت جن کا شمار کبار تابعین میں ہے اور جو امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی دونوں کے استاذ ہیں۔ ان کے متعلق حافظ ابن حبان کی کتاب الثقات میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ

"مکحول بن عبداللہ ابوعبداللہ کان ھندیا" [۱]

امام مکحول کا سنہ وفات ۱۱۳ھ ہے۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کا ذکر فقہاء المحدثین واصحاب الحدیث کے زیر عنوان کیا ہے۔ اور ان کی تالیفات میں یہ دو کتابیں ذکر کی ہیں:۔

(۱)۔ کتاب السنن فی الفقہ اور (۲)۔ کتاب المسائل فی الفقہ۔

ابن ندیم کی مذکورہ بالا تصریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کے پہلے مصنفین کے سلسلہ میں خطیب بغدادی اور رامہرمزی نے جن لوگوں کے نام لیے ہیں ان کا تعلق خود ان کی معلومات کی حد تک ہے ورنہ اسلام میں تصنیف کا آغاز ان حضرات سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں بعض تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" میں ذکر کی ہیں۔

شعر و عربیت کے لحاظ سے ابوعطاء السندی کا جو مقام ہے اس سے ادب کا ہر وہ طالب علم جس نے ابوتمام کی کتاب الحماسہ کا مطالعہ کیا ہے، واقف ہے۔ دیوان الحماسہ میں جابجا اس کے اشعار کا انتخاب موجود ہے۔ ابوعطاء کا شمار مخضرمی الدولتین میں ہے

---

[۱] مقدمہ تنسیق النظام فی مسند الامام، صفحہ ۸۵

کیونکہ اس نے خلافت اموی و عباسی دونوں کا زمانہ پایا ہے اور اموی و ہاشمی دونوں خلفاء کی مدح کی ہے۔ ابو عطاء سندھی کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے۔ مؤرخ ابن شاکر کتبی نے فوات الوفیات میں اس کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ بعد کے دور میں سرزمینِ سندھ سے بڑے بڑے علماء، فقہاء اور حفاظِ حدیث نکلے، جن میں سے بعض کا تذکرہ حافظ سمعانی نے کتاب الانساب میں الدیبلی کے ضمن میں کیا ہے۔ جن حضرات کو ان مشاہیر اہلِ علم کا تفصیل سے جائزہ لینا ہو وہ مولانا سید عبدالحی لکھنوی کی مشہور کتاب "نزہتہ الخواطر" کی جلد اوّل اور اطہر مبارک پوری کی "رجال السند والہند" کا اس سلسلے میں مطالعہ فرمائیں یہ دونوں کتابیں اس موضوع کی جامع ترین کتابیں ہیں۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ابتدائی چند صدیوں میں برصغیر ہند و پاک کو علمی حیثیت سے یہ مقام حاصل نہ ہوسکا کہ جس طرح اور بلادِ اسلامیہ کی طرف اس زمانے میں تشنگانِ علمِ نبوی تحصیل علم کی غرض سے سفر کیا کرتے تھے، اس کی طرف بھی کرتے، اور یہی وجہ ہے کہ محدثین اور اربابِ روایت نے جس طرح ان شہروں کی تاریخ میں مستقل کتابیں لکھی ہیں کہ حدیث و روایت کا غیر معمولی چرچا تھا اور حفاظ و مسندین اور مشاہیر اہلِ علم کی کثیر تعداد وہاں موجود تھی اور اس لیے لوگ دور دراز کا سفر کرکے سماعِ حدیث کے لیے وہاں پہنچتے تھے۔ اس طرح ہند و سندھ کی تاریخ پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ اس دور میں برصغیر کی وہ علمی حیثیت نہ تھی جو اس زمانے میں دیگر ممالکِ عجم فارس، خراسان اور ماوراء النہر کی تھی۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی۔ شروع شروع میں ان کے قدم سندھ اور ملتان کی حدود سے آگے نہ بڑھے پھر ایک زمانہ تک سندھ مرکز سے کٹا رہا اور ملتان میں باطنیوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ ۳۹۰ھ سے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ کی توجہ غزوہ ہند کی طرف ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان کا مغربی حصہ اسلام کے زیرِ اثر آتا چلا گیا۔ ۵۸۷ھ میں شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر کو فتح کیا۔ اس وقت تک ہندوستان سلطنتِ غزنی کے تابع تھا۔

شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ میں لاہور کی بجائے دلّی کو ہند کا دارالسلطنت قرار دیا اور اس وقت سے لے کر ۱۲۷۳ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کا پرچم لہراتا رہا۔

دلّی کے دارالسلطنت ہونے کے بعد یہاں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور اس سرزمین میں اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں سرزمینِ ہندو پاک میں کیسے کیسے نامی گرامی عُلماء اٹھے، انھوں نے کیا کیا علمی خدمات انجام دیں، مدارس کے قیام کی کیا صورت رہی، نصابِ تعلیم کیا کیا رہا، تعلیم و تربیت کا نظام کس اُصول پر چلتا رہا کیسی کیسی بیش قیمت تصانیف مختلف علوم و فنون میں مدون ہوتی رہیں۔ ان میں سے ہر ایک تفصیل سے گفتگو کرنے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے علماء نے ان میں سے ہر ایک موضوع پر بڑی ضخیم کتابیں تیار کر دی ہیں۔ چنانچہ مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء المتوفی ۱۳۴۱ھ نے آٹھ ضخیم جلدوں میں عربی زبان کے اندر یہاں کے علماء کا ایک مبسوط تذکرہ لکھا ہے، جس کا نام ہے، "نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" یہ کتاب آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہوکر شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں ساڑھے چار ہزار سے زائد مشترکہ ہندوستان کے اعیان و علماء کا تذکرہ ہے جو اُردو، فارسی، عربی کی تین سو قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور یہ صرف ایک فردِ واحد کی تنہا کوشش ہے جس میں ظاہر ہے کہ اضافہ کی بڑی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر اضافہ کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لیے بڑے گہرے مطالعے اور وسیع معلومات کی ضرورت ہے۔ مصنف مرحوم کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے جو نہایت متقی عالم تھے اور علم حدیث میں حافظ عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ اس کتاب میں جو قیمتی پیش لفظ الهند و مکانتها فی تاریخ الاسلام کے عنوان سے لکھا ہے اس میں فاتحین و غزاہ، داعیانِ حق، مُصلحین امت، اہلِ ورع و زہد، خادمانِ دین، صاحب دلانِ قوی تاثیر، علماءِ راسخین، محدثینِ کرام، اربابِ معارف و اسرار، صاحبانِ توحیدِ وجودی، محققینِ لغت و عربیت، ماہرانِ سخن

فنون حکمیہ و علوم عقلیہ، عالمان ریاضی و ہیئت و نجوم، مدرسین و اہل افادہ، حاملان غیرت دینی، قوی الحافظہ، وسیع الاطلاع، سرعت تالیف و کثرت تصنیفات میں ممتاز، مؤرخین، حکمۃ سنجان بلاغت، عربی، فارسی، اردو کے نامی گرامی شعراء، بادشاہان دیندار، امراء نیک کردار، اہل فضل۔ ان میں سے ہر عنوان کے تحت اس شعبہ کے سربرآوردہ افراد کو نام بنام گنایا گیا ہے۔

اور یہاں کی تصنیفات کی تفصیلی حالات میں انھیں مولانا عبدالحی صاحب کی ایک دوسری قیمتی کتاب ہے جس کا اصل نام ہے "معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف" آٹھ سال کے قریب ہونے آئے کہ دمشق سے المجمع العلمی العربی نے اس کتاب کو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کے نام سے طبع کر دیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے مقدمہ میں اولاً یہاں کے نظام درس کی عہد بعہد تاریخ لکھی ہے، پھر فنون ادبیہ، نحو، صرف، اشتقاق، لغت، عروض، قافیہ، انشاء، شعر، تاریخ اور جغرافیہ کے سلسلے میں جتنی تصنیفات یہاں ہوئی ہیں ان کو نام بنام گنایا گیا ہے۔ پھر دینی و شرعی علوم فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف اور کلام کی تاریخ لکھ کر ان کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ پھر فنون عقلیہ، آداب البحث، منطق، طبیعات، الہیات، حکمت عملیہ، ریاضی اور طب کی تصنیفات کا بیان اور ان کی تاریخ لکھی۔ اخیر میں شعر و شعراء کی تاریخ اور ان کی تصنیفات کا بیان ہے۔

یہاں کے مدارس کی تاریخ پر اردو زبان میں مولانا ابوالحسنات ندوی مرحوم کی ایک نہایت عمدہ کتاب عرصہ ہوا کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں"۔ اس کتاب میں مصنف مرحوم نے غزنوی دور سے لے کر مغلوں کے عہد تک کے ان تمام مشہور مدارس کا ذکر کر دیا ہے جن کی ان کو اطلاع ہو سکی۔

اور یہاں کے نظام تعلیم و تربیت پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے دو ضخیم جلدوں میں نہایت ہی نفیس کتاب سپرد قلم کی ہے جو ندوۃ المصنفین سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے میں نہایت ہی نادر معلومات کا گنجینہ ہے اور اس میں بہت سے ان

تاریخی حقائق کا انکشاف ہے کی جن کی طرف اب تک ہمارے مؤرخین نے توجہ نہ دی تھی۔

تفسیر و اصولِ تفسیر

اس مختصر مقالے میں برصغیر کے علمی کارناموں کے متعلق بجز اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان نہایت اہم علمی خدمات کی طرف ایک سرسری سا اشارہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے علوم دینیہ کو لیتے ہیں۔ علم التفسیر میں یہاں اگرچہ بڑا کام ہوا، شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ نارنولی المتوفی ۱۰۷۰ھ اور مولانا جعفر بن جعفر گجراتی نے تفسیر جلالین کے طرز پر اور سید محمد گیسودراز نے کشاف کے نہج پر تفسیریں لکھیں، لیکن خاص طور پر قابلِ ذکر یہ چار تفسیریں ہیں :-

۱۔ البحر المواج از قاضی شہاب الدین دولت آبادی

یہ تفسیر فارسی زبان میں چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد مطبع نول کشور لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور میں موجود ہے۔ یہ بڑی جامع تفسیر ہے جس میں تراکیب نحویہ اور وجوہ فصل و وصل وغیرہ کے بیان پر خصوصی اعتناء کیا گیا ہے۔ شیخ منور بن عبدالمجید لاہوری نے قاضی صاحب کے اس کارنامے کو عربی میں بھی منتقل کر دیا ہے۔

۲۔ تبصیر المنان و تیسیر المنان فی تفسیر القرآن از مخدوم علی مہائمی (المتوفی ۸۳۵ھ)

یہ حسنِ انشاء، ابرادِ لطائف اور ربطِ آیات کے بیان میں یکتا کتاب ہے۔ مصر سے دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی

یہ تفسیر ندوۃ المصنفین دہلی سے دس جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ نکاتِ تصوف اور فقہی مباحث جس جامعیت کے ساتھ اس کتاب میں ہیں اور تفسیروں میں نہیں پائے جاتے۔

۴۔ تفسیر فتح العزیز از شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی

یہ تفسیر اگرچہ مکمل نہیں بلکہ شروع میں صرف سورہ بقرہ کی آیت وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ پر ختم ہوجاتی ہے اور اخیر میں صرف دو پاروں کی تفسیر ہے مگر حسن بیان اور نکات تفسیری کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔

یہ چاروں تفسیریں اپنے اپنے اعتبار سے اس قدر اہم اور مفید ہیں کہ عالم اسلام کی بہترین تفاسیر کے مقابلہ میں ان کو رکھا جاسکتا ہے۔

اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب کی "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے مقابلہ میں عالم اسلام کے تمام تصنیفی ذخیرہ میں سے کوئی کتاب نہیں پیش کی جاسکتی۔ الفوز الکبیر کا عربی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے جو نہایت متداول ہے۔

قاضی بیضاوی کی تفسیر پر اگرچہ یہاں کے متعدد اہل علم نے حواشی لکھے ہیں لیکن ان سب میں اہم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ ہے جو نہایت مقبول و متداول ہے اور زلیور طباعت سے آراستہ ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید کا انڈیکس بھی نجوم الفرقان کے نام سے سب سے پہلے ہندوستان ہی میں مرتب ہوا ہے جو عالمگیر کے بیٹے شہزادہ اعظم کی فرمائش پر تیار کیا گیا ہے۔ یہ انڈیکس بہت عرصہ ہوا کہ مدارس میں اور اس سے پہلے غالباً دہلی یا لکھنؤ کے کسی مطبع میں طبع ہوچکا ہے۔ ہم نے اس کا نسخہ مدرسہ مظاہر العلوم کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔

حدیث واصول حدیث

علم حدیث کا مشہور متن مشارق الانوار جس پر عرب وعجم کے بہت سے علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔ وہ امام حسن صغانی لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) کی تصنیف ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب ایک زمانہ تک داخل درس رہی ہے اور لوگ یوں سمجھا کرتے تھے کہ جس نے مشارق الانوار امام صغانی اور مصابیح السنۃ امام بغوی پر عبور کرلیا وہ محدث بن گیا۔

دوسرا کارنامہ علامہ متقی المتوفی ۹۷۵ھ کی مشہور کتاب "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" ہے جس کو علم حدیث کا دائرۃ المعارف خیال کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں

شیخ موصوف نے امام سیوطی کی جامع صغیر، زوائد جامع صغیر اور جمع الجوامع کی تمام احادیث کو جو حروف تہجی پر مرتب تھیں۔ ابواب فقہیہ پر مرتب کر دیا ہے۔ جمع الجوامع کے بارے میں امام سیوطیؒ کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے اس کتاب میں تمام احادیث نبویہ کا احاطہ کر دیا ہے۔ کنز العمال کے متعلق شیخ ابوالحسن بکری شافعی کا مقولہ ہے :

للسیوطی منۃ علی العالمین وللمتقی منۃ علیہ

امام سیوطی کا احسان تو سارے عالم پر ہے اور متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے۔

کنز العمال عرصہ ہوا کہ بڑی تقطیع کی آٹھ ضخیم جلدوں میں جو نہایت باریک ٹائپ میں ہیں حیدر آباد دکن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ شیخ علی متقی نے کنز العمال کا منتخب بھی تیار کیا تھا جو چھ جلدوں میں مسند امام احمد کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

اسی دور کے ایک اور نامور محدث جو شیخ علی متقی ہی کے ساختہ و پرداختہ ہیں، محدث محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ ہیں جن کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں :-

"در علم حدیث توالیف جمع کرد، از ان جملہ کتابے است متکفل شرح صحاح ستہ مسمی بمجمع البحار، و رسالہ دیگر مختصر مسمی بمغنی تصحیح اسماء رجال کردہ بے تعرض بہ بیان احوال بغایت مختصر و مفید۔"

سچ یہ ہے کہ سارے اسلامی لٹریچر میں شرح غریب الحدیث پر مجمع البحار سے زیادہ جامع کتاب اس وقت نہیں مل سکتی۔ محدث پٹنی کی ایک اور اہم کتاب تذکرۃ الموضوعات اور اس کا ذیل "قانون الموضوعات والضعفاء" جن کا موضوع ان کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ احادیث موضوعہ کے بیان میں ہیں، عرصہ ہوا مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ محدث پٹنی کی تذکرۃ الموضوعات اس موضوع پر ملا علی قاری اور قاضی شوکانی کی کتابوں سے زیادہ مفید اور زیادہ مفصل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد و احفاد نے

اس ملک میں علم حدیث کی درس و تصنیفاً جو خدمت کی ہے اس کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۰۰ھ میں جب حجاز مقدس سے علم حدیث کی تکمیل کر کے دلی آئے تو ان کی ذات بابرکات سے اس برصغیر میں علم حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی۔ شیخ ممدوح کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے اور انھوں باون برس کی یہ طویل مدت یہاں علم حدیث کی تصنیف و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت ہی میں گزاری ہے۔ ہندوستان کے تمام نامور علمی خانوادوں کا سلسلۂ تلمذ علم حدیث میں شیخ تک منتہی ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ سند بواسطہ شیخ ابوطاہر کردی عن الشیخ عبداللہ اللاہوری عن عبداللہ اللبیب عن ابیہ ملا عبدالحکیم السیالکوٹی آپ تک پہنچتا ہے۔ اور ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامیہ جن سے علماء فرنگی محل کا سلسلہ چلتا ہے صرف دو واسطوں سے علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ کیونکہ انھوں نے حدیث شاہ پیر محمد لکھنوی المتوفی ۱۰۸۰ھ سے پڑھی ہے اور شاہ پیر محمد نے شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق سے جو اپنے والد کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جو مشکوٰۃ کی تمام شرحوں میں نہایت عمدہ شرح ہے اب زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آرہی ہے اب تک اس کی چار جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ بعد کے تمام شارحین حدیث نے ان کی اس کتاب سے اپنی تالیفات میں استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح شیخ کی دوسری کتاب شرح سفر السعادت اپنے موضوع پر وہ بہترین کتاب ہے کہ جس کی نظیر سارے متداول اسلامی لٹریچر میں بجز ابن القیم کی زاد المعاد کے پیش نہیں کی جاسکتی۔ سیرت پر شیخ کی مشہور تصنیف مدارج النبوۃ کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے عجالۂ نافعہ میں لکھا ہے کہ

"مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی و سیرت شامیہ و مواہب لدنیہ مبسوط ترین سیر تہا اند"

اور شیخ کی مشکوٰۃ کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات سے تو ہر خاص و عام نے فائدہ اٹھایا ہے نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء میں شیخ کی اس شرح کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:-

"درسہولت تناول، وشرحِ غریب وضبطِ مشکل وذکرِ مسائل
فقہ حنفی بے نظیر است ومزید شہرت وقبولِ وے مستغنی از بیان
است۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان میں علم حدیث کی خدمت کا سلسلہ دوسو سال تک برابر جاری رہا۔ اور ان کے خاندان میں بہت سے شارحین ومدرسین علم حدیث پیدا ہوگئے، جیسے شیخ نورالحق شارح صحیح بخاری جو خود ان کے فرزندِ ارجمند ہیں اور شیخ نورالحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن نوراللہ بن نورالحق صاحب اشرف الوسائل فی شرح الشمائل اور ان ہی کے دوسرے پوتے شیخ محب اللہ بن نوراللہ شارح صحیح مسلم اور محب اللہ کے فرزندِ اکبر شیخ فخرالدین شارح حصن حصین اور شیخ فخرالدین کے صاحبزادے محمد شیخ الاسلام شارح صحیح بخاری اور شیخ الاسلام کے صاحبزادے سلام اللہ محدث رام پوری جنھوں نے موطا امام مالک کی دو ضخیم جلدوں میں نہایت عمدہ شرح لکھی ہے جو "المحلی بحلی اسرار الموطا" سے موسوم ہے۔ یہ شرح شاہ ولی اللہ صاحب کی مسوی اور مصفی دونوں شرحوں سے زیادہ جامع ہے۔ خاکسار کے پاس اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی مشہور شرح التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد کا سب سے بڑا ماخذ یہی محلی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ موطا کی ان تمام شروح میں جو متاخرین کے قلم سے نکلی ہیں، سوائے محدث عبدالباقی زرقانی مالکی کی شرح کے اور کوئی شرح جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے اس شرح کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان کے علاوہ دوسرا خاندان جس نے سب سے زیادہ اس برصغیر میں علم حدیث کے فروغ وترویج میں حصہ لیا وہ شاہ ولی اللہ کا خاندان ہے جس کا اعتراف نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے تذکرہ میں ان الفاظ میں کیا ہے :-

"خاندانِ ایشان خاندانِ علومِ حدیث وفقہ حنفی است۔ خدمت
این علم شریف چنانکہ ازیں اہلِ بیت بوجود آمدہ، دریں کشور از خانمان

دیگر معلوم نیست۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ۱۱۴۳ھ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد کامل ایک سال تک حرمین شریفین میں علم حدیث کی تحصیل کی اور ۱۱۴۵ھ میں دہلی واپس ہوئے۔ یہاں آکر انھوں نے اور ان کے بعد ان کی اولادِ امجاد نے اس کی اشاعت میں ایسی سرگرمی دکھائی کہ آج کلکتہ سے لے کر پشاور تک ہند و پاک کے جس مدرسہ میں بھی قال الرسول کی صدا بلند ہے اس کا سلسلۂ اسناد بالعموم حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ حدیث میں شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف میں مصفی ومسوی کے علاوہ جو انھوں نے فارسی وعربی میں مؤطا امام مالکؒ کی دو شرحیں لکھی ہیں۔ ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء ایسی مفید اور قیمتی کتابیں ہیں کہ تمام عالم اسلام میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب مصالح واسرارِ شریعت کے امام ہیں اور ان کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی و رازی کے کارنامے ماند۔ احادیث کے معانی و توجیہات میں ان کا مقام خطابی، بغوی اور نووی کے دوش بدوش ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں فرماتے ہیں:۔

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ طریقۂ جدیدہ بیان نمودہ اند، در تحقیق اسرارِ معرفت وغوامضِ علوم طرز خاص دارند، باایں ہمہ علوم وکمالات از علماء ربانی اند، مثل ایشان در محققان صوفیہ کہ جامع اند، در علم ظاہر وباطن وعلم نو بیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند۔"

(کلمات طیبات صفحہ ۸۸ مجتبائی دہلی)

علمِ حدیث میں محدثینِ سندھ کی جو خدمات ہیں وہ بھی عالم آشکارا ہیں۔ محدث محمد عابد سندھی کی المواہب اللطیفہ شرح مسند الامام ابی حنیفہ ایسی بہترین شرح ہے کہ فتح الباری کا مقابلہ کرتی ہے۔ شیخ ابوالحسن کبیر سندھی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے صحاح ستہ کی ہر کتاب پر ایک مستقل حاشیہ لکھا ہے اور مسند احمد جیسی ضخیم کتاب پر ان کا حاشیہ اس کے علاوہ ہے۔ صحیح بخاری، سنن نسائی، وسنن ابن ماجہ پر ان کی شروح حواشی مصر میں بار بار طبع ہو چکے ہیں اور صحیح مسلم کا حاشیہ ہندوستان میں مکرر طبع ہو چکا ہے۔ صحاح ستہ پر

حافظ سیوطی نے بھی تعلیقات لکھی ہیں اور ابوالحسن سندھی نے بھی۔ دونوں کا موازنہ کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ سیوطی کے یہاں غزر نقول موجود ہیں اور علامہ سندھی نے بھی خود ان کی شروح سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاں نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام چلتا ہے اور فہم مراد اور توضیح مطلب کی باری آتی ہے وہاں کس کا پلہ بھاری ہے۔ سیوطی کو بہت سے علوم میں اجتہاد کا دعویٰ ہے لیکن جن لوگوں نے علامہ سندھی کی ان شروح کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ متعدد مقامات میں سیوطی نے اپنی معلومات کی روشنی میں حدیث کی کسی خاص توجیہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور علامہ سندھی نے اسی علم کی روشنی میں اس توجیہ کی صحت بدلائل ثابت کر دی ہے۔ کاش علامہ سندھی کی یہ ساری شروح و تعلیقات چھپ کر منظر عام پر آجائیں۔

اُصول حدیث میں علامہ سید مرتضی بلگرامی کا متن "بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب" عرصہ ہوا کہ مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ حال میں فاضل لکھنوی کی "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" اور "الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ" بھی شام سے طباعت کی بہترین خوبیوں کو لیے ہوئے نہایت عمدہ کاغذ پر طبع ہو کر آگئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو ہمارے فاضل دوست محمد عبدالفتاح ابوغدہ نے جو دمشق کی یونیورسٹی میں علوم حدیث کے استاذ ہیں اپنی قیمتی تعلیقات و حواشی سے مزین فرمایا ہے اور متعدد مقامات پر اپنے حواشی میں اس خاکسار کی تحقیقات کو جگہ دی ہے۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر کی جو شرح لکھی ہے اس سے محدث حرم ملا علی قاری نے اپنی شرح نخبہ میں بڑا استفادہ کیا ہے۔ علماء سندھ میں ملا اکرم سندھی کی امعان النظر اور شیخ ابوالحسن صغیر کی بہجۃ النظر شرح نخبہ کی بہترین شرحیں ہیں۔ آخر الذکر کتاب عرصہ ہوا لاہور میں طبع ہوئی تھی۔

فقہ و اُصول فقہ

فقہ اور اُصولِ فقہ غیر منقسم ہندوستان کے خاص عُلوم ہیں اور جتنی اس فن پر یہاں کے علماء کی تصنیفات ہیں اور فنون میں نہیں ہیں۔ اس فن پر یہاں کی بہت سی تصانیف کا

ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے۔ فتاوی، شروح اور حواشی کا ایک انبار ہے جو یہاں کے اہل قلم کا مرہون منت ہے۔ ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری، کنز الدقائق، درمختار، ان میں سے ہر کتاب پر متعدد شروح و حواشی لکھے گئے ہیں۔ فتاوی عالمگیری کو جو شہرت عام نصیب ہوئی سب کو معلوم ہے۔ جب سے یہ کتابیں مدون ہوئیں تمام عرب و عجم کے علماء ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ تاتارخانیہ کے حوالہ جات بحرالرائق میں بکثرت ملتے ہیں۔ فتاوی حمادیہ بہت زمانہ ہوا جب کلکتہ میں طبع ہوا تھا۔ یہ نہایت جامع فتاوی ہے۔ فتاوی غیاثیہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے معنون ہے ۶ءمہ ہوا کہ مصر سے طبع ہو چکا ہے۔ فتاوی ابراہیم شاہیہ کے لیے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ

"کتاب کبیر من افخر الکتب کقاضی خان"

گویا ان کی نظر میں یہ فتاوی اپنی افادیت کے اعتبار سے فتاوی قاضی خان کا مماثل ہے۔

اصول فقہ میں اصول بزدوی، منتخب حسامی، منارالاصول نسفی، توضیح، تلویح، تحریر الاصول، اصول شاشی وغیرہ پر بیسیوں شروح و حواشی لکھے گئے جن میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ جو توضیح تلویح پر ہے، مصر، استنبول اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ منار کی جیسی عمدہ شرح نورالانوار ہے اور جو قبولیت اس کتاب کو نصیب ہوئی ہے وہ منار کی کسی اور شرح کو نہ ہو سکی۔

اصول فقہ میں ملا محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت کا متن ابن حاجب کی مختصر ابن ہمام کی تحریر الاصول اور قاضی بیضاوی کی منہاج الاصول سے چشمک زنی کرتا ہے۔

تصوف و سلوک تو یہاں کا خاص حصہ ہے۔ اس موضوع پر یہاں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے بارے میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی تصریح ابھی آپ کی نظر سے گزری۔ جس سرزمین سے مجدد الف ثانی کا ظہور ہوا ہو ظاہر ہے کہ بیان حقائق میں اس کا کیا درجہ ہونا چاہیے۔

قدیم کتابوں میں شیخ علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی کشف المحجوب تصوف کی نہایت اہم کتاب ہے

حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے ایک عالم نے فیض اٹھایا ہے اور متاخرین کے سب سے بڑے مفسر علامہ العراق محمود آلوسی کی روح المعانی میں جا بجا اس کے حوالے موجود ہیں۔ مکتوبات شریف کا ان کی اہمیت کے پیش نظر عربی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جو مدت ہوئی کہ مصر میں طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبقات اس موضوع پر اپنی نظیر آپ ہے۔ بزرگوں کے ملفوظات اور مکتوبات کا ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو تصوف و سلوک کے بیان پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ حقائق و معارف، ادعیہ واذکار پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں فصوص الحکم، ابن عربی۔ عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی۔ رسالہ مکیہ، شیخ قطب الدین دمشقی۔ آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین سہروردی۔ رسالہ قشیریہ، لمعات، عراقی۔ نزہۃ الارواح، میر حسین غزنوی۔ لوائح، جامی۔ جام جہاں نما۔ مرآۃ الحقائق۔ رسالہ تسویہ، شیخ محب اللہ الہ آبادی۔ مثنوی مولانا رومی۔ حدیقہ حکیم ثنائی۔ فتوح الغیب شیخ جیلانی وغیرہ بہت سی کتابوں پر یہاں کے علماء نے بیسیوں شروح و حواشی سپرد قلم کیے ہیں۔ اور علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی کی اتحاف السادۃ المتقین لشرح احیاء العلوم الدین تو اس فن کی وہ کتاب ہے کہ تمام عالم اسلام میں ایسی جامع اور مفصل کتاب آج تک اس موضوع پر نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہو گئی ہے۔

عقائد و کلام میں اس فن کی تمام بنیادی کتابوں پر جیسے کہ فقہ اکبر، قصیدہ بدء الامالی، عقائد نسفیہ، شرح تجرید اصفہانی، شرح عقائد عضدیہ دوانی، شرح عقائد نسفیہ تفتازانی، تہذیب الکلام، حاشیہ خیالی علی شرح العقائد، شرح مقاصد، شرح صحائف، شرح مواقف وغیرہ ہیں، یہاں کے علماء نے بڑی مفید اور محققانہ شرحیں لکھی ہیں، جن میں النبراس، شرح شرح عقائد نسفیہ مولانا عبدالعزیز فرہاروی کی لاجواب کتاب ہے اور ملا عبدالحلیم سیالکوٹی کا حاشیہ بر شرح عقائد خیالی مصر و قسطنطنیہ تک سے طبع ہو چکے ہے۔

ردِ نصاریٰ و ہنود اور دیگر فرق باطلہ کی تردید میں یہاں کے علماء نے بڑی شاندار

خدمات انجام دی ہیں - پادری فنڈر کو جو دنیائے نصرانیت کا سب سے بڑا مناظر تھا شکست بھی یہیں کے مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے دی تھی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحفۂ اثنا عشریہ کا اس کی افادیت کے پیش نظر علامہ آلوسی نے اختصار کیا ہے اور وہ مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

علوم ادبیہ میں نحو کے اندر قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح ہندی کا غلغلہ عرصہ تک عالم اسلامی میں بلند رہا ہے۔ یہ کافیہ ابن حاجب پر قاضی صاحب موصوف کی شرح ہے اور ملا جامی نے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اپنی شرح فوائد ضیائیہ لکھی ہے۔ شرح ہندی پر بڑے بڑے اہل فن نے طبع آزمائی کی ہے - چنانچہ علامہ توقانی، گازرونی، غیاث الدین منصور شیرازی وغیرہ علماء ایران نے اس پر حاشیے لکھے ہیں۔

علم صرف پر یہاں بعض ایسی مفید کتابیں لکھی گئی ہیں کہ گویا اس فن کی جان ہیں جیسے سراج الدین عثمان اودھی کی میزان الصرف اور شیخ حمزہ بدایونی کی منشعب فی الصرف الصغیر اور شیخ علی اکبر کی فصول اکبری فارسی میں اور اصول اکبری عربی میں اور ہدایت الصرف بحر العلوم کی مفتی عنایت احمد صاحب کی علم الصیغہ کہ اپنی عہد تصنیف سے لے کر آج تک طلبہ میں متداول اور داخل درس ہیں۔

علم الاشتقاق میں اس فن کی سب سے بہترین کتاب مولوی کرامت حسین کنتوری کی فقہ اللسان ہے جو تین جلدوں میں مطبع نول کشور سے طبع ہو کر شائع ہوئی ہے یہ کتاب غالباً تمام عالم اسلامی کی بہترین اور منفرد کتاب ہے۔ علم لغت کی صحیح اور جامع ترین کتابوں میں صحاح جوہری اور محکم ابن سیدہ کے بعد العباب الزاخر ہی کا شمار ہے جو امام رضی الدین حسن صاغانی لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) کی تصنیف ہے - لغت عربی کی مشہور ترین کتاب القاموس المحیط کا سارا سرمایہ محکم ابن سیدہ اور العباب الزاخر ہی کا مرہون منت ہے اور علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی کی تاج العروس شرح قاموس کا جواب دنیائے عرب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ کتاب باریک ٹائپ کی دس ضخیم جلدوں میں مصر سے مکرر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

علم بدیع میں میر غلام علی آزاد بلگرامی نے وہ وہ جولانیاں دکھلائی ہیں کہ یوں کہنا چاہیے نئے سرے سے فن کو ایجاد کیا ہے، چنانچہ فن بدیع کی ستائیس ایسی نئی انواع ہیں، جن کا علامہ بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں اضافہ کیا ہے۔

عروض وقافیہ میں ملا سعد اللہ مرآد آبادی کی کتاب میزان الافکار شرح معیار الاشعار اس فن کی بڑی جامع کتاب ہے۔

شعر وادب میں مقامات حریری، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ قصیدہ بانت سعاد، قصیدہ بردہ وغیرہ کی متعدد ومفید شرحیں لکھی گئیں۔ قصیدہ بانت سعاد کی ایک شرح قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بھی مصدق الفضل کے نام سے لکھی جو واقعی ان کے فضل کی تصدیق کرتی ہے۔ کیونکہ اس شرح میں انھوں نے ہر شعر پر صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض، قوافی سب سے تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

اب ہم اسی قدر اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر علماء ہند وپاک کی ان تمام خدمات کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے کہ جو انھوں نے تاریخ طبقات، سیر اور علوم فلسفہ وریاضی کے سلسلہ میں انجام دی ہیں تو مضمون بڑا طویل ہو جائے گا۔ ہاں اخیر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علوم وفنون کے جیسے دو دائرۃ المعارف (انسائکلوپیڈیا) آج سے دو صدی قبل یہاں مرتب ہوئے ہیں تمام عالم اسلامی میں نہ ہو سکے :۔ ایک علامہ محمد اعلیٰ تھانوی کی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون جو چار ضخیم جلدوں میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوئی اور اب دوبارہ مصر میں چھپ رہی ہے۔ اور دوسری علامہ عبدالنبی احمد نگری کی دستور العلماء جو مع ضمیمہ کے چار جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مسلمانوں کی علمی خدمات

○

مولانا عبدالرشید نعمانی

مسلمانوں کی علمی خدمات

میری تقریر کا موضوع اپنی وسعت کے لحاظ سے اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں بھی اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ایک گھنٹہ کی مختصر سی مدت میں اس موضوع پر سوائے ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بدیں وجہ میں اس موضوع پر اس وقت جو کچھ کہوں گا وہ مسلمانوں کے کام کی ایک اجمالی فہرست ہو گی یا ان کی بے شمار خدمات کا ایک ادنیٰ سا نمونہ۔

عام طور پر علم کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، ایک علم معاش دوسرا علم معاد اس کائنات ہست و بود میں حضرت انسان نے اپنی بقا کے لئے جن علوم کو مرتب و مدون کیا ہے وہ سب علم معاش میں داخل ہیں کہ جن کی افادیت سر تا سر اسی دنیوی زندگی تک محدود ہے اور جن علوم سے آخرت کی زندگی بنتی ہے اور خدا کی رضا نصیب ہوتی ہے، ان کا تعلق علم معاد سے ہے۔ جن کا اصل ثمرہ تو آخرت ہی میں ملے گا تاہم ان پر عمل کرنے سے انسان دنیوی برکتوں سے بھی محروم نہیں رہتا۔

مسلمانوں کا اصل کارنامہ تو علوم وحی کی حفاظت ہے اور یہ وہ کارنامہ ہے کہ جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کا شریک و سہیم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ رہے دنیوی علوم تو اس میں بھی مسلمان دوسری قوموں سے

پیچھے نہیں رہے بلکہ جس طرح ہر قوم نے اپنے عروج و اقتدار کے زمانے میں انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقاء میں حصہ لیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے عہد اقتدار کے ہر علوم دینویہ کو ترقی دینے اور ان کو بام عروج پر پہنچانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں چنانچہ طب، و سائنس میں جو ان کی ایجادات و اختراعات ہیں ان کی تفصیل تاریخ الحکما قفطی اور طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ اور تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یورپ اگرچہ موجودہ دور میں مادی ترقی کے اندر ہم سے آگے ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی یہ ساری علمی ترقی اور موجودہ سائنس کا ارتقاء مسلمان فلاسفہ و علماء طبیعات کی تحقیقات و اکتشافات کا مرہونِ منت ہے اور اگر مسلمانوں کی گذشتہ کوششیں فلسفہ و سائنس کے بارے میں نہ ہوتیں تو یورپ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

علوم دینویہ کے سلسلہ میں سب سے پہلا تحریری سرمایہ جو عربی زبان میں منتقل ہوا وہ علم طب کی چند کتابیں تھیں جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طبیب خاص ابن آثال نے ان کے استعمال کے لئے عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی مشہور کتاب طبقات الاطباء میں ماسرجویہ طبیب کے تذکرہ میں تصریح کی ہے کہ طبیب موصوف کی ایک کتاب جو اس نے سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی تھی۔ خلیفہ عادل امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو کتب خانہ سرکاری میں ملی تھی اور حضرت ممدوح نے افادۂ عام کی غرض سے کتب خانہ سے نکلوا کر اس کتاب کے نسخے شائع کرائے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے خالد بن یزید کے متعلق علامہ ابن الندیم نے

کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ یہ کیمیا اور سائنس میں بڑا فاضل تھا اور حکیم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ مصر میں اس کے عہد میں فلسفہ یونان کے جو عالم فصیح عربی لکھنے --- پر قادر تھے۔ اس نے ان کو یکجا جمع کیا اور حکم دیا کہ طب نجوم اور کیمیا کی جو کتابیں یونانی اور قبطی زبانوں میں ہیں ان کے ترجمے عربی زبان میں کئے جائیں۔ چنانچہ ان فنون کی بہت سی تصنیفات خالد کی فرمائش پر عربی زبان میں منتقل ہو گئیں۔ خالد خود بھی مصنف تھا۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں طب و سائنس پر اس کی متعدد تصانیف کے نام گنائے ہیں۔

خلیفہ عبدالملک کے عہد تک مال گزاری اور خراج کے جتنے دفاتر تھے۔ سب غیر زبانوں میں تھے۔ چنانچہ عراق کا دفتر فارسی میں تھا۔ شام کا لاطینی میں اور مصر کا قبطی میں اور اسی وجہ سے دفتر مال گزاری کے جتنے عہدہ دار تھے سب کے سب مجوسی یا نصرانی تھے۔ حجاج بن یوسف، خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس کے افسر مال فرخ نے جو مجوسی تھا ایک مرتبہ یہ کہہ دیا کہ میرے بغیر خراج کا دفتر چل ہی نہیں سکتا۔ حجاج کو جو اس کے اس مغرورانہ دعویٰ کی اطلاع ہوئی تو سخت برہم ہوا اور فوراً صالح بن عبدالرحمٰن کو جو اس کا ندیم خاص تھا اور عربی و فارسی دونوں زبانوں میں کمال رکھتا تھا۔ حکم دیا کہ خراج کا سارا محکمہ فارسی سے عربی میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ حکم سن کر دربار کے جتنے پارسی تھے سخت پریشان ہوئے کہ اتنا بڑا محکمہ ہمارے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ آخر سب نے مل کر صلاح کی کہ صالح کو رشوت دے کر اس کام سے باز رکھا جائے

چنانچہ اس غرض کے لئے ایک لاکھ روپے لے کر صالح کے پاس پہنچے کہ یہ آپ کی
نذر ہے۔ آپ براہِ کرم حجاج کو سمجھا دیں کہ عربی زبان میں دفترِ مال کا ترجمہ نہیں ہو
سکتا لیکن اس زمانے کا مسلمان آج کے دعویداران اسلام کی طرح نہ تھا صالح نے
پارسیوں کی اس رشوت کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور عراق کا تمام دفتر عربی
زبان میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد صوبوں میں بھی دفترِ مال کو عربی
زبان میں منتقل کر دیا گیا۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی کا میر منشی سالم بڑے پایہ کا انشا پرداز
اور صاحبِ قلم تھا اس کے ساتھ غیر زبانوں میں بھی اس کو کمال حاصل تھا اور فلسفہ
و سائنس کا ذوق آشنا تھا اس نے ارسطو کے ان رسالوں کا جو سکندر کے
نام تھے عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی سالم کا بیٹا جبلہ فارسی زبان میں کمال رکھتا
تھا اس نے فارسی سے بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ سالم ہی کی ترغیب
پر اس عہد کے اور لوگوں نے بھی بہت سی تصنیفات کو عربی میں منتقل کیا۔ خود
خلیفہ ہشام کو بھی اس کام سے خاصی دلچسپی تھی۔ سلاطین عجم کے شاہی ذخیرے
جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے ان میں ایک نہایت مفصل تاریخ بھی تھی جس
میں ملوک عجم کے حالات، قواعد سلطنت، تعمیرات اور علوم و فنون کی تفصیل
تھی۔ ہشام نے اس کتاب کے ترجمے کا حکم دیا اور ۱۱۳ھ میں یہ ترجمہ تیار ہو
کر مکمل ہو گیا۔ مورخ مسعودی کے التنبیہ والاشراف میں اسی کتاب کے بارے
یہ الفاظ ہیں کہ:

"میں نے ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر یہ کتاب مع تصاویر دیکھی تھی سلطنت

فارس کے متعلق جس قدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں ان میں کوئی کتاب اس قدر مفصل اور مبسوط نہیں ہے۔ پھر خلیفہ منصور عباسی کے عہد سے باقاعدہ اور منظم طور پر علوم دینویہ کی تدوین و ترتیب پر توجہ مرکوز کی گئی۔ چنانچہ اس کے حکم سے فن طب بیطاری، فلسفہ، منطق وغیرہ کی بہت سی کتابیں جو یونانی، سریانی، کلدانی، سنسکرت اور فارسی زبانوں میں تھی ان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ فارس کے تمام علوم و فنون عربی میں منتقل ہوئے۔ فن تاریخ، علم اخلاق اور سپہ گری سے متعلق جو کچھ فارسی میں ذخیرہ تھا سب عربی میں آگیا۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان موضوعات سے متعلق تمام کتابوں کا نام بنام گنایا ہے۔ منصور ہی کے زمانہ میں ہند وفلاسفہ کی بغداد میں آمد شروع ہوئی اور سنسکرت کی عمدہ تصنیفات کا عربی میں ترجمہ ہو گیا جس میں وہ مشہور زیچ بھی ہے جس کا نام "سدھانتا" ہے۔ خلیفہ مامون کے عہد تک اعمال کواکب میں اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ منصور نے علومِ یونان کے سلسلہ میں اس سرمایہ پر اکتفا نہ کرتے ہوئے جو اس کے قلمرو خلافت میں موجود تھا خود قیصر روم کو خط لکھا اور اس نے منصور کی فرمائش پر فلسفہ و حکمت کی بہت سی کتابیں دار الخلافہ کو روانہ کیں، جن کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔

ہارون الرشید جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس وقت یونانی، سریانی، فارسی، قبطی اور سنسکرت وغیرہ کی تصانیف کا ایک عظیم الشان ذخیرہ دار الخلافہ میں جمع ہو چکا تھا۔ ہارون الرشید نے اس تمام ذخیرہ کو محفوظ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان محکمہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام "بیت الحکمۃ" رکھا۔ اس محکمہ میں ہر مذہب و ملت کے لوگ جو مختلف زبانوں کے ماہر تھے۔ ترجمہ کے کام پر مامور

ہوئے۔ ہارون الرشید کی جب قیصر روم سے جنگ ہوئی اور ایشیائے کوچک میں اس کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں تو ان فتوحات میں مفتوحہ شہروں کے اندر بے شمار یونانی کتابیں اس کے ہاتھ لگیں جن کو اس نے بحفاظت تمام بیت الحکمۃ میں داخل کر دیا اور یوحنا ابن ماسویہ کے زیر نگرانی ان کے ترجمہ کا کام شروع ہو گیا۔ ہارون کے بعد جب اس کے خلف الرشید مامون کا دور آیا تو اس کے عہد زرین میں عربی زبان تمام دنیا کے علوم و فنون سے مالا مال ہو گئی۔ اور علوم عقلیہ میں مسلمانوں نے وہ ترقی کی کہ باید و شاید۔ اب صرف ترجمہ نہیں بلکہ ان علوم و فنون میں اجتہاد کا دروازہ کھلا اور بڑے بڑے باکمال لوگ پیدا ہوئے اور پھر تحقیق علوم کا ذوق عہد بہ عہد بڑھتا ہی چلا گیا جس کے نتیجہ میں امت اسلامیہ ایسے ایسے بلند پایہ فلسفی، حکیم، مہندس، ریاضی دان اور طبیب پیدا ہوئے کہ دنیا ایک ہزار برس تک ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز رہی، تاریخ کے اوراق ان نامور حکماء، اور فلاسفہ کے تذکرہ اور حالات سے معمور ہیں مسلمانوں نے علوم عقلیہ میں ہر فن پر جو نادر اور بیش بہا تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان کا اگر ایک سرسری جائزہ لینا ہو تو ابن الندیم کی کتاب الفہرست اور کشف الظنون اور اس کے ذیل کا مطالعہ کافی ہو گا۔ میں نے سرسری جائزہ اس لئے کیا کہ ان کتابوں میں مسلمان علماء فلسفہ و سائنس کی جن تصانیف کو بیان کیا گیا ہے۔ گو ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے تاہم وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کل تصانیف کا عشر عشیر بھی نہیں۔ حکماء، و فلاسفہ کے حالات اگرچہ ہر دور کے تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں لیکن خاص حکماء کے حالات پر ابن

صاعد اندلسی، علامہ شہرستانی اور جمال الدین قفطی وغیرہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔
جن میں قفطی کی تاریخ الحکماء عرصہ ہوا کہ طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اور خاص اطباء
کے حالات پر ابن ابی اصیبعہ اور ابن جلجل اندلسی وغیرہ نے تصنیفیں کی ہیں۔
ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء بھی مکرر طبع ہو چکی ہے۔ یہ علوم دنیویہ یا علم
معاش میں مسلمانوں کے کارناموں کی ایک ہلکی سی جھلک تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی علمی مساعی نہ ہوتیں تو مصر و یونان اور ہند
و فارس کے تمام علمی ذخیرے آج برباد ہو چکے ہوتے۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے
عہد وسطیٰ میں۔ دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کیا اور پھر ہر فن
میں ترقی کی اور ایسے ایسے مسائل ایجاد کئے کہ جو ہند و روم اور یونان و فارس
کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ ان علوم میں مسلمانوں کا موجودہ لٹریچر ان
کی عظمت شان پر شاہد عدل ہے۔

رہے علوم دینیہ تو ان کا تو پوچھنا ہی کیا۔ تمام دنیا میں یہ صرف مسلمانوں
ہی کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک
ایک ادا اور ایک ایک بات کو جوں کا توں بعینہٖ آج تک اسی طرح محفوظ
رکھا ہے۔

هنوز آن ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف مع زیر زبر اور تشدید کے
آج تک مسلمانوں کے سینے میں بعینہٖ محفوظ چلا آتا ہے۔ فن تجوید و قرأت کیا ہے

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کا بیان ہے کہ آپ نے فلاں آیت یا فلاں لفظ کو اس صفت کے ساتھ ادا کیا تھا۔ اس زمانہ میں ٹیپ ریکارڈ نہ تھا۔ مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز ادا کو محفوظ رکھنے کے لئے اس عظیم الشان فن کی بنیاد ڈالی۔ قرآن کریم کی طرز تحریر کی حفاظت کے لئے ایک دوسرا مستقل فن ایجاد ہوا جس کا نام ہے علم رسم خط القرآن۔ اگلے زمانے میں قرآن مجید کی طرح حدیث کے بھی حافظ ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے اسلامی لٹریچر میں یعنی عربی تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں جب بھی کسی عالم کے حق میں الحافظ کا لفظ استعمال ہو گا تو اس سے ہمیشہ حافظ حدیث ہی مراد لیا جائے گا کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال و اوصاف سے متعلق ایک ایک چیز مکمل طور پر محفوظ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حفاظت ہے۔ ایک طرف اس امت نے تو ہر اس شخص کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کوئی ایک بات بھی بیان کی تھی۔ حفاظ حدیث کے حالات پر بیس سے زیادہ کتابیں اب تک ہمارے علم میں آ چکی ہیں، جن میں سے سترہ کتابوں کا تفصیلی تعارف اپنی کتاب "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" میں کرا چکے ہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے الفاظ کی صحیح شکل کو سمجھنے کے لئے علم صرف کی تدوین ہوئی۔ عبارت کو صحیح پڑھنے کے لئے علم نحو ایجاد ہوا۔ مفردات کا ماخذ معلوم کرنے کی غرض سے علم اشتقاق وجود میں آیا۔ مفردات کے معانی و مفاہیم کو جاننے کے لئے علم لغت مدون ہوا قرآن مجید کے اعجاز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کی گہرائی تک

پہنچنے کے لئے علم معانی و بلاغت کا وجود ہوا۔ آیات قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے علم تفسیر کی بنیاد پڑی۔ نصوص کی دلالت اور احکام اسلامی کی حیثیت کو متعین کرنے کے لئے۔ علم اصول فقہ کی تدوین ہوئی۔ احکام اسلامی کی تفصیل و تفریع کی غرض سے فقہ کا عظیم الشان فن ظہور میں آیا۔ اخبار آحاد کی جانچ پڑتال کے لئے ایک طرف علم اصول حدیث کی داغ بیل پڑی اور دوسری طرف فن جرح و تعدیل اور اسماء الرجال مرتب ہوا۔ اسلام پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے علم کلام ایجاد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و غزوات کی تفصیل کے لئے علم مغازی و سیر مرتب ہوا۔ تصفیہ باطن کی غرض سے علم تصوّف کی تہذیب و ترتیب عمل میں آئی۔ پھر ان علوم میں سے ہر فن شاخ در شاخ ہوتا چلا گیا اور ہر شعبہ پر الگ الگ کتابیں لکھی جاتی رہیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک علم اصولِ حدیث کو لے لیجئے۔ ابنِ صلاح نے تو اپنی مشہور کتاب "مقدمہ علم حدیث" میں اس فن کی ۶۵ انواع کا ذکر کیا اور ہر نوع پر محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مشہور ترک عالم علاء طاش کبری زادہ نے اپنی کتاب مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ میں جو موضوعات علوم پر ان کی بہترین کتاب سمجھی جاتی۔ علوم دینی و دنیوی کے سلسلہ میں تین سو سولہ ۳۱۶ بنیادی علوم کی نشاندہی کی ہے اور اگر ان علوم کے مختلف شعبوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو جائے گی اور مسلمانوں نے ہر علم کے ہر شعبہ پر مستقل قلم اٹھایا ہے۔

عارف ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ میں اپنی ایک کتاب الجواہر المصون والسر المرقوم فیما نتیجۃ الخلوۃ من الاسرار و العلوم کے بارے میں

لکھا ہے کہ اس میں صرف قرآن عظیم سے متعلق تقریباً تین ہزار علوم کا ذکر ہے پھر ان علوم کی تحصیل اور ان کی ترتیب و تدوین میں جو مشقتیں مسلمانوں نے اٹھائی ہیں وہ ایک الگ باب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق علامہ مسعود بن شیبہ سندھی نے مقدمہ کتاب التعلیم میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے طلب علم میں دو لاکھ کی رقم خرید کی تھی۔ انہیں کے مشہور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کا بیان ہے کہ مجھے اپنے باپ کے ترکہ میں تیس ہزار درم ملے تھے جن میں سے پندرہ ہزار شعر و ادب کی تحصیل میں خرچ ہوئے اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ کی تعلیم پر۔ اور امام محمد کے شاگرد ہشام بن عبید اللہ الرازی (جو امام موصوف سے جامع کبیر کے راوی ہیں) ان کے متعلق حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ انہوں نے سات لاکھ کی رقم تحصیل علم میں صرف کی تھی۔ اسی طرح حافظ کبیر ابن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درم اور علامہ ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم طلب علم میں خرچ کئے تھے۔ حافظ ابوبکر جوزقی کی نسبت تذکرۃ الحفاظ میں مذکور ہے کہ انہوں نے طلب حدیث میں ایک لاکھ درہم خرچ کئے اور جس علم کو اتنا گراں خریدا اس کو کبھی ارزاں نہیں بیچا یعنی اس کے ذریعہ سے کبھی دنیا نہیں کمائی۔ اسی طرح حافظ حدیث علی بن عاصم کا بیان ہے کہ آغاز طالب علمی میں والد بزرگوار نے مجھے ایک لاکھ درم دیے اور یہ کہا کہ بیٹا یہ لاکھ درہم لو اور یاد رکھو کہ ان لاکھ درموں کے عوض ایک لاکھ حدیثیں یاد کرنا ہوں گی۔ ہونہار بیٹے نے بلند حوصلہ باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا اور طلب حدیث میں وہ کوشش کی کہ حفاظ حدیث میں بار پا لا اور اعیان محدثین میں شمار ہونے

لگے۔ یہ اہلِ ثروت اور اربابِ تموّل کا حال تھا۔ اب ذرا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔
افلاس کی مار ایسی ہوتی ہے کہ آدمی اپنا سارا حوصلہ کھو بیٹھتا ہے لیکن مسلمانوں
کی تاریخ میں ایسے ایسے بلند ہمت اور صاحبِ حوصلہ بزرگ آپ کو بکثرت نظر
آئیں گے کہ جن کے شغلِ علمی پر افلاس کا مطلق اثر نہ ہوا۔ امام بخاری کا مشہور واقعہ
ہے کہ ایامِ طالب علمی میں ان کو ایک سفر میں تہ دستی نے اتنا مجبور کیا کہ کئی
دن تک جنگل کی بوٹیوں پر گزارہ کرنا پڑا۔ انہیں کے معاصر شیخ الاسلام بقی بن
مخلد نے جو اندلس کے مشہور امام اور بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ زمانہ
طالب علمی میں بے مائگی کے سبب ایک مدت تک صرف چقندر کے پتے
کھا کر اپنا کام چلایا۔ مشہور حافظِ حدیث حجاج بغدادی کا واقعہ ہے کہ جب
وہ شبابہ کے پاس سماعِ حدیث کو جانے لگے تو ان کی مالی مقدرت اس
سے زیادہ نہ تھی کہ ان کی والدہ نے سو کلچے پکا کر ان کے ساتھ کر دیے اور یہ
ان کلچوں کو ایک گھڑے میں بھر کر اپنے ساتھ لیتے گئے۔ روٹیاں اُن کی مہربان ماں
نے پکا دی تھیں۔ سالن انہوں نے خود ہی تجویز کر لیا اور وہ بھی اتنا کثیر اور وافر
کہ آج ہزار برس کی مدت گزر جانے کے باوجود ویسا ہی خوشگوار اور خوش ذائقہ
ہے وہ کیا دجلہ کا آبِ رواں۔ معمول تھا کہ حجاج روزانہ ایک روٹی دجلہ کے
پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد کے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے۔ جس روز
روٹیاں ختم ہو گئیں، اسی روز استاد کے آستانۂ علم سے رخصت ہونا پڑا۔ اس سے
بھی زیادہ مؤثر حکایت حافظ ابن المقری، حافظ ابوالشیخ اور امام طبرانی کی
ہے کہ یہ تینوں شیخ معاصر ایک زمانہ میں مدینہ منورہ میں طلبِ علم کی غرض سے

مقیم تھے۔ اسی اثنا میں ان پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رہا سہا جو کچھ پاس تھا،
سب خرچ ہوگیا اور نوبت فاقوں تک آگئی۔ روزے پر روزہ رکھا آخر جب بھوک
سے بے تاب ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل ڈھونڈھا ——
تینوں نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مودبانہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ
الجوع اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ یا موت آئے گی یا روزی
اور ابن المقری اور ابوالشیخ اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔ بھلا یہ صدا کب خالی
جانے والی تھی، ذرا دیر نہ گذری تھی کہ کسی نے آکر دروازہ پر دستک دی،
دروازہ کھول کر جو دیکھا تو ایک دودمان؟ علوی کھڑے ہیں دو غلام ان کے ساتھ
ہیں، غلاموں کے سروں پر بہت سا سامان رکھا ہے۔ ان کو دیکھ کر اس علوی نے
کہا کہ آپ لوگوں نے میری شکایت دربار رسالت میں کی ہے اور مجھے خواب میں
یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہاری خدمت میں کچھ پہنچا دوں لہٰذا یہ حاضر ہے۔ اسی طرح
حافظ ابوعلی بلخی کا یہ واقعہ ہے کہ ایک بار عسقلان میں اپنے عہد طالب علمی میں
خرچ سے اس قدر تنگ ہوئے کہ متواتر فاقوں پہ فاقہ کرنا پڑا آخر جب ضعف
نے بے حد تنگ کیا اور لکھنے سے معذور ہو گئے تو ایک نانبائی کی دوکان پر
محض اس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو ہی سے کچھ طبیعت کو تقویت
پہنچ جائے۔ یہ سب واقعات حفاظ حدیث کے ہیں۔ حکیم ابونصر فارابی جو اپنے
زمانہ میں فلسفہ و سائنس کا مسلّم امام گذرا ہے۔ اس کا افلاس کی بدولت عہد
طالب علمی میں یہ حال تھا کہ مطالعہ کے لئے چراغ کا تیل بھی خریدنے سے معذور
تھا تاہم اس کی بلند ہمت اور شوق حصول علم اس کو بیٹھنے نہ دیتا تھا وہ رات کو

پاسبانوں کی قندیلوں سے اپنے مطالعہ کا کام لیتا اور آخر اسی تنگ حالی میں اس
نے وہ علمی ترقی کی کہ آج دنیا اس کو "معلم ثانی" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

طلب علم کی غرض سے سفر کے سلسلہ میں ایک زمانہ میں مسلمانوں کا یہ حال
تھا کہ بر اعظم اور سمندر کو طے کر ڈالنا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ حافظ ابن
المقری جن کے فاقوں کا قصہ زمانۂ قیام مدینہ میں ابھی آپ سن چکے ہیں ان کا
بیان ہے کہ محض ایک نسخہ ابن فضالہ کے حصول کی خاطر میں نے ستر منزل کا سفر
کیا تھا۔ اور اس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ تھی کہ اگر کسی نانبائی کو اسے دیا جاتا تو
وہ ایک روٹی کے عوض میں بھی اس کو لینا پسند نہ کرتا۔ اب ذرا حساب لگائیے
ایک منزل کو اگر معمولی طور پر بارہ میل کی بھی قرار دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے
اگلے علماء کے نزدیک حدیث کی ایک کتاب کے حصول کی خاطر آٹھ سو چالیس میل
کی مسافت طے کر ڈالنا ایک معمولی سی بات تھی۔ ان ہی ابن المقری کے سفر کی
تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے طلب حدیث میں چار مرتبہ مشرق (ممالک ایشیا)
کا اور چار مرتبہ مغرب (ممالک افریقہ واندلس) کا سفر کیا تھا اور دس مرتبہ
بیت المقدس گئے تھے۔ حافظ ابن مفرج کے ذکر میں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ
الحفاظ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابن الاعرابی سے حدیث کا سماع مکہ مکرمہ میں
کیا اور ابن راشد سے دمشق میں اور قاسم بن اصبغ سے، قرطبہ میں اور ابن سلیمان
سے طرابلس میں اور محمد سے مصر میں اور دیگر شیوخ سے جدہ، صنعا اور بیت
المقدس میں۔ اب ذرا نقشہ اٹھا کر دیکھیے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ مذکورہ مقامات
تین بر اعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرطبہ یورپ میں ہے۔ مصر و طرابلس

افریقہ ہیں اور بقیہ مقامات ایشیا دہیں۔ امام ابو حاتم رازی کا بیان ہے کہ میں نے سماع حدیث کے سلسلہ میں تین ہزار ...... فرسخ سے زیادہ مسافت پا پیادہ کی تھی۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اس لئے امام ممدوح کا پیدل سفر نو ہزار میل سے زیادہ کا ہوا اور یہ ان کے سفر کی حد نہیں بلکہ شمار کی حد ہے کیونکہ انہوں نے اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کی تھی کہ بعد میں میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ امام فسوی نے مکمل تیس برس سفر طالب علمی ہی کی نذر کر دیے تھے۔ محدثین میں آپ کو ایسے بھی بہت سے ملیں گے کہ جن کے سفر کا آغاز اندلس سے ہوا اور خراسان میں آکر ان کے طلب علم کی پیاس بجھی یا اسی سلسلہ میں بخارا سے چلے تو قیروان تک پہنچ گئے۔ حافظ ابن طاہر مقدسی کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے جتنے سفر طلب حدیث میں کئے سب پا پیادہ کئے وہ سواری اور بار برداری دونوں کا کام اپنے ہی نفس سے لیتے تھے۔ کتابوں کا پشتارہ باندھا، انہیں پیٹھ پر لادا اور چل کھڑے۔ کبھی کبھی ان کی پیادہ روی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا۔ ان کے مقامات سفر میں حافظ ذہبی نے چونتیس شہروں کو نام بنام گنایا ہے۔ حافظ ابو عبداللہ اصفہانی نے ایک مرتبہ اپنے مقامات سفر کی تفصیل بیان کرنی شروع کی تو ایک سو بیس شہروں کے نام گنانے چلے گئے۔ حافظ ذہبی نے ان تمام شہروں کے حالات میں جہاں محدثین طلب حدیث کی غرض سے سفر کیا کرتے ہیں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے الامصار ذوات الآثار یعنی حدیثوں کے شہر، محدثین اور علماء دین کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب ان کے اسفار علمیہ

کے حالات سے بھری پڑی ہیں اور یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ سفر علمی کچھ آنکھوں والوں ہی کے ساتھ مختص نہ تھا بلکہ نابینا علماء بھی اس مشقت میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ چنانچہ مادرزاد نابینا حافظ ابوالعباس رازی کے تذکرہ میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سماع حدیث کی خاطر بلخ، سمرقند، نیشاپور اور بغداد کا سفر کیا تھا۔ یہ واضح رہے کہ بلخ سے بغداد کی مسافت براہ بخارا ۱۵۶۷ میل ہے۔ بغرض یہ داستان طویل ہے۔ اتنا سمجھ لیجئے کہ اس عہد میں علم دین کی خاطر ملکوں ملکوں پھرنا بر اعظم اور سمندر کو پار کر لینا ایک معمولی سی بات تھی اور جو اس زمانہ میں طلب علم پر قطع منازل سے گھبراتا تھا وہ طعن ملامت کا نشانہ بنتا تھا۔

اور جس طرح اس زمانہ میں دور دراز کا سفر مسلمان طلباء کا معمول تھا اسی طرح شیوخ و اساتذہ کی کثرت بھی اس عہد کی خاص خصوصیت ہے۔ علماء سلف میں ہم بہت سے ایسے لوگوں کے نام بتلا سکتے ہیں جن کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام عبداللہ بن المبارک اور امام طبرانی کا شمار انہیں لوگوں میں ہے اور ایسے علماء تو بکثرت گزرے ہیں کہ جن کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) اشخاص سے حدیثیں لکھی ہیں اور ان میں کوئی ایسا نہیں کہ جو محدث نہ ہو۔ مصنفین صحاح ستہ میں بطور نمونہ حضرت امام ابن ماجہ کو لے لیجئے۔ انہوں نے اپنی کتاب السنن میں تین سو دس حضرات سے حدیثیں نقل کی ہیں اور ہم نے ان سب کو نام بنام بقید نسب و وطن اپنی کتاب امام ابن ماجہ اور علم حدیث میں ذکر کر دیا ہے اور ان میں جو حضرات حافظ حدیث کہلاتے تھے ان کا مختصر

سا تذکرہ بھی درج کتاب کر دیا ہے۔

عام مسلمانوں میں اس زمانہ میں طلب علم کا جو ذوق تھا اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ عام طور پر مجالس درس میں حاضرین کی تعداد دس ہزار کے قریب قریب ہوتی تھی اور خصوصی مجالس میں یہ تعداد کبھی تیس ہزار، کبھی ستر ہزار اور کبھی ایک لاکھ بیس ہزار تک جا پہنچتی تھی اس قسم کے بعض واقعات ہم نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ استاذ کی آواز کو حاضرین کے گوش گذار کرنے کے لئے جن اشخاص کو مقرر کیا جاتا بعض دفعہ خود ان کی تعداد چار سو تک پہنچ جاتی تھی ان کو مستملی کہا جاتا تھا اور جس طرح مکبر امام کی تکبیر کو مقتدیوں تک پہنچاتا ہے یہ مجلس درس میں مناسب مقامات پر کھڑے ہو کر اساتذہ کے الفاظ کو حاضرین درس تک پہنچایا کرتے تھے

پھر حفظ میں یہ ملکہ بہم پہنچایا تھا کہ ادھر سنتے اور ادھر لوح حافظہ پر ثبت ہو جاتا تھا متقدمین کا ذکر چھوڑیے۔ متاخرین میں صاحب قاموس کا بیان ہے کہ جب تک دو سو سطریں روزانہ حفظ نہ کر لیتا ہوں رات کو سوتا نہیں۔

ممالک مشرق میں ایک مدت تک یہ معمول تھا کہ جب تک مبسوط سرخسی تیس جلدوں میں مصر سے طبع ہو کر آئی ہے۔ مصنف نے بھی اس کتاب کو زبانی ہی املا کرایا تھا۔ ہوا یہ کہ شمس الائمہ سرخسی نے حاکم وقت کو کچھ نصیحتیں کی تھیں جن کی پاداش میں انہیں ایک اندھیرے کنوئیں میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ نہ کوئی کتاب ان کے پاس تھی اور نہ کاغذ قلم دوات۔ تلامذہ کنوئیں کی منڈھیر پر آکر بیٹھ جاتے۔ یہ نیچے سے املا کراتے جاتے اور وہ اوپر بیٹھے لکھا کرتے تھے۔ محدثین

کے واقعات تو اس سلسلہ میں اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔
پھر سرعت تحریر کی مشق کا یہ عالم تھا کہ علامہ عینی کے تذکرہ میں منقول ہے
کہ انہوں نے ایک رات میں پوری مختصر قدوری نقل کر ڈالی تھی۔ امام طبری کی
تصانیف کا اوسط ابتداء شباب سے یوم وفات تک لگایا گیا تو دو جزو
یومیہ نکلا اور اس کے علاوہ عام تحریر کا چالیس ورق روزانہ، ان کی وفات
پر بارہ سیر سیاہی کا حساب لگایا گیا تھا۔ حافظ ابن جوزی نے ایک بار بر سر
منبر کہا تھا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ انہوں
نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ میرے قلم کے تراشہ سے میرے مرنے کے بعد غسل کے
لئے پانی گرم کیا جائے۔ چنانچہ وہ تراشہ اتنا وافر نکلا کہ امام موصوف کی وصیت
کی تعمیل بوجہ احسن ہو گئی۔

انہماک علمی کا یہ حال تھا کہ رات کو عشا کے بعد کسی علمی مسئلہ پر گفتگو شروع
ہوتی تو کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہو جاتی اور پتہ بھی نہ چلتا کہ رات کتنی بیت
گئی۔ امام زفر اور قاضی ابو یوسف کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ اسی طرح امام
ابن مبارک اور علی بن الحسن نے بھی سردیوں کی ایک رات یونہی کھڑے کھڑے
مذاکرہ میں ختم کر دی تھی۔ امام محمد گرمی کی راتوں میں پانی کے ٹب میں بیٹھ کر اپنی
تصانیف کو قلمبند کیا کرتے تھے۔

پھر کتب خانوں اور مدارس کا ایک الگ باب ہے۔ جرجی زیدان نے
اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں تصریح کی ہے کہ
"مسلمانوں کے عہد میں مکتبہ سابور میں کتابوں کی تعداد دس ہزار،

قرطبہ کے مکتبہ الحکم میں چار لاکھ، قاہرہ کے خزائن القصور میں دس لاکھ، دار الحکمۃ میں ایک لاکھ، مکتبہ طرابلس میں تیس لاکھ اور مکتبہ مراغہ میں چار لاکھ تھی۔"

غرض مسلمانوں کی علمی خدمت کے کس کس شعبہ پر بحث کی جائے۔ وقت تھوڑا مضمون وسیع اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں جمالِ تو ز دامان گلہ دارد

مطبوعہ اشرف پریس ۷۔ ایبک روڈ لاہور

محمد رفیق خوش نویس مکھن پورہ لاہور

تاریخ و احوال

آج سے پونے دو سو برس پہلے کا ہندوستان

اس کے عہد کے ایک سندھی عالم کے قلم سے

مولانا عبدالرشید نعمانی

مخدوم ابراہیم ٹھٹوی سندھی المتوفی ۱۲۱۸ھ مخدوم عبداللطیف کے بیٹے اور مخدوم محمد ہاشم کے پوتے ہیں اور اپنے والد بزرگوار اور جد امجد کی طرح خود بھی مشہور عالم اور عارف گذرے ہیں آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں مقام منڈئی واقع ریاست کچھ میں (جو پاکستان میں نہیں ہے) آپ کی وفات ہوئی - اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

کتب خانہ مظہر العلوم کراچی میں آپ کی متعدد عربی تصانیف کے قلمی نسخہ موجود ہیں جن میں ایک آدھ کے علاوہ سب پر مصنف کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں ان میں دو رسالے دماج المغنم اور اماطۃ اذی البیعہ عن طریق جواز استعمال اموال الکافر الغنیمۃ بھی ہیں جو ۱۲۰۹ھ میں آپ نے تصنیف فرمائے تھے۔ پہلا رسالہ ریاست جودھپور کے دار الحرب ہونے کے ثبوت میں ہے اور دوسرے میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس عہد کے سندھی ہندو ذمی قرار دیئے جانے کے مستحق نہیں۔ بعض معاصر علماء نے ان دونوں مسئلوں میں آپ کی مخالفت کی تھی جس کے جواب میں آپ نے سوا دو سو صفحے کی ایک مبسوط تصنیف نشر طلاوی المعارف والعلوم فی الردّ علی امن نصر الکفار واھل الرسوم سپرد قلم فرمائی۔ اور اس میں بڑے پر زور دلائل کے ساتھ ہر دو مسائل میں اپنے دعوی کا اثبات فرمایا۔ اس کتاب میں فقہی تحقیقات کے علاوہ اس دور کے بہت سے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں۔ جس سے ہندو اقتدار کے اصلی خط وخال نمایاں

ہو جاتے ہیں اور ہندوؤں کی کافرانہ ذہنیت بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ نیز سندھ کے بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس لئے ہم ان کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مذکور میں موجود ہے۔

جودھپور کا حال: - وہاں نہ صرف یہ کہ کفار نابکار ایسا کرتے ہیں بلکہ مدعیان اسلام کی اکثریت بھی جو ان کے ساتھ میل جول اور اختلاط رکھتی ہے دکانوں اور بیچ بازاروں میں بت پرستی کرتی استھانوں کو پوجتی اور جانوروں کی مورتیوں کی پرستش کرتی ہے۔ حاجتوں کے برلانے اور مرادوں کے پورا کرنے کے لئے ان سے مدد مانگتی ہے۔ مال اولاد اور ہر طرح کی خیر کا ان سے سوال کرتی ہے۔ اور ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں ان کی پناہ پکڑتی ہے۔ (ورق ۲۵)

"یہ اہالی جودھپور بلند آواز سے اذان کہنے کو منع کرتے ہیں۔ (ورق ۲۵)

"حلال جانوروں کے ذبح کرنے پر دارو گیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر میں بھی خفیہ طور سے کسی مرغ یا پرندے کو اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے اور انہیں اس کی خبر ہو جاتی ہے تو اس کی گردن اڑا دیتے ہیں، یا مار پیٹ، گالی گفتار اور مال لے کر اسے اذیت پہنچاتے ہیں۔ ہم نے ایک معتبر شخص کی زبانی سنا ہے کہ ان ہی دنوں وہاں کسی مسلمان نے ایک حلال جانور کا ذبیحہ کیا جس پر کافروں نے اس کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی، اس ایذا اور ضرر رسانی کی خبر جب وہاں کے ایک عالم کو ہوئی جو ناح جودھپور ہی میں سکونت گزیں تھا تو وہ اس مصیبت زدہ کی کافر حکام کے پاس سفارش لیکر آیا اور ان کو نصیحت کرنے لگا جس پر ان لوگوں نے اس غریب عالم کو قتل کر ڈالا اور بیچارہ کا مال اسباب لوٹ کر اس کے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا اور اس کی مذہبی کتابوں کے ساتھ جو اس کی متروکہ ہیں ان کو ملیں وہ نازیبا سلوک کیا جو لائق بیان نہیں۔ (ورق ۲۵)

ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ محض مسلمانوں کو چڑانے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لئے ایک نام نہاد مدعی اسلام کو جو محض جاہل مطلق ہے۔ ان لوگوں نے عہدۂ قضا تفویض کیا ہے۔ اور اس نالائق کا نام قاضی گنگا رام رکھ چھوڑا ہے۔ اور عین اس وقت جب مسلمانوں سے مسخرہ پن کرنے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں اسے قاضی گنگا رام کہہ کر آواز دیتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں پر پھبتی کسی جاتی ہے۔ (ورق ۲۵، ۲۶)

وہاں کوئی مسلمان نہ علانیہ ختنہ کرا سکتا ہے نہ جمعہ و جماعات کو کھلے بندوں قائم کر سکتا ہے نہ کسی معروف شرعی کو علی الاعلان کہہ سکتا اور نہ کسی منکر دینی کو ظاہر میں روک سکتا ہے۔" (ورق ۲۶)

اہالی جودھپور میں سے کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اسلام قبول کر سکے اور جو بالفرض کوئی اسلام لے آئے تو اسی ساعت اس کا خون بہا ڈالیں۔"

"یہ اہل اسلام کو اذنیں دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ گالی گفتار سے پیش آتے ہیں۔ مار پیٹ کرتے اور ان کی اہانت کرتے ہیں۔ مسلمان ان کے یہاں حد درجہ ذلیل اور ان کی رعایا میں سب سے زیادہ بے وقعت ہیں۔" (ورق ۲۶)

"جودھپور کی مساجد کو دو سو برس یا زیادہ ہونے آئے کہ کھنڈر بن چکی ہیں اور کچھ باقی بچ گئی ہیں ان میں سے اکثر میں لید بھری ہوئی ہے۔ بعض مسجدوں میں مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں تو بلند آواز سے اذان نہیں کہہ سکتے۔ بعض مسجدوں کے گھور سے پیشاب خانے، پاخانے اور غسلخانے بنائے جا چکے ہیں یہی نہیں بلکہ بعض مساجد میں اونٹ، گھوڑے، گدھے، گائے اور بھینس باندھتے ہیں جیسا کہ بہت سے معتبر لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خدا جانے مسلمان کہاں ہیں اور غیرت اسلامی کیا ہو گئی ہے۔" (ورق ۲۶ - ۲۷)

سندھ کا حال

ہمارے دیارِ سندھ میں علانیہ شراب کشید کی جاتی ہیں۔" (ورق ۲۸)

نرد و شطرنج کی بازی ہوتی ہے۔ (ورق ۲۸)

رنڈیوں کی کسب کی آمدنی میں سے ایک حصہ حکومت وصول کرتی ہے۔ (ورق ۲۸)

ہیجڑوں پر مالی ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے۔ (ورق ۲۸)

نشہ آور چیزیں چاول وغیرہ سے علانیہ طور پر بنائی جاتی ہیں۔ (ورق ۲۸)

دکانوں پر بت پوجے جاتے ہیں۔ (ورق ۲۸)

کافروں کے مندروں کے چراغ فضاء آسمانی میں روشن رہتے ہیں تاکہ کفر کی شہرت میں قوت باقی رہے۔ (ورق ۲۸)

مسجدیں ویران ہوتی جا رہی ہیں، عبادات جیسے نماز وغیرہ کی انجام دہی کی کوشش نہیں

کی جاتی۔ (ورق ۲۸)

اتنا ہی نہیں بلکہ فصل مقدمات میں مکھیاؤں کی طرف جو کافروں کے رئیس ہیں رجوع کیا جاتا ہے، اور اگر کوئی مسلمان قاضی کسی کافر مکھیا کی مخالفت کرتا ہے تو اسے سخت ایذا پہنچائی جاتی ہے، خدا ان مکھیاؤں کو سمجھے میں کئی بار ان مصائب کا شکار ہو چکا ہوں چنانچہ شہر ٹھٹھہ میں جو اس قسم کی مصیبتوں سے اس طرح دوچار ہوا کہ زمین باوجود اپنی تمام وسعتوں کے مجھ پر تنگ ہو گئی اور فسق کے اژدہام اور رسوم کفر و شرک کی اشاعت کی بنار پر مسلمانوں کے عین دیار یعنی بلدہ ٹھٹھہ محروسہ سے جو میر فتح علیخاں تالپور کی عملداری میں ہے، میرے لئے سوائے ہجرت اور ترک وطن کرنے کوئی مفر نہ رہا۔ آخر کار وطن کو خیر باد کہا مکانات چھوڑے تجارت گاہیں چھوڑیں کھیت چھوڑے، دوست احباب اور بھائی بندوں کو چھوڑا اور بندر کراچی کو ہجرت کر آیا۔ یہ نواب میر نصیر خاں کا زمانہ تھا اور وہ بقید حیات تھا۔ (ورق ۲۸)

کراچی کا حال

کراچی میر نصیر خاں اور میر فتح علی خاں کے عہد میں :- میں نے وہاں بھی بہت بدعات دیکھیں، تاہم نواب میر فتح علی خاں کی عملداری کی بہ نسبت کم تھیں اس پر تین برس گذرے تھے کہ نصیر خاں مر گیا اور اللہ سبحانہٗ نے قلعہ کراچی کا میر فتح علیخاں کو وارث بنایا پھر تو بدعات اور کفریات کی وہ اشاعت ہوئی کہ جس کے بیان سے دل تنگ اور اظہار سے زبان گنگ ہے۔

ہم نے میر فتح علیخاں کو جو تبلیغ کی وہ فائدہ مند ثابت نہ ہوئی، اس نے امور دین کا اہتمام نہیں کیا آخر دینی امور کی بے وقعتی ہونے لگی اور احکام اسلام کا کچھ پاس نہیں رہا۔ (ورق ۲۹)

مسلمان غلام اور مسلمان کنیزیں کافروں کے دست تصرف میں ہیں اور ان کی خدمات بجالاتے ہیں۔ (ورق ۲۹)

کافروں کے باہمی معاملات کے فیصل کرنے کے وقت اتقیا مسلمین کی ضرر رسانی اور فیصل مقدمات میں قاضی اسلام سے روگردانی ہونے لگی۔ حالانکہ کافر مکھیاؤں کے پاس برابر مقدمات پیش ہوتے رہتے ہیں گو وہ مسلمانوں کے باہمی مقدمات ہی کیوں نہ ہوں۔ (ورق ۲۹)

پیتیا نامی گائے قصاب کو خود ہم نے کراچی میں مشاہدہ کیا کہ ان کافروں نے ذرا دیر میں

اسے نکال باہر کیا اور اس کا گھر تباہ و تاراج کر ڈالا۔ اور مسلمانوں سے اس پر یہ بھی نہ ہو سکا کہ اس بیچارے کو ان کے دست تظلم ہی سے چھڑا لیتے اس قصاب کا سوائے اس کے کوئی قصور نہ تھا کہ وہ گائے قصاب تھا۔ (ورق ۲۶)

ملتان باوجودیکہ سکھ کافروں کے تحت ہے اور بندر سورت حالانکہ فرنگیوں کے ہاتھ میں ہے اسی طرح بمبئی میں بھی فرنگیوں کی حکومت ہے تاہم بعض مقدمات میں بلکہ جب مسلمانوں کے مابین ہوں تو اکثر و بیشتر مقدمات میں مسلمان قاضیوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان اور ذمی وہاں امان اسلامی پر باقی ہیں۔ (ورق ۲۹)

شہر لاہور پر سکھ کفار نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ تاہم قاضیوں کو عہدۂ قضا پر باقی رکھ چھوڑا ہے۔ بلکہ ان کی فوجوں میں جو مسلمان ملازم ہوتا ہے۔ اس سے یہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ تو نماز پڑھتا ہے یا نہیں، اگر وہ نماز پڑھتا اور جمعہ و جماعات میں علانیہ طور پر شریک ہوتا ہو تو اس کو پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں ورنہ ملازمت سے اس کا اخراج کر کے اس کی تنخواہ بند کر دیتے ہیں اور اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ نہ مسلم ہے نہ غیر مسلم"۔ (ورق ۳۰)

شہر شاہجہاں آباد میں کفار سندھیا کا غلبہ ہو گیا تاہم کچھ نہ کچھ اسلام کا ادب و احترام باقی رہا مسلمان قاضیوں کو حسب سابق بحال رکھا گیا، قضایا اور مقدمات میں ان کے فیصلوں پر عمل کیا گیا۔ سلاطین ماضی کی اولاد میں سے ایک شخص کو سلطنت بھی دیدی گو وہ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ نہ تو اس کا کچھ اقتدار ہے اور نہ اسکے کسی حکم کا نفاذ ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی بات چلتی ہے۔ چنانچہ اس سلطان ہندی کا فارسی شعر جو اس نے اپنے اعتذار میں کہا ہے اس کی معذوری پر شاہد ہے۔

مادھوجی سندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

(ورق ۳۰)

بینات

۳

مولانا عبدالرشید نعمانی

پاکستان کے موجودہ حالات

ہمارے لئے لمحۂ فکریہ

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ ہر معاملہ میں "عدل" پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہر ہفتہ جمعہ کے خطبہ میں ممبر سے صدا بلند ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ (النحل) اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا۔

قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ (الشوریٰ) اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے مابین۔

حکام اور سربراہوں کو حکم دیا جاتا ہے:

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (النساء) اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔

"عدل" کا یہ اصول اپنے اور بیگانے مسلم اور کافر، متقی اور فاسق و فاجر، دوست اور دشمن سب کے حق میں یکساں نافذ رہے گا۔ تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرما دیا گیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات

لِلتَّقْوٰی ۔ (المائدہ) زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ۔

"عدل" پر کاربند ہونے اور انصاف کی کہنے میں قرابت کا پاس ولحاظ ترک کرنا ہوگا۔ صاف فرما دیا گیا ہے

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ۔ (الانعام)

اور جب بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ وہ اپنا قریبی ہی ہو۔

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم ہمارے لیڈروں کے ذہن میں خواہ کچھ بھی ہو عام مسلمانوں نے صرف اس لئے قبول کی تھی کہ مسلمانوں کے زیر حکومت علاقے میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ مسلمانوں کو اقتدار نصیب ہوگا۔ اسلامی قانون رائج ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تاریخی عظمت کا وہ عہد جو فرنگی کے اس سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے تھا دوبارہ آئے گا۔ ذرا مسلمانوں کی ان قربانیوں پر نظر ڈالئے۔ تقسیم ملک پر کتنے مسلمان تہ تیغ کئے گئے۔ کتنی عورتوں کا سہاگ لٹا، کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنے خاندان بے سہارا ہوگئے، کتنی پاکدامن عورتوں کی عصمتیں لٹیں، کتنی بیکس اور بے بس عورتیں اور ننھے منے معصوم بچے بے رحم سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ تصرف میں آگئے۔ اور آج تک ہم ان کو رہائی نہ دلا سکے بلکہ اب تو ان کی یاد تک ہمارے ذہنوں سے محو ہوچکی ہے، کتنی ہزار مسجدیں مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے اطراف واکناف میں نوحہ خواں ہیں کہ اب وہاں تقسیم کے بعد سے کوئی اللہ کا نام لیوا نہیں رہا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اس عرصہ میں جو بیتا ہے وہ انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ دور اقتدار میں نہیں بیتا، آئے دن ہندو مسلم فساد کی خبریں اخبار میں شہ سرخیوں سے شائع ہوتی رہتی ہیں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ بھارت کی دھرتی مسلمانوں کے خون سے رنگین نہ ہوتی ہو۔ سوچئے اور خوب سوچئے اتنی بڑی تباہی اور بربادی کے بعد بھی ہم اہل پاکستان کس مقام پر ہیں۔ تقسیم ملک کو اڑتیس سال ہونے کو آئے ہیں۔ اس عرصے میں پرانی نسل کی جگہ نئی نسل نے لے لی، مگر ہم نے کیا کیا، دنیوی اور مادی لحاظ سے ذرا غیروں پر نظر ڈالئے مغربی جرمنی جو ابھی زمانے میں خون کی ندی میں نہا کر نکلا تھا اب مادی لحاظ سے کتنا طاقتور ہے، جاپان نے بھی تو اسی جنگ میں شکست کھائی تھی، پھر اس نے اپنی کیسی تعمیر کی، بھارت ہمارے ساتھ آزاد ہوا تھا پھر وہ زندگی کی دوڑ میں ہم سے کتنا آگے ہے، اسرائیل اور چین کی موجودہ حکومتیں تو ہماری آزادی کے بعد عالم وجود میں آئی ہیں، پھر ان کے زور و طاقت کا کیا حال ہے، آخر جہد للبقاء میں یہ قومیں ہم سے سبقت کیوں لے گئیں، ہمارے یہاں اس عرصے میں حکومتوں پر حکومتیں بدلتی رہیں پہلے مسلم لیگ کے لیڈر برسر اقتدار آئے۔ پھر انتظامیہ کے عہدوں نے ان کی جگہ سنبھالی، پھر مارشل لاء والوں نے اپنا زور دکھایا، پھر ایسے شاطر اقتدار

کے بھوکے ہمارے سروں پر سوار ہوئے کہ ملک کو دولخت کرکے رکھ دیا۔ اور پھر بھی ان کی ہوس اقتدار کی تسکین نہ ہوئی۔ کرسی کی ہوس نے دیوانہ بنا رکھا تھا، مذہبی اقدار پامال تھیں، رعیت کی جان و مال کا احترام نہ تھا۔ کلمہ حق کہنے پر بندش تھی۔ قریب تھا کہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور سخت خون ریزی عمل میں آتی کہ حق تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور ایک شریف النفس انسان کو ہم پر مسلط کیا۔ جس نے اپنی ذات کے لئے کسی پر ظلم نہ کیا اور اپنی شخصی منفعت کے لئے کسی کی جان و مال سے تعرض نہ کیا۔ گزشتہ دور میں پاکستان سرزمین بے آئین تھا، لیکن اس کے سات سالہ دور میں باوجود مارشل لاء کے ملکی معیشت کو سابق کی نسبت استحکام نصیب ہوا یہ سات سال امن و چین سے گزرے رعیت نے اطمینان کا سانس لیا۔ ملک کا قبلہ درست ہوا۔ ماہ رمضان میں احترام صیام نظر آیا۔ زکوٰۃ کے نظام کا ظہور ہوا۔ نماز کی ترغیب دی جانے لگی۔ سود پر بندش کی صدا بلند ہوئی۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کا غلغلہ اٹھا۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں علماء کا تقرر ہوا۔ شرعی عدالتوں کی تاسیس کی صورت نکلنے لگی۔ قادیانیوں کو زوال نصیب ہوا۔ نصاب تعلیم سے خدا بیزاری اور پاکستان کے خلاف جو مواد تھا اس کی تطہیر کی جانے لگی اور اب ہر مسئلہ پر یہ گفتگو شروع ہوئی کہ اس مسئلہ میں کتاب و سنت سے کیا ثابت ہے حدیہ ہے کہ اہل باطل بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرنے کی غلط کوشش میں مصروف ہو گئے۔ جو لوگ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ دیکھنا چاہتے ہیں وہ فضا کی اس تبدیلی پر غور کریں، خدارا موقع کو غنیمت سمجھیں اور نفاذ اسلام کے لئے اپنی مساعی کو تیز کر دیں۔

ہمارے یہاں اب تک سیاسی جماعتوں کا جو رول رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے ملک کو قعر مذلت میں پہنچانے میں سب سے بڑا ہاتھ ان ہی سیاسی جماعتوں کا ہے۔ ان میں اس قدر تفریق ہے کہ بیان سے باہر ہے ہر جماعت ملک کی نمائندہ ہونے کی دعویدار ہے لیکن آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان میں سے وہ کونسی جماعت ہے کہ جس کا پورے ملک پر اثر ہو اور وہ سب کی نمائندہ ہو۔ ہر سیاسی جماعت ایک چھوٹی سی اقلیت پر مشتمل ہے پھر ان کی بھانت بھانت کی بولیاں ہیں کہ کچھ لادینی نظریات کی بھی حامل ہیں، کچھ سیکولر ذہن رکھتی ہیں۔ کچھ اپنے خطے اور صوبے کے پجاری ہیں اور اس میں اس درجہ آگے ہیں کہ ملکی سالمیت کو بھی داؤ پر لگانے کے لئے تیار رہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دشمن کا ہراول دستہ ہیں۔ اسی قماش کے لوگوں نے ہر جگہ غیروں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی ہے۔ مغربی استعمار، روسی استبداد، کمیونزم کا دیوا اسی ہراول دستہ کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔

اب ملک میں نو منتخب نمائندوں کی حکومت ہے۔ مرکز اور چاروں صوبوں میں اسمبلی قائم ہو چکی ہے اور مارشل لاء اگر ماندِ شبے ماندِ شبے دیگر نمی ماند کا مصداق ہے۔ ایسے میں ہمارا فرض ہے کہ جو بھی خیر کا قدم گزشتہ سات سال میں اٹھ گیا ہے اس کو تیزی سے آگے بڑھائیں اور نظام اسلام کے نفاذ کی جس کوشش کا آغاز ہوا ہے اسے تکمیل پر پہنچا کر دم لیں۔

ملکی سالمیت جو سب سے مقدم ہے کہ ملک نہ ہوگا تو اسلام کہاں نافذ ہوگا اس کے خلاف کسی بدگو کی سننے کے لئے روادار نہ ہوں۔ آج کل اخبارات میں جس طرح بیان بازی کا سلسلہ شروع ہوا ہے کہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔ جو اچھی باتیں گزشتہ حکومت نے نافذ کی ہیں وہ قابل ستائش ہیں ان کی قدر کرنی چاہیئے اور جو خرابیاں اب تک زائل نہ ہو سکیں ان کے ازالے کی کوشش ہونی چاہئے بعض اغیار کے ایجنٹ اس فکر میں ہیں کہ ذرا مارشل لا ہٹے تو پھر سڑکوں پر نکلیں اور ملک کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیں۔ اس لئے اس فتنہ کے سد باب کے لئے جان توڑ کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر ملک میں داخلی امن نہ ہوا۔ تو غلامی ہمارا مقدر ہو گی۔ افغانستان کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ اس پر جو عفریت مسلط ہے اس کو اس ملک سے نکالنا ضروری ہے یہی سارے مسلمان ممالک کے سربراہوں کا فیصلہ ہے۔ یہی غیر جانبدار ممالک کے نمائندوں کی قرارداد ہے۔ یہی اقوام متحدہ کے ۱۱۹ اراکین کی رائے ہے۔ اس پر بھی غور کیجئے کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا اسلام کن بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے کیا بخارا، سمرقند، مرو اور بلاد ما وراء النہر سے نہیں آئے تھے۔ کیا ہندوستان کا پہلا فاتح سلطان محمود غزنوی نہیں! (علیہ الرحمۃ) کیا مرکز ہند قبۃ الاسلام دہلی پر سب سے پہلے اسلام کا جھنڈا سلطان شہاب الدین غوری نے نہیں گاڑا تھا۔ آج افغانستان کے جن مہاجرین کی ہم جہاد کے ذریعہ مدد نہیں کر رہے صرف ان کو وقتی طور امن سے رہنے کی اپنے ملک میں اجازت دی ہے۔ کیا ان کے آباؤ اجداد کا ہم پر احسان نہیں کہ ان ہی کی بدولت ہمیں اسلام کی نعمت ملی۔ کیا ان کے احسان کا بدلہ ہم اتنا بھی نہیں دے سکتے کہ وہ کچھ عرصہ ہماری سرزمین پر امن سے گزار سکیں۔ اس پر غور کیجئے کہ کیا "خرس روس" بس افغانستان پر بس کرے گا اور آگے قدم نہیں بڑھائے گا۔ کیا آئندہ ہم اس کا تر نوالہ نہیں ہوں گے حقیقت میں تو افغان اپنی سرزمین پر اسلام کی آخری جنگ لڑ رہے ہیں جو درحقیقت خود ہماری جنگ ہے ہماری سلامتی کی جنگ ہے ایدھم اللہ بنصرہ العزیز

ایسے وقت میں صدر ضیاء الحق کو اس پر مجبور کرنا کہ وہ افغانوں سے دستکش ہو جائیں کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

اگر خدانخواستہ ایسا کیا گیا تو آنے والا مورخ یہی کہے گا کہ:

خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
بجھتا ہے ہاشمی ناموس ابن مصطفےٰ

سیرتِ رسول ﷺ

محمد عبدالرشید نعمانی

رسولِ خداؐ کی شفقت و رحمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و سلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت کا مقصد جہاں انسانوں کے عقائد کی اصلاح اور ان کی عبادات کی تصحیح تھا، وہاں ان کے محاسن اخلاق کی تکمیل بھی تھی - چنانچہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ارشاد ہے کہ:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (موطا)

ترجمہ: میں اخلاق خوبیوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں -

اس لیے تعلیمات نبوی میں ایمان کی درستی اور فرائض عبادات کی بجا آوری کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اصلاح اخلاق کی ہے - انسان جب عالم ارواح سے اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے تو اس خاکدان عالم کی ہر شے سے اس کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے - بس اس تعلق کے حقوق کو بقدر تعلق حسن و خوبی کے ساتھ نباہنے کا نام اخلاق ہے - دنیا میں ہر انسان کے اپنے والدین سے، عزیز و اقارب سے، اہل و عیال سے، دوست احباب سے، اہل محلہ، خاندان و قوم کے افراد سے تعلقات ہوتے ہیں بلکہ انسانوں کو چھوڑ جانوروں تک سے اس کا کچھ نہ کچھ علاقہ ہوتا ہے - اور یہی علاقہ اور تعلق اس پر کچھ فرائض عائد کرتا ہے - ان فرائض کی نگہداشت اخلاق کی جان ہے - دنیا کی ساری مسرتیں

اسی اخلاق نگہداشت سے قائم ہیں ۔ اس نگہداشت میں جس قدر کوتاہی ہوتی ہے ، اسی قدر دوسرا دل شکستہ ہوتا ہے ، اور پھر اس کا مداوا آسان نہیں ہوتا کہ :

گر صد ہزار لعل و گہر می دہی
دل را شکستہ ای نہ کہ گوہر شکستہ ای

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینی شروع کر دی تھی ۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے اور دعوت اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے لیے مکہ معظمہ بھیجا ۔ اور انھوں نے واپسی پر حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے متعلق جو بیان کیا وہ یہ تھا کہ :

رأیتہ یأمر بمکارم الاخلاق

ترجمہ : میں نے تو ان کو یہ دیکھا کہ وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں ۔

نجاشی شاہ حبش کے دربار میں جب اس نے مہاجرین حبشہ کو دریافت احوال کے لیے بلوایا تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر کے حسب ذیل فقرے قابل غور ہیں :

”اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے ، بتوں کے پجاری تھے ، مردار کھاتے تھے ، بدکاریاں کرتے تھے ، ہمسایوں کو ستاتے تھے ، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا ۔ زبردست زیردستوں کو کھا جاتے تھے ۔ اس اثنا میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا . . . اس نے ہم کو بتایا کہ ہم بت پرستی چھوڑ دیں ، سچ بولا کریں ، کسی کا خون ناحق نہ بہائیں ، یتیموں کا مال نہ کھائیں ، ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں ،

پاک دامن عورتوں پر بد نامی کا داغ نہ لگائیں ۔ (مسند امام احمد[۲] و مستدرک حاکم[۳]) ۔

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیانؓ نے اس زمانے میں جب کہ وہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے سخت عناد رکھتے تھے ، اور ابھی تک توفیق حق نے ان کی دستگیری نہیں کی تھی ، حضور علیہ السلام کے بارے میں اس امر کا صاف صاف اعتراف کیا تھا کہ :

''وہ خدا کی توحید و عبادت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ پاکدامنی اختیار کریں ، سچ بولیں اور قرابت کا حق ادا کریں'' ۔ (صحیح بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے مکارم اخلاق کی جو تعلیم دی ہے اس کی تفصیل سے حدیث و سیرت اور فقہ و تصوف کی کتابیں مالا مال ہیں ۔ امام بخاری کی کتاب ''الادب المفرد'' حافظ خرائطی کی ''مکارم الاخلاق'' ، اور حافظ ابوالشیخ اصبہانی کی ''اخلاق النبی'' خاص اسی موضوع پر تصنیف کی گئی ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ یہ تینوں کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں ۔ اردو زبان کا دامن بھی اس موضوع کی تحقیقی کتاب سے خالی نہیں ۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''سیرت النبی'' صلی اللہ علیہ و سلم کی جلد ششم خاص اسی موضوع پر سپرد قلم فرمائی ہے جو ۸۷۲ صفحات کی ضخیم کتاب ہے ۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء ۔

''مخلوق خدا پر شفقت و رحمت'' اخلاق کا ایک عظیم باب ہے ۔ حدیث کی متداول کتابوں میں اس عنوان کے تحت مختلف ابواب قائم کیے گئے ہیں ۔ علامہ ولی الدین خطیب تبریزی نے ''مشکوۃ المصابیح'' میں جو ہمارے

دیار میں علم حدیث کی متداول ترین کتاب ہے، ایک مستقل باب اسی مضمون کا باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں: باب الشفقة و الرحمة علی الخلق۔ ''شفقت'' کے معنی کسی پر ترس کھانے اور ''رحمت'' کے معنی مہربان ہونے اور بخشنے کے ہیں۔ رحم کا شمار انسان کے بنیادی اخلاق میں ہے۔ دنیا میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کسی معاوضہ کا خیال کیے بغیر جو کوئی نکوئی کرتے ہیں اس کا اصل محرک یہی جذبۂ رحم ہے۔ جو دل اس جذبے سے خالی ہو وہ دل نہیں سنگ و خشت ہے۔ اس سے سوائے بے رحمی، ظلم اور شقاوت کے اور کیا سرزد ہو سکتا ہے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کی جس صفت کا سب سے پہلے تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ''رحمن و رحیم'' ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا نمایاں وصف بھی قرآن پاک نے یہی فرمایا ہے کہ بالمؤمنین روف رحیم (یعنی آپ مؤمنین پر بڑے ہی شفیق و رحیم ہیں) صحابہؓ کے اوصاف میں بھی یہی ارشاد ہوتا ہے: رحماء بینھم (یہ آپس میں رحم دل ہیں)۔ اقربا کے مابین جو حسن سلوک ہوتا ہے اس کو ''صلۂ رحم'' کہا جاتا ہے، کیونکہ قرابتوں اور رشتے داریوں کا سارا تعلق رحم مادری سے پیدا ہوتا ہے۔ اور رِحم اور رَحم اور رحمان جو باری تعالیٰ کا نام ہے سب ایک ہی اصل سے مشتق ہیں اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

الرحم شجنة من الرحمن (صحیح بخاری)۔

ترجمہ: رحم کی جڑ اور پتے رحمٰن سے نکلے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرابت رحم جس کی رعایت واجب ہے، وہ رحمن ہی کی رحمت کی ایک شاخ اور اس کا شعبہ ہے۔

اولاد کی محبت اسی جذبہ کا کرشمہ ہے۔ ایک بار ایک بدو نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں ، ہم تو ایسا نہیں کرتے ! اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے :

او املک لک أن نزع اللہ من قلبک الرحمة (متفق علیہ)

ترجمہ : میں اس کا کیا کر سکتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت ہی کھینچ لی ہے ۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنے بڑے نواسے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیا ۔ پاس ہی اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے ، جو وفد بنی تمیم کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر آئے تھے ، وہ کہنے لگے : میرے تو دس بچے ہیں ، میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے یہ سن کر ان کی طرف غور سے دیکھا اور فرمایا :

من لا یرحم لا یرحم (متفق علیہ)

ترجمہ : جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۔

رحم کی یہ خاص قسم یعنی اپنے سے چھوٹوں پر شفقت کرنا اور ان پر ترس کھانا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوة و السلام کا خصوصی شعار ہے ۔ حدیث میں آتا ہے :

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یؤقر کبیرنا (جامع ترمذی)

ترجمہ : وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے ۔

ایک اور حدیث میں فرمایا :

ارحموا الضعیفین المراة و الصبی (کتاب الآثار امام ابوحنیفہؒ

بروایت محمدؒ)

ترجمہ : دو ضعیفوں پر رحم کرو عورت پر اور بچے پر ۔

مسلمان معاشرے میں باہمی رحم دلی کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ :

تری المؤمنین فی تراحمھم و توادھم وتعاطفھم کمثل الجسد
اذا اشتکی عضواً تداعی لہ سائر الجسد بالسھر و الحمی

(متفق علیہ)

ترجمہ : مؤمنین کو باہمی رحم دلی ، آپس کی دوستی اور ایک دوسرے پر مہربانی اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس عضو کی ہمدردی میں رات کو جاگ کر اور بخار میں مبتلا ہو کر بقیہ اعضاء کو بلاتا رہتا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ رحم و شفقت کے جذبے نے مسلمانوں کو اس طرح باہم مربوط و متحد کر دیا ہے کہ وہ بمنزلہ ایک جسم و جان کے ہیں۔ اس لیے جس طرح ایک عضو کے دکھ درد میں جسم کے تمام اعضاء شریک ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک مسلمان کے دکھ درد میں سب مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیے ۔

پھر اسلام کی تعلیم رحم دلی کے بارے میں مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دائرۂ رحمت تمام انسانی برادری کے لیے وسیع ہے ۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں میں عامۃ الناس کے ساتھ رحم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے :

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس (متفق علیہ)

ترجمہ : جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔

دوسری روایت میں آتا ہے :

الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

ترجمہ : مخلوق پر رحم و شفقت کرنے والوں پر خدا رحمت فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

"من فی الارض" (جو بھی مخلوق زمین میں بستی ہے) کے الفاظ کے عموم پر غور کیجیے۔ اس میں "کائنات ارضی" کی تمام مخلوق آ گئی۔ کافر، مسلم، حیوانات، نباتات سب ہی اس میں داخل ہو گئے۔ اس لیے مبارک ہیں وہ لوگ کہ جو رحم کے خوگر ہیں۔

غرض رحم دلی کی تعلیم انسانوں کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ اس حکم کا تعلق بے زبان جانوروں سے بھی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم فرمائے گا"۔ (مسند احمد)۔ حیوانات ہی نہیں بلکہ نباتات تک کی پرورش اور خدمت کو موجب اجر فرمایا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس کو کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو یہ بھی ایک صدقہ یعنی کار ثواب ہے (صحیح بخاری)۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ :

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (بیہقی)

ترجمہ : ساری مخلوق گویا خدا کا کنبہ ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کو اپنی

مخلوق میں وہ شخص ہی سب سے زیادہ پسند ہے جو اس کے
کنبے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے۔

رحمۃ اللعالمین صلوات اللہ علیہ و سلامۃ کی مبارک تعلیم میں
رحمت عامہ کا جو جامع درس دیا گیا ہے، یہ اس کا ایک سرسری سا
جائزہ ہے، ورنہ تفصیل کے لیے تو مجلدات درکار ہیں۔ اس لیے بڑے
خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو مخلوق خدا پر شفقت و رحمت کا جذبہ
مرحمت ہوا اور ان کے نامۂ اعمال میں یتیموں کی غم خواری، بے کسوں
کی دلداری، بیماروں کی تیمارداری، غریبوں کی امداد و اعانت، مظلوموں
کی حمایت، زیر دستوں کی رعایت، اقرباء کے حقوق کی حفاظت درج ہوئی۔
اور بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کا دل اس پاک اور اعلیٰ جذبہ سے
خالی ہے کہ جو مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ کرتا ہے۔
اسی لیے حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:

لا تنزع الرحمة الا من شقی (مسند احمد و جامع ترمذی)

ترجمہ: رحمت کی توفیق صرف اسی شخص سے سلب کی جاتی ہے
جو بدبخت ہو۔

☆ ☆ ☆

محمد عبدالرشید نعمانی
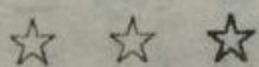
مہرِ رسالت طلوع سے پہلے

روحی فداہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
با سعادت جس زمانے میں ہوئی حرم محترم اس وقت بت پرستی
کا مرکزِ اعظم تھا ۔ خود خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین
سو ساٹھ بت تھے اور قریش کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز یہ تھا
کہ وہ عرب کے اس مقدس صنم کدے کے پجاری اور متولی تھے ۔
با ایں ہمہ ۔

یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ بعثت سے پہلے بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم مراسمِ شرک سے بالکلیہ نفور تھے ۔ بچپن اور شباب
دونوں زمانوں میں آپ کا دامنِ عبودیت کبھی غیر اللہ کے تعلق سے
آلودہ نہیں ہوا ۔ قاضی عیاض جو بڑے پایہ کے محدث ہیں 'شفا' میں یہ حدیث
نقل کرتے ہیں :

لما نشأت بغضت الیّ الاوثان[1] ۔

(ترجمہ) میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے ، خود بخود بتوں سے
نفرت مجھ میں پیدا کر دی گئی ۔

اور امام بیہقی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہیں :

فوالذی اکرم و انزل علیہ الکتاب ما استلم صنما قط حتی اکرمہ اللہ

۱- ص ۴۴ ، طبع بریلی ۔

تعالٰی بالذی اکرمہ و انزل علیہ ۔[1]

(ترجمہ) قسم اس ذاتِ عالی کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرّم فرمایا اور آپ پر کتاب نازل کی، آپ نے نہ کبھی کسی بت کو بوسہ دیا، نہ اس پر ہاتھ پھیرا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور وحی نازل فرمائی ۔

ان ہی زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام بیہقی نے زمانۂ بعثت سے قبل کا ایک واقعہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ مشرکین کا معمول تھا جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف و نائلہ کا استلام کرتے (یعنی بطور تبرک حجرِ اسود کی طرح) ان پر ہاتھ پھیرتے اور بوسہ دیتے ۔ یہ تانبے کے بت تھے ۔ زید کا بیان ہے کہ ایک بار آنحضرت نے خانہ کعبہ کا طواف فرمایا ۔ میں بھی آپ کے ساتھ طواف کرنے لگا اور جب بت کے پاس سے گزرا تو میں نے اس کا استلام کیا ۔ آپ نے فرمایا اسے نہ چھوؤ ۔ زید کہتے ہیں پھر ہم طواف میں مصروف ہو گئے اور میں اپنے جی میں کہنے لگا اسے ضرور چھوؤں گا، دیکھوں کیا ہوتا ہے ۔ چنانچہ میں نے پھر اس پر ہاتھ پھیرا اور آپ نے فرمایا کیوں تمھیں منع نہیں کیا گیا تھا ؟[2]

یہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور آپ نے بعثت سے پہلے انھیں آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا ۔

محدث ابو نعیم اور ابن عساکر حضرت علی کرم اللہ وجہ' سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا: کیا آپ نے کبھی کسی بت کے آگے سر جھکایا ؟ فرمایا کبھی نہیں ۔ پھر پوچھا گیا: کبھی شراب بھی استعمال کی ؟ فرمایا بالکل نہیں ۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا :

مازلت اعرف ان الذی ہم علیہ کفر و ما کنت ادری ما الکتاب

۱- البدایہ و النہایہ، از حافظ کثیر، ج ۲، ص ۲۸۸، طبع مصر ۔
۲- ایضاً ۔

ولا الایمان ۔[1]

(ترجمہ) میں مشرکین کے طریقے کو ہمیشہ سے کفر سمجھتا رہا ہوں حالانکہ اس وقت مجھے پتا بھی نہ تھا کہ کتاب اور شریعت کیا ہے ۔

مراسمِ جاہلیت اور لہو و لعب سے فطری اجتناب :

نہ صرف یہ کہ آپ کفر و شرک سے ہمیشہ بیزار رہے بلکہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلوات اللہ و سلامہ علیہ کو جاہلیت کی ہر بری چیز سے بالکل محفوظ رکھا ۔ چنانچہ محدث بزاز نے بسندِ صحیح اپنی مسند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے روایت کی ہے :

ماھممت بشئی مما کان اھل الجاھلیۃ یعملون بہ غیر مرتین کل ذلک یحول اللہ بینی و بین ما ارید ثم ما ھممت بعد ھا بشئی حتی اکرمنی اللہ برسالتہ ۔[2]

(ترجمہ) جاہلیت کے لوگ جو کچھ کیا کرتے تھے میں نے اس قسم کی کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا ، ہاں دو دفعہ ایسا اتفاق پیش آیا ، سو دونوں دفعہ توفیقِ الٰہی میرے اور اس کام کے درمیان حائل ہوگئی ۔ پھر بعد کو تو کبھی اس قسم کا کوئی خیال پیدا نہیں ہوا تا آنکہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا ۔

یہ دو دفعہ جس چیز کا آپ نے ارادہ کیا اور توفیق الٰہی نے اس کے کرنے سے باز رکھا ، جاہلیت کی آخر کون سی چیز تھی ؟ وہ بھی سن لیجیے ؛ مستدرک حاکم میں اس کی تفصیل یوں ہے :

''اہلِ جاہلیت جو کچھ برائیاں کرتے تھے ، میں نے ان میں سے کبھی کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا ۔ ہاں ساری عمر میں دو دفعہ البتہ ایسا اتفاق پیش آیا اور دونوں دفعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا ؛ ایک دفعہ تو یہ ہوُا کہ اپنے ساتھی ایک قریشی نوجوان سے ، جو مکہ کے بالائی مقام پر اپنے خاندان کی بکریاں چرایا کرتا تھا ، یہ کہہ کر روانہ ہوا کہ ذرا میری بکریوں پر نگاہ رکھنا ، میں بھی آج رات افسانہ گوئی کی مجلس میں

۱- زرقانی شرح مواہب ، ج ٦ ، ص ٢٧٩ ، طبع مصر ۔

۲- شرح شفا ، از ملا علی قاری ، ص ٢٢٩ ، ج ٣ ۔

شریک ہوں گا ، جس طرح سے کہ اور نو عمر شریک ہوتے ہیں۔ پھر جب مکہ کی آبادی کے سب سے قریب مکان پر آیا تو دفعتہً گانے اور دف و مزامیر کی آواز کانوں میں آئی۔ دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ کسی کی شادی ہوئی ہے۔ پھر اس گانے اور آواز سے غافل ہو کر کچھ اس طرح آنکھ لگ گئی کہ آفتاب کی تمازت ہی نے مجھے آکر جگایا۔ اپنے ساتھی کے پاس واپس ہوا تو وہ پوچھنے لگا کیا کیا؟ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ دوسری شب کو پھر ارادہ کیا تو پھر یہی اتفاق پیش آیا اور واپسی پر ساتھی کے پوچھنے پر بھی کچھ نہ بتایا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بس ان دونوں دفعہ کے علاوہ قسم بخدا اہلِ جاہلیت جس قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے، مجھے ان کا خیال تک نہیں آیا، تا آنکہ حق تعالیٰ نے اپنی نبوت سے مجھے مشرّف فرمایا۔

یہ نوعمری کا واقعہ ہے جب آپ صحرائے مکہ میں شرفائے عرب کے دستور کے مطابق بکریاں چرایا کرتے تھے۔ غرض چالیس سال کی طویل مدت میں کل دو دفعہ یہ ارادہ کیا اور دونوں دفعہ توفیق ربانی نے غیب سے دستگیری کی کہ پیغمبر خاتم کی شان نوعمری میں بھی ان لایعنی مشاغل سے بالاتر تھی۔

قریش نے محض اپنی مشیخت جتانے کو یہ قاعدہ بھی مقرر کیا تھا کہ حج میں اور لوگ تو عرفات سے واپس ہوتے اور یہ مزدلفہ ہی سے لوٹ آتے۔ اسی طرح جو لوگ باہر سے آتے ان کے لیے ضروری تھا کہ یا تو وہ قریش کا لباس پہن کر خانۂ کعبہ کا طواف کریں ورنہ پھر برہنہ ہو کر طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ دستور تھا کہ حج کے زمانے میں قریش کے مرد مردوں کو اور ان کی خواتین طواف کے لیے عورتوں کو کپڑے خیرات کیا کرتے اور جس کو قریش کی طرف سے کپڑے نہ ملتے وہ عریاں ہو کر طواف کرتا۔ اس بنا پر طوافِ عریاں کا رواج عام تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کبھی قریش کا ساتھ نہ دیا۔ آپ

خدا کی توفیق سے زمانۂ جاہلیت میں بھی عرفہ میں قیام فرمایا کرتے تھے۔
جبیر بن مطعم نے جب آپ کو عرفہ میں دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ
قریشی ہو کر یہاں کیسے آگئے۔ صحیح بخاری میں خود ان کی زبانی یہ
روایت ہے کہ میرا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ میں عرفہ کے دن اسے تلاش
کرنے چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفہ میں
تشریف فرما تھے۔ میں نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریشی ہیں، پھر ان کا
یہاں کیا کام۔

بعض شارحینِ حدیث کا خیال ہے کہ یہ واقعہ بعدِ بعثت کا ہے۔ غالباً
صحیحین کی مذکورہ بالا اجمالی روایت سے انھوں نے ایسا خیال قائم کیا ہے۔
تاہم صحیح ابن خزیمہ اور مسند اسحاق بن راہویہ میں حضرت جبیر کے
صاحبزادے نافع کی زبانی جو روایت موجود ہے اس میں یہ اجمال بالکل صاف
ہوگیا ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

نافع عن ابیہ قال کانت قریش انما تدفع من المزدلفة و یقولون نحن
الحمس فلا نخرج من الحرم و قد ترکوا الموقف بعرفة قال فرأیت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی الجاھلیة یقف مع الناس بعرفة علی جمل لہ ثم یصبح
مع قومہ بالمزدلفة فیقف معھم و یدفع اذا دفعوا۔

(ترجمہ) یعنی قریش مزدلفہ سے ہی واپس ہو جاتے اور یہ کہتے کہ
ہم تو حمس (یعنی اپنے نفسوں پر سختی کرنے والے لوگ) ہیں اس لیے
حرم سے باہر نہیں جا سکتے۔ انھوں نے عرفات جانا یکسر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں دیکھا
کہ آپ اپنے اونٹ پر عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف فرماتے اور پھر
صبح اپنی قوم یعنی قریش کے ساتھ مزدلفہ میں ہوتے اور وہاں وقوف کرتے۔
اور جب وہ لوٹتے تو ان ہی کے ساتھ آپ بھی لوٹ آتے۔

مسند اسحاق بن راہویہ میں ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی
موجود ہیں:

فلما اسلمت علمت ان اللہ وفقہ لذلک ۔[۱]

(ترجمہ) جب میں مسلمان ہوا تب پتا چلا کہ آپ کا یہ عمل محض توفیقِ الٰہی کی بدولت تھا۔

ظاہر ہے کہ اگر بعثت کے بعد کا یہ واقعہ ہوتا تو آنحضرت کے ساتھ اور قریشی صحابہ بھی ان کو عرفات میں نظر آتے۔

محاسنِ اخلاق :

یہ قطعاً ثابت ہے کہ اللہ احسن الخالقین کے جود و کرم نے پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل خلقت و جوہر فطرت میں تمام اخلاقی خوبیاں مکمل طور پر ودیعت فرما دی تھیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعۂ محاسن و خوبی ہونا ایسی آشکارا حقیقت ہے جس کا اعتراف آپ کے بڑے سے بڑے اور سخت سے سخت مخالف اور دشمنوں کو اس وقت بھی تھا جب کہ وہ آپ کے مقابلے پر جان و مال کی بازی لگا رہے تھے۔ تاریخ اسلام میں ابو لہب، ابو جہل، امیہ بن خلف اور ابو سفیان (بحالتِ کفر) اور دیگر کفار قریش سے بڑھ کر آنحضرت کا اور کون دشمن گزرا ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کا ان کے دلوں پر کتنا گہرا نقش تھا اور آپ کے کردار کی خوبی کے وہ کتنے معترف تھے، اس کا اندازہ آپ ذیل کے واقعات سے لگا سکتے ہیں۔

۱۔ جب آیہ کریمہ :

و انذر عشیرتک الاقربین

(ترجمہ) اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ!

نازل ہوتی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ علی الاعلان فریضہ تبلیغ ادا کیا جائے تو آنحضرت کوہ صفا پر چڑھ کر ندا دیتے ہیں کہ یا معشر قریش! (اے گروہِ قریش) اور نام بہ نام ایک ایک قبیلے کو پکارتے جاتے ہیں

۱۔ یہ دونوں روایتیں فتح الباری باب الوقوف میں مذکور ہیں۔ خود حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری باب حجۃ الوداع میں یہی تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ زمانۂ جاہلیت کا ہے۔ ملاحظہ ہو، ص ۸۲، ج ۸، طبع میریہ مصر۔

یا بنی فہر؟ یا بنی عدی - آواز کی دیر تھی کہ لوگ ہر طرف سے اُمنڈتے چلے آئے - اگر کوئی اتفاقاً رہ گیا تو اپنی طرف سے قاصد بھیجا کہ دیکھ کر آئے کیا واقعہ ہے - ابولہب آیا ، قریش جمع ہوئے ، غرض ہر خاندان کے سر برآوردہ لوگ موجود تھے - اب آنحضرت نے خطاب فرمایا ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دامنِ کوہ میں سواروں کا دستہ موجود ہے جو تم پر غارت گری کرنا چاہتا ہے تو تم کو میرا یقین آئے گا ؟'' اس کے جواب میں قریش کے اس عظیم الشان مجمع سے متفقہ طور پر صرف ایک ہی صدا بلند ہوئی ،

قالوا نعم ماجربنا علیک الا صدقا[1] ،

(ترجمہ) کیوں نہیں ، ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے -

۲- سنہ ۲ ہجری کا واقعہ ہے حضرت سعد بن معاذ جو انصار کے قبیلے خزرج کے رئیس و افسر تھے ، عمرہ کی غرض سے حرم میں حاضر ہوتے ہیں اور امیہ بن خلف کے مہمان ہیں کیونکہ امیہ بھی جب کبھی سفرِ شام پر جاتا اور مدینہ سے گزرتا تو انھیں کے یہاں مہمان ہوتا تھا - قریش کی مخالفت زوروں پر ہے - امیہ کو ڈر ہوا کہ مبادا کوئی سر برآوردہ قریشی انھیں دیکھ لے تو آمادۂ فساد ہو ، اس لیے حضرت سعد سے کہنے لگا ذرا دوپہر آ لینے دو ، لوگ اس وقت غافل ہوں گے ، پھر میں بھی ساتھ چلوں گا - چنانچہ خلوت کا موقعہ تلاش کر کے خانہ کعبہ میں حاضر ہوتے ہیں - سعد ابھی طواف ختم کرنے نہیں پاتے کہ ابوجہل اچانک آ موجود ہوتا ہے - پوچھتا ہے کہ یہ کون ہے جو کعبہ کا طواف کر رہا ہے ؟ سعد اپنا نام بتاتے ہیں - ابوجہل کہتا ہے ''آہا کیسا نڈر ہو کر کعبے کا طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے محمد اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دے رکھی ہے -'' اب آپس میں جھگڑا بڑھ جاتا ہے - امیہ سعد کو سمجھاتا ہے کہ ابوالحکم (یہ ابوجہل لعین کی کنیت ہے) پر زور سے نہ چلاؤ - یہ اہلِ وادی کا سردار ہے - سعد ابوجہل سے کہتے ہیں ''خدا کی قسم ! اگر تو نے مجھے بیت اللہ کے طواف سے روکا تو

۱- صحیح بخاری کتاب التفسیر باب ''قولہ وانذر عشیرتک الاقربین'' سورۃ تبت یدا -

میں تیرا شام کی تجارت کا راستہ روک دوں گا - امیہ پھر سعد کو سمجھاتا ہے
کہ زور سے نہ بولو - امیہ بار بار روکتا جاتا ہے - آخر سعد کو غصہ آ جاتا
ہے ، اسی غصے میں زبان سے نکل جاتا ہے ''امیہ بس رہنے دے ، میں نے
محمدؐ سے سنا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ تجھے قتل کریں گے - امیہ پوچھتا
ہے ''مجھ کو؟'' سعد فرماتے ہیں ''ہاں تجھ کو'' بے ساختہ امیہ کے منہ
سے نکلتا ہے :

واللہ ما یکذب محمدؐ اذا حدث -

(ترجمہ) خدا کی قسم ! محمدؐ جب کوئی بات کہتے ہیں تو غلط نہیں
کہتے -

چنانچہ امیہ سیدھا گھر آتا ہے ، بیوی سے کہتا ہے ''تجھے کچھ پتا
بھی ہے اس یثربی دوست نے مجھ سے کیا کہا ہے؟'' بیوی دریافت کرتی ہے
''کیا کہہ دیا'' کہنے لگا ''ان کا خیال ہے کہ انھوں نے محمدؐ سے یہ سنا ہے
کہ وہ مجھے قتل کر دے گا -'' بیوی بھی فوراً بول اٹھتی ہے :

فواللہ ما یکذب محمد -

(ترجمہ) خدا کی قسم ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جھوٹ نہیں
کہتے - اب امیہ عہد کرتا ہے :

واللہ لا اخرج من مکہ

(ترجمہ) خدا کی قسم ! میں مکہ سے باہر قدم ہی نہ نکالوں گا -

تھوڑے ہی دن گزرنے پاتے ہیں کہ کفار جنگ پر نکلتے ہیں - اب
لشکر کشی کی ہر طرف پکار ہے مگر امیہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا -
''فکرہ امیۃ ان یخرج'' آخر ابوجہل آتا ہے اور اسے بلطائف الحیل اپنے ساتھ
لے چلنے پر آمادہ کرتا ہے ، خوشامدیں کرتا ہے :

انک من اشراف الوادی فسربنا یوما او یومین -

(ترجمہ) تم سرداران مکہ میں سے ہو ، ایک دو روز ہی کے لیے ہمارے
ساتھ چلے چلو -

یا ابا صفوان انک و متی یراک الناس قد تخلفت و انت سید الوادی

تخلفوا معک -

(ترجمہ) اے ابو صفوان (یہ امیہ کی کنیت تھی) جب لوگ تمہیں دیکھیں گے، تم لشکر سے رہے جاتے ہو حالانکہ تم وادی کے سردار ہو، تو وہ بھی سب تمہارے ساتھ رہ جائیں گے -

آخر ابوجہل نے جب اسے ہر طرح مجبور کر دیا تو امیہ کہتا ہے:

اما اذاغلبتنی فواللہ لاشترین اجود بعیر بمکۃ -

(ترجمہ) اچھا جب تم کسی طرح نہیں مانتے اور مجھے مجبور ہی کرتے ہو تو پھر میں بھی مکہ میں جو سب سے بہتر اونٹ ہوگا وہ خریدوں گا تاکہ راہ سے جلدی واپس آسکوں -

بیوی سے آکر کہتا ہے: ام صفوان (امیہ کی بیوی کی کنیت) میرا سامانِ سفر تیار کرو - بیوی کہتی ہے:

یا ابا صفوان أنسیت ما قال اخوک الیثربی -

(ترجمہ) اے ابو صفوان! کیا اپنے یثربی دوست کی بات بھول گئے؟

جواب دیتا ہے:

لا وما ارید ان اجوز معھم الا قریبا -

(ترجمہ) نہیں تو - میرا ارادہ تو ان کے ساتھ بس تھوڑی دور جانے کا ہے -

اور بادلِ نخواستہ جب چار و ناچار اسے نکلنا ہی پڑتا ہے تو ہر منزل پر پہنچ کر اپنے اونٹ کو باندھ دیتا ہے کہ اب آگے نہیں جانا ہے -

۳- دشمنِ خدا ابوجہل، آنحضرتؐ سے کہا کرتا تھا "ہم تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتے لیکن جو دین تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں -"

قرآن مجید کی یہ آیۂ مبارکہ اسی موقع پر نازل ہوئی ہے:

قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانھم لا یکذبونک و لکن الظلمین بایٰت اللہ یجحدون -

(ترجمہ) ہم جانتے ہیں ان کافروں کی باتیں آپ کے لیے رنج دہ ہیں، سو تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالٰی کی آیتوں کا انکار

کرتے ہیں۔

اس حدیث کو ترمذی ، ابن جریر ، ابن ابی حاتم ، ابو الشیخ ابن مردویہ اور حاکم سب نے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1]

۴۔ قاضی عیاض نے 'شفاء' میں لکھا ہے اخنس بن شریق جنگِ بدر کے دن ابوجہل کے پاس آیا اور کہنے لگا ''ابوالحکم! یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور نہیں جو گفتگو سن سکے۔ اچھا اب بتاؤ محمد صادق ہیں یا کاذب؟'' ابوجہل کہتا ہے۔

واللہ ان محمدا لصادق ما کذب محمد قط۔[2]

(ترجمہ) خدا کی قسم! محمد یقیناً سچے ہی ہیں۔ انہوں نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

۵۔ صلحِ حدیبیہ کا زمانہ ہے اور قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور دیگر کفارِ قریش تجارت کی غرض سے شام آتے ہیں۔ اسی زمانے میں آنحضرت کا نامۂ مبارک قیصرِ روم کے پاس پہنچتا ہے۔ قیصر کو اصلی حالات معلوم کرنے کی جستجو ہے۔ حکم دیتا ہے کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لے آؤ۔ حسب الحکم ابوسفیان تجارِ عرب کے ساتھ حاضرِ دربار کیے جاتے ہیں۔ قیصرِ بڑے ساز و سامان سے دربار سجاتا ہے۔ تخت کے چاروں طرف بطارقہ، قسیسین اور رہبان کی صفیں قائم ہیں۔ ترجمان حاضر ہیں۔ قیصر کفار قریش سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے ''تم میں اس مدعی نبوت کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے'' ابوسفیان کہتے ہیں ''میں'' قیصر حکم دیتا ہے ''اس کو میرے پاس لے آؤ اور اس کے ساتھیوں کو بلا کر اس کے پیچھے بٹھا دو اور کہہ دو کہ میں اس مدعیِ نبوت کے متعلق اس شخص سے کچھ معلوم

۱۔ تفسیر فتح القدیر از قاضی شوکانی ، ج ۲ ، ص ۱۰۷ ، طبع مصر۔
۲۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ ، ص ۶۰ طبع بریلی ۱۳۸۶ء۔

کرنا چاہتا ہوں ۔ اگر یہ میرے سامنے کوئی غلط بیانی کرے تو تم اس کی تکذیب کرنا" ابوسفیان کا بیان ہے :

فواللہ لولا الحیاء من ان یاثروا علی کذبا لکذبت عنہ ۔

(ترجمہ) بخدا اگرچہ مجھے یہ شرم نہ ہوتی کہ میرے ساتھی بعد کو اور لوگوں سے میرے جھوٹ کو نقل کر دیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا ۔

اب قیصر ابوسفیان سے آنحضرتؐ کے متعلق دریافتِ احوال شروع کرتا ہے ۔ اور اسی سلسلے میں یہ بھی پوچھتا ہے :

فھل کنتم تتھمونہ بالکذیب قبل ان یقول ما قال ۔

(ترجمہ) اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ کیا ہے ؟

ابوسفیان کہتے ہیں "لا" (نہیں) ۔ قیصر دریافت کرتا ہے "فھل یغدر" (کبھی عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے) ابوسفیان جواب دیتے ہیں "لا" ۔ (نہیں) آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں اسے کہنا پڑا "میں نے تم سے پوچھا کہ تم نے کبھی غلط بیانی کا تجربہ کیا ؟" تم نے کہا نہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص آدمیوں پر جھوٹ نہیں بول سکتا وہ خدا کے متعلق کیسے جھوٹ بول سکتا ہے ۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ بد عہدی کرتا ہے ؟ تم نے کہا نہیں ۔

و کذلک الرسل لاتغدر ۔

(ترجمہ) پیغمبروں کی یہی شان ہے کہ بدعہدی نہیں کرتے ۔

جو کچھ تم نے بیان کیا اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا ۔ قیصر اور ابوسفیان میں بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی ، یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں منقول ہے اور بجز ابن ماجہ کے سب اربابِ صحاح نے نقل کی ہے ۔ بخاری اور مسلم نے کتاب المغازی میں ، ابو داؤد نے کتاب الادب میں ، ترمذی نے کتاب الاستیذان میں ۔ صحیح بخاری میں یہ روایت مطولاً و مختصراً چودہ جگہ

مذکور ہے اور نسائی نے تفسیر میں اس کو روایت کیا ہے۔[۱]

دوستوں کا بیان: یہ کفار کی وہ شہادتیں ہیں جو انھوں نے اس وقت دیں جب کہ وہ آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ اب ان لوگوں کی شہادتیں سنیے جو بعثت سے پہلے آپ کے ہر طرح ہمدم و ہمنوا تھے اور جنھوں نے خلوت و جلوت میں ہر طرح آپ کو دیکھا اور پرکھا تھا۔

۱۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا رازدان دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے؛ جو زندگی کی ساتھی، تنہائی کی انیس اور اندر کی ہر ایک چیز سے واقف اور باخبر ہوتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا جو نبوت سے پہلے پندرہ سال آپ کی خدمت زوجیت میں گزار چکی ہیں، آغاز وحی میں آپ کو کس طرح تسلی دیتی ہیں:

کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔

(صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التفسیر و کتاب التعبیر۔ و صحیح مسلم کتاب الایمان)۔

(ترجمہ) ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، عاجزوں کا بار اٹھاتے ہیں، جو چیز دوسری جگہ نہ مل سکے وہ آپ عطا کر دیتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

۱۔ ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری، ج ۱، ص ۹۸، طبع استنبول۔

حدیث

۱

مولانا عبدالرشید نعمانی

معتبر روایات کا انکار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وحدہ ، والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ امابعد۔

ماہنامہ "فاران" کراچی کے شمارہ ۱۱، جلد ۲۹، بابت فروری ۱۹۷۸ء میں "غیر معتبر روایات" کے عنوان سے ایک مقالہ مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی کا نظر سے گزرا، پڑھ کر تعجب ہوا کہ ایسا عامیانہ مقالہ بھی مولانا کے قلم سے سرزد ہو سکتا ہے، جس کے مطالعہ سے ہر صاحب علم کو یہ تاثر ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کو نہ کتابیات سے واقفیت ہے نہ مصنّفین کے حالات پر اطلاع، نہ وہ مصطلح حدیث سے باخبر ہے نہ صحیح وضعیف اور منکر و موضوع کے درمیان فرق کر سکتا ہے۔ پورا مقالہ "فاران" کے چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، جن میں سے سولہ صفحات میں "نامعتبر و نامعقول" روایات کی تفصیل ہے اور آٹھ صفحات میں متعلقہ امور پر بحث ہے، پورے مقالہ میں کسی جگہ کسی بات کے ثبوت میں کوئی حوالہ درج نہیں۔ البتہ "نامعتبر و نامقبول" روایات کے سلسلہ میں علامہ العجلونی کی کتاب "کشف الخفاء ومزیل الالباس" کا حوالہ دیا ہے لیکن ظلم یہ کیا ہے کہ معتبر روایات کو نامعتبر ٹھہرانے کے لئے بھی اسی کتاب کا حوالہ مع نمبر درج کر دیا ہے جو محض غلط ہے۔

مدیر "فاران" جناب ماہر القادری نے ایک آدھ جگہ دبی زبان سے مقالہ نگار سے اپنا اختلاف بھی ظاہر کیا ہے اور مقالہ کے آخر میں بحیثیت مدیر اپنی اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ۔

"ان میں چند یا بعض روایات پر کوئی صاحب وضاحت و تصحیح کی ضرورت محسوس فرمائیں تو "فاران" کے صفحات اس بحث و گفتگو کے لئے حاضر ہیں مگر گفتگو جذباتی نہ ہو دلائل کے

ساقط ہو۔" (ص ۳۲)

مدیر "فاران" سے ہمیں یہ شکایت ہے کہ مقالہ نگار نے جتنی روایات نامعتبر ٹھہرائی تھیں، ان میں سے متعدد روایات کو انہوں نے بغیر کچھ وجہ بتائے مقالہ سے ساقط کر دیا ہے، یہ روایات ان نمبروں کے تحت درج تھیں۔ ۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۵ و ۳۰ و ۵۲ و ۷۷ و ۸۳۔ یہ کل آٹھ روایات ہیں جنہیں معلوم نہیں کس مصلحت سے کاپی لکھے جانے کے بعد حذف کرایا گیا ہے۔ "فاران" میں ص ۱۲ پر روایات کے زیر عنوان پانچ سطروں کی طباعت ایسی ناقص ہے کہ پڑھنے میں نہیں آتیں۔

مقالہ نگار نے مقالہ کا سبب نگارش یہ بیان کیا ہے کہ۔

"لوگ واعظوں سے وعظ، اور ذاکروں سے مجلس ذکر سن کر جب واپس آتے تو اکثر یہ سوال کیا کرتے تھے کہ فلاں حدیث جو بیان کی گئی ہے کیا وہ صحیح اور مقبول حدیث ہے؟ ان کے جوابات حسب واقعہ اپنے محدود اور ناقص علم و مطالعہ کے بموجب دے دیئے جاتے، اتفاق سے ایسے سوالات پچھلے دو چار ماہ میں بہت دوستوں نے کئے، اور اس کے بعد بعض حضرات نے یہ اصرار کیا کہ اس سلسلہ میں کوئی مختصر سا مضمون قلم بند کر دیا جائے، یہ مختصر سا مضمون ان ہی حضرات کی فرمائش پر لکھا جا رہا ہے۔" (ص ۹)

جب مقالہ نگار کی مرجعیت کا یہ عالم تھا تو ان کا فرض تھا کہ مقالہ کو سپرد قلم کرتے وقت پوری طرح احتیاط سے کام لیتے اور ہر بات کو اچھی طرح تحقیق کر کے لکھتے، لیکن افسوس کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جو بات ان کے ذہن میں آئی بغیر تحقیق کئے لکھ ڈالی، پھر مجلس ذکر و وعظ میں شاید ہی کوئی احمق ذاکر یا واعظ ایسا ہو کہ جو لوگوں کو یہ وعظ کرتا پھرے کہ "بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے لہٰذا تم بینگن ضرور ضرور استعمال کیا کرو، یا تم "پر بریدہ کبوتروں کو گھر میں ضرور رکھا کرو"۔ ناظرین اپنے حافظہ پر زور ڈالیں کیا اس قسم کی روایات انہوں کسی ذاکر یا واعظ سے کبھی سنی ہیں؟ جو مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں درج کی ہیں۔

اس کے بعد تحریر ہے۔

"یہ (مقالہ) ان تمام عبارتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا جنہیں ہمارے واعظین یا ذاکرین حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا کر اپنے وعظوں اور تقریروں میں بیان کردیتے ہیں بلکہ ان میں سے صرف چند عبارتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو بہت زیادہ زبان زد ہیں، اگر کوئی صاحب تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیں تو انہیں "احادیث موضوعہ" پر لکھی ہوئی ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے، مثلاً

مزیل الخفاء والالباس :- مصنفہ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، المتوفی ۱۱۶۲ھ

اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ :- مصنفہ علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ

المقاصد الحسنہ :- مصنفہ علامہ السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ

کتاب الموضوعات للبیہقی - المتوفی ۵۹۵ھ

کتاب الموضوعات للعقیلی -

کتاب الموضوعات، للملا علی القاری -

کتاب الموضوعات، للصنعانی، المتوفی وغیرہ وغیرہ (ص ۹)"

یہاں مقالہ نگار کو اول تو یہ خوش فہمی ہوئی ہے کہ یہ تمام تصانیف احادیث موضوعہ پر لکھی ہوئی ہیں حالانکہ واقع میں ایسا نہیں۔ علامہ سخاوی کی "مقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ" اور عجلونی کی "کشف الخفاء، ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس"۔ ان دونوں کتابوں کا موضوع ان کے نام سے ظاہر ہے کہ موضوع تصنیف احادیث موضوعہ کا بیان نہیں بلکہ ان احادیث کا بیان ہے جو زبان زد عام ہیں، عام اس سے کہ وہ روایات جو زبانوں پر دائر سائر ہیں صحیح ہوں یا موضوع، حسن ہوں یا ضعیف، متواتر ہوں یا مشہور یا احاد، ان دونوں کتابوں میں ہر قسم کی روایات مذکور ہیں، اور ہر روایت کے ساتھ اس کی تخریج بھی ذکر کردی گئی ہے۔ اور جس روایت کی کوئی اصل نہیں اس کو بھی واضح کردیا گیا ہے۔

مقالہ نگار نے، عجلونی نے جو کتاب لکھی ہے اس کا پورا نام پڑھے اور اس پر غور کئے بغیر شاید عجلت میں یہ سمجھ لیا کہ اس کتاب میں جتنی روایات مذکور ہیں وہ سب کی سب غیر معتبر ہیں۔

اس لئے اس کتاب بلیاد بنا کر اپنے مقالہ میں جو ۱۲۴ روایات نقل کی ہیں سب کو بہ یک جنبش قلم "غیر معتبر روایات" کی فہرست میں داخل کر دیا جو سراسر ظلم عظیم ہے۔

دوسرے "کتاب الموضوعات"، ملا علی قاری۔ اور "موضوعات" صنعانی، شاید مقالہ نگار کی نظر سے گذری ہی نہیں جو ان کو ضخیم کتابوں کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ "موضوعات" ملا علی قاری کے دو رسالے ہیں۔ ایک بڑا رسالہ جو "موضوعات کبیر" کے نام سے دہلی کے مطبع مجتبائی میں ۱۳۱۵ھ میں طبع ہوا ہے۔ یہ متوسط تقطیع کے کل ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۲۶ سطریں ہیں۔ اس کا اصل نام "الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ" ہے۔ دوسرا رسالہ جو اس سے چھوٹا ہے اس کا اصل نام "المصنوع فی مالا اصل لہ او باصلہ موضوع" ہے یہ کل چالیس صفحات کا رسالہ ہے۔ جو ۵ شعبان ۱۲۹۲ھ میں دہلی کے مطبع فاروقی میں باہتمام میر محمد معظم علی، طبع ہوا تھا۔ صغانی کے بھی دو رسالے اسی موضوع پر ہیں، اور وہ بھی حجم میں اسی کے قریب قریب ہیں۔

امام بیہقی اور حافظ ابوجعفر عقیلی نے بھی "کتاب الموضوعات" نامی دو کتابیں مستقلاً اس موضوع پر تصنیف کی ہیں، اس کا علم پہلی مرتبہ مقالہ نگار کی تحریر سے ہوا۔ اگر مقالہ نگار کو اس سلسلہ میں کوئی وہم اور حافظہ میں اختلاط نہیں ہوا ہے یا انہوں نے اپنے ذہن سے ان دونوں ناموں کا اختراع نہیں فرمایا ہے تو براہ کرم مطلع فرمائیں کہ انہوں نے کہاں یہ پڑھ لیا کہ عقیلی اور بیہقی نے "کتاب الموضوع" نامی کتابیں لکھی ہیں، اگر وہ اس سلسلہ میں ہماری معلومات میں اضافہ کر سکیں تو ہم ان کے بے حد ممنون ہوں گے۔ بیہقی کا سن وفات ۵۹۵ نہیں بلکہ ۴۵۸ھ ہے یہ بھی واضح رہے کہ صغانی کا شمار ابن جوزی کی طرح متشددین میں ہے کہ جو پوری تحقیق کئے بغیر لبسا اوقات صحیح حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، اس لئے جب تک دوسرے آئمہ فن ان کی رائے سے اتفاق نہ کریں ان کا فیصلہ معتبر نہیں ہے[1]۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ۔

"یہ تو میرے ہی کیا کسی مسلمان کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا کہ ایک مسلمان جان بوجھ کر

---

[1] ملاحظہ ہو "الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ" لمحمد بن جعفر الکتانی ص ۱۱۳، طبع بیروت ۱۳۳۲ھ

اور علم وارادہ کے ساتھ کوئی قول سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط طور پر منسوب کردے گا، سب جانتے ہیں کہ ایسا کرنا شدید گناہ ہے" (ص ۹)

ہم مقالہ نگار کے علم واطلاع کے لئے اس امر کو واضح کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے کہ "کسی مسلمان" کیا بہت سے مسلمانوں نے کارِ ثواب سمجھ کر اس کام کو انجام دیا ہے۔ خود محدث اسمٰعیل عجلونی جنکی کتاب کو سامنے رکھ کر فاضل مقالہ نگار نے مقالہ مرتب کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ومنهم من يضع حسبة وترغيبا بعض وہ ہیں جو محض ثواب کے لئے اور ترغیب دلانیکی خاطر حدیث وضع کیا کرتے۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس۔ ج ۲ ص ۴۰۹)

ان کا استدلال یہ ہے کہ نیکی کی رغبت دلانا اور برائی سے ڈرانا کار ثواب ہے لہذا اس نیک مقصد کے لئے اگر اپنی طرف سے حدیث بنا کر پیش کردی جائے تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ اور جب بقول مقالہ نگار "کسی مسلمان کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا" الخ تو پھر انہوں نے محدث دیلمی پر یہ تہمت کیوں جڑی کہ۔

"بہت سی روایتیں چاول کی، ہریسہ کی، مسور کی، بینگن کی اور بہت سی دوسری غذاؤں اور اناجوں کے متعلق دیلمی نے بنا بنا کر روایت کردی ہیں اور سب کی سب جھوٹ اور موضوعات ہیں۔ (۳۲۰)" (ص ۲۸)۔

اور اس پہ طرفہ یہ کہ عجلونی کی کتاب کا حوالہ دے کر روایت کا نمبر بھی درج کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ روایتیں باطل اور مکذوب ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ "دیلمی نے بنا بنا کر روایت کردی ہیں"۔ عجلونی کی کتاب میں اس امر کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ مقالہ نگار صاحب تصیح نقل فرمائیں۔ کسی کتاب میں موضوع روایت موجود ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس روایت کو خود مصنف نے وضع کیا ہے "احیاء العلوم" کے حوالے سے مقالہ نگار نے متعدد روایات اس مقالہ میں درج کر کے ان کا موضوع ہونا ظاہر کیا ہے کیا یہ روایتیں بھی خود امام غزالی نے بنا بنا کر درج کتاب کی تھیں؟ پھر عجلونی نے دیلمی کی جو روایت درج کی ہے اس میں صرف چاول اور گندنے کا ذکر ہے، ہریسہ، مسور، بینگن اور دوسرے اناجوں کا کچھ مذکور نہیں، ان کے متعلق روایات کو مقالہ نگار نے بلا وجہ دیلمی کی طرف منسوب

کر دیا ہے جو محض غلط ہے۔

اس کے بعد تحریر ہوتا ہے کہ

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ روایات کو عہد تابعین سے اب تک علماء حدیث شہادت اور گواہی کے اصول پر جانچتے اور پرکھتے رہے ہیں، حتیٰ کہ وفات رسولؐ کے بعد سے تقریباً ساڑھے تین سو سال تک لفظ "علم" سے صرف علم حدیث ہی کو تعبیر کیا جاتا تھا، لوگ دن رات اسی جانچ پڑتال میں لگے رہتے تھے کہ اصول روایات و درایات پر ان شہادتوں کی تقویم کر کے قبول یا تردید کریں، راوی یعنی اس سلسلہ شاہدین کے عقاید، اعمال، عادات، کیفیات و احوال کا اتنا بڑا ذخیرہ اس مقصد کے لئے جمع کیا گیا کہ کہیں اور کسی قوم اور زبان و ادب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

(ص ۱۰)

مگر یہ بالکل تعجب کی بات ہے کہ مقالہ نگار کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ روایت و شہادت میں کیا فرق ہے اور دونوں کے رد و قبول کے کیا اصول ہیں، شہادت غلام کی قبول نہیں ہوگی۔ روایت قبول کر لی جائے گی، شہادت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی، روایت میں صرف ایک عورت کی روایت کافی ہے، شہادت کے لئے دو شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، روایت کے لئے صرف ایک راوی کا بیان کفایت کرتا ہے، شہادت کے باب میں اصل کی موجودگی میں فرع کی شہادت مسموع نہیں لیکن فرع کی روایت اصل کی موجودگی میں بھی مسموع اور مقبول ہے، کتب فقہ اور اصول حدیث کی مراجعت پر اس سلسلہ میں مزید تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں، مقالہ نگار کو راوی اور شاہد کے مابین جو فرق ہے وہ سرے سے معلوم ہی نہیں، کیوں کہ وہ اصطلاح فن سے بالکل نابلد ہیں۔

اور اس نادر تحقیق کا تو جواب ہی نہیں۔

"کہ وفات رسولؐ کے بعد سے تقریباً ساڑھے تین سو سال تک لفظ "علم" سے صرف "علم حدیث" ہی کو تعبیر کیا جاتا تھا"

جی ہاں مقالہ نگار کے علم میں ۳۵۰ھ تک نہ فقہ پر علم کا اطلاق ہوتا تھا نہ کلام پر نہ تصوف

کا شمار علم میں تھا ، نہ تفسیر کا ، نہ قراءت و تجوید کو علم کہا جاتا تھا ، نہ نحو و عربیت کو ، نہ تاریخ کو کوئی علم سمجھتا تھا ، نہ ادب و شعر کو ، معلوم نہیں اس عہد کے فقہاء ، متکلمین ، صوفیہ ، مفسرین ، قراء ، ادباء نحاۃ اور شعراء کو مقالہ نگار علماء کی صف سے خارج کر کے دین و ملت کی کونسی عظیم خدمت انجام دینا چاہتے ہیں ۔

ایسا ہی نادر انکشاف یہ ہے کہ صحابہ و صحابیات کی تعداد آٹھ لاکھ سے متجاوز تھی چنانچہ مقالہ نگار کے الفاظ ہیں ۔ " کذب پر ایک چھوٹی سی جماعت کا اتفاق ممکن نہیں ہے تو آٹھ لاکھ سے زیادہ صحابہ و صحابیات کا اتفاق کر لینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے الخ (ص ۱۲، ۱۳)

اگر مقالہ نگار نے صحابہ و صحابیات کی یہ تعداد اپنے جی سے نہیں گھڑھی ہے تو براہ کرم یہ بتلایا جائے کہ تراجم و رجال کی کس کتاب میں صحابہ و صحابیات کی یہ کثیر تعداد ان کی نظر سے گزری ہے ، اب تک تو عام طور پر صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر خیال کی جاتی رہی ہے مگر مقالہ نگار نے جو اس میں اضافہ فرمایا ہے آخر اس کی کیا سند ہے ؟

پھر مقالہ نگار صاحب جن کو خیر سے روایت و شہادت کا باہمی فرق قطعاً معلوم نہیں فرماتے ہیں ۔

" بہت سے ضروری امور کی چھان بین کے بعد ہی روایت کو قبول کیا جاتا ہے اور ان سب تنقیحات کے بعد یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ وہ اکیلا ہی تو یہ روایت بیان نہیں کر رہا ہے اس لئے کہ ایک شخص کی انفرادی شہادت قابل قبول نہیں ہو سکتی " (ص ۱۳)

بے شک ایک شخص کی انفرادی شہادت قابل قبول نہیں لیکن ثقہ شخص کی روایت باتفاق اہلسنت وجماعت بالکل قابل قبول ہے ہاں معتزلہ قبولِ روایت کے لئے بھی دو راویوں کی قید لگاتے ہیں جو صحیح نہیں ، صحابہ و تابعین نے ایک ثقہ کی روایت کو بھی بلا چون و چرا تسلیم کیا ہے ، صحیحین میں دوسو کے قریب غرائب و افراد ہیں یعنی وہ روایتیں جن کو صرف ایک راوی بیان کرتا ہے ، مقالہ نگار کے خود ساختہ اصول پر یہ سب روایتیں قابل قبول نہیں ہو سکتیں ۔ اصول حدیث کا متفقہ مسئلہ ہے زیادۃ الثقۃ مقبولۃ (ایک ثقہ بھی روایت میں جو اضافہ بیان کرے مقبول ہے) ، مگر مقالہ نگار کی منطق میں سرے سے نامقبول ہے ، قرآن مجید میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ

سے جب ایک قبطی کا خون ہوا، اور ایک شخص نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ فرعونی آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں آپ یہاں سے تشریف لے جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً اس ایک شخص کی بات مان کر مصر سے مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام اسلام کے جتنے دعوت نامے بھیجے تھے ان نامہائے مبارک کے حامل ہر بادشاہ کی طرف ایک ایک صاحب ہی تھے، کہیں دو آدمی کسی ایک نامے کو لے کر نہیں گئے، مگر مقالہ نگار صاحب کے اصول پر اگر ایک معتبر آدمی بھی کوئی روایت کرے تو اسے تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔ سورۂ یٰسین میں شہادت حق کا اعلان کرنے والے جس ایک شہید کا ذکر آیا ہے اس کو اسی ذہنیت کے لوگوں نے شہید کیا تھا جو ایک ثقہ کی روایت کو قابل قبول نہیں سمجھتے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت بھی اپنی امتوں کی طرف اکثر و بیشتر انفرادی شکل ہی میں ہوتی تھی۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ

"اس سلسلہ میں یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بہت سی غلط باتیں منافقوں اور کافروں نے رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیں، اور بڑے بڑے صاحب علم حضرات نے بھی سادہ لوحی اور فرطِ محبت و عقیدت میں ایسی بے سر و پا باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا یا اپنے وعظوں میں بیان کر دیا۔" (ص ۱۳۱)

یہ دعویٰ جب تک اس کی دلیل نہ ہو قابل تعجب ہے، صرف مقالہ نگار کا ایک بات اپنی طرف سے لکھ دینا اسے صحیح باور کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔

پانچ صفحات کے تمہیدی بیان میں اتنے سارے نئے شگوفے چھوڑنے کے بعد مقالہ نگار صاحب اصل مقصد پر آئے ہیں اور اب انہوں نے "نامعتبر و نامقبول" کے زیر عنوان ان روایات کی نشاندہی شروع کی ہے جنہیں وہ نامعتبر مانتے ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ وہ اپنی نادانی سے بہت سی معتبر اور صحیح روایات کو بھی غیر معتبر سمجھ بیٹھے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اس مختصر سی تمہید کے بعد اب چند ایسی عبارتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جسے لوگ بطور حدیث بیان کرتے ہیں، حوالہ کے لئے علامہ العجلونی کی کتاب "مزیل الخفاء والالباس"

میں ان عبارتوں کے نمبر لکھ دیئے گئے ہیں یہ کتاب بارہا چھپ چکی ہے اور عام طور پر علمی کتب خانوں میں مل جاتی ہے، اس وقت میرے سامنے القاہرہ کا مطبوعہ نسخہ مؤرخہ ۱۳۵۱ھ موجود ہے جو کتب خانہ مجلس علمی، کراچی میں داخلہ نمبر ۱۵۵۵ پر موجود ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی ذہن میں موجود رہے کہ خود علامہ العجلونی بڑے ہی وہمی قسم کے معروف متصوف ہیں، وہ ہر بے اصل بات کے لئے کوئی نہ کوئی اصل ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں، لیکن بہرحال وہ ایک عالم ہیں بے اصل کو بے اصل اور موضوع کو موضوع کہنے سے دریغ نہیں کرتے" (ص ۱۴۰)

سبحان اللہ! کس قدر قیمتی ہوگی وہ تحقیق جس کی بنیاد ایسے شخص کی رائے پر ہو جو بڑا ہی وہمی قسم کا معروف متصوف ہو، اور پھر اس پر طرہ یہ کہ "ہر بے اصل بات کے لئے کوئی نہ کوئی اصل ثابت کرنے کی سعی بھی کرتا ہے"۔ آخر مقالہ نگار کو یہ کیا سوجھی کہ سارے اسلامی لٹریچر میں ان کی نظر انتخاب محققین اسلام کی تمام تصانیف چھوڑ کر بس اسی بڑے وہمی علامہ کی تصنیف پر پڑی، اور اسی کو انہوں نے اپنے دعاوی باطلہ کے ثبوت میں بطور سند اور دستاویز پیش کیا۔

پھر مقالہ نگار کی یہ ان مل بھی لطف سے خالی نہیں کہ "العجلونی" بڑے ہی وہمی قسم کے معروف متصوف ہیں ہر بے اصل بات کے لئے کوئی نہ کوئی اصل ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں" اور ساتھ ہی یہ بھی کہ "وہ بے اصل کو بے اصل اور موضوع کو موضوع کہنے سے دریغ نہیں کرتے"۔ ناظرین غور فرمائیں اور مقالہ نگار کی فہم و فطانت کی داد دیں کہ وہ کس خوبی کے ساتھ آنِ واحد میں چٹکی بجاتے دو متضاد باتوں کو صحیح باور کرانے کے درپے ہیں۔ مقالہ نگار نے علامہ العجلونی کا کس بری طرح حلیہ بگاڑا ہے اس سے توبہ ہی بھلی۔

سوال یہ ہے کہ یہ ان مل اور بے جوڑ بات جس کا اظہار مقالہ نگار نے علامہ عجلونی کے بارے میں کیا ہے آخر اس کی کوئی اصل بھی ہے؟ یا یہ ان کا نرا وہم ہی وہم ہے، اگر کسی مستند عالم نے علامہ عجلونی کے بارے میں اس قسم کا اظہار خیال کیا ہے یا تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے

تو براہِ کرم اس کا پتہ بتلایا جائے ۔ بلا وجہ اکابر علما ء کو نشانۂ طعن و ملامت بنانا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے ۔ مقالہ نگار کے مفاجر کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ علامہ عجلونی کی کتاب کے مطالب کو صحیح طور سمجھ سکیں ، علامہ عجلونی متصوف نہیں صوفی تھے ، وہی نہیں محقق تھے ، بے اصل کو بے اصل اور موضوع کو موضوع کہتے تھے ، مقالہ نگار نے ان کے بارے میں جو اظہار خیال کیا ہے محض غلط اور بے اصل ہے ، علامہ عجلونی کی اتنی مٹی پلید کرنے کے بعد پھر ان ہی کی کتاب کو اپنے مقالہ کی بنیاد بنا کر مقالہ نگار نے جو دادِ تحقیق دی ہے ، اس کا نمونہ حسب ذیل ہے ۔

(۱) " (۱) ۔ اطلبوا العلم ولو بالصین علم کی تلاش کرو چاہے وہ چین میں ہو ۔

یہ جملہ نہ حدیث ہے اور نہ کسی صحابی سے اس کی نسبت صحیح ہے ، محدثین کے نزدیک محض واہیات سی بات ہے آئمہ حدیث نے اسے باطل اور محض گڑھی ہوئی بات (یعنی موضوعات) میں شمار کیا ہے " (ص ۱۴)

اس روایت کے بارے میں مقالہ نگار نے جو اظہار خیال کیا ہے مسلّم نہیں ، محدث اسمٰعیل عجلونی نے اس حدیث کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے ۔

۳۹۷ ۔ (اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم) رواہ البیهقی والخطیب وابن عبدالبر والدیلمی وغیرهم عن انس ، وهو ضعیف ، بل قال ابن حبان باطل وذکره ابن الجوزی فی "الموضوعات" ونوزع بقول الحافظ المزی له طرق ربما یصل بمجموعها الحسن ، ویقول الذهبی فی "تلخیص الواهیات" روی من عدة طرق واهیة وبعضها صالح

۳۹۷ ۔ حدیث (علم طلب کرو اگرچہ چین ہی میں ہو ، کیونکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اس حدیث کو بیہقی ، خطیب ، ابنِ عبدالبر ، اور دیلمی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ روایت ضعیف ہے بلکہ ابن حبان نے اس کو باطل کہا ہے اور ابن جوزی نے اس کو "موضوعات" میں ذکر کیا ہے ، مگر اس فیصلہ میں نزاع ہے کیونکہ حافظ مزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اتنے طرق (اور اسنادیں) ہیں کہ مجموعی طور پر وہ اس کو حدیثِ حسن کے درجہ

ورواہ ابویعلی عن انس بلفظ اطلبوا العلم ولو بالصین فقط ۔

(کشف الخفا، ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس ۔ ج ۱ ۔ ص ۱۳۸) ۔

پر پہنچا دیتے ہیں، اور حافظ ذہبی نے "تلخیص الواہیات" میں تصریح کی ہے کہ یہ حدیث متعدد بودی اسنادوں سے روایت کی گئی ہے، بعض سندیں اس کی درست بھی ہیں، اور حافظ ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا صرف اتنا ٹکڑا نقل کیا ہے کہ، علم طلب کرو چاہے وہ چین میں ہو) ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مقالہ نگار نے علامہ عجلونی کی تحقیق کا کیا خلاصہ نکالا ہے وہ تو اس کو موضوع کیا ضعیف ماننے پر بھی تیار نہیں، اور ابن حبان نے جو اس کو باطل کہہ دیا، اور ابن جوزی نے "موضوعات" میں ذکر کیا، تو حافظ مزی اور حافظ ذہبی کے اقوال سے اس کی تردید کی کہ اس حدیث کے بعض طرق صالح (درست) ہیں جن میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں اور پھر یہ حدیث اتنی سندوں سے مروی ہے کہ مجموعی طور پر ان کو سامنے رکھا جائے تو حدیث حسن کے مرتبہ کو پہنچتی ہے، واضح رہے کہ حافظ مزی اور حافظ ذہبی دونوں متاخرین حفاظِ حدیث میں بڑے نامی و نامور گزرے ہیں اور ان کی نظر اسانید و طرق حدیث پر بڑی وسیع ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن حبان اور ابن جوزی نے حدیث کی کسی خاص سند کو جو ان تک پہنچی سامنے رکھ کر اس پر وضع و بطلان کا حکم لگا دیا۔ اگر حافظ ذہبی و مزی کی طرح اس کی ساری سندیں ان کے پیشِ نظر ہوتیں تو یہ حکم نہ لگاتے۔ متاخرین محدثین کا فیصلہ حافظ مزی او، ذہبی کے حق میں ہے ابن حبان اور ابن جوزی کے حق میں نہیں۔

۲ ۔ (ب) " (۲) لتفترقن امتی علی ثلاث وسبعین ۔ میری امت تہتر فرقوں میں ضرور بٹ جائے گی۔

یہ یا اس سلسلہ یا اس مضمون کی جتنی روایتیں ہیں سب مجروح اور مضطرب ہیں۔" (ص ۱۴۰) ۔

سخت تعجب ہے کہ مقالہ نگار کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ غلط گوئی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور وہ بھی حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باب میں۔ علامہ عجلونی کے کبھی خواب و خیال میں بھی

یہ بات نہ آئی ہوگی کہ ان کی کتاب کے حوالہ سے اس ظلم عظیم کا ارتکاب کیا جائے گا، محدث عجلونی نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے متعلق دو جگہ تفصیل سے بحث کی ہے۔ (ایک نمبر ۴۴۶، ج ۱ ص ۱۴۹ لغایت ۱۵۱ پر۔ اور دوسرے نمبر ۱۰۰۱، ج ۱ ص ۳۰۹ و ۳۱۰ پر) اور دونوں جگہ اس حدیث کی تصحیح ائمہ حدیث سے نقل کی ہے اس کے مجروح ومضطرب ہونے کا دونوں جگہ ذرا سا اشارہ تک بھی نہیں ہے پہلے مقام پر فرماتے ہیں۔

۴۴۶۔ (افترقت الیھود علی احدی و سبعین فرقۃ فواحدۃ فی الجنۃ و سبعون فی النار، وافترقت النصارٰی علی اثنتین و سبعین فرقۃ فاحدی وسبعون فی النار و واحدۃ فی الجنۃ، والذی نفس محمد بیدہ لتفترقن امتی علی ثلاث وسبعین فواحدۃ فی الجنۃ واثنتان وسبعون فی النار) رواہ ابن ابی الدنیا عن عوف بن مالک، و رواہ ابوداؤد و الترمذی و الحاکم و ابن حبان وصححوہ عن ابی ھریرۃ بلفظ افترقت الیھود علی احدی أو اثنتین وسبعین فرقۃ والنصارٰی کذالک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی.

۴۴۶۔ حدیث (یہود اکہتّر فرقوں میں بٹے جنہیں ایک جنت میں جائے گا اور ستر دوزخ میں، اور نصاریٰ بہتّر فرقوں میں جن میں اکہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں، اور قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے میری امت ضرور تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جن میں ایک فرقہ جنت میں ہوگا اور بہتّر دوزخ میں) اس حدیث کو محدث ابن ابی الدنیا نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم، اور ابن حبان نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں اس کو روایت کیا ہے کہ (یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹے اور اسی طرح نصاریٰ بھی اور میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی جو بجز ایک فرقہ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے اس پر صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) نے عرض کیا وہ ناجی فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا جس پر میں ہوں اور

(ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰) میرے اصحاب) اس حدیث کو ترمذی، حاکم اور ابن حبان نے صحیح بتایا ہے۔"

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ۔

رواہ الترمذی و قال حسن صحیح و ابو داؤد والحاکم و ابن حبان و البیھقی وصححوہ (ج ۱ ص ۳۰۹) امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے اس کو "حسن صحیح" کہا ہے، امام ابو داؤد نے بھی اسکو روایت کیا ہے اور حاکم، ابن حبان اور بیہقی ان تینوں حضرات نے اسکو روایت کرکے اسکی تصحیح بھی کی ہے۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"مقاصد حسنہ میں ہے کہ یہ حدیث حضرات سعد[1] بن ابی وقاص، ابن[2] عمر، عوف[3] بن مالک، انس[4] جابر[5]، ابن[6] عمرو، ابن مسعود، علی، عمر[9]، معاویہ[10] اور ابو الدرداء[11] وغیرہم (گیارہ سے زیادہ صحابہ) سے مروی ہے۔ چنانچہ میں نے فرق اسلامیہ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں ان روایات کو بیان کیا ہے اور حافظ زیلعی نے (تفسیر کشاف کی) جو تخریج لکھی ہے اس میں سورۃ الانعام میں ان کو نقل کیا ہے۔" (ص ۳۱۰)

۳ (ج ۲ ص ۶) الرفیق قبل الطریق والجار قبل الدار۔ راہ سے پہلے رفیق سفر، اور گھر سے پہلے ہمسایہ۔

یہ عربی کی ضرب المثل ہے جو حدیث بناکر بیان کردی گئی ہے (۱۳۸۱ھ)" (ص ۱۵)

محدث عجلونی نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ "یہ عربی کی ضرب المثل ہے جو حدیث بناکر بیان کردی گئی ہے" یہ مقالہ نگار کی بنائی ہوئی بات ہے محدث عجلونی نے تو اس حدیث کی تخریج کرکے اور اس کے شواہد کو بیان کرکے اس کے بارے میں جو فیصلہ دیا وہ یہ ہے کہ۔

وکلھا ضعیفۃ ولکن بانضمامھا یقوی فیصیر حسنا لغیرہ۔ (ج ۱ ص ۱۷۹) اس کے شواہد جتنے طرق سے نقل کئے گئے ہیں وہ سب کے سب ضعیف ہیں تاہم ان سب کو ملانے سے حدیث قوی ہوکر "حسن لغیرہ" بن جاتی ہے۔"

حدیث "حسن لغیرہ" باتفاق محدثین مقبول و معتبر ہے، مقالہ نگار اپنی خام خیالی سے اسے بنائی ہوئی حدیث بتا رہے ہیں۔

۴۔ (د) (۱۴۱) السلطان ظل الله — بادشاہ اللہ کا سایہ ہے۔

یہ حدیث درباری خوشامدیوں نے بنا کر چلا دی ہے اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے (۶۴۵/۱۴۸۶) (ص۱۵)

یہ مقالہ نگار کا خیالِ باطل ہے۔ "کشف الخفا، و مزیل الالباس" میں دونوں نمبروں کے تحت جو مقالہ نگار نے درج کئے ہیں اس بارے میں ایک حرف منقول نہیں کہ "یہ حدیث درباری خوشامدیوں نے بنا کر چلا دی ہے"، چنانچہ نمبر ۶۴۵ کے تحت لکھا ہے کہ

"اس حدیث کو ابوالشیخ، دیلمی، بیہقی اور دوسرے حضرات نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس میں آتا ہے انما السلطان ظل الله فی الارض اور دیلمی اور ابو نعیم وغیرہ نے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس میں السلطان ظل الله کے لفظ ہیں .... مقاصد حسنہ میں ہے کہ یہ دونوں روایتیں جو حضرت انسؓ سے مروی ہیں ضعیف ہیں لیکن اس باب میں حضرت ابوبکر، عمر، ابن عمر، ابو بکرہ، اور ابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایتیں موجود ہیں جن کو میں نے ایک جزء میں جو "رفع الشکوک فی مفاخر الملوک" سے موسوم ہے واضح طور پر بیان کر دیا ہے" انتہیٰ اور عنقریب اس حدیث کے مزید طرق اور دوسرے الفاظ السلطان ظل الله کے زیر عنوان آرہے ہیں، اور سیوطی نے بھی اس حدیث کے متعلق ایک جزء تالیف کیا ہے۔ (ج ۱۔ ص ۲۱۳)

اور نمبر ۱۴۸۶ کے تحت فرماتے ہیں۔

"السلطان ظل الله ...... کو ابن النجار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے ...... اور یہ حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہوئی ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں السلطان العادل المتواضع ظل الله عادل اور متواضع بادشاہ اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے" (ج ۱۔ ص ۴۵۶)۔

غور فرمائیے مقالہ نگار کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث کے اثبات پر حافظ سخاوی اور

اور حافظ سیوطی جیسے حضرات نے رسالے لکھے ہیں یہ ان کو درباری خوشامدیوں کی بنائی ہوئی بات قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث اپنے تعدد طرق کی بنا پر حسن لغیرہ سے کم نہیں۔

۵ (۵)، (۱۹)، "اوّل ماخلق اللہ نور نبیك — اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔

محض بے اصل اور موضوع روایت ہے۔ کوئی سند اس کی صحیح نہیں بلکہ اس کے برخلاف بعض روایتیں نسبتاً قوی تر ہیں (۸۲۴ - ۸۲۷)" (ص ۱۶)۔

یہاں بھی مقالہ نگار نے اپنی عادت کے مطابق غلط حوالہ دیا ہے۔ محدث اسمٰعیل عجلونی نے اپنی کتاب میں دونوں نمبروں کے تحت کہیں نہیں لکھا کہ "یہ محض بے اصل اور موضوع روایت ہے کوئی سند اس کی صحیح نہیں" بلکہ اس حدیث کی تخریج ذکر کرکے کہ

رواہ عبد الرزاق بسندہ عن جابر بن عبد اللہ (ج ۱۔ ص ۲۶۶ نمبر ۸۲۷) — اس حدیث کو عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کے معنی پر تفصیلی کلام کیا ہے اور اس کے برخلاف جو روایتیں آئی ہیں ان میں اور اس میں تطبیق دی ہے، تفصیل کے لئے اہل علم اصل کتاب سے مراجعت فرمائیں، مقالہ نگار اس روایت کو بے اصل اور موضوع ثابت کرنے کے درپے ہے تو اہل فن کے اقوال سے اس کا ثبوت پیش کریں۔

۶ (و) (۲۰)، "الائمۃ من قریش۔ — امام قریش سے ہوں۔

بعضوں نے اسے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کا قول بنا کر پیش کیا ہے، اور بعضوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا ہے، اور دونوں باتیں غلط ہیں کوئی سند اس کی درست نہیں ہے (۸۵۰)" (ص ۱۶)۔

حد ہوگئی، مقالہ نگار کو غلط حوالہ دینے میں ذرا باک نہیں، اس حدیث کے متعلق مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک حرف بھی تو "کشف الخفا، ومزیل الالباس" میں مذکور نہیں اور ہمیں امید ہے کہ کسی محدث سے بھی اس حدیث کے بارے میں اس قسم یاوہ گوئی سرزد نہیں ہوئی ہوگی جس کا اظہار مقالہ نگار کے قلم سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ احادیث کو جھٹلانے سے محفوظ رکھے، اب سنئے محدث

عجلونی اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

"۸۵۰ ۔ الائمۃ من قریش، اخرجہ احمد والنسائی ۔ ایضا، عن انس ..... ورواہ الحاکم والبیہقی عن علی" (ج ۱ ۔ ص ۲۷۱) ۔

۸۵۰ ۔ حدیث (خلفاء قریش میں سے ہوں گے) اس حدیث کو امام احمد، امام نسائی، اور حافظ ضیاء مقدسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے ..... اور حاکم و بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۔

واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری بشرح صحیح البخاری" ، کتاب العلم ۔ باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حدیث کو احادیثِ متواترہ کی مثال میں پیش کیا ہے (ج ۱ ص ۱۸۱) اور اسی طرح امام سیوطی نے "الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ" میں اس حدیث کو احادیث متواترہ میں ذکر کیا ہے (ص ۲۸ ، طبع مطبع انوار دکن ۱۳۰۴ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے طرق پر ایک مستقل رسالہ قلم بند کیا ہے ، جس کا نام ہے "لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمۃ من قریش" خوارج کو البتہ اس حدیث کی صحت سے انکار ہے ، جس طرح وہ اور بھی متواتر حدیثوں کی صحت سے انکاری ہیں

۷ ۔ (ز) "۲۸" حسنات الابرار سیئات المقربین　　نیکوں کی نیکیاں مقربین کا گناہ ہیں ۔

یہ کوئی حدیث نہیں ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ ابو سعید الخراز المتوفی ۲۸۰ھ کا قول ہے ، اور وہ بھی ابن عساکر نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے ، ثبوت نہیں دیا ہے (ص ۱۱۳)"

یہ تو صحیح ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ "یہ شیخ ابو سعید خزاز کا بھی یہ قول نہیں اور ابن عساکر نے بلا وجہ ان کی طرف منسوب کر دیا ہے" اور پھر اس پر محدث عجلونی کی کتاب کا حوالہ دینا اور اس کا نمبر بھی لکھ دینا محض غلط ہے ، عجلونی کی تصریح تو یہ ہے کہ

ہو من کلام ابی سعید الخراز کما رواہ ابن عساکر فی ترجمتہ ۔

(ج ۱ ۔ ص ۳۵۷)

یہ حضرت ابو سعید خزاز کا کلام ہے چنانچہ حافظ ابن عساکر نے (اپنی تاریخ دمشق میں) ان کے تذکرہ میں اس کو روایت کیا ہے ۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لوگوں کے حالات بسند ہی لکھے ہیں ، اگر روایت میں کوئی راوی

غیر معتبر ہوتا تو اس کا ضرور کر دیا جاتا۔ ابن عساکر بڑے پائے کے محدث ہیں ان کے بارے میں اس قسم کی تہمت طرازی صحیح نہیں۔

۸ (ح) (۳۳) الدنیا جیفة وطلابها کلاب۔　　دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

یہ کوئی حدیث نہیں ہے، محض موضوع روایت ہے، حضرت علی کی طرف اس کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے۔ دیلمی صاحب مسند الفردوس اور اسی جیسے راوی نے یہ روایت چلا دی ہے (ص۱۳ ص ۱) صغانی نے بے شک اس حدیث کو موضوع کہا ہے لیکن ان کا شمار متشددین میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت ثابت ہے۔ محدث عجلونی فرماتے ہیں۔

وعند ابي نعيم عن يوسف بن اسباط قال قال علی ابن ابی طالب الدنیا جیفة فمن ارادها فلیصبر علی مخالطة الکلاب، واخرجه ابن ابی شیبة عنه مرفوعًا ...... وذکره السیوطی فی "الدرر" بلفظ "ان الدنیا جیفة والناس کلابها" رواه ابو الشیخ فی تفسیره عن علی موقوفًا۔

(ج ۱ ص ۴۰۹)

ابو نعیم کے یہاں یوسف بن اسباط سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "دنیا مردار ہے جو اس کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ کتوں کے ساتھ میل جول پر صبر کرے"۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے.... اور امام سیوطی نے "درر منتشرہ" میں اس کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ "دنیا مردار ہے اور لوگ اس کے کتے ہیں"۔ اور کہا ہے کہ حافظ ابو الشیخ نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا روایت کیا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ کا سن وفات ۲۳۵ھ ہے اور حافظ ابو نعیم اصفہانی کی وفات ۴۳۰ھ میں ہوئی ہے، اور حافظ ابو الشیخ نے ۳۶۹ھ میں انتقال کیا ہے جب کہ ابو منصور دیلمی صاحب

مسند الفردوس ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ ان کا سن وفات ۵۵۸ھ ہے مگر مقالہ نگار صاحب نے ایک تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف اس روایت کی نسبت صحیح ماننے سے انکار کیا اور پھر بلا وجہ محدث دیلمی کو اس روایت سے متہم کیا۔ اور اس پر غضب یہ کیا کہ اپنی غلط بات کو ثابت کرنے کے لیے عجلونی کی کتاب کا حوالہ بھی دیا، حالانکہ محدث عجلونی نے اس روایت کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

۹ (ط)" (۳۷) رأیت ربی فی صورۃ شاب امرد۔ میں نے اپنے رب کو بے ریش و بروت ایک نوجوان کی صورت میں دیکھا۔

یہ اور جتنی روایتوں میں اللہ کو دیکھنے کا ذکر ہے بلا استثنا۔ سب کی سب جعلی ہیں (۹، ۱۴۷)" (ص ۱۸)

یہ روایت تو بلاشک موضوع ہے لیکن مقالہ نگار نے جس عموم کے ساتھ یہ حکم لگایا ہے کہ۔

"اور جتنی روایتوں میں اللہ کو دیکھنے کا ذکر ہے بلا استثنا۔ سب کی سب جعلی ہیں"۔ یہ محض ان کی زیادتی ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ عجلونی کا حوالہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ منجملہ ان صحیح روایات کے جن میں حق تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر ہے ایک روایت تو وہ ہے جو مشکوٰۃ میں آتی ہے کہ رأیت ربی فی احسن صورۃ الحدیث (ص ۶۹) "میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا"۔

یہ روایت نہایت تفصیل کے ساتھ حضرات عبد الرحمٰن بن عائش، عبد اللہ بن عباس، اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ ہاں یہ رؤیت خواب میں بھی ہو سکتی ہے اور بیداری میں بھی۔ بیداری میں ہوئی تو یہ معراج کا واقعہ ہے، معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار باری سے مشرف ہونا ثابت ہے، یہ الگ بحث ہے کہ یہ رؤیت بچشم سر ہوئی تھی یا بچشم قلب۔ اور عالم آخرت میں تو ہر مومن کو اس کی حیثیت کے مطابق حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، البتہ رؤیت الٰہی کے منکر اس انعام سے محروم ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

۱۰ (ی)" (۳۸) السلامۃ فی العزلۃ سلامتی تنہا نشینی میں ہے۔

یہ کوئی حدیث نہیں ہے، کسی گمراہ اور جاہل صوفی کا قول ہے۔ (۶، ۱۴۸)"۔ (ص ۱۸، ۱۹)

یہ تو صحیح ہے کہ یہ لفظ حدیث کے نہیں ہیں مگر مقالہ نگار نے اس روایت پر جو اظہار خیال ہے وہ

گمراہی اور جہالت کا آئینہ دار ہے اور اس پر محدث عجلونی کی کتاب کا حوالہ دینا صریح غلط بیانی ہے۔

علامہ عجلونی فرماتے ہیں۔

ومعناه صحیح ثبت فی عدة احادیث (ج۱، ص۴۵۵) اس کے معنی صحیح ہیں جو متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔

چنانچہ محدث عجلونی نے اس کے ہم معنی حدیث بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد کتابوں کے حوالہ سے نقل بھی کی ہے، اور امام خطابی نے تو عزلت کے اختیار کرنے پر ایک مستقل رسالہ بھی تالیف کیا ہے۔

۱۱ "رک، (۳۹) سور المؤمن شفاء　　مومن کا جھوٹا شفا ہے۔

یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور نہ کسی صحابی تک سے اس قول کی نسبت صحیح ہے۔ (۱۰۰ احادیث، ص۱۹)

یہ ٹھیک ہے کہ حدیث ان الفاظ میں مروی نہیں، لیکن دوسری روایات سے اس کے معنی کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ محدث عجلونی لکھتے ہیں۔

واما ما یدور علی الالسنة من قولھم "سور المؤمن شفاء" فیصدقه ما رواه الدارقطنی فی "الافراد" عن ابن عباس رفعه "من التواضع ان یشرب الرجل من سؤر اخیه" (ج۱، ص۴۳۶)۔

اور لوگوں کی زبانوں پر جو یہ الفاظ چڑھے ہوئے ہیں کہ "مسلمان کا جھوٹا شفاء ہے" تو اس کی تصدیق دارقطنی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "الافراد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ۔ "کسی شخص کا اپنے بھائی کا جھوٹا پینا تواضع میں داخل ہے"

اور صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ "جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا کسی پھوڑے پھنسی یا زخم میں مبتلا ہوتا ہے تو آپ اپنی انگشت شہادت زمین پر رکھ کر اٹھاتے اور یوں دعا فرماتے۔

بسم اللہ تربة ارضنا بریقة بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا (ج۱، ص۴۳۶)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی بعض کے لعاب دہن سے مل کر اللہ کے حکم سے ہمارے

بیمار کو شفا دیتی ہے "

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لعاب دہن میں شفا ہے۔

(ل) " (۱۴) سلمان منا اھل البیت ۔ سلمان ہمارے گھر والے ہیں۔

طبرانی اور حاکم جیسے غلط اور صحیح میں تمیز سے محروم حضرات نے اسے روایت تو کیا ہے لیکن اسناد صحیح نہیں بلکہ بہت ہی ضعیف ہیں (۱۵۰۵)۔"

مقالہ نگار کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ باب مناقب میں ضعیف روایات مقبول ہیں، پھر اگر طبرانی اور حاکم نے اس حدیث کو اپنی سند سے روایت کر دیا تو کیا برا کیا جو مقالہ نگار چراغ پا ہو گئے۔ پھر ضعیف کو "بہت ہی ضعیف" کہہ دینا یہ مقالہ نگار کی اپنی اپچ ہے۔ واقعہ میں ایسا نہیں، اور یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ "امام طبرانی غلط اور صحیح میں تمیز سے محروم ہیں" آخر مقالہ نگار سب کو اپنی طرح ہی کیوں سمجھتے ہیں؟ مدیر "فاران" نے مقالہ نگار کی اس خیرہ چشمی پر جو گرفت کی ہے وہ بالکل بجا ہے کہ

" صحابہ کے فضائل میں جن ضعیف روایتوں کو قبول کیا جا سکتا ہے ان میں یہ روایت بھی شامل ہے۔ ضعیف، جعلی اور مصنوعی روایت کو نہیں کہتے " (ص ۱۹)۔ (جاری ہے)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

مُعتبر روایات کا اِنکار

(قسط ۲)

۱۳ (م) " (۱۴) سید العرب علی ـــــ علی رض عرب کے سردار ہیں

یہ روایت ثابت نہیں - (۱۳ ۱۵)" (ص ۱۹) -

کیوں ثابت نہیں جبکہ محدث عجلونی نے حدیث کی متعدد کتابوں سے اس کی تخریج نقل کی ہے اور اس کے شواہد کو بھی بیان کیا ہے، اور حاکم نے اس کو روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح وله شواهد كلها ضعيفة (یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد شواہد ہیں جو سب کے سب ضعیف ہیں)، اگرچہ ذہبی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، مگر شواہد کی موجودگی میں اس پر وضع کا حکم لگانا درست نہیں۔ اسی لئے بعد کے آنے والے محدثین نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور محدث عجلونی بھی انہیں میں سے ہیں۔ چنانچہ محدث ابن عساکر کے حوالہ سے "قیس بن ابی حازم" کی اس روایت کو نقل کر کے جس کے یہ الفاظ ہیں۔

"میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور (اے عائشہ) تمہارے باپ عرب کے معمر لوگوں کے سردار ہیں اور علی جوانانِ عرب کے سردار ہیں"

فرماتے ہیں کہ۔

وبهذا يعلم ان سيادته بالنسبة الى الشباب لا مطلقاً (ج ۱ - ص ۴۶۲)	اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیادت علی الاطلاق نہیں بلکہ جوانانِ عرب کے اعتبار سے ہے۔

۱۴۔ "(۴۴) العلم علمان علم الادیان و علم الابدان۔ علم دو ہوتے ہیں، ادیان کا علم اور ابدان کا علم۔

اس فقرہ کو حدیث کی طرح دوافروش لکھا کرتے ہیں، لیکن حقیقتاً یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ امام سیوطی کا بیان ہے کہ یہ حضرت امام شافعی کا قول ہے اور سیوطی کے پاس اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (۱۷۶۵)" (ص ۱۹)۔

مقالہ نگار جو اپنی کم علمی کی بنا پر صحیح احادیث کے ثبوت سے بھی منکر ہیں۔ اگر امام سیوطیؒ کے بارے میں اس قسم کا اظہار خیال کریں تو کیا تعجب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "توالی التاسیس بذکر معالی ابن ادریس" (ص ۳، طبع بولاق مصر ۱۳۰۱ھ) میں امام شافعی کے اس قول کو بسندِ متصل ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

العلم علمان علم الادیان، الفقہ، و علم الابدان الطب۔ علم دو ہیں ایک علم ادیان یعنی علم فقہ اور دوسرا علم ابدان یعنی علم طب)۔

مقالہ نگار چونکہ اپنے اسی خیال باطل کے اسیر ہیں "۲۵۰ھ تک" لفظِ علم سے صرف علم حدیث ہی کو تعبیر کیا جاتا تھا۔" (ص ۱)۔ اس لئے ان کو سیوطی کے بیان پر یقین نہ آیا۔ افسوس ہے کہ مقالہ نگار ہر غلط بات جو اپنی طرف سے کہتے ہیں اس پر عجلونی کی کتاب کے نمبر ڈالتے جاتے ہیں حالانکہ وہ اس غلط گوئی سے بالکل ہی بری ہیں۔ چنانچہ "سور المؤمنین شفاء" سے لے کر یہاں تک جو غلط باتیں کہی ہیں ان سب کے بارے میں یہی کارگزاری کی ہے، ناظرین باخبر رہیں۔

۱۵ (ص)" (۴۶) الفقر فخری۔ فقر میرا فخر ہے۔

بالکل بے اصل باطل اور موضوع ہے۔ اسی طرح فقراء اور فقیروں کی تعریف میں جتنی روائتیں صوفیہ اور واعظین بیان کرتے ہیں سب کی سب مجروح اور ضعیف روائتیں ہیں۔ (۱۸۳۵)" (ص ۱۹)۔

یہ صحیح ہے کہ "الفقر فخری" حدیث نہیں لیکن یہ کہنا کہ۔

" فقراء اور فقیروں کی تعریف میں جتنی روائتیں صوفیہ اور واعظین بیان کرتے ہیں سب کی سب

مجروح اور ضعیف روایتیں ہیں۔"

اور پھر اس پر محدث عجلونی کا حوالہ دینا محض غلط ہے۔ محدث عجلونی نے تو اسی سلسلہ میں یہ حدیث خود نقل کردی ہے کہ:

والدیلمی کمحمد بن خفیف الشیرازی فی "شرف الفقراء" کلاھما عن معاذ بن جبل رفعہ تحفۃ المومن فی الدنیا الفقر" وسندہ لا باس بہ (ج ۲۔ ص ۸۰)۔

اور دیلمی نیز محمد بن خفیف شیرازی نے اپنی کتاب "شرف الفقراء" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "فقر دنیا میں مومن کا تحفہ ہے" اور اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

علامہ عجلونی کی کتاب میں اسی نمبر کے تحت یہ روایت موجود ہونے کے باوجود اس قسم کا اظہار خیال کس قدر نامناسب ہے۔

۱۶ (ع ج ۲ (۴۷) کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف:

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ جانا جاؤں۔

صوفیہ میں یہ روایت بطور قدسی بیان کی جاتی ہے لیکن اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے نہ صحیح نہ ضعیف نہ محدثین کے پاس اس کی کوئی سند ہے اور نہ صوفیہ کے پاس۔ یہ بالکل بے بنیاد سی بات ہے، جو چل پڑی ہے۔ (۲۰۱۶)" (ص ۲۰)۔

یہ صحیح ہے کہ اس روایت کی کوئی سند نہیں، لیکن یہ صحیح نہیں کہ "یہ بالکل بے بنیاد سی ایک بات ہے جو چل پڑی ہے" اور پھر اس پر عجلونی کا حوالہ دینا بالکل غلط ہے۔ علامہ عجلونی تو خود فرماتے ہیں کہ

وقال القاری لکن معناہ صحیح مستفاد من قولہ تعالیٰ (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) ای لیعرفونی کما فسرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (ج ۲۔ ص ۱۳۲)

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ لیکن اس کے معنی صحیح ہیں اور آیہ کریمہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سے مستفاد ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لیعبدون کی تفسیر لیعرفونی ہی کی ہے یعنی میں نے جن والنس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔"

۱۷ (ف)۔ "(۴۸) کنت نبیا و آدم بین الماء والطین ۔ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے مابین تھے۔

یہ روایت مختلف الفاظ میں بیان کی جاتی ہے مگر سب غیر مستند ہیں ایسی کسی روایت کا مرفوع اور صحیح الاسناد روایتوں میں کوئی پتہ نشان نہیں (۲۰۱۷)" (ص ۲۰)۔

اس لغو بیانی پر وہی عجلونی کی کتاب کا نمبر درج کر دیا ہے جیسے واقعی عجلونی نے یہی کہا ہو حالانکہ اسی نمبر کے تحت محدث مذکور نے صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ

تقدم قریبا انه لم یوجد بهذا اللفظ لکن قال العلقمی فی "شرح جامع الصغیر" حدیث صحیح ۔ (ج ۲ : ص ۱۳۲)۔ قریب ہی گزر چکا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ یہ روایت موجود نہیں، لیکن علقمی نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

جن الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے وہ یہ ہیں ۔

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد ۔ میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی ابھی ان کے جسد خاکی میں روح نہیں ڈالی گئی تھی)"۔

اس روایت کی حاکم نے تصحیح کی ہے، اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ صحیح ابن حبان اور صحیح حاکم میں یہی روایت ان الفاظ میں مروی ہے ۔

انی عند الله المکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته (ج ۲ ص ۱۲۹)۔ مجھے اس وقت اللہ تعالیٰ کے یہاں خاتم النبیین لکھ دیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں پڑے ہوئے تھے ۔

امام احمد، دارمی، اور ابو نعیم نے بھی اس روایت کو ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے ۔

۱۸ (ص)۔ "(۵۰) لولم ابعث لبعثت یا عمر ۔ اے عمر میں نبی نہ ہوتا تو تم نبی ہوتے ۔
مناقب میں وضع کی ہوئی روایتوں میں سے ایک روایت ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے ۔ (۲۱۲۰)" (ص ۲۰)

حسب سابق عجلونی کا حوالہ غلط ہے، صغانی نے بے شک روایت کو موضوع کہا ہے۔

لیکن عجلونی یہ کہتے ہیں کہ

ویشھد لہ ما رواہ احمد والترمذی والحاکم عن عقبہ بن عامر بلفظ رلوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔ (ج ۲- ص ۱۵۴)

اس روایت کی شاہد وہ حدیث ہے جس کو امام احمد، ترمذی، اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور جس کے لفظ یہ ہیں کہ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔

اس حدیث کی سند بھی اگرچہ ضعیف ہے لیکن باب مناقب میں ضعیف روایت مقبول ہے ضعیف اور موضوع میں فرق نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کمزور آدمی اور مردہ آدمی میں فرق نہ کرنا۔

۱۹ (ق)-"(۵۳) ما رآہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن۔

جو مسلمانوں کی رائے میں بہتر ہے اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

اس قول کو یا اس کے ہم معنیٰ کسی قول کی نسبت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہے بلکہ بسندِ ضعیف یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے (۲۱۴"ص ۲)

مقالہ نگار ہر غلط بات بیچارے عجلونی کے سر تھوپ دیتے ہیں، چنانچہ محدث عجلونی نے تو اس روایت کے بارے میں تصریح کی ہے "ھو موقوف حسن" کہ یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور اس کی سند حسن ہے، اس روایت کی تخریج امام احمد، بزار طیالسی، طبرانی، ابونعیم اور بیہقی نے کی ہے۔ مگر مقالہ نگار صاحب حسن کے معنی بسند ضعیف فرماتے ہیں، یہ بھی واضح رہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی نے اپنی موطا میں اس حدیث کو مرفوعًا ہی ذکر کیا ہے مگر یہ یاد رہے کہ "المسلمون" میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد مجتہدین امت محمدیہ ہیں

۲۰ (ر)-"(۵۴) ما فضلکم ابوبکر بفضل صوم ولا صلاۃ ولکن بشئی وقر فی قلبہ۔

ابوبکر کو تم پر فضیلت روزہ، نماز کی وجہ سے نہیں حاصل بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں جاگزیں ہے۔

یہ قول رسول اللہ کا نہیں ہے بلکہ بکر بن عبد اللہ المزنی کا قول ہے۔ "احیاء العلوم" میں امام غزالی نے غلطی سے اسے حدیث رسول اللہ سمجھ لیا ہے۔ (۲۲۲۸)"۔ (ص ۲۰)۔

امام غزالی نے تو اسے غلطی سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سمجھا بلکہ جیسا کہ محدث عجلونی نے لکھا ہے کہ حدیث کی متعدد کتابوں میں یہ مرفوعاً ہی منقول ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں۔

وهو عند الحكيم الترمذي وابي يعلى عن عائشة واحمد بن منيع عن ابي بكر كلاهما مرفوعًا (ج ۲. ص ۱۹۰)

یہ روایت حکیم ترمذی اور ابو یعلی کے یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور احمد بن منیع کے یہاں حضرت ابوبکر سے مروی ہے اور دونوں حضرات سے مرفوعاً روایت ہے۔

البتہ غلطی مقالہ نگار کی ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ امام غزالی کی غلطی نکالی اور پھر اس غلطی کو غلط طور پر عجلونی کی طرف منسوب کر دیا۔

۲۱ (ش، "(۶۱) من تشبه بقوم فهو منهم

جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔

یہ قول حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کی نسبت آپ کی طرف بسند صحیح ثابت نہیں ہوتی، اگر اصول روایت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اسے زیادہ سے زیادہ حضرت حسن کا قول سمجھا جا سکتا ہے (۲۴۳۶)" (ص ۲۱)

وہی غلط بیانی اور محدث عجلونی کے سر جھوٹی تہمت کہ انہوں نے ایسا کہا ہے حالانکہ یہ حدیث کسی نے نہیں بنائی ہے بلکہ امام احمد نے اپنی مسند میں، اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں، اور طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور "محدث عجلونی" نے اپنی کتاب میں، حافظ عراقی کی اس حدیث کے بارے میں یہ تصریح بھی نقل کر دی ہے کہ سندہ صحیح (اس کی سند صحیح ہے)، نیز اس کے شواہد بھی حدیث کی متعدد کتابوں سے نقل کر دیئے ہیں، اگر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ شواہد کی موجودگی سے وہ حسن یا صحیح لغیرہ بن جاتی ہے جو باتفاق محدثین مقبول ہے۔

۲۲ (ت) (۶۳) من حج ولم یزرنی فقد جفانی ۔　　جس نے حج کیا اور میری ملاقات کو نہ آیا اس نے مجھ پر ظلم کیا ۔

عام طور سے تو اس روایت کو موضوع (جعلی اور بناوٹی) قرار دیا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس کے لئے نقلی سند مہیا کی ہے وہ بھی صرف ایک انتہائی ضعیف روایت کے سوا کچھ مہیا نہ کر سکے، بعض کہتے ہیں کہ الفاظ زیارت قبر پر دلالت نہیں کرتے اس لئے کہ اس میں "لم یزر قبری" نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ہی جعلی ہے اس لئے اس کو حیات ظاہری یا حیات برزخی کسی سے متعلق کرنے کی ہر کوشش بے کار ہے (۲۴۶۰ - ۲۴۸۹ - ۲۶۱۶)" - (ص ۲۱)۔

مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے محدث عجلونی اس کے برخلاف یہ فرماتے ہیں ۔

قال الصغانی کابن الجوزی موضوع لکن ذکرہ بلفظ (من حج البیت) الحدیث، لکن قال الحافظ ابن الحجر فی "تخریج احادیث مسند الفردوس"، اسنادہ عن ابن عمر وھو عند ابن عدی وابن حبان فی الضعفاء وفی "غرائب مالک" للدارقطنی وفی "الرواۃ عن مالک" للخطیب انتھی۔ ومع ھذا فلا ینبغی الحکم علیہ بالوضع فتدبر۔

(ج ۲ - ص ۲۴۵)

ابن جوزی کی طرح صغانی نے بھی اس کو موضوع کہہ دیا ہے ۔ لیکن صغانی نے حدیث جو حدیث ذکر کی ہے اس میں "من حج البیت (الحدیث)" کے لفظ ہیں ۔ مگر حافظ ابن حجر نے "تخریج احادیث مسند الفردوس" میں کہا ہے کہ دیلمی نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسندًا روایت کیا ہے ۔ اور یہ روایت ابن عدی کے یہاں، اور ابن حبان کی "الضعفاء" میں اور دارقطنی کی غرائب مالک، اور خطیب کی "الرواۃ عن مالک" میں مروی ہے، اور اس صورت میں اس پر موضوع ہونے کا حکم لگانا مناسب نہیں، خوب غور کر لو ۔

عجلونی کی یہ تصریح حدیث نمبر ۲۴۶۰ کے تحت ہے، اور حدیث نمبر ۲۴۸۹ کے تحت

جس کے یہ الفاظ ہیں من زار قبری وجبت له شفاعتی (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی)، یہ لکھتے ہیں

رواه ابو الشيخ وابن ابي الدنيا وغيرهما عن ابن عمر وهو في صحيح ابن خزيمه واشار الى تضعيفه وعند ابي الشيخ والطبراني وابن عدي والدارقطني والبيهقي ولفظهم كان كمن زارني في حياتي وضعفه البيهقي، وقال الذهبي طرقه كلها لينة لكن يتقوى بعضها ببعض لان ما في رواتها متهم بالكذب قال ومن اجودها اسناد حديث حاطب الذي اخرجه ابن عساكر وغيره من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي وللطيالسي عن عمر مرفوعًا من زار قبري كنت له شفيعًا او شهيدًا وللسبكي شفاء السقام في زيارة خير الانام وذكر فيه احاديث كثيرة في هذا المعنى وكذا ذكر ابن حجر المكي في كتابه الجوهر المنظم احاديث من النمط (ج ۲ ص ۲۵۱)۔

اس حدیث کو ابو الشیخ اور ابن ابی الدنیا وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے انہوں نے اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے نیز ابو الشیخ، طبرانی، ابن عدی، دارقطنی، اور بیہقی کے یہاں ان لفظوں میں ہے کہ "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور بیہقی نے اس کی بھی تضعیف کی ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ان حدیثوں کے طریقے سب کے سب نرم ہیں لیکن ان سب کو باہم ملانے سے ان کی تقویت ہو جاتی ہے کیونکہ ان طریقوں کے راویوں میں کوئی ایسا شخص نہیں جو کذب سے متہم ہو۔ ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ ان طریقوں میں سب سے اچھا طریقہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ہے جس کی تخریج ابن عساکر وغیرہ نے کی ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی ہی میں میری زیارت کی۔ اور طیالسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ

جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت
کروں گا اور اس کے حق میں شہادت دوں گا
"سبکی نے اس موضوع پر "شفاء السقام فی
زیارۃ خیر الانام" لکھی ہے جس میں اس مضمون
کی بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں اور اسی طرح ابن
حجر مکی نے الجوہر المنظم میں اس قسم کی بہت سی
احادیث کا ذکر کیا ہے۔

مگر مقالہ نگار کی سمجھ میں اتنا کچھ پڑھ لینے کے بعد بھی وہی آیا جو ان کے قلم سے نکلا۔

۲۳ "ث" (۱) الوضوء علی الوضوء نور علی نور وضو پہ وضو نور پر نور ہے"

اور اسی طرح۔

من توضأ علی طهر کتب الله — جس نے وضو پر وضو کیا اللہ تعالے
له به عشر حسنات۔ — اس کے نام پر دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

یہ دونوں روایتیں بہت ہی ضعیف اور غیر معتبر روایتیں ہیں (۹۸ "۲۸" ص ۲۲)

بالکل غلط ضعیف تو ہیں مگر ایسی ضعیف نہیں کہ باب مناقب میں ان اعتبار نہ ہو، مقالہ نگار آشنا، فن نہیں اس لئے ضعیف ضعیف میں فرق کرنا ان کے بس سے باہر ہے جو ضعف کذب راوی یا اتہام کذب کی بنا پر ہو وہ روایت کو غیر معتبر بناتا ہے اور جو سوء حفظ یا کسی اور وجہ سے ہو اس سے روایت پایہ اعتبار سے بالکل ساقط نہیں ہوتی بلکہ اگر دو ضعیف راوی ایک روایت کے بیان کرنے پر متفق ہوں تو وہ حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ اب دوسری روایت کی کیفیت تو یہ ہے کہ وہ "صحاح ستہ" کی تین کتابوں سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں موجود ہے۔ البتہ ترمذی نے اس کی اسناد کو ضعیف بتایا ہے (ملاحظہ ہو "کشف الخفاء ومزیل الالباس" از علامہ عجلونی، ج ۲ ص ۲۴۳) اور پہلی روایت حسب تصریح عجلونی مسند رزین میں موجود ہے اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس کو بھی ضعیف کہا ہے (ج ۲ ص ۳۳۶) اور اس کا تو شکوہ ہی کیا کہ

مقالہ نگار عجلونی کا غلط حوالہ دینے کے عادی ہیں۔

۲۴ (خ) "(د ۷۳) ولد الزنا لا یدخل الجنۃ ٭ زنا سے پیدا ہونے والا لڑکا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

یہ اور اس کے قریب المعنی روائتیں سب موضوعات، باطل، اور جھوٹ ہیں (۲۹۱۸) (ص ۲۲)

محض غلط اور اس پر محدث عجلونی کا حوالہ دینا مزید غلط، صحیح نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت موجود ہے کہ۔

لا یدخل ولد زنیۃ الجنۃ۔ ولد الزنا جنت میں نہیں جائے گا۔

اسی لئے محدث عجلونی نے لکھا ہے کہ

وزعم ابن طاھر وابن الجوزی بان الحدیث موضوع ولیس بجید (ج ۱ ص ۳۴) ابن طاہر اور ابن جوزی کا یہ زعم کہ یہ حدیث موضوع ہے درست نہیں ہے۔

نسائی کے علاوہ حدیث کی اور کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے، بلکہ حافظ سخاوی نے تو اس حدیث پر مستقل ایک رسالہ سپرد قلم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، بلکہ یہ اس صورت کے ساتھ مشروط ہے کہ جب ولد الزنا اپنے ماں باپ کی روش اختیار کرے۔ یا ولد الزنا سے مراد عادی زانی ہے جس طرح کہ مسلمانوں کو بنو الاسلام گواہوں کو بنو الصحف اور بہادروں کو بنو الحارث کہا جاتا ہے۔

۲۵ (ف) "(۷۹) یٰس لما قرأت لہ۔ سورہ یٰسین ہر اس مقصد کے لئے ہے جس کے لئے پڑھی جائے۔

یہ اور اسی قسم کی تمام روایتیں جن میں قرآنی سورتوں کی علیحدہ علیحدہ خاصیتیں بتائی گئی ہیں سب کی سب جعلی یا بالکل ضعیف روایتیں ہیں نہ احادیث ہیں اور نہ ہی صحابہ کے آثار (۳۲۱۴) (ص ۲۳)۔

یہ بھی صحیح نہیں کہ "اس قسم کی تمام روایتیں جعلی یا بالکل ضعیف ہیں۔ اور نہ اس سلسلہ میں علامہ عجلونی کا حوالہ صحیح ہے۔ وہ تو محدث مناوی کے حوالہ سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ۔

تواترت الآثار بعموم فضائل یٰسین

سورۂ "یٰسین" کے فضائل عام ہونے کے بارے میں احادیث متواتر ہیں۔

(ج ۲ - ص ۳۸۹)

اور اس کے بعد قضاء حوائج کے سلسلہ میں سورہ یٰسین کی تلاوت کے متعلق بہت سی روایات دیلمی، دارمی، بیہقی اور ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے نقل کر دی ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ مقالہ نگار نے متن کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ ثابت نہیں ہیں۔

۲۶ (ص) "(۸۰) یأتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی أمر دنیاهم فلا تجالسوهم فلیس لله فیهم حاجة۔

ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں گے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس روایت کی سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں مستقبل کے فتنوں کے بارے میں لوگوں نے وعظاً اور خطابت کے دوران میں بیان کر دی ہیں۔ خصوصاً ابونعیم الاصفہانی نے کتاب الفتن میں، یہ روایتیں بے بنیاد ہیں۔

(۸۴۲ - ۳۲) " ص ۲۳ و ۲۴)۔

اس روایت کی سند کیوں قابل اعتماد نہیں ہے، علامہ عجلونی نے لکھا ہے کہ امام بیہقی نے اس کو حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ مرسل روایت باتفاق ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل مقبول ہیں۔ ترغیب و ترہیب کے باب میں تو ضعیف روایت بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ باقی جو ہرزہ سرائی ہے وہ محدث عجلونی کی کتاب میں کہاں ہے؟ مقالہ نگار اگر علامات قیامت سے منکر ہیں تو کیا ضروری ہے کہ عجلونی بھی اس غلطی کا ارتکاب کریں اور حافظ ابونعیم الاصفہانی نے کتاب الفتن تصنیف ہی کب کی ہے؟ جو مقالہ نگار صاحب ان کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں۔

۲۷ (ظ) "(۸۶)۔ لا یعذب الله قلباً وعی القرآن۔

اللہ تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہیں دیگا جس نے قرآن محفوظ کیا۔

دیلمی نے اس کو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جعلی سند سے روایت کیا ہے۔

(۲۲/۱۳۱)"۔ (ص ۲۴)۔

اس کو جعلی سند سے بتانا، اور پھر اس پر محدث عجلونی کا حوالہ پیش کرنا خود مقالہ نگار کا جعل ہے، مقالہ نگار کو چونکہ عربیت کا ذوق نہیں اس لئے حدیث شریف کو سمجھے ہی نہیں۔ وعی کے معنی زبانی رٹنے کے نہیں ہیں۔ جو اس کا ترجمہ "یاد کیا" سے کردیا۔ بلکہ اس کے معنی اسے اپنے دل میں بسانے اور اس کے حدود کی علمی اور عملی نگہداشت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار میں ہے

وح "لا یعذب اللہ قلبا وعی القرآن" ای عقلہ ایمانا بہ وعملا فاما من حفظ الفاظہ وضیع حدودہ فانہ غیر واع۔ (ج ۲۔ ص ۴۵۱، طبع نول کشور ۱۲۸۳ھ)

اور حدیث "اللہ تعالےٰ اس دل کو عذاب نہیں دے گا جس نے قرآن پاک کو اپنے اندر بسایا" کے معنی ہیں "ایمان اور عمل کے لئے اس کو خوب سمجھا"۔ اور جس شخص نے خالی الفاظ تو یاد کئے اور اس کے حدود کو ضائع کردیا وہ "واعی" نہیں ہے۔

۲۸ (غ) "(۸۹) لا تسبوا السلطان فانہ ظل اللہ فی الارض۔

سلطان کو برا نہ کہو کیوں کہ وہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

دیلمی نے محض بناوٹی سند سے اس روایت کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی طرف منسوب کردیا ہے، بے اصل اور خوشامدیوں کی بنائی ہوئی موضوع حدیث ہے

(۳۰۵۹)۔

اس حدیث کو "بناوٹی سند" سے بتانا اور "خوشامدیوں کی بنائی ہوئی حدیث" کہنا خود مقالہ نگار کی بناوٹی بات ہے، ناظرین کو اس لغو بیانی پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں، اور عجلونی کا غلط حوالہ دینا تو مقالہ نگار کی عادت ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث (د) کے تحت گزر چکی ہے ملاحظہ کرلی جائے۔

۲۹ (کط) "(۹۴) من عرف نفسہ فقد

جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے

عرف ربہ ۔　　　　　　　　　　　　اپنے رب کو پہچان لیا ۔

یہ کوئی حدیث نہیں ہے صوفیہ کا چلتا ہوا ایک فقرہ ہے (۲۲ ۲۵ ")(ص ۲۵) ۔

صوفیہ کی تصانیف میں یہ روایت بحیثیت ایک فقرہ کے استعمال نہیں ہوتی وہ اس کو حدیث ہی کی حیثیت سے بیان کرتے ہیں ۔ لہٰذا عجلونی کا حوالہ دینا اس بارے میں صحیح نہیں ہے بخود شیخ اکبر حضرت محی الدین بن عربی قدس سرہ کی تصانیف میں روایت کا ذکر اسی حیثیت سے آتا ہے ۔ علامہ حجازی شارح جامع صغیر سیوطی نے تصریح کی ہے کہ ۔

ان الشیخ محی الدین بن عربی معدود من الحفاظ ۔　　　　شیخ محی الدین بن عربی کا شمار حفاظ حدیث میں ہے ۔

مگر شیخ اکبر نے اس حدیث کے بارے میں صاف صاف فرما دیا ہے کہ

ھذا الحدیث وان لم یصح من طریق الروایۃ ، فقد صح عندنا من طریق الکشف ۔ (ج ۲ ۔ ص ۲۶۲)　　　　یہ حدیث اگرچہ بطریق روایت صحیح نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بطریق کشف صحیح ہے ۔

اب جو حضرات تصوف اور علم مکاشفہ کے قائل نہیں وہ اگر بطریق روایت اس کی صحت سے انکار کریں تو ان پر کوئی قدغن نہیں ہے ۔ امام شعرانی نے المیزان الکبری میں حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند میں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے) کے بارے میں بھی یہی اظہار خیال فرمایا ہے کہ

وھذا الحدیث وان کان فیہ مقال عند المحدثین فھو صحیح عند اھل الکشف (ملاحظہ ہو میزان امام شعرانی ج ۱ ۔ ص ۲۸ ۔ طبع مصر ۱۳۴۴ھ)　　　　اس حدیث کی صحت کے بارے میں اگرچہ محدثین کے نزدیک کلام ہے لیکن وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے ۔

۳۰ (ک، "۹۹) لدوا للموت وابنوا للخراب ۔　　　　پیدا ہو موت کے لئے اور تعمیر کرو ویران ہونے کے لئے ۔

لوگوں نے اس جملہ کو طرح طرح سے حدیث بنا کر بیان کیا ہے لیکن اس کی ہر سند جعلی ہے، اس سلسلہ میں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے لیکن وہ قصہ بھی جھوٹ ہے (۱۴۲۰)" (ص ۲۶)۔

علامہ عجلونی تو اس حدیث کے متعلق یہ لکھتے ہیں۔

رواہ البیهقی فی "الشعب" عن ابی هریرة والزبیر مرفوعاً ...... ورواہ احمد والنسائی فی الکبیر ..... وصححه ابن حبان: (ج ۲۔ ص ۱۴۰)

بیہقی نے اس حدیث کو "شعب الایمان" میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالے عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے ...... اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی سنن کبری میں ،...... اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

مگر مقالہ نگار صاحب جو کچھ فرما رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے اور اس پر جرأت کا یہ عالم ہے کہ اپنی غلط گوئی کے ثبوت میں عجلونی ہی کا حوالہ دیا ہے۔

۳۱ (الف) "(۱۰۱) آفة الدین ثلاثة فقیه فاجر وامام جائر ومجتهد جاهل۔

دین کے لئے آفتیں تین ہیں۔ بدکار فقیہ، ظالم حاکم، اور جاہل مجتہد۔

یہ روایت دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے اور نامعتبر سند دی ہے، دیلمی خود بھی قابل اعتماد نہیں ہے (۱۴۱)" (ص ۲۶)۔

محدث عجلونی نے تو اس کی سند بیان نہیں کی اور نہ اس حدیث کی صحت میں کچھ کلام کیا ہے مقالہ نگار کو اس حدیث کی سند پر کہاں سے اطلاع ہو گئی جو انہوں نے یہ حکم لگا دیا۔ رہی یہ بات کہ دیلمی خود بھی قابل اعتماد نہیں، اس کی بحث آگے آ رہی ہے۔

۳۲ (ب) "(۱۰۳) الاب احق بالطاعة والام احق بالبر۔

باپ اطاعت کا، اور ماں بھلائی کی زیادہ حق دار ہے۔

عبدالعزیز المنذری نے عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۲۱ ھ کے اس قول کو بھی حدیث کی طرح روایت کر دیا ہے (۲۹)" (ص ۲۶)۔

علامہ عجلونی نے اس روایت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بتمام وکمال ہدیہ ناظرین ہے۔

(۲۹)۔ الاب احق بالطاعۃ والام احق بالبر، قال النجم هو من کلام ابن المبارک کما اخرجه الاصبهانی فی "الترغیب" عن حبان بن موسیٰ قال سالت عبد اللہ بن المبارک عن الوالد والوالدۃ اذا امرا بشیء فذکرہ۔ (ج ۱۔ ص ۲۴)	۲۹ (باپ اطاعت کا زیادہ حق دار ہے اور ماں حسن سلوک کی، علامہ نجم الدین غزی فرماتے ہیں کہ یہ ابن المبارک کا قول ہے چنانچہ اصبہانی نے ترغیب میں، حبان بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا کہ اگر والد اور والدہ دونوں کسی بارے میں الگ الگ حکم دیں ؟ تو اس بارے میں حضرت ممدوح نے یہ جواب دیا۔

اس روایت کے بارے میں "کشف الخفا۔ ومزیل الالباس" میں اس سے زیادہ ایک حرف منقول نہیں۔ اب ذرا مقالہ نگار کی کارگزاری ملاحظہ فرمائیے جس سے ان علمی استعداد کا پتہ چلے گا۔

۱۔ یہاں کس لفظ سے معلوم ہوا کہ عبدالعزیز منذری نے ابن مبارک کے اس قول کو حدیث کی طرح روایت کر دیا ہے، مقالہ نگار کو عبارت فہمی کا جو سلیقہ قدرت نے عطا فرمایا ہے یہ اس کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

۲۔ مقالہ نگار نے "ترغیب وترہیب" کے مصنف حافظ الاصبہانی المتوفی ۵۳۵ ھ کو جن کا نام "قوام الدین ابوالقاسم اسمعیل بن محمد بن الفضل القرشی الطلحی" ہے، عبدالعزیز منذری سمجھا ہے اس نام کا کوئی شخص "ترغیب" کا مصنف نہیں ہے۔ یہ مقالہ نگار کی کتابیات اور مصنفین اسلام سے واقفیت کا حال ہے۔ حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری المتوفی ۶۵۶ ھ نے

بے شک اسی نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مکرر طبع ہو کر مصر و ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے لیکن وہ حافظ اصبہانی سے بہت بعد کے آدمی ہیں اور اصفہانی نہیں بلکہ شامی مصری ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن مبارک کا سن وفات مقالہ نگار نے ۱۲۱ھ لکھا ہے حالانکہ ان کی وفات ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے۔ یہ ہے "اسماء رجال" سے ان کی واقفیت کا حال، مگر اس پر طنطنہ یہ ہے کہ احادیث نبوی کے معتبر و نامعتبر ہونے پر قلم اٹھایا ہے۔ ع

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو۔

۳۳ (ج، "د۱۰۴) الابدال فی ھذہ الامة ثلٰثون مثل ابراھیم خلیل اللہ | اس امت میں تیس ابدال ہیں جو حضرت ابراہیم کے برابر ہیں۔

اس روایت کو مختلف الفاظ کے ساتھ ہمارے صوفیہ کرام اور ان کے ہمنواؤں نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے کسی کی سند قابل اعتبار نہیں ہے، اکثر میں تو مشہور کذاب "حسن بن ذکوان" موجود ہے، تحقیق و تلاش سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابدال کا پورا فسانہ ہی یہودیوں کی خفیہ تنظیم سے لوگوں نے لیا ہے اور یہودیوں نے جو خفیہ تنظیم سلیمیہ (شام) میں قائم کر لی تھی اسی کی نقل میں صوفیوں نے بھی سلیمیہ کے جیسے ابدال کا قصہ پیدا کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۳۵)" (ص ۲۶)۔

ہر جگہ مثل کا ترجمہ "برابر" نہیں ہوا کرتا، یہاں ترجمہ ہونا چاہئے تھا "حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ہیں"۔ یہ ساری یاوہ گوئی جو مقالہ نگار نے اس حدیث کے ضمن میں کی ہے اس کا ایک حرف بھی تو محدث عجلونی کی کتاب میں نہیں ہے۔ مگر مقالہ نگار صاحب کے نزدیک غلط بیانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ حدیث حسب تصریح علامہ عجلونی، مسند امام احمد میں حضرت عبادۃ ابن صامت رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

حسن علی رأی جماعة من الائمة، و قال الزرکشی ایضا ھو حسن۔ (ج ۱۔ ص ۲۵)۔ | ائمہ کی ایک جماعت کی رائے کے مطابق یہ حدیث حسن ہے۔ محدث زرکشی نے بھی اس کو حسن ہی کہا ہے۔

اس کے بعد نہایت تفصیل کے ساتھ ابدال کے وجود پر حدیث کی متعدد کتابوں سے وہ روایتیں نقل کی ہیں جو حضرت انس۔ حضرت ابن عمر۔ حضرت ابن مسعود۔ حضرت ابوسعید خدری۔ حضرت علی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روایت کے بارے میں جو امام احمد نے روایت کی ہے، تصریح کی ہے کہ۔

ورجاله من رواة الصحيح الا شريحا لكنه ثقة۔ (ج ۱ - ص ۲۷)

اور اس حدیث کے راوی سب صحیح کے راوی ہیں بجز شریح بن عبید کے، لیکن ثقہ وہ بھی ہیں۔

حسن بن ذکوان اکثر روایات میں نہیں، صرف حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ اس کو کسی نے کذاب نہیں کہا، ہاں متعدد حضرات نے اس کی تضعیف کی ہے مگر امام بخاری نے اس کی توثیق کی ہے۔ محدث عجلونی کے الفاظ ہیں ووثق البخاری الحسن المذکور (امام بخاری نے حسن مذکور کو ثقہ کہا ہے) اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی صحیح میں ان سے روایت بھی کی ہے۔ ارباب سنن میں سے امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ حافظ شمس الدین سخاوی، اور امام جلال الدین سیوطی، اور علامہ ابن عابدین شامی نے ابدال کے وجود اور ان کے ثبوت پر مستقل رسالے لکھے ہیں۔

حافظ سخاوی کے رسالہ کا نام ہے "نظم اللآل فی الکلام علی الابدال"۔ اور امام سیوطی کے رسالہ کا نام ہے "الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال"۔ یہ رسالہ "الحاوی للفتاوی" میں شامل ہے اور ۱۳۵۲ھ میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے۔ علامہ شامی کے رسالہ کا نام ہے "اجابۃ الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والابدال والاوتاد والغوث"۔ یہ رسالہ بھی "رسائل ابن عابدین" کے ساتھ مکرر طبع ہو چکا ہے۔

امام سیوطی ان احادیث کو جن میں ابدال کا ذکر آیا ہے متواتر مانتے ہیں۔ بہرحال اس بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں جن میں ایک روایت وہ ہے جس کو امام ابو داؤد نے "باب المہدی" میں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے اس روایت

کی اسناد صحیحین کی شرط پر ہے ۔ مقالہ نگار ابدال کے وجود کی روایات کو صرف صوفیہ اور ان کے ہمنواؤں کی سمجھ رہے ہیں ۔ اب وہ امام احمد بن حنبل ، اور امام ابو داؤد سجستانی کو صوفیہ میں شمار کرنے پر راضی ہیں یا نہیں ۔ حافظ سخاوی نے " المقاصد الحسنہ " میں لکھا ہے کہ ۔

ائمہ دین میں "حدیث ابدال" کی شہرت پر ہمارے امام شافعی کا بعض حضرات کے حق میں یہ فرمانا بھی دلالت کرتا ہے کہ " ہم انہیں ابدال میں شمار کیا کرتے تھے " اسی طرح ایک دوسرے صاحب کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے کہ " لوگ اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ وہ ابدال میں سے ہیں " ۔ امام شافعی اور امام بخاری کے علاوہ بہت سے ناقدین حفاظ حدیث اور ائمہ نے بہت سے حضرات کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ابدال میں سے تھے ۔

(ص ۹ ۔ طبع مصر ۱۳۷۳ھ)

مقالہ نگار کو یہودیوں کی جس تنظیم کا علم ہوا ہے اگر وہ ان ائمہ اسلام کو ہوا ہوتا تو وہ کیوں صوفیہ کرام اور ان کے ہمنواؤں کی روایات کا یقین کرتے ۔ پھر بقول مقالہ نگار (دروغ و صواب برگردن او) صوفیہ نے تو سلیمیہ کے چھ ابدال کا قصہ پیدا کیا مگر حدیثوں میں تو تیس چالیس کا ذکر آتا ہے لہٰذا اس کی توجیہ مقالہ نگار صاحب نے کیوں نہ فرمائی ۔ اور ہاں یہودی مستشرقین کا یہ بھی تو دعویٰ ہے کہ قرآن پاک میں جو خضر و موسیٰ علیہما السلام کا قصہ آیا ہے یہ بھی دساتیر یہود سے لیا ہوا ہے ۔ اب مقالہ نگار صاحب جو یہود کی تحقیقات کے اس قدر دلدادہ ہیں سورہ کہف میں مذکورہ اس واقعہ کو صوفیہ کی گھڑت سمجھتے ہیں یا کیا ؟ جس طرح مقالہ نگار کی طبع زاد تحقیق و تلاش میں ابدال کی احادیث صحیحہ کی حیثیت فسانہ سے زیادہ نہیں رہی کیا وہی صورت قصۂ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں نہیں بن سکتی ؟ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (قسط ۳)

مُعتبر روایات کا اِنکار

۳۴ دلد ۱۰۶ اتبعوا العلماء فانہم سرج الدنیا و مصابیح الآخرۃ — علماء کی اتباع کرو کیوں کہ یہ دنیا کے چراغ اور آخرت کی قندیلیں ہیں۔

یہ دیلمی کی ایک جعلی و ضعیف سند سے بیان کردہ روایت ہے جسے اس نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا ہے (۶۲)"۔ (ص ۲۷)۔

یہ تو ٹھیک ہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ لیکن جعلی اور ضعیف میں فرق نہ کرنا اہل علم کا کام نہیں۔ پھر جب دیلمی نے اس کی سند بیان کردی ہے تو یہ کہنا کہ "اس نے اسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا ہے" صحیح نہیں ہے۔

۳۵ دلہ ۱۰۹ اتخذوا عند الفقراء ایادی — فقیروں سے عطیے حاصل کرو۔

محض جعلی اور بناوٹی روایت ہے (۶۸)"۔ (ص ۲۷)۔

روایت جعلی اور بناوٹی سہی مگر اس کا ترجمہ یہ نہیں کہ "فقیروں سے عطیے حاصل کرو" بلکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "فقیروں کے پاس اپنے احسانات جمع کر رکھو" یعنی فقیروں پر خوب احسان کیا کرو، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو فان لہم دولۃ یوم القیامۃ (کیوں کہ قیامت میں ان کے پاس بڑی دولت ہوگی، اور اس لئے وہ سب کے احسانات کا بدلہ وہاں چکا دیں گے۔ "کشف الخفاء و مزیل الالباس" میں اگر اس روایت کی تفصیلی بحث پڑھ لی جاتی تو مطلب سمجھ میں آجاتا۔

۳۶ دلو ۱۱۶ استکثروا من الاخوان فان لکل مؤمن شفاعۃ یوم القیامۃ — بہت سے بھائی بناؤ کیوں کہ ہر مومن کو قیامت کے دن شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔

ابن النجار نے اپنی تاریخ میں حضرت انس کی طرف یہ روایت منسوب کر دی ہے نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ کوئی دوسرا اسے جانتا ہے۔ (۳۵۲)"۔ (ص ۲۸)۔

علامہ عجلونی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

رواہ ابن النجار فی تاریخہ عن انس (ج ۱۔ ص ۱۲۵)	اس روایت کو محدث ابن النجار نے اپنی تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

"رواہ" کا لفظ محدثین کی اصطلاح میں کسی روایت کے بسند بیان کرنے کے لئے آتا ہے بلا سند کسی کی طرف روایت کے منسوب کرنے کے لئے نہیں۔

۳۷ دلز، ۱۱۷) اقضاکم علی — تم میں سب سے اچھے قاضی علی ہیں۔

فضائل اور مناقب میں بنائی ہوئی روایتوں میں سے ایک روایت ہے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا قول ہے ابن الجوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور البزار نے بھی (۳۸۹)"

یہ کہنا کہ "فضائل و مناقب میں بنائی ہوئی روایتوں میں سے ایک روایت ہے"، یہ مقالہ نگار کی بنائی ہوئی بات ہے جو قابل التفات نہیں ہے۔ اور محدث عجلونی کے حوالہ سے ایسا کہنا محض غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ " ابن الجوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور البزار نے بھی" اور اس پر عجلونی کا حوالہ دینا غلط در غلط ہے۔ اللہ تعالےٰ غلط بیانی سے خصوصاً حدیث نبوی کے معاملہ میں ہر مسلمان کو بچائے، ابن الجوزی نے جس روایت کو موضوعات میں داخل کیا ہے اس میں "البصر ہم بالقضیہ کے الفاظ ہیں، ابن الجوزی کے تشدد سے اہل علم پوری طرح باخبر ہیں۔ چنانچہ محدث عجلونی نے حدیث کے متعدد طرق کی تخریج کر کے لکھ دیا ہے کہ "ھذہ الطرق یقوی بعضھا بعضاً (یہ سب طریقے ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں)۔

اس حدیث کو حسب تصریح محدث عجلونی، محی السنہ نے شرح السنہ اور مصابیح السنہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے، اور ملاّ نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اور عبد الرزاق نے بروایت قتادہ مرسلاً روایت کیا ہے

اور فوائد ابن ابی نجیح میں یہ روایت موصولاً مروی ہے۔ (ج ۱۔ ص ۱۶۲)۔

نیز ابو یعلی اور ابن عدی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے، اور طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے، اور عقیلی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے، اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ (ج ۱۔ ص ۱۰۸۔۱۰۹)

ان میں سے بعض روایات میں اقضاہم علی کے الفاظ آئے ہیں اور بعض میں اقضی امتی کے بھی۔

اور یہ خوب فرمایا کہ "زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمر کا قول ہے" کیا اس کے ماننے میں بھی مقالہ نگار کو شک ہے، بندۂ خدا یہ تو صحیح بخاری میں موجود ہے اور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ فرمانا مقالہ نگار کے نزدیک کچھ قابل اعتماد ہی نہیں؟ حالانکہ حافظ سخاوی نے تو یہ بھی فرمادیا ہے کہ

ومثل هذه الصیغة حکمها الرفع علی الصحیح (ج ۱۔ ص ۱۶۳)	صحابی کا اس طرح فرمانا صحیح مسلک کے مطابق حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔

۳۸ (ع) "(۱۲۰) انزل القرآن علی سبعة احرف | قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

اس روایت کو متعدد عبارتوں، متعدد اضافوں کے ساتھ مختلف شکلوں میں مسند امام احمد اور دوسری کتابوں میں پیش کیا گیا ہے، لیکن چونکہ اس کی کوئی سند صحیح اور علت سے بری نہیں ہے اس لئے صحیحین میں یہ روایت نہیں ملتی ہے اور اسے سند کے نقص کی وجہ سے، اور عبارت وسند دونوں میں اضطراب کی وجہ سے قابل اعتبار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (۶۳۰)" (ص ۲۹)۔

مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک حرف بھی محدث عجلونی کی کتاب میں اس نمبر کے تحت موجود نہیں، مقالہ نگار کو صحیحین میں اگر یہ روایت نہیں ملی ہے تو اب ہمارے کہنے سے پھر تلاش کرلیں، اور پھر بھی نہ ملے تو ہم سے دریافت کرلیں ہم ان شاء اللہ ان کو بقید باب وصفحہ نکال کر بھیج دیں گے۔ اور اس روایت کی عبارت وسند دونوں کی بابت اضطراب کا دعویٰ کرنا محض یاوہ گوئی ہے۔

یہ حدیث اخبار احاد میں سے نہیں کہ اس کی سند میں کلام کرنے سے اس کی صحت پر اثر پڑے بلکہ متواترات میں سے ہے جس کے نہ ماننے سے آدمی اسلام سے خارج ہو سکتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی "الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ" میں رقمطراز ہیں۔

حديث انزل القرآن على سبعة احرف ورد من حديث (۱) عمر۔ (۲) وعثمان۔ (۳) وابی بن کعب۔ (۴) وانس۔ (۵) وحذیفۃ بن الیمان۔ (۶) وزید بن ارقم۔ (۷) وسمرۃ بن جندب۔ (۸) و سلیمان بن صرد۔ (۹) وابن عباس۔ (۱۰) وابن مسعود۔ (۱۱) و عبد الرحمن بن عوف۔ (۱۲) وعمر بن ابی سلمۃ۔ (۱۳) وعمرو بن العاص۔ (۱۴) ومعاذ بن جبل۔ (۱۵) وهشام بن حكيم۔ (۱۶) وابی بکرۃ۔ (۱۷) وابی جهيم۔ (۱۸) وابی سعيد الخدری۔ (۱۹) وابی طلحة الانصاری۔ (۲۰) وابی هريرة۔ (۲۱) وام ايوب (ص ۲۱)

جو حدیث اکیس صحابہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہو اس کے انکار کی جرأت مقالہ نگار جیسے بر خود غلط النسان ہی کو ہو سکتی ہے خدا جانے مقالہ نگار قراءات سبعہ کو بھی صحیح مانتے ہیں یا ان کی صحت سے بھی انکاری ہیں۔

۳۹۔ (ط) "(۱۲) اجتنبوا مساجدکم صبیانکم" اپنے بچوں سے مسجدوں کو دور رکھو (یعنی بچوں کو مسجد میں نہ لاؤ)۔

اللہ جانے یہ کس کا قول ہے اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے سب کی سب جعلی ہے" (۱۰) (ص ۲۹)

اس حدیث کے بارے میں بھی حسب دستور محدث عجلونی کا اپنے مدعا کے اثبات میں حوالہ دینا جعلی ہے اور یہ محض غلط ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں۔ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مع سند مذکور ہے، البتہ اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن مقالہ نگار ضعیف اور جعلی میں مطلق فرق محسوس نہیں کرتے انکے نزدیک ایک ضعیف النسان اور مردہ انسان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور ابن ماجہ کی روایت کے تو شواہد بھی عجلونی نے نقل کر دیئے ہیں چنانچہ طبرانی نے معجم کبیر میں، عقیلی اور ابن عدی نے حضرت ابو امامہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہما سے، اور ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی مضمون کی روایتیں بسند ضعیف نقل کی ہیں۔ (ج ۱۔ ص ۳۳۴)۔

اور ترجمہ بھی مزیدار کیا "اپنے بچوں سے مسجدوں کو دور رکھو"۔ اس کے بجائے اگر یوں ترجمہ کر دیتے کہ "اپنے بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو"، تو کیا یہ ترجمہ زیادہ مناسب نہ تھا؟ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است۔

(ل) "صرف صلوٰۃ کسوف وخسوف میں متعدد رکوع کا ذکر ملتا ہے۔ اور وہ بھی جو بسندِ صحیح وغیر معلّل مروی نہیں ہے" (ص ۲۹)

جناب مقالہ نگار صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ روایتیں صحیحین میں مذکور ہیں، کیا ان کے نزدیک صحیحین میں بھی ایسی حدیثیں موجود ہیں جو بسندِ صحیح وغیر معلّل مروی نہیں ہیں۔ اگر ان کی یہ رائے ہے تو اس کا برملا اظہار فرمائیں اور مثالیں دے کر اپنے مُدّعا کو ثابت کریں۔

مقالہ نگار نے کُل ایک سو چوبیس روایات پر کلام کر کے ان کو غیر معتبر ٹھہرایا تھا۔ "مدیر فاران" نے ان میں سے آٹھ روایات کو بغیر وجہ بتائے کاپی لکھے جانے کے بعد حذف کر دیا۔ اس طرح کُل ۱۱۶ روایات رہ گئیں۔ اور ہم نے ان میں سے چالیس روایات پر تفصیلی گفتگو کر کے بتلا دیا کہ مقالہ نگار صاحب نے اس سلسلہ میں ظلمِ عظیم کیا ہے۔ بعض اور روایات پر بھی کلام کرنے کی گنجائش تھی لیکن ان کو اس لئے چھوڑ دیا کہ گو ان کو موضوع کہنا مشکل ہے مگر مجالِ سخن طرفین سے تنگ نہیں ہے۔

دو مقامات پر مقالہ نگار نے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ ہمیں نہ مل سکیں مقالہ نگار تصحیح نقل فرمائیں، یہ روایات حسب ذیل ہیں:

۱۔ رُؤیا المؤمن حق اس کے لئے عجلونی کی کتاب کا نمبر ۱۳۸۵ درج کیا گیا ہے۔ اس نمبر کے تحت یہ روایت مذکور نہیں ہے۔

۲۔ کل ما صبّ اللہ فی قلبی قد صببتہ فی قلب ابی بکر اس روایت کا نمبر مقالہ میں درج نہیں۔ حرف الکاف کے تحت ہمیں یہ روایت نہ ملی۔

ایک سو چوبیس روایات کو نا معتبر و نا مقبول قرار دینے کے بعد مقالہ نگار نے "بعض ضروری معلومات" کے زیرِ عنوان جو کچھ تحریر کیا ہے اب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اگرچہ اربابِ فن نے روایات کی بہت سی قسمیں بیان کی ہیں مثلاً صحیح لذاتہ، حسن لغیرہ، متواتر،

مشہور، مُعَلَّل وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب قسمیں روایت کی صورتِ بیان، تعارض اور معنیٔ متن ان کے اعتبار سے بتائی گئی ہیں۔" (ص ۳۰)

مقالہ نگار کو چونکہ "مصطلح حدیث" سے واقفیت نہیں، اس لئے وہ ان سب قسموں کو تعارض اور معنی متن کے اعتبار سے سمجھ رہے ہیں، حالانکہ شرح نخبہ پڑھنے والا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ متواتر، مشہور اور آحاد کی تقسیم تعدّدِ طرق کے اعتبار سے ہے۔ اور صحیح و حسن کی تقسیم راوی کے ضبط و اتقان کی کمی بیشی کے لحاظ سے۔ اور اسناد میں کسی وہم پر اطلاع ہو تو اس کو مُعَلَّل کہا جاتا ہے ان میں سے کسی قسم کا تعلق تعارض اور معنی متن کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ جس شخص کو اصول حدیث کی ابتدا کی بھی معلومات نہ ہوں وہ احادیثِ صحیحہ کو موضوع کہنے سے دریغ نہ کرے۔ ع این کار از تو آید مردان چنین کنند

اس کے بعد حدیث کی دو قسمیں قابلِ قبول اور ناقابلِ قبول قرار دے کر فرماتے ہیں:

"پہلی قسم کی روایتیں زیادہ تر ان مجموعہ ہائے حدیث میں ملتی ہیں یعنی زیادہ بلکہ غالب حصہ ان مجموعوں کا قابلِ قبول روایتوں پر مشتمل ہے:

(۱) الجامع الصحیح للامام البخاری (۲) الموطا للامام مالک (۳) الجامع الصحیح للامام مسلم (۴) جامع السُّنن للترمذی۔ ان کے علاوہ بھی بعض مجموعے ہیں جن میں زیادہ تر قابلِ قبول مل جاتی ہیں، لیکن ان کا درجہ ان چار کتابوں کے برابر نہیں ہے مثلاً سُنن دارمی، سُنن دارقطنی، سنن ابی داؤد، سُنن نسائی، سُنن ابن ماجۃ وغیرہ۔" (ص ۳۰)

مقالہ نگار صاحب کے نزدیک "ان چاروں کتابوں کا بھی صرف زیادہ بلکہ غالب حصہ ہی قابلِ قبول روایتوں پر مشتمل ہے" باقی کمتر حصہ ناقابلِ قبول روایات کا ہے۔ یہ نیا انکشاف ہے جو مقالہ نگار صاحب کو اس دورِ پُرفتن میں ہوا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحیحین تک ناقابلِ قبول روایات سے خالی نہیں ہاں ان کی تعداد ناقابلِ قبول روایات کے مقابلہ میں تھوڑی ہے۔ کاش مقالہ نگار صاحب "زیادہ تر" کے مقابلہ میں "کمتر" کی حیثیت بھی متعین فرما دیتے کہ وہ دس فیصدی ہیں، بیس فیصدی ہیں، چالیس فیصدی ہیں تو ان کی تحقیق اوجِ کمال پر پہنچ جاتی۔ پھر جامع ترمذی کو صحیحین کا ہم پلّہ قرار دینا، یہ بھی ایک نادر تحقیق ہے۔ جو مقالہ نگار ہی کا حصہ ہے۔ آج تک اہلِ فن اس حقیقت سے بے خبر ہی ہے۔ اسی طرح سُنن نسائی اور سنن ابی داؤد یہ

جامع ترمذی کو مقدم کرنا یہ بھی مقالہ نگار کا شاہکار ہے۔

"دوسری قسم کی روایتیں قابلِ قبول نہیں ہیں، ان میں سے اکثر حسبِ ذیل مجموعوں میں ملتی ہیں:۔

۱۔ مسند الفردوسی للدیلمی، خود دیلمی ناقابلِ اعتبار آدمی ہے اور اس کا مجموعہ اس سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتبار ہے۔

۲۔ حلیۃ الاولیاء اور کتاب الفتن لابی نعیم الاصفہانی۔ اس کا بھی مرتبہ دیلمی سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔

۳۔ المعجم للطبرانی۔ یہ تین ہیں، اور بغیر تنقیح اندراجات کی وجہ سے بہت سی بے اصل باتیں ان میں درج ہیں۔

۴۔ مصنّف عبد الرزّاق

۵۔ مصنّف ابن ابی شیبۃ

۶۔ المستدرک للحاکم

۷۔ الترغیب والترھیب، لعبد العظیم المنذری۔ اس کو خالص حدیث کا مجموعہ کہنا بھی شاید درست نہ ہو" (ص ۳۱)

اس میں شک نہیں کہ دیلمی کی کتاب الفردوس میں بعض موضوع احادیث موجود ہیں لیکن علماء نے ان موضوعات کو واضح کر دیا ہے۔ خود مصنّف کے صاحبزادہ محدّث ابو منصور شہر بن شیرویہ المتوفی ۵۵۸ھ ہجری نے اپنی والد کی کتاب کی ہر حدیث کی تخریج کر کے، اس کی سند بیان کر دی ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور اس کا نام ہے ابانۃ الشبہ فی معرفۃ کیفیۃ الوقوف علی ما فی کتاب الفردوس من علامۃ الحروف یہی کتاب ہے، جو مسند الفردوس، کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب دس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں اکثر تو وہی روایتیں ہیں جو صحاح میں مروی ہیں اور جو صحاح ستّہ سے زائد ہیں، ان کو اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو کہ انہوں نے ایک جلد میں الگ جمع کر دیا ہے۔ جس کا نام ہے تسدید القوس فی زوائد مسند الفردوس اس کتاب کے حوالے عجلونی کی کتاب میں بھی جا بجا آتے ہیں۔ اس کتاب سے فردوس الاخبار دیلمی میں جو صحاح ستّہ سے زائد روایات ہیں، ان کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ گفتگو تو دیلمی کی کتاب کے بارے میں تھی اور خود دیلمی کے بارے میں جو مقالہ نگار نے یہ لکھا ہے کہ "وہ ناقابل اعتبار آدمی

ہے" اور دوسری جگہ تصریح کی ہے کہ :-

"دیلمی خود ساقط الاعتبار شخص ہے، اس کے بیان کی کوئی قیمت نہیں" (ص ۲۳)

اور تیسری جگہ لکھا ہے کہ :-

"دیلمی خود بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے" (ص ۲۶)

واضح رہے کہ اربابِ جرح و تعدیل میں سے کسی شخص نے بھی محدث دیلمی کے بارے میں ایسا اظہارِ خیال نہیں کیا ہے۔ دیلمی کا شمار مشہور حفاظِ حدیث میں ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو، المحدث الحافظ مفید ھمدان، و مصنف تاریخھا و مصنف کتاب الفردوس۔ اور ان کے صاحبزادے کے بارے میں جو مسند الفردوس کے مرتب ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں

"در معرفت علم حدیث و فہم آن از پدر بہتر بود، چنانچہ سمعانی ہم در حق او بفہم و بمعرفت گواہی داد" (ص ۶۲، طبع محمدی لاہور)

امام ابونعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء کی ان احادیث کو بھی جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں حافظ نورالدین ہیثمی نے ایک ضخیم جلد میں علیحدہ جمع کر دیا ہے، جس سے ان احادیث کی صحت و ضعف کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور کتاب الفتن نامی کوئی کتاب حافظ ابونعیم اصفہانی نے لکھی ہی نہیں ہے۔ یہ مقالہ نگار کا نرا وہم ہے۔ اور ان کے بارے میں بھی یہ کہنا کہ :-

"اس کا مرتبہ بھی دیلمی سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے"

محض بے اصل ہے۔ اور دوسری جگہ یہ لکھنا کہ

"دیلمی اور ابونعیم الاصفہانی نے اس مہمل اور بے اصل بات کو بھی حدیث رسول اللہؐ بنا کر پیش کر دیا ہے" (ص ۲۹)

سخت تعجب انگیز ہے۔ ان دونوں حضرات کے بارے میں آج تک کسی محدث نے ضعیف ہونے کا شبہ بھی ظاہر نہیں کیا، کجا کہ ان کو وضاع اور حدیثِ رسول اللہ بنا کر پیش کرنے والا کہا جائے۔ اور حافظ ابونعیم اصفہانی کا شمار تو مشاہیر اولیاء اللہ میں ہے، چنانچہ عارف شعرانی نے لواقح الانوار فی طبقات الاخیار میں جو اولیاء اللہ کے حالات پر مشتمل ہے اور الطبقات الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے، ان کا ترجمہ لکھا ہے

ایسے بزرگوں کے بارے میں اس قسم کا اظہارِ خیال سخت بے ادبی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر محدثین کا یہ معمول رہا ہے کہ جب وہ کسی حدیث کی سند بیان کر دیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ... کی صحت کی ذمہ داری سے بری ہو گئے اور یہ سننے والے اور ان سے روایت کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حدیث کی سند تحقیق کر کے اس کے حسب حال صحت اور ضعف کا فیصلہ کرے۔ ان حضرات پر اعتراض جب وارد ہوتا کہ وہ اس حدیث کو روایت کرتے کے ساتھ اس کے صحیح اور مقبول ہونے کا بھی حکم لگاتے۔ یا ان موضوعات وضعاف کو بطور حجت پیش کرتے۔ حافظ ابونعیم اصفہانیؒ تو وہ بزرگ ہیں جنہوں نے صحیحین پر مستخرج لکھا ہے اور مستخرج کی شرط یہ ہے کہ مصنف جس کتاب پر "مستخرج" لکھے، اس کتاب کی تمام احادیث بغیر صاحب کتاب کو درمیان میں لائے اپنی سند سے اس طرح تخریج کرے کہ وہ سند صاحب کتاب کے شیخ یا اوپر کے کسی راوی سے اسی کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے مل جائے۔ اب ذرا غور فرمائیے صحیحین کی تمام روایات کی صحیحین ہی کی شرط پر اس طرح تخریج کرنا کہ کسی سند میں بخاری و مسلم کا نام نہ آنے پائے، یہ کوئی ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی صفت مقالہ نگار نے یہ بتلائی ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ابونعیم اصفہانیؒ کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے ابو نعیم الحافظ الکبیر محدث العصر احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحٰق بن موسیٰ بن مہران المہرانی الاصبہانی الصوفی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

رحلت الحفاظ الی بابہ لعلمہ وحفظہ وعلوّ اسانیدہ (ص ۱۰۹۲، طبع سوم ۱۳۷۶ھ)	ان کے علم، حفظ حدیث اور علوّ اسانید کی بناء پر دنیا کے حافظوں نے ان کے درِ دولت کی طرف سفر کیا۔

اور "حلیۃ الاولیاء" کے بارے میں حافظ سلفی کی تصریح ہے کہ :۔

لم یصنف مثل کتابہ "حلیۃ الاولیاء" (ص ۱۰۹۴)	ان کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" جیسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی

اور "معجم" تو لکھی ہی اس لئے جاتی ہے کہ ہر طرح کی روایات کو اس میں جمع کر دیا جائے، اس میں کہاں شرط ہے کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سند ہی سے منقول ہو۔ لہذا کسی "معجم" پر یہ اعتراض کرنا کہ اس میں بغیر قبیح روایات کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ "معجم" کے موضوعِ تصنیف سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اور رغیر سے امام طبرانی معاجم ثلاثہ کی تمام روایات کی تنقیح بھی ہو چکی ہے۔ چنانچہ حافظ نور الدین ہیثمی نے المعجم الکبیر کی ان تمام روایات

کو جو صحاح ستہ سے زائد ہیں تین جلدوں میں الگ جمع کر دیا ہے ۔ اسی طرح المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر کے زوائد کو بھی ایک ایک جلد میں علیحدہ مدوّن کر دیا ہے ۔ اور حافظ ہیثمی کی مجمع الزوائد دس جلدوں میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے ۔ اس میں بھی معاجم ثلاثہ طبرانی میں جتنے بھی ہیں سب کی اسانید کے صحت وضعف کی تفصیل موجود ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زوائد طبرانی میں بھی سیکڑوں کیا ہزاروں احادیث صحاح موجود ہیں ۔ اسی طرح مستدرک حاکم کی حافظ شمس الدین ذہبی نے جو تلخیص کی ہے اس میں جہاں بھی حاکم نے حدیث کی تصحیح میں غلطی کی ہے ، اس کو واضح کر دیا ہے ۔ مستدرک میں بھی ہزاروں ہی صحیح احادیث ہوں گی ۔ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بیشتر احادیث صحاح ستہ میں ان ہی کی روایت سے مروی ہیں ۔ صرف صحیح مسلم میں ابوبکر بن ابی شیبہ سے پندرہ سو روایتیں منقول ہیں ۔ ان دونوں کتابوں کا شمار حدیث کی ان بے مثال تالیفات میں ہے جو مسلمانوں کا کارنامۂ فخر خیال کی جاتی ہیں ۔ صحت وقوتِ روایات کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں کا درجہ ابو داؤد ، و ترمذی اور ابن ماجہ کی کتابوں سے کم نہیں ہے ۔

اور حافظ عبدالعظیم منذری کی کتاب "الترغیب والترھیب" کے بارے میں یہ کہنا کہ :-

"اس کتاب کو تو خالص حدیث کا مجموعہ کہنا بھی شاید صحیح نہ ہو"

بالکل صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے ۔ مقالہ نگار نے اس کتاب کو ملاحظہ کرنے کی سرے سے زحمت ہی نہیں اٹھائی جو ایسے الفاظ ان کے قلم سے نکل گئے ۔ یہ کتاب تو احادیث ترغیب وترہیب ہی پر مشتمل ہے اور اس التزام کے ساتھ کہ ہر روایت کی صحت وضعف کو اس میں واشگاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے ۔ اس امر کے باوجود اس کتاب کے بارے میں اس قسم کا اظہارِ خیال

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

حافظ منذری نے تو کتاب کے مقدمہ ہی میں تصریح کر دی ہے کہ :-

فاذکر الحدیث ثم اعزوہ الی من رواہ من الائمۃ اصحاب الکتب المشہورۃ ..... ثم اشیر الی صحۃ اسنادہ وحسنہ اوضعفہ ونحو ذلک ان لم یکن من عزوتہ الیہ ممن التزم لخرلج الصحیح (ج ا ص ۳)	چنانچہ میں حدیث ذکر کر کے اس کے روایت کرنے والے ان ائمہ کا حوالہ دے دوں گا جن کی کتابیں مشہور ہیں ..... اور اگر وہ بزرگ جن کا میں نے حوالہ دیا ہے ، صحیح حدیث کی تخریج کے پابند نہیں تو پھر میں اس حدیث کی اسناد کے بارے میں اس کی صحت ، حسن اور ضعف وغیرہ کی بابت بھی نشاندہی کر دوں گا ۔

اور فاضل مقالہ نگار نے جو یہ فرمایا ہے کہ :۔

"ایک بہت بڑا مجموعہ امام بیہقی کی السنن الکبریٰ ، ہے، جو دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے جن کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی تھی اس کی کوشش کی ہے کہ ہر قسم کی صحیح وضعیف، مقبول ونامقبول روایتوں کو جمع کر دیں اور اس طرح انہوں نے بڑی گران قدر خدمات انجام دی ہے" جزاہ اللہ خیرًا۔ (ص ۳۰)

تو اگر نامقبول سے مراد محض ضعیف روایات ہیں، جو تعدد طرق کی بنا پر حسن لغیرہ تک بن سکتی ہے تو ہمیں اس پر کچھ اعتراض نہیں۔ اور اگر نامقبول سے مراد "موضوع اور جعلی روایات" ہیں تو یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ

انہ لایخرج فی مصنّفاتہ حدیثاً یعلمہ موضوعاً (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ، از ابن عراق ج ۱ ص ۱۳۹ طبع مصر)

امام بیہقی اپنی تصنیفات میں کسی ایسی حدیث کو نہیں لاتے جس کے بارے میں ان کو یہ علم ہو کہ وہ موضوع ہے۔

اور ان سب کتابوں پر نقد کرنے کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ

"ان کے علاوہ بھی اور بہت سے جعلی مجموعے اور مسانید ہیں جن میں ناقابلِ قبول روایتوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ یہ مجموعے جعلسازی سے ان بزرگوں کے نام منسوب کر دیئے گئے ہوں، تاکہ مسلمان انہیں قبول کر لیں، ورنہ بھلا ایسی بھل اور وہمی باتیں کون سنتا اور کون مانتا ہے" (ص ۳۱)

تو اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ حدیث کے جتنے مجموعے اور مسانید محدثین کی فہارس واثبات میں موجود ہیں ان کے بارے میں اس قسم کا اظہارِ خیال قطعاً صحیح نہیں، کیونکہ ان کی اسناد و روایت و اجازت کا سلسلہ ان کے وقت تصنیف سے لیکر آج تک بلا انقطاع جاری ہے، اور احادیث کی متداول کتابوں میں اس کثرت سے ان کے حوالے مذکور ہیں کہ معمولی ذوق علمی رکھنے والے کو بھی اس کا گمان و وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ ان مجامیع و مسانید کا انتساب ان کے مصنفین کی طرف صحیح نہیں، جیسا کہ نامہ نگار کو شبہ ہوا ہے۔ مقالہ نگار کا یہ شبہ ویسا بے حقیقت ہے جیسا کہ ان کو یہ شبہ ہوا ہے کہ کتاب الفتن حافظ ابو نعیم اصفہانی رح کی تصنیف ہے، اور امام بیہقی اور حافظ عقیلی

نے کتاب الموضوعات نامی کتابیں لکھی ہیں۔ عبد العزیز منذری نے جس کا کوئی خارجی وجود نہیں، عبد اللہ بن مبارک کے قول کو حدیث کی طرح روایت کر رہا ہے۔ یا دیلمی اور ابو نعیم اصفہانیؒ بالکل قابلِ اعتماد نہیں۔ یا جس طرح انہوں نے بہت سی احادیثِ صحیحہ کو مہمل اور وہمی باتیں سمجھ لیا ہے چنانچہ ان کی تحقیق احادیث کی بحث کی ضمن میں گذر چکی ہے۔

اس کے بعد تحریر ہوتا ہے کہ :

"مسند الامام احمد بن حنبل، یہ ایک بہت وسیع مجموعۂ حدیث ہے اور اس میں ہر قسم کی روایتیں درج ہیں۔ اس کی نسبت حضرت امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی طرف صحیح نہیں ہے آپ نے بعض یادداشتیں تو لکھی تھیں مگر کوئی کتاب المسند نہیں تیار کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن احمد نے ان میں اپنی مرویات کا اضافہ کیا۔ یہ مسودات کسی طرح ایک بدعقیدہ اور شریر آدمی القطیعی کے ہاتھ لگ گئے اس نے اس میں بہت سی جعلی حدیثیں بڑھا کر اس کی ضخامت دو چند سے بھی زائد کر دی اور چھ ضخیم جلدوں میں، مسند الامام احمد بن حنبل کا نام دے کر شائع کر دیا۔ یہی مجموعہ زمانہ مابعد میں نقل ہوتا رہا، پھر طبع ہو کر آج ہمارے ہاتھوں میں ہے" (ص ۳۱)

مسند امام احمد کے بارے میں جو فسانہ مقالہ نگار نے سنایا وہ محض ان کا طبع زاد ہے۔ حقائق سے اس کا دور سے بھی ذرا سا واسطہ نہیں۔ جو کتاب مصنف کے عہد سے لیکر آج تک ہر دور میں مقبول و متداول چلی آتی ہو اس کے بارے میں ایسا اظہارِ خیال ایک ملحد اور بے دین تو کر سکتا ہے، مگر مقالہ نگار کی شان سے بہت بعید تھا کہ وہ اس جسارت کے ساتھ ایسی لغو بیانی کا ارتکاب کرتے۔ یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ امام بخاری نے کچھ مسودات تو بیشک لکھے تھے مگر کوئی کتاب الجامع الصحیح کے نام سے نہیں تیار کی تھی، ان کے مسودے کو کیڑا لگ چکا تھا کسی طرح یہ مسودہ ایک بدعقیدہ اور شریر آدمی فربری کے ہاتھ لگ گیا۔ اور اس نے اس میں بہت سی جعلی روایتیں بڑھا کر اپنی طرف سے ابواب قائم کر کے اس کتاب کو الجامع الصحیح للامام البخاری کا نام دے کر دو ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا اور یہی مجموعہ زمانہ مابعد میں منتقل ہوتا رہا اور پھر طبع ہو کر آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ مؤطا نامی کوئی کتاب امام مالکؒ

نے کبھی لکھی ہی نہ تھی ہاں البتہ اپنے درس میں کچھ حدیثیں بیان ضرور کی تھیں۔ پھر محمد شیبانی اور یحیٰ مصمودی نے اپنی طرف سے اس میں جعلی روایتیں بڑھا کر اور اس کی ضخامت دوچند کرکے موطا کے نام سے اُسے آگے چلا دیا۔ اور یہی مجموعہ زمانہ مابعد میں نقل در نقل ہو کر اس دور میں آکر طبع ہوا اور آج موطا کے نام سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یا اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہا جائے کہ یہ قرآن پاک جو آج امت کے ہاتھوں میں ہے وہ نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا۔ ہاں کچھ آیتیں آپ پر ضرور اتری تھیں جن کو آپ صحابہ کو بلا کر لکھوا دیا کرتے تھے۔ پھر عہد صدیقی میں اس میں بہت کچھ اضافہ ہوا اور عہد عثمانی میں جا کر اس کی ضخامت دو چند سے بھی زائد کردی گئی اور پھر اس کو خلیفہ ثالث نے قرآن کا نام دے کر شائع کر دیا یہی مجموعہ زمانہ مابعد میں نقل ہوتا رہا اور لوگوں نے اس کو زبانی بھی یاد کرنا شروع کر دیا اور پھر طبع ہو کر آج ہمارے ہاتھوں میں ہے نعوذ باللہ من هذه الهفوات والاكاذيب والخرافات۔

مقالہ نگار نے یہ اظہار خیال امام احمد بن حنبل کی اس مسند کے بارے میں کیا ہے جس کے متعلق محدث عجلونی کشف الخفاء ومزیل الالباس کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں

واعلم ان الحافظ جلال الدين السيوطي قال فی خطبة "جامعه الكبير" ما حاصله كل ما كان فی مسند احمد فهو مقبول فان الضعيف الذی فيه يقرب من الحسن (ج ۱ ص ۱۰)	معلوم ہونا چاہئے کہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الجامع الکبیر" کے دیباچہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ماحصل ہے کہ "جو روایت بھی مسند احمد میں مذکور ہے وہ مقبول ہے کیونکہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہوں وہ حسن کے قریب ہے"۔

اور ابوبکر قطیعی بہت بڑے محدث اور کبار اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے ہیں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے "نفحات الانس من حضرات القدس" میں ان کا ترجمہ لکھا ہے جو حسب ذیل ہے :

"ابوبکر قطیعی رحمۃ اللہ علیہ وے حافظ وامام بغداد بود، در حدیث شاگرد عبداللہ بن احمد بن حنبل است جنید با این بود وے گفت از جنید شنیدم کہ می گفت :

یامن هو كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ	اے آنکہ ہر روز در کار دیگری، چہ بود کہ روزے

اجعل لی من بعض شانک   درکارِ من کنی

مات القطیعی ببغداد فی ذی الحجۃ سنۃ ۳۶۸ ثمان وستین وثلثمائۃ (ص ۲۲۲، طبع قدیم)

حضرت قطیعی قدس سرہ حضرت جنید بغدادی قدس اللہ روحہ کے اصحاب میں بڑے مستجاب الدعوات بزرگ گزرے ہیں ان کو "بدعقیدہ اور شریر آدمی" لکھنا، مقالہ نگار کی سخت گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ کتبِ رجال کا تمام سرمایہ جو مسلمانوں نے آج تک مرتب کیا ہے حضرت ممدوح قدس سرہ کے بارے میں اس قسم کے اظہارِ خیال سے یکسر خالی ہے لہٰذا ان کے بارے میں اس قسم کا اظہارِ خیال سراسر بہتان طرازی اور دروغ بافی ہے، ہاں اتنی بات ان کے تذکرہ میں ضرور آتی ہے کہ چونکہ وہ ایک کبیر السن بزرگ تھے پچانوے سال کی عمر پائی، آخرِ عمر میں اختلالِ حواس کے باعث حافظہ جواب دے گیا تھا۔ اس اخیر عمر میں اختلالِ حواس کے علاوہ جس کو محدثین اختلاط سے تعبیر کرتے ہیں ان کی پوری زندگی میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی جس کی بناء پر ان کی روایت پر کلام کیا جاسکتا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ مسند امام احمد کا سماع انہوں نے اپنے شیخ عبد اللہ بن المتوفی سنہ ۲۹۰ھ سے اوائلِ عمر میں کیا ہے جبکہ ان کے قویٰ پورے شباب پر تھے۔ ابوبکر قطیعی کا انتقال سنہ ۳۶۸ھ میں ہوا ہے اور مسندِ احمد کی روایت بھی انہوں نے زمانۂ اختلاط سے قبل ہی کی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان میں فرماتے ہیں:

کان سماع ابی علی بن المذھب منہ لمسند احمد قبل اختلاطہ. افادہ شیخنا ابو الفضل بن الحسین۔ (ج ۱. ص ۱۴۵)	ابو علی المذہب نے قطیعی سے مسند امام احمد کا سماع ان کے زمانۂ اختلاط سے قبل کیا یہ فائدہ کی بات ہمارے شیخ ابو الفضل بن الحسین (حافظ عراقی) نے بتائی ہے۔"

یہ صحیح ہے کہ راوی جو روایت زمانۂ اختلاط میں کرتا ہے وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ لیکن محدث قطیعیؒ نے تو مسند احمد کا سماع بھی بحالتِ صحتِ حواس کیا ہے اور اس کی روایت بھی اسی حالت میں کی تھی جبکہ ان کے قویٰ بحال اور حواس قائم تھے۔ قطیعیؒ نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے صرف مسند ہی کا سماع نہیں کیا بلکہ امام احمد کی دوسری تصنیف کتاب الزہد کا بھی سماع کیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں:

وقد سمع القطیعی من ابی مسلم الکجی وغیرہ ومن عبد اللہ بن احمد مع المسند	قطیعی نے ابو مسلم کجی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا ہے اور عبد اللہ بن احمد سے مسند (امام احمد)

الزهد الکبیر.　　　　کے ساتھ (امام موصوف کی دوسری تصنیف)

لسان المیزان ج ۱-۷ ص ۱۴۶)　　　　الزہد الکبیر کا بھی

قطیعی نہایت معتبر شخص تھے. حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے

احمد بن جعفر بن حمدان ابو بکر القطیعی صدوق فی نفسہ مقبول، اور خطیب

بغدادی نے تصریح کی ہے کہ:

لم نر احدًا ترك الاحتجاج به　　　　ہماری نظر میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے ان

کو حجت ماننا ترک کیا ہو۔

محدث حاکم نیشاپوری ان کے بارے میں فرماتے ہیں" ثقة مامون" حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وقد كان ابو بكر اسند اهل　　　　ابو بکر قطیعی اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اسناد

زمانه (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۱)　　　　کے ساتھ روایت بیان کرنے والے تھے۔

ایسے شخص کے بارے میں جس کے یہ اوصاف محدثین نے بیان کئے ہیں یہ کہنا سراسر ظلم اور صریح غلط بیانی ہے کہ:

"اس نے اس (مسند) میں بہت سی جعلی روایتیں بڑھا کر اس کی ضخامت دو چند سے بھی زائد کر دی" (ص ۳۱)

اور یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ ابو بکر قطیعی نے "چھ ضخیم جلدوں میں مسند الامام احمد بن حنبل کا نام دے شائع کر دیا

چھ ضخیم جلدوں میں تو مصر میں اس کی طباعت ہوئی ہے. قطیعی کے عہد میں تو یہ کتاب ڈیڑھ سو جزو میں لکھی جاتی تھی[1]

اور امام احمد بن حنبل کی وفات کے بعد اگر ان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد نے مسند میں اپنی مرویات کا اضافہ

کر دیا تو کیا قیامت آگئی. اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ شاگرد اسناد کی روایات کے پہلو بہ پہلو اپنی اسنادیں نقل کر دیتے

تھے یہ روایتیں اصل کتاب سے بالکل ممتاز ہوتی تھیں. صحاح ستہ کے رُواۃ نے بھی بعض مقامات پر ایسا کیا ہے. عبداللہ بن احمد

کی زوائد بالکل دوسری سند سے الگ ممتاز نظر آتی ہیں. وہ خود بھی علم حدیث کے بہت بڑے امام تھے انھیں ایسا کرنے کا حق

حاصل تھا جس طرح مؤطا امام محمد میں مالک کی روایات الگ ہیں اور خود امام محمد کی الگ اس سے استناد پر کیا اثر پڑتا ہے. اور یہ

دعویٰ کرنا کہ:

"امام احمد نے بعض یادداشتیں تو لکھی تھیں مگر کوئی کتاب المسند نہیں تیار کی تھی" محض بے اصل ہے. اس

---

[1] ملاحظہ ہو "خصائص المسند" از حافظ ابو موسیٰ مدینی ص ۹ طبع مصر،

دعویٰ کا ثبوت چاہیئے۔ امام احمد نے کتاب المسند خود تیار کی تھی۔ یہ بات امام موصوف سے بتواتر ثابت ہے۔ اور مسند کی تکمیل کے بعد اس کو آپ نے بہ تمام و کمال اپنے برادر زادے حنبل بن اسحٰق اور اپنے دونوں صاحبزادے صالح اور عبداللہ ان تینوں حضرات کو پڑھ کر سنایا تھا[1]۔ پھر مسند احمد کی روایات کا بڑا حصہ صحاح ستہ میں موجود ہے اور جو روایتیں صحاح ستہ سے زائد ہیں ان کو حافظ نورالدین ہیثمی نے دو مستقل جلدوں میں علیحدہ مدون کر دیا ہے اور مجمع الزوائد میں بھی زوائد مسند احمد میں سے ہر روایت پر اس کے صحت و ضعف کا حکم لگا دیا گیا ہے، اور امام احمدؒ کا سنہ وفات ۲۴۰ نہیں ۲۴۱ ہے۔

مسند احمد کا قصہ صاف کرنے کے بعد مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

"اس کے علاوہ ضعیف بلکہ بے اصل روایتوں کا بڑا ذخیرہ ہمیں امام غزالی کی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین"، ابوطالب مکّی کی کتاب "قوت القلوب"، ابن عربی کی تصنیفات، مولانا عبدالحق دہلویؒ کی کتاب "اخبار الاخیار" اور تفسیر مقاتل بن سلیمان، تفسیر کلبی، تفسیر ثعالبی، تفسیر الدر المنثور، وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور بعض بزرگوں کی طرف منسوب ملفوظات اور مکاتیب میں دکھائی دیتا ہے۔" (ص ۳۱)

تفسیر مقاتل کا تو آج وجود پردۂ دنیا پر معلوم نہیں ہوتا۔ کلبی مشہور کذاب ہے۔ ثعالبی کی تفسیر میں روایات ہی مذکور نہیں ذخیرہ کہاں سے ہوگا! اخبار الاخیار ہندوستان کے صوفیہ کا تذکرہ ہے، حدیث کی کتاب نہیں۔ خدا جانے اس میں بے اصل حدیثوں کا ذخیرہ مقالہ نگار کو کہاں سے ہاتھ آگیا۔ ابن عربی کا شمار حفاظِ حدیث میں ہے۔ اگر مقالہ نگار ان کی تصانیف میں سے بے اصل روایات کا ذخیرہ مہیا کر دیں تو یہ اس کی فضیلت کی سند ہوگا۔ احیاء العلوم کی روایات کی حافظ زین الدین عراقی نے تخریج کر دی ہے اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین میں اس کی ہر روایت پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ لہٰذا احیاء کی روایات کی تنقیح کچھ مشکل نہیں "قوت القلوب" کی بھی اکثر روایات احیاء میں آگئی ہیں۔ تفسیر الدر المنثور بڑی قابلِ قدر کتاب ہے۔ ایک محدث کے لئے اس کی روایات کی حیثیت متعین کر لینا مشکل نہیں اس میں احادیثِ صحیحہ و مقبولہ کا بہت بڑا ذخیرہ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" ص ۲۰۸ تا ۲۱۰۔ شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

ہے۔ ضعاف کم ہیں اور موضوعات نادر۔

آخر میں فاضل مقالہ نگار نے متروکین اور کذابین کی ایک فہرست بھی پیش ہے جو درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

"روایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان موضوع اور ضعیف روایتوں میں ضعفا، کذابین اور مجاہیل کی کثرت ہے بلکہ متروکین سے بھی ان کی اسناد خالی نہیں ہیں، ایسے سارے متروکین اور کذابین کی پوری فہرست تو اس چھوٹے سے مقالہ میں کہاں سما سکتی ہے البتہ چند مشہور متروکین کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں جن کی بیان کردہ روایتیں علمائے حدیث کے نزدیک کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں سمجھی گئی ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

شہر بن حوشب، محمد بن سرور بلخی، سمعان المہدی، حماد بن عمر النصیبی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، ایوب بن عقبہ، محمد بن الجرابیاری، جعفر بن ہارون الواسطی، عبداللہ بن المسور المدائنی، ابوعاتکہ طریف بن سلیمان، ابوعقال ہلال بن زید، ابوسعید عبدالحمید بن حبیب بن ابی العشرین، ابوزید بن عبدالرحمٰن بن زید الحراری العجمی البصری، ابوسعید عبداللہ بن قیس الرقاشی، ابوسعید عبدالمنعم بن نعیم، الدیلمی، ابونعیم الاصفہانی، یونس بن بکیر، حسین بن ذکوان" (ص ۳۲)

مقالہ نگار نے ضعفاء و متروکین کی یہ فہرست علامہ عجلونی کی کتاب کے خاتمہ سے نقل کی ہے مگر چونکہ موصوف ہر بات میں اپنی طرف سے اضافہ کی عادت ہو، اسی عادت کی بناء پر اخیر میں ان چار بزرگوں کے نام کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ محدث دیلمی اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی ثقاہت و جلالتِ مرتبت کی بحث سابق میں گذر چکی ہے۔ یونس بن بکیر صدوق ہیں ان سے صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حدیثیں منقول ہیں اور حسین ابن ذکوان تو مشہور ثقہ ہیں۔ تمام اربابِ صحاح ستہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تقریب التہذیب میں ان دونوں کا ترجمہ دیکھ لیا جائے۔ شہر بن حوشب کا ذکر بھی ضعفاء و متروکین میں صحیح نہیں۔ یہ بھی صدوق ہیں۔ صحیح مسلم اور سننِ اربعہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان کا ترجمہ بھی لکھا ہے۔ اور حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کا شمار تو امت کے ان سات مشہور حفاظِ حدیث میں ہے کہ اربابِ صحاح ستہ کے بعد جن کی تصانیف سے امت نے نفعِ عظیم اٹھایا۔ ایسے عظیم محدث کو مقالہ نگار نے کذابین و متروکین کی فہرست میں شامل کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔

اور بالکل اخیر میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"اسی طرح وہ راوی نامقبول ہے جو حسن بصریؒ کی روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرے حضرت حسن بصری ایک بزرگ اور دیندار آدمی تھے، وہ بناوٹی بات نہیں کر سکتے تھے، ان کی ملاقات ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں ہوئی تو روایت کیسی؟" (ص ۳۲)

مقالہ نگار نے یہ کلیہ خوب قائم کیا کہ "جو راوی حضرت حسن بصریؒ کی روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرے وہ نامقبول ہے" یہ بات کس محدّث کی زبان سے نکلی ہے ذرا اس کا پتہ معلوم ہو، ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض حفاظِ حدیث نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصریؒ کے سماع میں کلام کیا ہے۔ لیکن حفاظِ حدیث ہی کی دوسری جماعت نے اس کا اثبات بھی کیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطیؒ کی تحقیق میں متعدد وجوہ کی بنا پر یہی راجح ہے۔ اور حافظ ضیاء مقدسیؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب "المختارہ" میں جو احادیثِ صحیحہ پر مشتمل ہے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اطراف المختارہ میں حافظ ضیاء مقدسی کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے جن وجوہ کی بنا پر اس قول کی تائید کی ہے وہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ مُثبِت کا قول نفی کرنے والے کی بات پر مقدم ہے کیونکہ اس کے پاس نافی بہ نسبت زیادہ علم ہوتا ہے

۲۔ حضرت حسن بصریؒ کی ولادت بہ اتفاقِ مؤرخین اس وقت ہوئی جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدتِ خلافت پوری ہونے میں ابھی دو سال باقی تھے۔ ان کی والدہ خیرہ امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی باندی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت حسن بصریؒ کو صحابہؓ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کرتی تھیں کہ وہ ان کے حق میں برکت کی دعاء کریں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھی بھیجا تھا اور حضرت امیر المؤمنینؓ نے ان کے حق میں یہ دعاء فرمائی تھی کہ

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْہُ اِلَی النَّاسِ — یا اللہ ان کو دین میں سمجھ عطا فرما اور لوگوں کا اسے محبوب بنا دے۔ باغیوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ سات سال کی عمر ہونے پر ان کو نماز کا حکم ملا اور یہ روزانہ جماعت میں حاضر ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے یہ سلسلہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت تک قائم رہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس مدت میں مدینہ ہی میں مقیم تھے لہذا ایسی صورت میں جبکہ روزانہ پانچ وقت سنّ تمیز سے لے کر چودہ سال کی عمر تک وہ

وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے حضرت ممدوح سے ان کا کسی حدیث کا سُن لینا کیوں قابلِ انکار ہوگیا؟ مزید یہ کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرات امہات المؤمنینؓ کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، جن میں حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ حضرت حسن بصریؒ اور ان کی والدہ انہیں کی خدمت میں قیام پذیر تھے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات وسماع کا انکار کیوں؟

۳۔ صراحتاً ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثیں سُنی ہیں۔ چنانچہ حافظ جمال الدین مزی نے "تہذیب الکمال" میں یونس بن عبید کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے ایک بار حضرت حسن بصریؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نہیں پایا مگر آپ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" فرماتے رہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا برادر زادے تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو کسی اور نے تم سے پہلے نہیں پوچھی، اور تمہارا جو تعلق مجھ سے ہے اگر وہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بتاتا بھی نہیں، میں جس زمانہ میں ہوں تم دیکھ ہی رہے ہو۔ یہ حجاج کی عملداری کا زمانہ تھا۔ یاد رکھو جب تم میری زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنو تو سمجھ لو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر رہا ہوں لیکن میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ ان کا نام زبان پر نہیں لا سکتا۔

حافظ سیوطیؒ نے حدیث کی بہت سی کتابوں سے وہ روایات نقل کی ہیں جو حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہیں، اور مسند حافظ ابو یعلیٰ میں بسندِ ثقات ایسی روایت بھی موجود ہے جس میں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی[۱]

خاتمہ میں ہم چند ضروری امور پر تنبیہ کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

۱۔ حدیث کی تصحیح وتضعیف اور راویوں کی جرح وتعدیل ہر شخص کا کام نہیں جب تک آدمی آشنائے فن نہ ہو اس کو اس معاملہ میں دخل دینا مناسب نہیں ہے، فن میں دخل دینا اسی کو سزاوار ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ فاضل لکھنوی مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی، "السعی المشکور" میں فرماتے ہیں:-

"فنّ جرح وتعدیل اگرچہ اس کو علماء معاصرین نہایت آسان سمجھتے ہیں اور جو روایت اپنے خلاف ہوا اس کے رُواۃ کی جرحیں "میزان" "ولسان المیزان" "وتہذیب التہذیب" "وتقریب التہذیب" وغیرہ سے

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اتحاف الفرقہ برفو الخرقہ" از امام جلال الدین سیوطی۔ یہ رسالہ الحاوی للفتاویٰ ج ۲ کے ص ۲۶۸ سے شروع ہو کر ص ۲۷۱ پر ختم ہوتا ہے

نقل کر دیتے ہیں مگر میرے نزدیک یہ فن نہایت مشکل و محنت طلب ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل جیسے ابن معین و ابن قطان و ابو حاتم و بخاری و عقیلی و دارقطنی وغیرہم کی خاص خاص مصطلحات ہیں کہ اکثر لوگ ان سے واقف نہیں ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ضعیف کو ثقہ اور ثقہ کو ضعیف سمجھ لیتے ہیں"۔

مجرد کتب رجال سے جرح لکھ دینا نہایت آسان ہے مگر اس جرأت کی سزا عذاب و خسران ہے، جب تک ائمہ جرح و تعدیل کی مصطلحات کی تحقیق نہ ہووے اور اسباب باعث علی الجرح کی تنقید نہ ہووے اور کتب اصول حدیث و شروح حدیث مبسوطہ کا مطالعہ نصیب نہ ہووے قلم ہاتھ میں لینا اور جو نظر کے نیچے آئے اس کو بغیر سمجھے بوجھے لکھ دینا بڑی جرأت ہے اعاذنا اللہ من ذٰلک و امثالہ (۲۰۸ طبع شوکت اسلام لکھنؤ ۱۳۱۱ھ ہجری)

۲ - جو شخص احادیث کی تصحیح و تضعیف پر قلم اٹھائے اس کے لئے یہ جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ محدثین میں کون حضرات اس باب میں متشدد ہیں، کون متساہل اور کون معتدل، ورنہ متشددین یا متساہلین کی تصریحات پر اعتماد کر کے کبھی صحیح روایت کو جعلی اور موضوع کہدے گا اور کبھی موضوع کو صحیح و ثابت سمجھ لے گا فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی الکلام المبرور میں رقمطراز ہیں :-

"مخفی نہ رہے کہ محدثین چند فرقہ پر متفرق ہیں

ایک فرقہ وہ محدثین کہ احادیث کے لکھنے میں نہایت تساہل کرتے ہیں اور احادیث موضوعہ کو بھی درج تصانیف کرتے ہیں اور غیر صحیحہ کو صحیح بناتے ہیں۔

دوسرا فرقہ وہ لوگ کہ مسلک تحقیق پر چلتے ہیں نہ موضوع کو صحیح لکھتے ہیں اور نہ ضعیف کو موضوع بناتے ہیں اور حکم موضوعیت و عدم موضوعیت سے بغیر تحقیق رجال کے خوف رکھتے ہیں۔

اور تیسرا فرقہ وہ لوگ ہیں کہ تشدد مزاج میں رکھتے ہیں احادیث صحیحہ کو ادنیٰ قدح راوی سے موضوع لکھدیتے ہیں اور احادیث ضعیفہ و منکرہ پر بغیر خوف و خطر حکم وضع کا دیتے ہیں اور "رب النوع" اس فرقہ کے محدث ابن جوزی ہیں کہ انہوں نے صدہا احادیث ضعیفہ کو بادنیٰ قدح راوی موضوع لکھدیا بلکہ احادیث حسان و صحاح کو مثل حدیث صلوٰۃ التسبیح کہ جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے وحدیث ردّ شمس وغیرہ کو موضوع کہدیا اور اس قدر نہ سمجھے کہ جس طرح حدیث کاذب روایت کرنا منع ہے

اسی طرح بے باک ہو کر حدیث ضعیف کو یا صحیح کو موضوع کہہ دینا گناہ ہے اور اسی وجہ سے محققین محدثین بابِ وضع میں ابن جوزی کے قول کا اعتبار نہیں رکھتے ہیں اور جا بجا ان پر تشنیع بلیغ کرتے ہیں (ص ۲۰)

اور منجملہ مقلدین ابن جوزی کے صاحب "سفر السعادۃ" ہیں کہ احادیث صحیحہ کو "ثابت نشدہ" لکھتے ہیں اور ہرگز خوف وخطر نہیں کرتے (ص ۲۱)

اور منجملہ مبالغین کے محدث وقت حسن بن محمد الصنعانی ہیں کہ دو رسالہ موضوعات میں تصنیف کر کے بہت احادیث ضعیفہ کو موضوع لکھدیا (ص ۲۲)

اور منجملہ مبالغین کے جوزقانی ہیں (ص ۲۲)

اور منجملہ مبالغین کے علامۂ عصر خود احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ ہیں. منہاج السنۃ فی رد منہاج الکرامۃ للحلی میں کتنی احادیث غیر موضوعہ کو موضوع بنا دیا اور احادیث حسان کو باطل کہدیا (ص ۲۲)

اور منجملہ مبالغین کے جلال الدین سمہودی ہیں، ایک رسالہ ان کا موضوعات میں مسمی بہ "غماز علی اللماز" تصنیف ہے اس میں ضعیف اور حسن پر بھی موضوع کا حکم سخیف ہے، چنانچہ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا۔

اور منجملہ مبالغین کے قاضی محمد شوکانی ہیں کہ فوائد مجموعہ میں ابن جوزی اور جوزقانی کی متابعت سے جا بجا حکم وضع کا دیتے ہیں اور احادیث حسان کو موضوعات میں شمار کرتے ہیں" (ص ۲۲ مطبوعہ شوکت اسلام لکھنؤ ۱۳۱۱ھ)

۳۔ یہ بھی واضح رہے کہ جو روایت حاملانِ دین کے کسی خاص طبقہ میں مقبول و متداول ہوا ور قرار مفسرین، فقہاء، اصولیین، صوفیہ اور متکلمین کے ارکانِ نقل اس کو اپنی تصانیف میں جگہ دیتے چلے آئے ہوں، تو ایسی روایت کو حدیث کی متداول کتابوں میں نہ پا کر جھٹ سے اس کے موضوع اور جعلی ہونے کا فتوی صادر نہیں کر دینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ روایت حدیث کی ان کتابوں میں مروی ہو جو اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہیں۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے حدیث اختلافُ اُمتی رحمۃ کے بارے میں یہی فرمایا ہے کہ

ولعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل | غالباً اس حدیث کی تخریج حفاظِ حدیث کی بعض ایسی تصانیف

الینا (کشف الخفا ومزیل الالباس ج ۱ ص ۶۶) یں ہے جو ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

اور علامہ محدث شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی شافعی "المسلک الوسط الدانی الی الدرر الملتقط للصنعانی" میں رقمطراز ہیں :-

و لا ینبغی لمن لم یر حدیثا فیما وقف علیہ من کتب الحدیث ان یجزم بمجرد ذلک بانہ موضوع لا اصل لہ بل الاحوط الاورع ان یقول لم اقف علیہ علی اصل اذ لا یلزم من عدم اطلاعہ عدم اطلاع غیرہ لان الاحاطۃ التامۃ التی لا یشذ منہا شیئ منتفیۃ ، والحافظ حجۃ علی من لم یحفظ بل الشخص الواحد قد یقول فی حدیث باعتبار ما یحضرہ اذ ذاک انہ لا یوجد فی کتب الحدیث ثم یجدہ فی بعضہا من ذلک ما وقع للحافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، حافظ عصرہ باتفاق اہل مصرہ رحمہ اللہ انہ قال فی کتابہ شافی العی علی مسند الشافعی " بعد نقلہ عن الرافعی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ھذہ الصلوات الخمس فقال ھذہ مواریث آبائی واخوانی ، اما صلوۃ الهاجرۃ فتاب اللہ علی داود حین زالت الشمس فصلی اربع

اگر کوئی شخص کسی حدیث کو ان کتابوں میں نہیں پاتا کہ جن سے وہ واقف ہے تو اس کو محض اس وجہ سے یقین کے ساتھ یہ حکم لگانا کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے مناسب نہیں ہے بلکہ زیادہ احتیاط اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ یوں کہے " مجھے اس حدیث کی اصل نہ مل سکی " کیونکہ اگر اس کو اطلاع نہ ہو سکی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے کو بھی اطلاع نہ ہو اس لئے کہ کسی محدث کا (علم حدیث پر) ایسا مکمل احاطہ کہ کوئی چیز اس سے رہ نہ جائے نہیں ہو سکتا۔ جو حافظ ہو اس کی بات غیر حافظ پر حجت ہے بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی حدیث کے بارے میں فی الوقت جو سامان میسر ہوتا ہے اس کے اعتبار سے کبھی یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ روایت کتب حدیث میں موجود نہیں ہے اور پھر کسی دوسرے وقت کسی کتاب میں وہی روایت اس کو مل جاتی ہے۔ چنانچہ اسی قسم کا واقعہ حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی کے ساتھ پیش آیا کہ جو باتفاق اہل مصر اپنے زمانہ کے حافظ حدیث تھے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے اپنی کتاب شافی العی علی مسند الشافعی سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچوں نمازوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نمازیں میرے آباء و اجداد اور برادران کی میراث ہیں نماز ظہر تو اس طرح

ركعات فجعلها الله لي و لامّتي
تمحيصًا و درجات. و ساق الحديث
الى ان قال ما نصّه: "ثمّ انّ
الحديث الذي اورده الرافعي لم
نقف على سنده و لا هو موجود في
كتب الحديث الموجودة الآن"
. ومثل هذا يقول فيه الحفّاظ
المتأخرون لا اصل له والمتورعون
يقتصرون على قولهم: "لم نقف
عليه"، وهو الاولى فقد بلغني انّ
الحافظ ابن حجر سئل عن هذه الاحاديث
التي يوردها ائمتنا و الائمة الحنفية
في الفقه محتجّين بها و لا تعرف في
كتب الحديث فاجاب بان كثيرا
من كتب الحديث او الاكثر منها
عدم في بلاد الشرق من الفتن
فلعلّ تلك الاحاديث مخرجة فيها
ولم تصل الينا، فقال السيوطي
متصلًا بهذا الكلام: ثم وقفت على
هذا الحديث اي الذي اورده
الرافعي مخرجًا في "تاريخ ابن عساكر"
بسند ضعيف انتهى

کہ حق تعالیٰ نے کہ زوال آفتاب کے وقت حضرت داؤد
علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی توبہ قبول فرمائی تھی،
اس پر آپ نے چار رکعتیں ادا فرمائیں چنانچہ ان چار رکعات کو
اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اور میری امت کے لئے پاکیزگی اور
رفع درجات کا سبب بنا دیا۔ امام سیوطیؒ نے پوری حدیث
نقل کرنے کے بعد اس روایت پر ان الفاظ میں اظہار رائے
کیا کہ "رافعی نے جو حدیث بیان کی ہے ہمیں اس کی سند پر اطلاع
نہ ہو سکی اور نہ یہ حدیث ان کتب حدیث میں پائی جاتی ہے کہ جو
اس وقت موجود ہیں اور اس قسم کی روایات کے بارے متاخرین
حفّاظ حدیث تو یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بے اصل ہے مگر
محتاط حضرات صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ "ہم
اس سے واقف نہیں" اور ان الفاظ میں اظہار خیال زیادہ مناسب
ہے۔ کیونکہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ حافظ عسقلانی
سے ایک بار ان احادیث کے بارے میں سوال ہوا جن کو
ہمارے ائمہ اور ائمہ حنفیہ کتبِ فقہ میں بطورِ استدلال بیان
کیا کرتے ہیں مگر وہ حدیثیں کتب حدیث میں نہیں ملتیں اس
پر حافظ صاحب موصوف نے فرمایا کہ حدیث کی بہت سی کتابیں
بلکہ ان کی اکثریت مشرقی ممالک میں فتنوں اور ہنگاموں کی نذر
ہو کر نابود ہو چکی ہیں اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ حدیثیں ان
کتابوں میں مروی ہوں اور وہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکی ہوں
پھر حافظ سیوطیؒ نے حافظ ابن حجر کی اس بات کو نقل کرنے
کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ رافعی نے جس حدیث کو بیان کیا ہے

فلم یجزم ابن حجر بانہ لا اصل لہا مع انہا لا تعرف فی کتب الحدیث التی بایدی الناس اذ ذاک للاحتمال الذی ذکروہ وھو ممن شھدوا لہ بانہ کان احفظ اھل زمانہ انتہی۔

بعد کو وہ مجھے تاریخ ابن عساکر میں بسند ضعیف مل بھی گئی" انتہی۔ بغرض حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان روایات کے بارے میں باوجودیکہ وہ حدیث کی ان کتابوں میں کہ جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھیں نہیں ملتی تھیں اسی احتمال کی بنا پر جو انہوں نے بیان فرمایا ان کے بے اصل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا حالانکہ حافظ صاحب کے بارے میں علماء کی شہادت یہ ہے کہ وہ اپنے اہل زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

محدث ابراہیم کورانی کی جس کتاب سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس کا قلمی نسخہ مولانا پیر محب اللہ صاحب سندھی گوٹھ پیر جھنڈو ضلع حیدرآباد سندھ میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

۴۔ یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ محدثین کا جو فیصلہ کسی حدیث کی بابت اس کے صحیح، حسن، ضعیف یا موضوع ہونے کا ہوتا ہے وہ بحسب ظاہر اسناد یا کسی اور امر کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ نفس الامر اور واقعہ کے اعتبار سے نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے بعض اوقات محدث سے اس فیصلہ کرنے میں خطا بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا متواترات کے علاوہ اخبار احاد میں قطعیت کے ساتھ فیصلہ کر دینا اور اس فیصلہ کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔ محدث عجلونی نے کشف الخفاء ومزیل الالباس ہی کے مقدمہ میں اس امر پر بخوبی روشنی ڈالی ہے۔

اب ہم اس تنقید کو امام جلال الدین سیوطی کی اس نصیحت پر ختم کرتے ہیں کہ

فلیحذر المرء من الاقدام علی التکلّم فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر علم، ولیمعن فی تحصیل الفن حتی یطول باعہ ویرسخ قدمہ ویتبحّر فیہ لئلّا یدخل فی حدیث "من تکلّم بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض"، ولا یغتر بکونہ لا یجد من ینکر علیہ فی الدنیا

انسان کو چاہیئے کہ بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر گفتگو میں اقدام نہ کرے اور فن کی تحصیل میں خوب غور و سے کام لے تا آنکہ اس فن میں اس کو یدِ طولیٰ حاصل ہو اور اس کے قدم جم جائیں اور وہ متبحّر ہو جائے، تاکہ وہ اس حدیث شریف کی وعید میں داخل نہ ہو جس میں آتا ہے کہ جو بغیر علم کے گفتگو کرتا ہے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔" نیز اس امر پر مغرور نہ ہو کہ دنیا میں اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا کہ جو اس کی

فبعد الموت يا تيه الخبر اما فی القبر او
علی الصّراط والنبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
هناك يخاصمه ويقول له كيف تجازف
فی حديثی وتتكلّم فيما ليس لك به علم فاما
ان ترد شيئا قلته واما ان تنسب الی ما
لم اقله، اما قرأت فيما انزل علی " وَلَا تَقْفُ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا "
فيا خيبته يومئذ ويا فضيحته، هٰذا
ان مات مسلما والاقوف والعياذ باللّٰہ
بسوء الخاتمة كما يقول الخطباء علی المنابر
فی بعض الخطايا والذنوب فربّ ذنب
يعاقب العبد عليه بسوء الخاتمة، وكما
نقل الشيخ محی الدين القرشی الحنفی فی
تذكرته عن الامام ابی حنيفة رضی اللّٰہ عنه
انه قال اكثر ما يسلب الناس الايمان عند
الموت واكبر اسباب ذلك الظلم وایّ
ظلم اعظم من الجرأة علی الخوض فی حديث
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بغير علم
نسأل اللّٰہ السلامة والعافية ۔

بات پر انکار کرے کیونکہ مرنے پر اسے پتہ چل جائے گا
خواہ قبر میں خواہ پل صراط پر جب کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم
بنفس نفیس اس کے خلاف مدعی ہوں گے اور اس سے
باز پرس فرمائیں گے کہ تو میری حدیث میں کیوں لچر گفتگو کرتا ہے
اور جس کا تجھے علم ہی نہیں اس کے بارے میں کیوں زبان کھولتا
ہے۔ ایسی صورت میں یا تو تو میری بات کو رد کرتا ہے یا میری
طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو میں نے کہی ہی نہ تھی۔ کیا تو نے
یہ آیت نہ پڑھی تھی، جو مجھ پر نازل ہوئی تھی کہ (اس چیز کے
پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم ہی نہیں، بیشک کان، آنکھ، دل سب
سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔) پس اس روز کیسی
ناکامی اور کیسی فضیحت ہوگی۔ اور یہ تو اس صورت میں ہے
جب کہ وہ مسلمان مرا ورنہ العیاذ باللّٰہ سزا کے طور پر خاتمہ
خراب ہوگا۔ چنانچہ خطباء منبر پر بعض گناہ اور خطاؤں کے
بارے میں بیان کیا ہی کرتے ہیں کیونکہ بہت سے گناہ ایسے
ہیں کہ بندے کو اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ اس کا خاتمہ خراب ہو جاتا
ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین قرشی حنفی نے اپنے "تذکرہ" میں
امام ابوحنیفہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے
فرمایا کہ اکثر لوگوں کے ایمان موت کے وقت سلب ہو جایا کرتے
ہیں اور سلب ایمان کا سب سے بڑا سبب ظلم ہے اور اس سے بڑا
ظلم اور کیا ہوگا کہ بغیر علم کے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حدیث
میں بحث کی جرأت کی جائے۔ ہم اللّٰہ تعالیٰ سے سلامتی اور عافیت کی درخواست کرتے ہیں۔

اور اخیر میں ہماری دعا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے اور ہماری اس حقیر کوشش کو جو اس کے دین

اور حاملانِ دین کی نصرت کے سلسلہ میں عمل میں آئی ہے، محض اپنے فضل سے شرفِ قبولیت سے نوازے اور مقالہ نگار کو اس ظلم عظیم سے توبہ نصوح کی توفیق بخشے جو ان سے احادیث صحیحہ کو جعلی قرار دینے اور ائمہ حدیث پر زبان درازی کرنے اور کتبِ حدیث کو بے وقعت بنانے کے سلسلہ میں سرزد ہوا ہے۔ اور ساتھ مدیر "فاران" کی بھی اس خطاء کو معاف فرمائے کہ وہ مقالہ نگار سے حسن عقیدت کی بناء پر اس مقالہ کو نشر کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں،

آمین آمین یا ربّ العالمین بجاہ سیّد المرسلین و آلہ واصحابہ اجمعین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

شب چہار شنبہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ ہجری

رِدِّ منکرینِ حدیث

محمد عبدالرشید نعمانی

منصبِ نبوت کا انکار

آج کل انکارِ حدیث کا بے معنی شور ہے ، احکامِ دین کی بجا آوری سے بچنے کے لیے نفسِ دین کی ایسی تعبیر کی جا رہی ہے جو اپنی اپنی خواہشات کے ساتھ پورے طور پر ہم آہنگ ہو - مقصد اصل میں یہ ہے کہ دین کا ساتھ خود نہ دے سکیں تو دین ہی کو بدل دیا جائے -

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

دین کی قید و بند سے آزاد ہونے کی اس سے بڑھ کر کیا کامیاب تدبیر ہو سکتی کہ خود ترجمان وحی علیہ الصلوۃ و السلام کی تعلیم ہی کو سرے سے دین سے خارج کر دیا جائے اور آپ کے اقوال ، افعال اور احوال کو دین کی شرح ماننے سے انکار کر دیا جائے تا کہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق دین کی من مانی شرح کی جا سکے اور اسی من مانی کو عین دین قرار دیا جا سکے -

اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زریں تعلیم سند نہیں ، آپ کے حکمت بھرے اقوال حجت نہیں ، آپ کے بلند اعمال نمونہ نہیں ، آپ کے پاکیزہ احوال میں کشش نہیں تو سوائے اپنی عقلِ نارسا کے قرآن فہمی کا اور کون سا ذریعہ رہ جاتا ہے جب دینِ متین کی نبوی شرح و تعبیر آپ کے لیے حجت نہیں تو آپ آزاد ہیں دین کے نام سے جو چاہیں لکھیں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں ، اور قرآن کریم کے معجزانہ الفاظ کو معانی کا جو جامہ چاہیں پہنائیں آپ کو اختیار ہے - پہلے بھی فرق باطلہ

نے قرآن مجید کی من مانی تاویلیں کی تھیں اب بھی ممکن ہے پھر اس سے
بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ خود حاملِ وحی علیہ الصلوۃ والسلام
کو تو دین کی شرح و تعبیر کے حق سے محروم کیا جائے اور اپنے آپ کو
اس کا بجا حق دار سمجھا جائے -

حضور کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کی حیاتِ طیّبہ نمونہ عمل نہیں ،
صحابہ کی زندگی شرحِ دین اور سنتِ نبوی کا مظہر نہیں ، ائمہ اسلام کے
تمام اجتہادات کا مجموعہ بےمعنی غرقِ مےناب اولٰی ہے - یہ صرف اس
لیے کہ اسلامی تاریخ میں کچھ ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے
(نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ جھوٹی حدیثیں بنائی
تھیں لہذا پورا سرمایہ ہی ناقابلِ اعتماد ہے یہ استدلال کس قدر وزنی
اور عقلی ہے ؟

کسی خاص حدیث کے متعلق کوئی یہ دعویٰ کرے کہ فنِ اصولِ
حدیث کے اعتبار سے اور ائمہٗ احادیث کے فیصلے کے مطابق وہ موضوع
بحث ہے تو اس پر گفتگو کی جا سکتی ہے مگر تمام مجموعہٗ احادیث کو
ساقط الاعتبار قرار دینا نہ صرف علمی نقطہٗ نظر سے نہایت ہی بے وزن
ولایعنی ہے بلکہ ایک گمراہ کن جرأت ہے -

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار منصبِ نبوت کا
انکار ہے ، کیونکہ جب نبی کے اقوال ، اعمال اور احوال کی حیثیت شرعی
نہیں تو پھر نبی کا وجود اور عدم وجود برابر ہے اور اس صورت میں ،
اس میں اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے -

یہ بھی سوچنا چاہیے کہ قرآن مجید جو بار بار پیغمبر صلی اللہ علیہ
وسلم کی اطاعت و اتباع کی دعوت دے رہا ہے وہ کسی خاص قول یا
فعل کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق
ہے اور نہ صرف آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ قیام قیامت تک

کے لیے عام ہے - حدیث سے انکار کی صورت میں یہ دعوت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور نبی کی ساری حیثیت ختم ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ منہ) کیونکہ نبی مبعوث ہوتے ہیں دینِ الٰہی کی تعلیم دینے اور اس پر عمل کر کے دکھانے اور بتلانے کے لیے اور جب ان کے اقوال و اعمال قابلِ قبول نہیں تو پھر اتباع و اطاعت ہوگی تو کاہے میں ہوگی -

حدیث خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے :

لفظِ حدیث عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو ، کلام ، یا بات سے مراد لیتے ہیں چونکہ نبی گفتگو اور کلام کے ذریعے پیامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اپنی تقریر اور بیان سے وحی الٰہی کی شرح کرتے ہیں ان کے سامنے جو باتیں ہوتی ہیں اگر ان کا تعلق دین سے ہوتا ہے اور نبی انہیں دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے ہیں تو اسے بھی دین کا جزء سمجھا جاتا ہے اور ذاتِ نبوی سے اس کا تعلق ہونے کی بنا پر اسے حدیث کہا جاتا ہے کہ وہ امور جو نبی کے سامنے ہوئے اگر منافی منشاء دین ہوتے تو یقیناً نبی ان کی اصلاح کرتے یا ان کی تردید فرماتے لہذا ان سب کے مجموعے کا نام احادیث قرار پایا -

پیغمبر کے اقوال ، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا مسلمانوں کی خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے - چونکہ دین انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق واضح ہدایت دیتا ہے - عالمِ آخرت کو جس کا علم انسان کو صرف انبیاء کرام کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پیش کرتا ہے اور اس کی تمام تفصیلات بتاتا ہے - دنیاوی زندگی کے تمام نشیب و فراز اور اس کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کرتا ہے اس لیے دین انسان کے لیے ایک بڑی نعمت ہے - خود قرآنِ کریم نے دین کو نعمت فرمایا ہے اور اس نعمت کی نشر و اشاعت کو جو انسان اپنی گفتگو کلام اور بات چیت سے انجام دیتا ہے تحدیث سے تعبیر کیا ہے - جو عربی زبان میں بیان

کرنے اور گفتگو کرنے کے لیے مستعمل ہے - مندرجہ ذیل آیات میں قرآن حکیم نے دین کو نعمت کہا ہے اور ایک دوسری جگہ تحدیث نعمت کا اپنے نبی کو حکم دیا ہے :

و اذکروا نعمة اللہ علیکم و ما انزل علیکم من الکتٰب و الحکمة یعظکم بہ

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعے نصیحت فرمائے -

تکمیلِ دین کے سلسلے مین ارشاد ہے :

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی -

آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی -

سورہ ''الضحٰی'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم ہوتا ہے -

و اما بنعمة ربک فحدث

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے -

اب بتائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو دین کی تعلیم عطا فرمائی ہے اس کے لیے حدیث کا لفظ اختیار کرنے سے کیوں گریز کیا جاتا ہے اور کیوں اس کو دین سے جدا سمجھا جاتا ہے یہی نہیں انبیاء کے اقوال ، اعمال اور احوال کے لیے خود قرآن مجید نے بھی متعدد مقامات پر ''حدیث'' ہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے - چنانچہ سورہ ''الذاریات'' میں حضرت ابراہیم صلوات اللہ و سلامہ علیہ کا تذکرہ اس طرح شروع

ہوتا ہے :

هل اتٰـک حدیث ضیف ابراهیم المکرمین (الذاریات ع ۲)

اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ و السلام کے حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا گیا ہے :

هل اتٰـک حدیث موسیٰ (طٰہٰ ، النازعات)

علامہ سید شریف جرجانی نے تو ترجمہ بھی یہی کیا ہے :

"آیا آمد بتو حدیثِ موسیٰ"

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے لیے بھی قرآن مجید میں "حدیث" کا لفظ موجود ہے ۔

و اذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا (التحریم ع ۱)

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات ۔

ایسی صورت میں معلوم نہیں یہ قرآن قرآن پکارنے والے حدیث کے نام سے کیوں چراغ پا ہوئے جاتے ہیں ۔ یہ بات وہی ہے کہ جب منصب نبوت کا صحیح علم ہی نہیں تو آخر نہ جھٹلائیں تو کیا کریں ۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه

کچھ نہیں پر جس بات کے سمجھنے پر قابو نہ پا سکے اسے جھٹلانے لگے ۔

اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی است

غور کا مقام ہے ، طب ، سائنس ، حکمت ، فلسفہ ، نحو ، ادب ، تاریخ ، غرض کہ کوئی فن ہو جب آپ اس فن کی کوئی کتاب پڑھنے لگتے ہیں تو

آپ کا اولیں مقصد اس کے مطالعے سے یہ ہوتا ہے کہ اس کے معنی آپ سمجھتے جائیں ، اس کے مطالب آپ کے ذہن میں اترتے جائیں ، اس کے دقیق نکات اور باریک مضامین پر آپ کر دسترس حاصل ہو جائے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس درجہ کی بلند پایہ تصنیف ہوگی اور جتنا عالی مرتبہ اس کا مصنف ہوگا اسی درجہ وہ کتاب آپ کی توجہ کا مرکز اور آپ کے فکر کی جولانگاہ ہوگی اور جس قدر تصنیف اور مصنف کی عظمت آپ کے دل و دماغ میں گھر کیے ہوگی اسی قدر اس میں آپ کے لیے دعوتِ فکر و نظر کا سامان ہوگا ، اگر وہ بے شمار فوائد کی حامل ہوگی تو آپ کی سعی و کاوش کا میدان اور بھی وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا ۔ آپ کی خواہش ہوگی کہ اس کے ہر مضمون تک آپ رسائی پا جائیں اس کا ایک ایک نکتہ آپ حل کر ڈالیں اور اس کے لفظ لفظ میں ڈوب کر آپ حقیقت کا سراغ لگائیں۔

اب آئیے ذرا دورِ صحابہ پر نظر ڈال لیجیے ۔ صحابہ کا اس پر ایمان ہے کہ قرآن ، اللہ کی کتاب ہے اور اس کا کلام ہے جس کے وہ اولیں مخاطب ہیں ، اس کی اتباع پر وہ مامور ہیں ان کے لیے وہی وسیلۂ نجات اور ذریعۂ ہدایت ہے ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان میں تشریف فرمائیں ، آپ خدا کے پیغمبر ہیں ، قرآن کریم آپ ہی کے قلب اقدس پر نازل ہوا ہے ۔ آپ کا مقدس سینہ اس کے رموز و اسرار کا گنجینہ ہے اور آپ کی ذات قدسی صفات اس کے علوم و حکم کا مخزن ہے ، آپ تاویل قرآن کے واحد عالم ہیں پھر آپ معلم ہی بنا کر معبوث بھی کیے گئے ہیں اور دین کی تبلیغ آپ کا اصل فریضہ ہے ، دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے آپ کا دل بیتاب ہے ، نہ صرف مسلمانوں کو دین پر عمل کرانے کی آپ کے دل میں تڑپ ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی دعوتِ حق دی جا رہی ہے اور ہر وقت پیامِ الٰہی کی اشاعت کی فکر دامنگیر ہے ۔

پھر کیا دنیا کے پردہ پر اس سے بھی زیادہ کوئی تعجب انگیز بات

ہوگی کہ صحابہ جیسے متلاشیان حق[1] کے مجمع میں حضور علیہ الصلوۃ السلام جیسے بے مثال داعیٔ حق نے قرآن مجید جیسی گنجینۂ علم و عرفان کتاب کے جو معانی اور الفاظ کیا بلکہ ہر حیثیت سے قیام قیامت تک کے لیے معجزہ ہے ، الفاظ اور صرف الفاظ ہی دہرائے اور بس ۔ قرآن مجید کی ایک گونہ تلاوت کی اور تبلیغ دین کا اہم فریضہ ادا ہو گیا ۔ سننے والوں نے اسی طرح سن لیا اور اپنے دلوں میں جگہ دے دی ، کسی چیز کی تفصیل ، کسی عمل کی تشریح ، کسی شے کا مطلب ، نہ سنانے والے ہی نے سنایا اور نہ سننے والوں نے ہی دریافت کیا ، اور نہ کبھی اس کی ضرورت ہی پیش آئی ۔ 'ان ھذا لشی عجاب' ۔

پھر اس پر بھی غور کیجیے کہ ایک دن نہیں دو دن نہیں ماہ دو ماہ نہیں سال دو سال نہیں ، پورے تیئیس سال اسی طرح گزر جاتے ہیں کہ دنیا کا یہ سب سے بڑا الٰہی پیغامبر دین کے بارے میں تفصیلی ہدایات دیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور یہ تشنگانِ تعلیم ربانی اس ۲۳ سالہ مدت میں نہ ایک لفظ اس سلسلے میں اس کی زبانِ فیض ترجمان سے سنتے ہیں نہ خود کچھ اس سے پوچھتے ہیں ۔

خدارا ، اب آپ ہی بتائیں کہ پھر دنیا میں رسول کے مبعوث کرنے کا فائدہ کیا رہ جاتا ہے ۔ کیا اگر قرآن مجید لکھا لکھایا آسمان سے کہیں

۱۔ لفظ متلاشی کو بعض انشاء پرداز آج کل صحیح نہیں خیال کرتے ۔ حالانکہ فصحاء لکھنؤ نے ، جو ایجاد کے بانی اور اصلاح کے مالک تھے ، اس لفظ کو بے تکلف اپنے اشعار میں باندھا ہے ۔ خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں :

شب کو خیال رہتا ہے ایک رشک حور کا
ظلمت میں دل مرا متلاشی ہے نور کا

اور انھی کے نامور شاگرد نواب سید محمد خاں رند کا شعر ہے :

متلاشی ترے افلاک کے سب تارے ہیں
جو ثوابت تھے وہ اب چرخ پہ سیارے ہیں

پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو اس صورت میں یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

اگر (نعوذ باللہ) آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک چٹھی رساں اور ڈاکیہ نہیں سمجھتے بلکہ حقیقی معنی میں اللہ کا پیغامبر، قرآن کا معلم، دین کا داعی اور خلق کا ہادی مانتے ہیں تو لازمی طور پر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سامنے قرآن مجید کے صرف الفاظ ہی نہیں بیان کیے، اس کے معنی بھی بتائے تھے۔ تبلیغ کے فرائض میں الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی کی تبلیغ بھی داخل تھی، خود قرآن مجید کی تصریح ہے:

لنبین للناس ما نزل الیھم

تا کہ آپ کھول کر بتائیں لوگوں کو وہ شریعت جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

و ما علی الرسول الا البلاغ المبین

اور پیغمبر کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر۔

"بلاغ مبین" کھلی ہوئی تبلیغ، بلاغ معنی پر متضمن ہے اور درحقیقت یہی بیان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ظاہر ہے صرف وحی کے الفاظ پہنچا دینے سے بعثتِ انبیاء کا مقصد جو ہدایت خلق اللہ ہے پورا نہیں ہوتا رسولوں کے بارے میں جو عادت اللہ یوں جاری ہے کہ ہر رسول جو کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے ان کا ہمزبان ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی قرآن مجید نے "تبیین" ہی بیان فرمائی ہے یعنی کھول کر احکامِ الٰہی کو واضح کرنا، ارشاد ہے:

و ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کی قوم ہی کی زبان

میں تاکہ ان سے احکام الٰہیہ کو کھول کر بیان کرے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے بھی قرآن کی تبیین کی اور اس کا بلاغ مبین فرمایا یا نہیں، اگر جواب نفی میں ہے تو یقیناً فریضۂ تبلیغ ادا نہیں ہوا اور اگر اثبات میں ہے تو پھر آپ کی دہنی تبیین اور قرآن کا ابلاغ مبین احادیث کے علاوہ اور کہاں ہے؟

حدیث کیا ہے متن قرآن کی شرح ہے، اس کے معانی کا بیان ہے، اس کے مضمون کی تشریح ہے، اس کے اجمال کی تفصیل ہے اس کے الفاظ کی تعبیر ہے اس کے مفہوم کی تعیین ہے اور اس کے مطالب کی توضیح ہے۔

تعلیمات اسلام کے ہر باب کو اٹھا کر دیکھیے اور اس کے متعلق احادیث صحیحہ کا مطالعہ کیجیے ہمارے دعوے کی حقیقت آپ کے ذہن میں اترتی چلی جائے گی۔ حدیثیں نصوص قرآنی کی تقریر کریں گی، ان کے معانی کو کھول کر پیش کریں گی اور ان کے بارے میں جو مختلف اختلافات پیدا ہوں گے ان کو دفع کر کے ان کی مراد کو واضح کر دیں گی۔ احادیث ہی تو ہیں جن کی بدولت اللہ کے دین کے بارے میں آپ پر حجت قائم ہوتی ہے اور ان کا مطالعہ آپ کے دل میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ پیش گاہ ربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا گیا تھا آپ نے اس کی تبلیغ کا پورا پورا حق ادا فرمایا جس کے بعد اب کسی انسان کے لیے دین حق کو معلوم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، بابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم، سب جانتے ہیں کہ وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، درود، دعائیں، اسی طرح نکاح، طلاق، بیع و شریٰ، فصل قضایاو خصومات، اخلاق و معاشرت اور سیاسیات، سب کی تفصیل دین متین میں موجود ہے بلاشبہ ان کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، لیکن ان احکام کی تشریح ان کے جزئیات کی تعیین، ان

کے اجمال کی تفصیل میں کیا ایک قدم بھی آپ حدیث کی روشنی کے بغیر چل سکتے ہیں ؟

یقیناً یقیناً صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کے صرف الفاظ ، ہاں ہاں صرف الفاظ ہی نہیں لیے تھے اس کے معانی بھی اخذ کیے تھے اور علم و عمل کا وہ تمام حصہ حاصل کیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ ایزدی سے عطا ہوا تھا ۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی اکابر تابعین میں سے ہیں قرآن مجید کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہا اور اسی طبقہ کے دیگر علماء سے حاصل کیا ہے ، آن کے الفاظ یہ ہیں :

حدثنا الذین کانوا یقرؤننا القران من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم : انھم اذا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرآیات لم یجاوزوھا حتی یتعلموا ما فیھا من العلم و العمل ، فتعلمنا القرآن و العلم و العمل[1]

صحابہ میں سے جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے انھوں نے ہم سے بیان کیا ہے کہ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تو آگے نہیں بڑھتے تاآنکہ ان کے علم و عمل کو اچھی طرح سیکھ نہ لیتے تو ہم نے قرآن کو اس طرح سیکھا کہ علم و عمل دونوں کی بیک وقت تعلیم حاصل کی ۔

یہ تھا صحابہؓ کا طریقِ تعلیم ، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کے الفاظ بھی لیتے تھے اس کے معانی بھی سیکھتے تھے اور اس کا عمل

۱۔ مختصر الصواعق المرسلہ علی الجہمیہ و المعطلہ ، ابن قیم ۳۳۹ ج ۲ طبع مطبع سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۴۸ھ ۔

بھی حاصل کرتے تھے ، بلکہ احادیث قرآن کے معانی اس کے عمل ہی کا گنجینہ ہیں -

ذرا اس منظر پر بھی نگاہ ڈال لیجیے ، حج کا مقدس دن ہے مکہ معظمہ کا مقدس حرم ہے ، تقریباً ایک لاکھ صحابہ کا مقدس مجمع ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے ارشاد ہو رہا ہے -

انتم تسألون عنی فما انتم قائلون -

تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا پھر تم کیا جواب دو گے ؟

صحابہ کہتے ہیں :

نشهد انک قد بلغت و ادیت و نصحت

ہم شہادت دیں گے آپ نے دین پہنچایا ، فریضہ تبلیغ ادا کیا اور خیر خواہی فرمائی -

آپ آسماں کی طرف انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے ایک بار نہیں تین بار فرماتے ہیں :

اللهم اشهد ، اللهم اشهد ، اللهم اشهد (صحیح مسلم)

خدایا گواہ رہیو ، خدایا گواہ رہیو ، خدایا گواہ رہیو -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت و بلاغ کی یہ سچی شہادت اسی شخص کے صمیم قلب سے نکل سکتی ہے جو آپ کے قول کو قرآن کا ترجمان اور آپ کے عمل کو کلام اللہ کا بیان سمجھے ، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حدیث کو دین ہی نہیں مانتا آپ کے قول و عمل کو حجت شرعی نہیں سمجھتا جو فہم قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ اس کے معانی کا سمجھنا ہر کس و نا کس کی اپنی فہم پر چھوڑ دیتا ہے کہ جس طرح چاہے الٹا سیدھا مطلب نکال لے وہ درحقیقت آپ کے حق میں ''بلاغ مبین'' کی کس طرح شہادت دے سکتا ہے -

کتنا تعجب انگیز ہے یہ واقعہ ، نہیں بلکہ حادثہ ، کہ غیروں میں سے

نہیں خود اپنوں میں سے بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ احادیث کے جتنے مجموعے ہمارے پاس ہیں ان میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ رسولِ اکرم کے الفاظ ہیں - (نعوذ باللہ)

کیسی ناپاک کوشش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و بلاغ اور تعلیمِ دین کا ایک ایک حرف مشتبہ بنا دیا جائے۔ کیا خوب! پوری کی پوری امت نے اس آخری نبیؐ عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبیینِ دین اور بلاغِ مبین کو، کہ جس کے بعد اب قیامت تک کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس طرح ضائع کر دیا، کہ اس کا ایک حرف بھی موجود نہیں رہا - کتنی بڑی جسارت سے کام لیا گیا ہے - اس دروغ بیانی میں سارے وضاعین حدیث اور کذابین ایک طرف، شاید دنیا کے پردہ پر جب سے دنیا آباد ہوئی اس سے زیادہ سفید جھوٹ کوئی اور بولا گیا ہو! دنیا میں جتنے مشاہیر گزرے ہیں سب ہی کے اقوال کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور موجود ہے لیکن نہیں موجود تو کائنات انسانی کی اس عظیم ترین ذات قدسی صفات کے الفاظ کہ جس کے محض الفاظ ہی کو دل میں جگہ دینے اور زبان سے دہرانے کی دھن میں سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں نے اپنی جانیں وقف کر دی تھیں - دین کو ڈھانے اور اس کی اساس کو منہدم کرنے کے لیے کیا اس سے بھی زیادہ کسی اور حربہ کی ضرورت ہے:

لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان

بلاشبہ ہر شخص کو اختیار ہے وہ چاہے تو دن کو رات کہے بدیہیات کا انکار کرے، لیکن دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈالی جا سکتی - حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہی رہے گی وہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے نہیں بدل سکتی -

☆ ☆ ☆

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

مسٹر پرویز کا اصل موقف

اس ملک میں انکار حدیث کا فتنہ سب سے پہلے عبداللہ چکڑالوی نے برپا کیا پھر اسلم جیراج پوری نے اس کو ترقی دی اور اب چودھری غلام احمد پرویز نے اس کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے، یوں تو عرشی، برقی، تمنا عمادی وغیرہ وغیرہ بہت سے لوگ ہیں جو اس "کار خیر" میں پیش پیش ہیں لیکن اس کی چودھراہٹ اور سربراہی مسٹر پرویز ہی کے حصہ میں آئی ہے، چنانچہ دو سال ہونے کو آئے کہ اس ناپاک مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے قوم سے ایک لاکھ روپیہ کی اپیل کی گئی تھی اور رسالہ "طلوع اسلام" سے جو اس مقصد کا نقیب ہے معلوم ہوا کہ بیس ہزار روپیہ اس سلسلہ میں جمع بھی کیا جا چکا ہے اور کیوں نہ ہو بٹالہ اور قادیان کچھ دور نہیں بالکل پاس پاس ہیں، غلام احمد آنجہانی تو ختم نبوت کا انکار کر کے خود شریک نبوت ہونے کا دعویدار تھا اور اسی لئے اس نے کسی نہ کسی حد تک مذہب کو برقرار بھی رکھا تھا، لیکن غلام احمد پرویز نے سرے سے مذہب کی لٹیا ہی ڈبو دی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ، رسول[1] اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے مسٹر غلام احمد پرویز کا کہنا ہے۔

"اللہ و رسول" سے مراد ہی مرکز ملت ہے اور "اولی الامر" سے مفہوم افسران ماتحت"۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۵، ۶۲۶)

دین پرویزی میں یہ منصب رسالت مرکز ملت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے چنانچہ اسی کتاب کے ص ۶۲۶ پر ہے:-

"باقی رہا منصب مرکز ملت سو یہ ملت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سلسلہ بسلسلہ آگے چلے گا لہذا نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں"۔

ظاہر ہے کہ جب نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں تو پھر اطاعت رسول کی کیا حاجت، اسی لئے مسٹر پرویز کا کہنا ہے کہ:-

"اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے کسی انسان کی نہیں حتی کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا"۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۸۶)

---

[1] حالانکہ قرآن پاک میں جا بجا اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) کا صاف اور صریح ارشاد موجود ہے۔

دین پرویزی میں رسول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے[1] پرویز کے الفاظ ہیں :-

"قرآن تو رسول کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے۔ تا بدیگراں چہ رسد"

(رسالہ طلوعِ اسلام ص ۲۶ فروری ۵۲ء)

اس کے نزدیک

"حضور کی زندگی کا ہر واقعہ آنے والوں کے لئے نمونہ نہیں"[2]

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹۲)

لیکن اسی کے ساختہ مرکز ملت کو جس کے صدر پرویز صاحب بھی ہو سکتے ہیں یہ اختیار حاصل ہے :-

"جن جزئیات کو بدلنے والے احوال وظروف کے مطابق قابل تغیر و تبدل سمجھا گیا انہیں قرآن نے بلا تعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانے میں ان کا تعین خود کر لیا جائے، رسول اللہ نے اپنے زمانے کے احوال و اقتضاءات کے مطابق بہ حیثیت[3] مرکز نظام دین، ان کا تعین فرمایا بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردو بدل کر سکتے ہیں"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹۲)

مثلاً زکوۃ کے متعلق

ہر دور کی اسلامی حکومت خود متعین کرے گی کہ اسے کس قدر روپے کی ضرورت ہے اور اسی حساب سے وہ قوم سے ٹیکس وصول کرے گی وقس علی ھذا"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۴۹، ۶۵۰)

ظاہر ہے کہ جب مرکز ملت کے حدود و اختیارات اس درجہ وسیع ہیں تو پھر دین محمدی کے دیگر عقائد و اعمال کو آخر کیوں نہ جدید طریقے پر درست کیا جاتا چنانچہ اب "دین پرویزی" میں حسب ذیل اصلاحیں ہو چکی ہیں :-

---

[1] حالانکہ قرآن پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہی تحلیل و تحریم بیان فرمایا ہے ارشاد ہے وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں -

[2] حالانکہ قرآن پاک میں ارشاد ہے وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونہ عمل (اچھی پیروی) ہے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور روز آخرت سے آس لگائے ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو)

[3] "بہ حیثیت" یاد رہے کہ نبوت کی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس حیثیت سے تو دین پرویزی میں، رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا ہے -

۱۔ آخرت سے مراد قرآن میں

"قرآن ان پیش پا اُفتادہ قریبی مفاد عاجلہ کو "دُنیا" سے تعبیر کرتا ہے اور مستقبل کا نام "آخرت" رکھتا ہے لہٰذا اس کے نزدیک "متاعِ دُنیا" سے مفہوم ہوتا ہے وہ مفاد جو انسان اپنی ذات کے لئے تلاش کرتا ہے، اور "سامانِ آخرت" سے مقصود ہوتا ہے وہ متاع جسے وہ آنے والی نسلوں کے لئے تیار کرتا ہے۔"

(طلوع اسلام ص ۱۷ فروری ۵۲ء ۲)

۲۔ جنت و دوزخ کے بارے میں ہے کہ:۔

"سلسلۂ ارتقا میں آگے بڑھ جانا "جنت کی زندگی" ہے اور نشوونما کی صلاحیت کے سلب کر چکنے کے بعد سلسلہ ارتقا میں رُک جانے کا نام "جہنم کا عذاب" ہے ۔۔۔۔۔۔ اس لئے جنت یا جہنم کسی خاص مقام کا نام نہیں کیفیاتِ زندگی کی تعبیر ہے"۔

(طلوع اسلام ص ۲۵ نومبر ۵۱ء)

۳۔ بعث بعد الموت کے متعلق سُنیئے

"وہ زندگی نہ پیچھے مڑتی ہے نہ بار بار اعادہ کرتی ہے ۔۔۔۔۔۔ لہٰذا زندگی میں رجعت و تکرار نہیں"۔

(طلوع اسلام ص ۱۵ و ۱۶، اکتوبر ۵۱ء)

۴۔ "ملائکہ"

"یعنی فرشتوں کا ترجمہ اس کے نزدیک "کائناتی قوتیں" (طلوع اسلام ص ۴۰ فروری ۵۲ء)

یا طمانیتِ قلب کی دولت ہے (معارف القرآن ج ۴ ص ۵۱۹)

۵۔ نماز کے بارے میں اس کی رائے یہ ہے

"مذہب میں یہی نظامِ صلوٰۃ نماز پڑھنے میں تبدیل ہو گیا جس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا"۔

(طلوع اسلام ص ۱۲۲ جنوری و فروری ۵۰ء)

۶۔ بقیہ ارکانِ دین کے متعلق ملاحظہ ہو۔

"جس طرح ملوکیت کے استبداد میں منافقانہ زندگی خوشامد کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اسی طرح مذہب کی دُنیا میں منافقانہ زندگی بھی خوشامدانہ مسلک اختیار کر لیتی ہے، اس میں خدا کا تصور ایک جابر و مستبد بادشاہ کا سا قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان ڈرتا ہے خوف کھاتا ہے اس لئے اسے خوش رکھنے کے لئے اس کی پرستش کرتا ہے اس کے حضور چڑھاوے چڑھاتا ہے ۔ مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ خیرات اسی خوشامدانہ مسلک کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس طرح انسان بزعم خویش خدا کو خوش

کرلیتا ہے"۔   (طلوع اسلام ص ۳۷ فروری ۱۹۵۲ء)

۷۔ حج کیا ہے اور قربانی کیا چیز ہے؟

"سازان کی پوجا پاٹ، حج ان کی یاترا، رسوم باقی خود فنا ۔۔ ۔۔ ۔۔ حج کرنے جاتے ہیں تاکہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر آئیں الخ نتیجہ اس کا وہ سکرات موت کی ہچکیاں جن میں پوری پوری اُمت گرفتار ہے"۔   (معارف القرآن ج ص ۴، ۳۹۲)

پرویز کے نزدیک

"حج" بین الملی کانفرنس کا نام ہے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد ونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی"   (رسالہ قربانی از پرویز صـ۲)

غرض یہ ہے وہ دین پرویزی" جس کو دین محمدی کے مقابل رائج کرنے کی سعی کی جارہی ہے، جس کے لئے اتنا زور قلم صرف کیا جا رہا ہے ۔ سچ یہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث فتنہ مرزائیت سے کم نہیں، کیونکہ یہ دونوں فتنے براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پر ضرب لگاتے ہیں، اگر غلام احمد قادیانی نے آپ کے ساتھ رسالت ونبوت میں شرکت کا دعویدار بن کر آپ کے شرف خاص "خاتم النبیین" کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ تو غلام احمد پرویز نے نعوذ باللہ آپ کی حیثیت نبوت ہی کو سرے سے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے لہذا جو کبھی اس فتنہ (انکار حدیث) کے استیصال کے لئے جدوجہد کرے گا، یقیناً فردائے قیامت وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب مولوی سلیم الدین صاحب شمسی نے اس فتنہ کی اہمیت کو محسوس کرکے اس کے خلاف کام کرنے کا ارادہ کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے جناب موصوف کو اخلاص اور استقامت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ تعاون کی ارزانی کرے۔

دریں وادی زمانی جاودانی

زخاکش بے صور روید معانی

حکیماں باکلیماں دوش بردوش

کہ ایں جا کس نگوید "لن ترانی"   (اقبال)

کیا یہی اسلام ہے

مدیر "طلوع اسلام" کے عقائد و نظریات کی تشریح خود ان ہی کے قلم سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی والسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان (مجھے سب سے زیادہ ڈر اپنی امت پر اس منافق سے ہے جو زباندان ہو) مسٹر پرویز بھی ان ہی منافقین میں داخل ہیں، جن کو کچھ اردو لکھنے کا سلیقہ آگیا ہے اور انہوں نے اپنے اس سلیقہ سے بجائے اس کے کتاب اردو کی کچھ خدمت کرتے مذہب کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے اور اس طرح جو قلم کہ لیلی مجنوں کے خطوط یا کسی ادبی افسانے کے لئے وقف ہوتا وہ اب دین و مذہب کی تحریف میں منہمک ہے۔ ہمارے ملک کی جو آبادی اردو پڑھی لکھی ہے ان میں سے جو لوگ مذہبی معلومات کے حامل ہیں وہ تو ان کی انشا پردازی سے مسحور نہیں ہوسکتے، لیکن ہماری نئی پود جو دینی معلومات کے سلسلہ میں بالکل خالی الذہن ہے وہ ان کی ملمع کاری کے فریب میں آجاتی ہے اور یہی نسل اصل میں ان کی شکار گاہ ہے حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس مقالہ میں مسٹر پرویز کی کفریات کو مختصر

نسل خاک بدہن گستاخ بد تمیزی کی حد ہو گئی۔

انداز میں اس طرح جمع کیا ہے کہ ان کو پڑھ کر ایک ادنی سا مسلمان بھی انشاء اللہ مسٹر پرویز کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگا۔ یوں مسٹر پرویز کے کفر کے متعلق علماء کا متفقہ فتوی عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ

اللہ ورسول

(۱) "اللہ ، رسول" سے مراد ہی "مرکز ملت" ہے اور "اولی الامر" سے مفہوم "افسران ماتحت" (معارف القرآن از پرویز ج ۴ ص ۶۲۶، شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

(۲) "قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد "مرکز نظام حکومت ہے۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۳)

(۳) "بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد "مرکز حکومت" ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۳)

(۴) "اللہ اور رسول سے مراد ہی "مرکز ملت" ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۵۴)

(۵) اللہ اور رسول سے مراد "مسلمانوں کا امام" ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۴)

(۶) "بعض مقامات پر اللہ اور رسول کے الفاظ کے بجائے قرآن اور رسول کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کا مفہوم بھی وہی ہے یعنی "مرکز ملت" جو قرآنی احکام کو نافذ کرے۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۰)

(۷) "قرآن کریم میں "مرکز ملت" کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا

ہے۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۱)

اللہ اور رسول کی اطاعت

(۱) "اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔" (اسلامی نظام از پرویز ص ۸۶ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

(۲) اللہ اور رسول یعنی "مرکز نظام ملت" کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۱)

(۳) رسول اللہ کے بعد "خلیفۃ الرسول" رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد کی جدید مرکز ملت کی اطاعت ہوتی ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۸۲)

(۴) اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولی الامر سے مراد لئے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کیجاتی ہے کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے ذرا غور کیجیے فرمایئے کہ دنیا میں کوئی نظام حکومت اس طرح قائم رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن واحادیث

کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے بیٹھے ۔[1]

اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس میں اللہ اور رسول سے مراد "مرکز ملت" (CENTRAL AUTHORITY) ہے اور اولی الامر سے مفہوم افسران ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشہ شروع کر دو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو (REFER) اسے مرکزی حکومت کی طرف Refer کر دو، مرکز کا فیصلہ سب کے لئے واجب التسلیم ہو گا۔" (اسلامی نظام ص ۱۱۰و۱۱۱)

رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے

"یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے حتی کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ اسے بھی قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے لہذا اللہ و رسول سے مراد وہ مرکز نظام دین ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۱۶)

رسول کی حیثیت

(۱) "اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی (محمد) کی پوزیشن بھی اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہنچانے والا ہے اسے بھی کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے، کہ خدا اپنے قانون میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔" (سلیم کے

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اسی لئے پرویز نے قرآنی اصول کو مشکل کرنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "والذین معہ" کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (یہ صفحہ ۱۳۲ پر ملحا جلتا)

[1] دین اور اہل دین سے برگشتہ کرنے میں پرویز کا کردار بھی وہی ہے جو کمیونسٹوں کا ہے

[2] خاک بدہن گستاخ، بے تمیزی کی حد ہو گئی

نام از پرویز ج ۲ ص ۳۴ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور)

(۳) "پھر اسے بھی سوچئے کہ محبت رسول (مفہوم کیا ہے؟ یہ مفہوم قرآن نے خود متعین کر دیا ہے جب نبی اکرم خود موجود تھے تو" بہ حیثیت مرکز ملت "آپ کی اطاعت فرض اولین تھی۔" (مقام حدیث از پرویز ج ا ص ۱۹ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

رسول کی اطاعت اس لئے نہیں کہ وہ زندہ نہیں

"عربی زبان میں اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری ہے اسلامی نظام میں اطاعت امام موجود کی ہوگی جو قائم مقام ہوگا "خدا اور رسول کا" یعنی "مرکز نظام حکومت اسلامی" (اسلامی نظام ص ۱۱۲)

ختم نبوت کا مطلب

(۱) "ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرہ کی باگ ڈور اشخاص کے بجائے نظام کے ہاتھ میں ہوا کرے گی۔" (سلیم کے نام پندرہواں خط از پرویز ص ۵۰ ج ۲ طبع اول، اگست ۱۹۵۳ء شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

(۲) "اب سلسلہ نبوت ختم ہوگیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جائے جو وحی نے عطا کئے ہیں اور جو اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں۔" (سلیم کے نام - اکیسواں خط ج ۲ ص ۱۲۰)

(۳) "تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ ختم نبوت کا مفہوم یہ تھا کہ اب انسانوں کو صرف اصولی رہ نمائی کی ضرورت ہے ان اصولوں کی روشنی میں تفصیلات وہ خود متعین کریں گے لیکن ہمارے ہاں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا (اور اسی عقیدہ پر مسلمانوں کا عمل چلا آرہا ہے) کہ زندگی کے ہر معاملہ کی ہر تفصیل پہلے سے متعین کر دی گئی ہے اور ان تفاصیل میں اب کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ یہ عقیدہ اس مقصد عظیم کے منافی ہے جس کے لئے ختم نبوت کا انقلاب عمل میں آیا تھا۔"

(سلیم کے نام، بیسواں خط ج ۲ ص ۱۰۳)

قرآن عبوری دور کے لئے

(۱) "اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دیئے گئے ہیں، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول واحکام متعین کرتا ہے عبوری دور کے لئے بھی ساتھ کے ساتھ رہنمائی دیتا چلا جاتا ہے وراثت، قرضہ، لین دین، صدقات وخیرات سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔"

(نظام ربوبیت از پرویز۔ تعارف ص ۲۵ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی)

(۲) "قرآن میں صدقہ وخیرات وغیرہ کے لئے جس قدر ترغیبات وتحریصات یا احکام وضوابط آتے ہیں وہ سب اسی عبوری دور سے متعلق ہیں۔" (نظام ربوبیت ص ۱۶۷)

(TRANSITIONAL PERIOD)

(۳) "اس نظام کے قیام کے بعد کوئی مفلس اور محتاج باقی نہیں رہ سکتا۔ لہذا مفلسوں اور محتاجوں کے متعلق اس قسم کے احکام صرف عبوری دور سے متعلق ہیں۔" (سلیم کے نام، دوسرا خط ج ا ص ۲۴ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور)

شریعت محمدیہ منسوخ

(۱) "طلوع اسلام" باربار متنبہ کرتا رہتا ہے اور اب پھر ملت کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کے لئے ان چور دروازوں کو بند کر دین کی بنیاد صحیح قرآن اور فقط قرآن ہے جو ابد الآباد تک کے لئے واجب العمل ہے۔ روایات اس عہد مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ صلعم والذین معہ نے اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کس طرح متشکل فرمایا تھا یہ اس عہد مبارک کی شریعت ہے قرآنی اصول کی روشنی میں کسی فرد واحد کو ان جزئیات مستنبط کر کے اپنے عہد کے لئے شریعت بنا دینے کا حق نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی اتباع محمدی (بقول مرزا) یا کتنا ہی مزاج شناس رسول (بقول مودودی) کا دعویدار کیوں نہ ہو بلکہ یہ حق صرف صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ کا ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب و مدون کر سکے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی پھر یہ جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کی جا سکتی ہیں یہی اپنے زمانے کے لئے شریعت ہیں۔" (مقام حدیث ج ا ص ۳۹۱ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

(۲) "اگر رسول اللہ ﷺ کی متعین فرمودہ جزئیات کو قرآنی جزئیات کی طرح قیامت تک واجب الاتباع (یعنی ناقابل تغیر و تبدل) رہنا تھا تو قرآن نے ان

بحوالہ ص ۱۳۲ والا حاشیہ آگے گا۔

جزئیات کو بھی خود ہی کیوں نہ متعین کردیا؟ یہ سب جزئیات ایک ہی جگہ مذکور اور محفوظ ہو جاتیں ---اگر خدا کا منشا یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لئے اڑھائی فی صدی ہونی چاہئے تو وہ اسے قرآن میں خود نہ بیان کردیتا-اس سے ہم ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی تھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے۔" (مقام حدیث ج ۲ ص ۲۹۲ و ۲۹۳ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

نیس

ذرا امور

ساری شریعت میں ردوبدل

(۱) "قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوئی ہے اس لئے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی ان کی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں از روئے بصیرت متعین کی جائے گی جیسی رسول اللہ نے کیا اور ہمارے لئے بھی ایسا کرنا منشائے قرآنی اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہے اس باب میں اخلاق، معاملات اور عبادت میں کوئی تفریق و تخصیص نہیں-اگر تفریق مقصود ہوتی تو عبادت کی جزئیات قرآن خود ہی متعین کردیتا۔" (مقام حدیث ج ۱ ص ۴۲۴)

(۲) "جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہوگا۔ یعنی اگر جانشین رسول اللہ (قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔" (قرآنی فیصلے از پرویز ص ۴ و ۵ اشائع کردہ طلوع اسلامی کراچی)

شروع صفحہ
و کر ذرا امور

انکار حدیث

(۱) "مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے ہم پایہ (مثلہ معہ) ہے یہ وحی روایات میں ملتی ہے، اس لئے روایات عین دین ہیں- یہ عقیدہ پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی روایات سازی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا---اس طرح اس دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور "دین" مدون کر کے رکھ دیا اور اسے "اتباع سنت رسول اللہ" قرار دیکر امت کو اس میں الجھا دیا۔" (مقام حدیث ج ۱ ص ۴۲۱)

مسلمانوں کا مذہب حدیث یعنی جھوٹ ہے

(۲) "بہر حال جھوٹ پہلی سازش کے ماتحت بولا گیا بعد میں "الہان مسجد" نے "نیک کاموں" کے لئے اس جھوٹ کی حمایت کی، نتیجہ دونوں کا ایک ہے یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا- وحی غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھیرا دیا گیا۔" (مقام حدیث ج ۲ ص ۱۲۲)

احادیث کا مذاق اڑانا

"آیئے ہم آپ کو چند ایک نمونے دکھائیں ان "احادیث مقدسہ" کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں اور جو ملا کی غلط انگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جزو بن رہی ہیں دیکھئے کہ ان احادیث کی رو سے وہی جنت جس کے حصول کا قرآنی طریقہ اوپر مذکور ہے کتنے سستے داموں ہاتھ آجاتی ہے۔؟

لیجئے اب روایات کی رو سے جنت کے ٹکڑے خریدئے- دیکھئے کتنی سستی جارہی

ہے۔

سب سے پہلے السلام علیکم کیجئے اور ہاتھ ملایئے لیجئے جنت مل گئی ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالی انہیں بخش دیتا ہے۔"

اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجئے، جنت حاضر ہے۔

مسلم کی حدیث ہے کہ وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ ٹپک جاتے ہیں یہاں تک کہ پانی کا آخری قطرہ ہر عضو کے آخری گناہ کو ساتھ لیکر ٹپکتا ہے---

کہیے؟ کس قدر سستی رہی جنت! وضو کیا تو تمام گناہ اس کے پانی میں بہہ گئے اور اگر ساتھ دو رکعتیں نفل بھی پڑھ لے تو خود رسول اللہ بھی آگے جنت میں پہنچ گئے۔

اس سے بھی آسان! مسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص مؤذن کے جواب میں اذان کے الفاظ دہراتا ہے---- تو یہ شخص جنت میں جائے گا۔

جسے قانون کی اصطلاح میں جرم کہا جاتا ہے اسے مذہب کی زبان میں گناہ کہتے ہیں جرم ایک مرتبہ کا بھی کم نہیں ہوتا لیکن عادی مجرم کے لئے تو سوسائٹی میں کوئی جگہ ہی نہیں اس کے برعکس ملا کے مذہب نے جرائم کے لئے ایسا لائسنس دے رکھا ہے کہ صبح و شام تک جرم پر جرم کئے جاؤ لیکن ساتھ نمازیں بھی پڑھتے جاؤ سب جرم معاف ہوتے جائیں گے ...... ترمذی کی حدیث ہے کہ چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے والا دوزخ اور نفاق

دونوں سے بری کر دیا جاتا ہے۔

لیجئے ایک چلہ پورا کر لیجئے اور عمر بھر کے لئے جو جی میں آئے کیجئے دوزخ میں آپ کبھی نہیں جاسکتے۔ (مقام حدیث ج ۲/ص ۹۶ تا ۱۰۰)

(احادیث نبوی کے ساتھ تمسخر و استہزا کا یہ سلسلہ اس کتاب کے ۱۲۵ تک چلا گیا ہے۔)

آج اسلام دنیا میں کہیں نہیں

"اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانے کے "مذہب" میں تبدیل کر دیا جائے چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور آج جو اسلام میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں"

(سلیم کے نام پندرہواں خط ۲۵۱ و ۲۵۲ طبع اول، اگست ۱۹۵۳ء شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی)

ذات باری تعالیٰ

"اور چونکہ "خدا" عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۴۲۰)

آخرت سے مراد مستقبل

"قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی کا نام "ایمان بالآخرت" ہے اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے جسے رسالت محمدیہ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا ہے۔ یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھنی وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اس زندگی میں بھی مستقبل پر اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی" (سلیم کے نام اکیسواں خط ج ۲ ص ۱۲۴)

جنت و جہنم

"بہر حال مرنے کے بعد کی "جنت اور جہنم" مقامات نہیں ہیں، انسانی ذات کی کیفیات ہیں" (لغات القرآن از پرویز۔ ج ا ص ۴۴۹ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور)

ملائکہ

(۱) اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں "ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہین جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں" (ابلیس و آدم از پرویز ص / ۱۹۵ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی)

(۲) "قرآن کریم نے "ملائکہ" پر ایمان کو "اجزائے ایمان" میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ۲ / ۲۸۵) یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ، کتب، رسل، آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔

سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انہیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے "ملائکہ" کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ (۳ / ۴۳) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جاچکا ہے آدم سے مراد خود آدمی (یا نوعِ انسان) ہے۔ لہٰذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ ہیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں انہیں چھوڑیئے جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہیے

ہیے

اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے "جماعت مؤمنین" کہا جائے (کیونکہ مؤمن کا مقام عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے) (لغات القرآن از پرویز ج ا ص ۲۴۴)

ذرا ہٹا

یا

جبریل

"انکشافِ حقیقت کی "روشنی" (ذریعہ واسطہ) کو جبریل سے تعبیر کیا گیا ہے" (ابلیس و آدم ص ۲۸۳)

ذرا دیکھ

قرآن پاک کے مفہوم میں الحاد

(نمونہ کے طور پر صرف "سورۂ فاتحہ" کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے جو اس کی سات

آیتوں کی نمبروار تشریح ہے۔)

(۱) زندگی کا ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری گوشہ خالق کائنات کے عظیم القدر نظام ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو ہر چشم بصیرت سے بے ساختہ داد تحسین لے لیتی ہے۔

(۲) وہ نظام جو تمام اشیائے کائنات اور عالمگیر انسانیت کو ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما سے تکمیل تک لئے جارہا ہے۔ عام حالات میں بتدریج، اور ہنگامی صورتوں میں انقلابی تغیر کے ذریعے۔

(۳) انسان کو یہ تمام سامان نشوونما بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے، لیکن اس کی ذات کی نشوونما اور اس کے مدارج کا تعین اس کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے جن کے نتائج خدا کے اس قانون مکافات کی رو سے مرتب ہوتے ہیں جس پر اسے کامل اقتدار حاصل ہے۔

(۴) اے عالمگیر انسانیت کے نشوونما دینے والے! ہم تیرے اسی قانون عدل و ربوبیت کو اپنا ضابطۂ حیات بناتے اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق اپنی صلاحیتوں کی بھرپور اور متناسب نشوونما کر سکیں اور پھر انہیں تیرے ہی بتائے ہوئی طریق کے مطابق صرف کریں۔

(۵) ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ پروگرام اور طریق، جو انسانی زندگی کو اس کی منزل مقصود تک لے جانے کی سیدھی اور متوازن راہ ہے، نکھر اور ابھر کر ہمارے سامنے آجائے۔

(۶) یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر، پچھلی تاریخ میں، سعادتمند جماعتیں، زندگی کی شادابی و خوشگواری، سر فرازی و سربلندی اور سامان زیست کی کشادگی و فراوانی سے بہرہ یاب ہوئی تھیں۔

(۷) اور ان کا انجام ان سوختہ بخت اقوام جیسا نہیں ہوا تھا جو اپنے انسانیت سوز جرائم کی وجہ سے یکسر تباہ و برباد ہو گئیں، یا جو زندگی کے صحیح راستہ سے بھٹک کر اپنی کوششوں کو نتائج بدوش نہ بنا سکیں، اور اس طرح ان کا کاروان حیات ان قیاس آرائیوں کے سراب اور توہم پرستیوں کے پیچ و خم میں کھو کر رہ گیا (مفہوم القرآن از پرویز پارہ اول ص ا- شائع کردہ میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور)

(پرویز کی پوری کتاب "مفہوم القرآن" اسی تحریف و الحاد سے بھرپور ہے جس کا نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اب تک اس کتاب کے چار پارے شائع ہو چکے ہیں)

آدم علیہ السلام

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ "آدم" جس کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۲/۳) نبی تھے۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا۔ بالفاظ دیگر قصہ آدم کسی خاص فرد یا (جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود "آدمی" کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے کہ جب اس نے قدیم انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی۔" (لغات القرآن از پرویز ج ۱

(PRIMITRE)

(Social life)

ص ۲۱۳

حضور کو کوئی حسّی معجزہ نہیں دیا گیا

(۱) "رسول اکرم کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔" (سلیم کے نام ج ۳ ص ۳۶)

(۲) "مخالفین بار بار نبی اکرم سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر بار ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ ہم نے رسول کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا اس کے معجزات صرف دو ہیں۔

(۱) "یہ کتاب جس کی مثل و نظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا (۲۹-۵۱) اور (۲) خود اس رسول کی اپنی زندگی جو سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ (۱۰-۱۶) ان کے علاوہ اگر تم معجزات دیکھنا چاہتے ہو تو (قل انظروا ماذا فی السموات والارض) ارض و سموات پر غور کرو قدم قدم پر معجزات دکھائی دیں گے۔ (۱۰-۱۰۱) غور کرو سلیم! نبی اکرم کو تو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا جاتا۔" (سلیم کے نام ج ۳ ص ۹۱-۹۲)

(۳) "نبی اکرم کو قرآن کے سوا (جو عقلی معجزہ) ہے کوئی اور معجزہ نہیں دیا گیا۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۷۳۱)

انکار معراج

"سورہ بنی اسرائیل کی آیت اسریٰ میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو (ایک) رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا تاکہ وہاں اسے اپنی آیات دکھائے۔

--خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شب ہجرت کا بیان ہے اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہو گی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔" (معارف القرآن ج ۳ ص ۲۳۶)

عقیدۂ تقدیر کا انکار

"مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جا پڑی، انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزو ایمان بنا دیا۔ چنانچہ ہمارے ایمان میں والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کا چھٹا جزو انہی کا داخل کیا ہوا ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۱۹۰)

وزن اعمال کی افیون

"اس پیشوائیت نے جس کا ہمارے یہاں ملائیت نام ہے آہستہ آہستہ مسلمانوں کو یہ افیون پلانی شروع کی کہ دنیا کے معاملات دنیاداروں کا حصہ ہیں جو اس مردار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں مذہب انسان کی عاقبت سنوارنے کے لئے اس نے جس قدر حکم دے رکھے ہیں ان کے متعلق یہ کبھی نہ پوچھو کہ ان کی غایت کیا ہے یہ خدا کی باتیں ہیں جو خدا ہی جان سکتا ہے مذہب میں عقل کا کوئی کام نہیں تم صرف یہ سمجھ لو کہ فلاں بات کا حکم ہے اس لئے اسے کرنا ہے اور کا "ثواب" تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا اور یہ تمام پرزیاں قیامت کے دن ترازو میں رکھ کر تولی جائیں گی اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گی۔" (قرآنی فیصلے ص ۶۷)

نظریہ ارتقاء

"یہ سوال کہ دنیا میں "سب سے پہلا انسان" کس طرح وجود میں آگیا ذہن انسانی کے لئے وجہ ہزار حیرت و استعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں جن میں توہم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عقیدے کے حل میں عجیب و غریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم و بصیرت کے انکشافات راہ نمائی کئے جا رہے ہیں کہ سائنس کے انکشافات کی رو سے خاک کے ذرے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہو گئے یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورت انسانی میں جلوہ گر نہیں ہو بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی ان متنوع مراحل کی تفصیل قرآن کریم کی آیات جلیلہ میں عجیب انداز میں سمٹی ہوئی ہے۔"

(ابلیس و آدم پرویز ص ۶۴ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

ارکان اسلام

"اسلامی نظام زندگی میں یہ تبدیلی اسی دن سے ہو گئی جب دین مذہب سے بدل گیا اب ہماری صلوٰۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا اپشو بھگتی کہلاتی ہے ہمارے روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت کہتے ہیں ہماری زکوٰۃ وہی شے ہے جسے مذہب دان یا خیرات کہہ کر پکارتا ہے ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے "ثواب" ہوتا ہے۔ مذہب کے ہاں اسی کو پن کہتے ہیں اور ثواب سے نجات (مکتی) ملتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین

---

[1] یعنی جب "اشتراکی نظام" مکمل طور پر ملک میں رائج ہو جائے گا تو زکوٰۃ کی ضرورت سرے سے ختم ہو جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کا حکم تو پرویز کے نزدیک عبوری دور سے متعلق ہے۔

(نظام زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ گیا اب یہ تمام عبادات اس لئے سرانجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے، ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ۔ آج ہم بھی اسی مقام پر ہیں جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی۔"

(قرآنی فیصلے از پرویز ص ۳۰۱ و ۳۰۲ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

نماز

(۱) "عجم میں مجوسیوں (پارسیوں) کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا ہے (یہ لفظ ہی ان کے ہاں کا ہے اور ان کی کتابوں میں موجود ہے) لہذا صلوٰۃ کی جگہ نماز نے لے لی اور قرآن کی اصطلاح "اقیموا الصلوٰۃ" کا ترجمہ ہو گیا نماز پڑھو۔ جب گاڑی نے اس طرح پٹڑی بدلی تو اس کے پہیے کا ہر چکر اسے منزل سے دور لے جاتا گیا۔ چنانچہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ "اقیموا الصلوٰۃ" سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا اور نماز پڑھنے سے مراد ہے خدا کی پرستش کرنا۔"

(قرآنی فیصلے ص ۲۶ و ۲۷)

(۲) "قرآن کریم نے "نماز پڑھنے" کے لئے نہیں کہا قیام صلوٰۃ یعنی نماز کے نظام (INSTITUTION) کے قیام کا حکم دیا ہے مسلمان نمازیں پڑھتے ضرور ہیں لیکن انہوں نے نظام صلوٰۃ کو قائم نہیں کیا ان کی نماز، ایک وقت معینہ کے لئے، ایک عمارت (مسجد) کی چار دیواری کے (اندر) ایک عارضی عمل بن کر رہ جاتی ہے۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۲۲۸)

(پرویز کے نزدیک "اقام الصلوٰۃ" سے مراد ہے)

(۳) معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جب پر ربوبیت نوع انسانی (رب العالمین) کی عمارت استوار ہوتی جائے قلب و نظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے۔"

(نظام ربوبیت ص ۸۷)

کم از کم دو وقت کی نماز

"سورہ نور میں صلوۃ الفجر اور صلوۃ العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ تمہاری کوقات میں اجازت لیکر کمرے کے اندر آیا کریں یعنی مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ (۲۴-۵۸) صلوۃ الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو، اور صلوۃ العشاء کے بعد"- اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اجتماعات صلوٰۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔" (لغات القرآن از پرویز ج ۳ ص ۱۰۴۴)

نماز میں ردوبدل

"جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہو گا یعنی اگر جانشین رسول اللہ (یعنی قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردو بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہو گی۔" (قرآنی فیصلے ص ۱۴، ۱۵)

زکوٰۃ

(۱) "زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے- اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریات ملی پر ہے- حتی کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی

ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو، لہٰذا جب کبھی اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی۔" (قرآنی فیصلے ص ۳۵)

(۲) "ظاہر ہے کہ ہماری حکومت ہنوز اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے آج کل زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت ٹیکس وصول کر رہی ہے اگر یہ حکومت اسلامی ہو گئی تو یہی ٹیکس زکوٰۃ ہو جائیگا ایک طرف ٹیکس اور اس کے ساتھ دوسری طرف زکوٰۃ قیصر اور خدا کی غیر اسلامی تفریق ہے۔" (قرآنی فیصلے ۳۷)

(۳) "اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فیصدی ہے تو یہی بیس فیصدی شرعی شرح قرار پاجائے گی اور جب قرآنی نظام ربوبیت اپنی آخری شکل میں قائم ہو گا تو اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہو جائے گی۔" لہ (سلیم کے نام پانچواں خط ج ۱ ص ۷۷، ۷۸)

(۴) "زکوٰۃ (یعنی حکومت کے ٹیکس) کی شرح میں تغیر و تبدل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نظر نہیں آتی۔" (قرآنی فیصلے ص ۱۲)

(۵) زکوٰۃ سے مراد اڑھائی فیصدی ٹیکس نہیں بلکہ یہ ایک پروگرام ہے جس کی سر انجام دہی مومنین کے ذمہ ہے۔" (نظام ربوبیت ص ۱۶۴)

(۶) ایتاء زکوٰۃ۔ نوع انسانی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا (تزکیہ کے معنی ہیں نشوونما بالیدگی) (نظام ربوبیت ص ۸۷)

لہ یہاں صفحہ ۱۴۸ کا حاشیہ آئے گا۔

صدقات اور صدقہ فطر

(۱) "صدقات ان ٹیکسوں کا نام ہے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے عائد کئے جاتے ہیں، انہی میں صدقہ فطر ہے۔" (قرآنی فیصلے ص ۵۰)

(۲) "اب سنت رسول اللہ کا صرف اتنا حصہ پیش کیا جاتا ہے کہ نماز سے پہلے صدقہ فطر نکال کر اپنے اپنے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو روزے معلق رہ جائیں گے خدا تک نہیں پہنچیں گے گویا صدقہ فطر ملت کے اجتماعی مصالح کے لئے نہیں بلکہ ڈاک کے ٹکٹ ہیں جنہیں روزوں پر چسپاں کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ روزے مکتوب الیہ (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائیں۔ غور فرمایا آپ نے کہ بات کیا تھی اور کیا بن گئی..... لیکن جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے صدقات نکلتے رہیں گے زکوٰۃ جاتی رہے گی قربانیاں ہوتی رہیں گی۔ لوگ حج کرتے رہیں گے اور قوم بدستور بے گھر، بے در، بھوکی ننگی اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔ کتنا بڑا ہے یہ انتقام جو ہزار برس سے اسلام سے لیا جا رہا ہے اور غور کیجئے اس انتقام کے لئے آلہ کار کن لوگوں کو بنایا جا رہا ہے۔" (قرآنی فیصلے ص ۵۱ و ۵۲)

حج

(۱) "نماز ان کی پوجا پاٹ، حج ان کی یاترا۔ رسوم باقی خود فنا----- حج کرنے جاتے ہیں تاکہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ لوا کر آئیں اور آتے وقت زمزم کا پانی ٹین کی

ڈنڈوں میں بند کر کے لیتے آتے ہیں تاکہ اسے مردوں کے کفن پر چھڑکا جائے۔ نتیجہ اس کا وہ سکرات موت کی ہچکیاں جن میں پوری کی پوری امت آج گرفتار ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۹۲)

(۲) "لوگ تو حج ہی اپنے مقصد کو چھوڑ کر محض "یاترا" بن کر رہ گیا ہے۔ حاجی وہاں جاتے ہیں تاکہ اپنے تمام سابقہ گناہ آب زمزم سے دھو کر اس طرح واپس آجائیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔" (قرآنی فیصلے ص ۶۳)

(۳) "حج عالم اسلامی کا وہ عالمگیر اجتماع ہے جو اس امت کے مرکز محسوس (کعبہ) میں اس غرض کے لئے منعقد ہوتا ہے کہ ملت کے تمام اجتماعی امور کا حل قرآنی دلائل و حجت کی رو سے تلاش کیا جائے اور اس طرح یہ امت اپنے فائدے کی باتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے۔" (لغات القرآن ج ۲ ص ۴۷۴)

قربانی

(۱) "حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے، اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد و نوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہے۔" (رسالہ قربانی از پرویز ص ۴)

(۲) "قرآن کریم میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے عرفات کے میدان میں جب یہ تمام نمائندگان ملت ایک لائحہ عمل طے کر لیں تو اس کے بعد منیٰ کے مقام پر دو تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا۔ جہاں یہ باہمی بحث و تمحیص سے اس پروگرام کی تفصیلات طے کریں گے ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوں گی، آج صبح پاکستان والوں کے ہاں شام کو اہل افغانستان کے ہاں۔ اگلی صبح اہل

شام کی طرف وقس علی ذلک۔ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کر لئے جائیں گے۔امیر بھی غریب بھی۔اس مقصد کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں گے قربانی کے جانور کہلائیں گے۔" (قرآنی فیصلے ص ۵۵)

(۳) مقام حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ (یعنی اپنے اپنے شہروں میں) قربانی کے لئے کوئی حکم نہیں-----اس لئے یہ ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے----- ذرا حساب لگائیے کہ اس رسم کو پورا کرنے میں اس غریب قوم کا کس قدر روپیہ ہر سال ضائع ہو جاتا ہے----اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں اگر پچاس ہزار نے بھی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپے بھی سمجھ لی جائے تو پندرہ لاکھ روپیہ ایک دن میں صرف ایک شہر سے ضائع ہو گیا۔اب اس حساب کو پورے پاکستان پر پھیلایئے اور اس سے آگے ساری دنیا کے مسلمانوں پر اور پھر سوچئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں! لیکن اگر ہمیں سوچنا آجائے تو پھر ہماری بربادی کیوں ہو؟" (قرآنی فیصلے ص ۵۵، ۵۶)

کی ان

(۴) "مذہبی رسومات کی ان دیمک خوردہ لکڑیوں کو قائم رکھنے کے لئے طرح طرح کے سہارے دیئے جاتے ہیں کہیں قربانی کو سنت ابراہیمی قرار دیا جاتا ہے، کہیں اسے صاحب نصاب پر واجب ٹھہرایا جاتا ہے، کہیں اسے تقرب الٰہی کا ذریعہ بتایا جاتا ہے کہیں دوزخ سے محفوظ گزر جانے کی سواری بنا کر دکھایا جاتا ہے۔" (قرآنی فیصلے ص ۶۴)

(۵) "قربانی تو وہاں کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی۔اب جس طرح وہاں جانور ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ ہی وہ مقصود خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم

آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصد وغایت کو اپنے ساتھ لئے ہوئے کہاں بھی سب کچھ ضائع کردیا جاتا ہے اور سال بھی ذلک خسران المبین (قرآنی فیصلے ص ۶۵)

تلاوت قرآن کریم

"یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے "ثواب" ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ در حقیقت عہد سحر کی یادگار ہے۔" (قرآنی فیصلے ص ۱۰۴)

ایصال ثواب

"اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ "ایصال ثواب" کا عقیدہ کس طرح "مکافات عمل" کے عقیدہ کے خلاف ہے جو اسلام کا بنیادی قانون ہے، خدا جانے اس قوم نے کہاں کہاں سے ان عقائد کو پھر سے لے لیا جنہیں مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا اور اس صورت میں جب کہ خود قرآن اپنی اصلی شکل میں ان کے پاس موجود ہے، اس سے بڑا تغیر بھی آسمان کی آنکھ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔" (قرآنی فیصلے ص ۹۸)

دین کے ہر گوشہ میں تحریف ہو چکی ہے

"وہ دین جو محمد رسول اللہ نے دنیا تک پہنچایا تھا اس کا کونسا گوشہ اور کونسا شعبہ ہے جس میں تحریف نہیں ہو چکی۔" (قرآنی فیصلے ص ۶۶)

برہمو سماجی مسلمان

"یہ ہر رنگ کی "خدا پرستی" میں "نیک عملی" کی راہیں بتانے والے "برہمو سماجی مسلمان" کیا جانیں کہ قرآن کی رو سے "خدا پرستی" کسے کہتے ہیں اور "نیک عملی" کیا

ہوتی ہے۔" (سلیم کے نام- اٹھارواں خط ج ۲ ص ۱۵)

قرآن کی رو سے سارے مسلمان کافر ہو گئے

"اس حقیقت کو قرآن نے سورہ آل عمران میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے، اس میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی راہ کونسی ہے اور اسے حضرات انبیاء کرام نے کس طرح اختیار کیا- اس کے بعد اس حقیقت کا اعلان ہے کہ فوز و فلاح اور سعادات و برکات کی یہی ایک راہ ہے (ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ- وھو فی الآخرۃ من الخاسرین (۳-۸۵) جو قوم اس راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گی تو اس کی یہ راہ قابل قبول نہیں ہوگی- اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آخر الامر تباہ و برباد ہو جائے گی۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تاریخ سامنے لائی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ (کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم) بھلا سوچو کہ خدا اس قوم پر زندگی کی راہیں کس طرح کشادہ کر دیگا جس نے ایمان کے بعد کفر کی روش اختیار کرلی ہو (وشھدوا ان الرسول حق وجاء ھم البینت) حالانکہ ان کی طرف خدا کا واضح ضابطہ حیات آچکا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے کہ ان کے رسول نے اس ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہو کر کس طرح تعمیری نتائج پیدا کر دکھائے تھے- یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس قوم نے کفر کی راہ اختیار کرلی (واللہ لایھدی القوم الظلمین) سو ایسی ظالم قوم کو خدا کس طرح سعادتوں کی راہ دکھائے (اولئک جزاء ھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین) ان کی اس روش کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم ان تمام آسودگیوں سے محروم ہو گئی جو نظام خداوندی سے وابستگی سے حاصل ہوئی تھیں اور ان تمام

آسائشوں سے بھی محروم ہو گئی جو فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے سے ملتی تھیں حتی کہ ان کی ذلت و پستی کی وجہ سے دوسری قومیں انہیں اپنے پاس نہیں آنے دیتیں اور دور دور رکھتی ہیں (لا یخفف عنہم العذاب ولاھم ینظرون) اس بناء پر کہ انہوں نے اپنا نام مسلمان رکھ چھوڑا ہے ان کی اس تباہی میں کسی طرح کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی انہیں اس سے زیادہ مہلت مل سکتی تھی جتنی مہلت خدا کے قانون امہال و تدریج کی رو سے ملا کرتی ہے----

دیکھو سلیم! قرآن نے واضح الفاظ میں بتادیا ہے کہ اس امت کو جو سرفرازیاں شروع میں نصیب ہوئی تھیں وہ ان بینات (قرآن کے واضح قوانین) پر چلنے کا نتیجہ تھیں جو انہیں خدا کی طرف سے ملے تھے۔ پھر جب انہوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تو یہ ان تمام برکات سے محروم ہو گئے۔" (سلیم کے نام سینتیسواں خط ج ۳ ص ۷ ۱۹ تا ۱۹۹)

پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں

محمد صبیح ایڈوکیٹ نے، دار الاشاعت قرآن لاہور سے ۹۶ صفحات کا ایک رسالہ شائع کیا تھا جس کا نام ہے "حلال و حرام کی تحقیق" ماہنامہ "طلوع اسلام" بابت مئی ۱۹۵۲ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جو داد تحقیق دی گئی وہ درج ذیل ہے۔

"سید محمد صبیح صاحب نے اس رسالہ میں بتایا ہے کہ قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔"

"یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

ہمارے مروجہ اسلام میں حرام وحلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں اور کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی شے کو حرام قرار دیدے۔ یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔" (طلوع اسلام۔ مئی ۱۹۵۲ء ص ۶۹)

تقلید / ردِّ غیر مقلدین

لا مذہبیت کا فتنہ لا دینیت پر جا کر ختم ہوتا ہے!

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً: أما بعد:

دین کی کچھ باتیں تو ایسی سادہ اور آسان ہوتی ہیں کہ جن کے جاننے میں سب خاص وعام برابر ہیں، جیسے وہ تمام چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے یا مثلاً وہ احکام جن کی فرضیت کو سب جانتے ہیں، چنانچہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ارکانِ اسلام میں داخل ہیں، لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتے، اس لیے ان کو علماء سے پوچھنا ضروری ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو اہلِ علم قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد سمجھتے ہیں اور علماء کو بھی ان مسائل کے سمجھنے کے لیے شرعی طور پر ایک خاص علمی استعداد کی ضرورت ہے، جس کا بیان اصولِ فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، بغیر اس استعداد کے حاصل ہوئے کسی عالم کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی مشکل آیت کی تفسیر کرے، یا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نکالے۔ جس عالم میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اپنی پوری کوشش صرف کر کے قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالتا ہے، اس کو مجتہد کہا جاتا ہے اور جس شخص میں یہ استعداد نہ ہو وہ عامی ہے، عامی کو یہ حکم ہے کہ ہر مسئلہ میں مجتہد کی طرف رجوع کرے اور مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ جو مسئلہ بھی بیان کرے کتاب وسنت میں خوب غور کر کے اور اپنی پوری کوشش صرف کر کے اولاً اس مسئلہ کو سمجھے اور پھر اس پر فتویٰ دے۔

اجتہاد وفتوی کا یہ سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک اُمت میں رائج چلا آرہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی بہت سے ایسے حضرات صحابہ کرامؓ میں تھے جو آنحضرت ﷺ کی اجازت سے خود مدینہ شریف میں اور تمام ملکِ عرب میں جہاں اسلام پھیل چکا تھا' فتویٰ دیا کرتے تھے اور سب لوگ ان کے فتوی پر عمل کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ کے دور میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہا، بلکہ ہر شہر کے مفتی اور مجتہد جو مسائل بیان کرتے تھے اس شہر کے رہنے والے انہی کے فتاویٰ کے مطابق تمام احکامِ دین پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ پھر تبع تابعین کے دور میں ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت اور گزشتہ مجتہدین صحابہؓ وتابعینؒ کے فتاویٰ کو سامنے رکھ کر زندگی کے ہر باب میں تفصیل

سے احکام مرتب کردیئے۔ ان ائمہ میں اولیت کا شرف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، پھر امام مالکؒ اور ان کے بعد امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔

چونکہ ان ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے زندگی میں پیش آنے والے اکثر و بیشتر مسائل کو جمع کردیا تھا اور ساتھ ہی وہ اُصول بھی بیان کردیئے تھے کہ جن کی روشنی میں یہ احکام مرتب کیے گئے تھے، اس لیے تمام اسلامی دنیا میں قاضیوں اور مفتیوں نے انہی کے مسائل کے مطابق فیصلہ کرنا اور ان پر فتویٰ دینا شروع کردیا، اس طرح تمام عالم اسلامی میں ان حضرات کے مذاہب مقبول ومعتمد ہوگئے، چنانچہ یہ سلسلہ دوسری صدی سے لے کر آج تک اسی طرح قائم ودائم ہے۔

ہندوستان میں جب انگریز کی عملداری شروع ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ لوگوں کے سر میں یہ سودا سمایا کہ ہمیں اگلوں کے فتاویٰ پر چلنے اور ان کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟! ہمیں تو خود قرآن وحدیث سے مسئلے نکالنے چاہئیں، یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا غیر مقلد کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ بھی مقلد ہی ہیں۔ ان کے عوام تو مسجد کے مولوی ملاؤں سے مسئلے پوچھ پوچھ کر ان پر عمل کرتے ہیں اور یہ خود حدیث کی کچھ کتابوں کو سامنے رکھ کر علمائے شوافع نے جو اُن کا مطلب بیان کیا ہے اس پر چلتے ہیں۔ حدیث کی تصحیح وتضعیف اور راویانِ حدیث کی جرح وتعدیل میں بھی یہ محدثین ہی کے مقلد ہیں، چنانچہ بطور مثال ان کے نزدیک امام بخاریؒ یا امام ترمذیؒ کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا اس حدیث پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے لیے کافی ہے، حالانکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ حدیث کیوں صحیح ہے؟ یا کیوں ضعیف ہے؟ غرض اس بارے میں یہ بخاریؒ وترمذیؒ کی تقلید کو کافی سمجھتے ہیں اور اس باب میں اجتہاد نہیں کرتے۔

اس عدمِ تقلید کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان میں دین ومذہب کے اندر فتنوں کے دروازے کھل گئے، ہر شخص مجتہد بن بیٹھا، چنانچہ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے اس راہ میں قدم رکھا، پہلے حنفی مذہب کو خیر باد کہا، تقلید سے منہ موڑا، غیر مقلد ہوئے، پھر ترقی کرتے کرتے نیچریت پر معاملہ جا پہنچا، اور ظاہر ہے کہ جب فقہاء کی تقلید حرام ٹھہری تو تصحیح وتضعیف میں کسی محدث کی کیوں سنی جائے اور بغیر دلیل سمجھے اس کو کیوں صحیح مان لیا جائے؟! یہی حال غلام احمد قادیانی کا ہوا، وہ مذہب حنفی سے نکلا اور غیر مقلدیت میں بڑھتے بڑھتے معاملہ یہاں آ کر ٹھہرا کہ مہدی سے بھی آگے بڑھ کر مسیح موعود کے منصب پر اپنے کو پہنچا دیا۔ دوسری طرف اس انکارِ تقلید نے انکارِ حدیث کی راہ دکھلائی، چنانچہ اسلم جیراج پوری کے دادا حنفی تھے، ان کے باپ مولوی سلامت اللہ غیر مقلد بنے، اسلم جیراج پوری نے باپ دادا سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا تو انکارِ حدیث کے داعی بن گئے اور ان کے نام لیوا مسٹر پرویز کی زندگی کا مشغلہ ہی حدیث وسنت کا مذاق اُڑانا رہ گیا۔ اسی طرح ملک میں جتنے دوسرے دینی فتنے ہیں، وہ سب انکارِ تقلید کے شاخسانے ہیں۔ پہلے آدمی تقلید سے منکر ہوتا ہے، غیر مقلد بنتا ہے اور پھر اس کی خودرائی اسے گمراہی کے گڑھے میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب سے مذاہب اربعہ کا رواج ہوا، مسلمانوں میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے بند ہوگئے تھے اور جب سے تقلید کا بند ٹوٹا ہے اور لامذہبی کا دور دورہ ہوا ہے، ہر طرف نئے نئے فتنے سر اُٹھانے لگے ہیں۔ آج کل خود کراچی شہر میں ہی دو نئے فتنے زور سے سر اُٹھا رہے ہیں: ایک فتنہ کراچی کے ساحل سے توحید کے نام پر اُٹھ رہا ہے، چنانچہ وہاں سے کتابچے ''توحید خالص'' کے نام سے شائع ہورہے ہیں، ان میں یہی بتایا جارہا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک کوئی توحید کا حامل ہی نہیں رہا اور خاص کر ہندوستان کو تو تصوف نے ایسا تباہ کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تک ایک بھی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں، اس فتنہ کا سربراہ ایک نامسعود شخص تھا جو حال میں فوت ہوگیا۔

دوسرا فتنہ کراچی شہر کی دوسری سمت سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نام سے برپا کیا گیا ہے، جس کا مقصد ناصبیت کو زندہ کرنا ہے۔ اس فتنے کا سربراہ یزید اور مروان کا فدائی ہے اور ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور ائمہ اہل بیتؒ کو کوسا جائے اور ان کی عظمت کو پامال کیا جائے۔ اس فتنہ کا سربراہ نامحمود عباسی تھا، وہ تو مرگیا، اب اس کے چیلے چانٹے اس فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ ان دونوں فتنوں کی خرابی اور نقصان کا اندازہ لگانا ہو تو ان کے یہاں سے اس سلسلہ میں جو کتابچے شائع کیے جاتے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے کہ کس قدر گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

مسئلہ رفع یدین اور اہل حدیث

از قلم

محمد بن ابی عائشہ الحنفی

بسم اللہ الرحمن الرحمن

الحمد للہ رب العلمین والعاقبہ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین و صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد۔

بہاولپور کے ایک صاحب کا جو اپنے کو "علامہ قادر بخش" لکھتے ہیں دو ورقی اشتہار ہماری نظر سے گزرا اس میں انہوں نے مولانا شمس الحق افغانی سے شکایت کی ہے کہ "آپ اپنے درسوں میں وقتاً فوقتاً مسلک اہل حدیث پر کرم فرمائی کرتے رہتے ہیں جس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں" خدا جانے یہ شکایت جناب موصوف کو جامع مسجد اہل حدیث بہاولپور کے خطیب صاحب سے کیوں نہ ہوئی جو روزانہ مسلک احناف پر تنقید فرماتے رہتے ہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ اتأ مرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب۔ کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے خطیب صاحب تو روزانہ عوام کو مذہب احناف کے خلاف تلقین کریں اور مولانا افغانی کبھی کبھار اپنے درس میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیں تو آپ اشتہار بازی پر اتر آئیں اور جو وہ آپ کو در خور اعتنا نہ سمجھ کر خاموش رہیں تو آپ عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کریں کہ

حنفیوں سے جواب بن نہ پڑا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے آپ حنفی مذہب کے خلاف عوام کو ورغلانا چھوڑ دیں پھر مولانا افغانی سے شکوہ کریں۔ مولانا افغانی نے اگر ایک دو مسئلوں پر ذرا سی بحث کی یعنی "اذان میں ترجیع" اور مسئلہ "رفع یدین" پر اپنے درس میں روشنی ڈالی تو آپ ضبط نہ کر سکے احناف کے صبر کو دیکھئے کہ کئی سال ہوئے جب "جمعیت اہلحدیث بہاولپور" کی طرف سے ایک کتابچہ "مسئلہ تراویح اور اہلسنت" نامی شائع ہوا تھا جس میں دو شخصوں کا مکالمہ بصورت سوال و جواب درج تھا ایک حنفی تھا دوسرا محمدی۔ اس کتابچہ میں خوب جی بھر کر حنفی مذہب کے خلاف "جمعیت اہلحدیث" نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی معلوم نہیں علامہ قادر بخش بھی اس کتابچہ کی تدوین میں شریک تھے یا نہیں؟ ہم پوچھتے ہیں اس طرح کے جھوٹے مکالمے لکھنے اور ان کے شائع کرنے کا کتاب و سنت سے کیا جواز ہے؟ اور اہلحدیث کے لئے اس قسم کی افترا پردازی کیونکر جائز ہے؟ درصورت دیگر اگر یہ مکالمہ واقعی اس شہر بہاولپور میں ہوا ہے تو ان لوگوں کے نام بتائے جائیں جو اس مکالمہ میں شریک تھے۔ وہ کون جاہل حنفی تھا جو اس مکالمہ میں شامل تھا اور وہ کونسا اہلحدیث عالم تھا جو جواب دے رہا تھا؟ کون کون اصحاب اس مکالمے کے وقت موجود تھے؟ کس نے اس کو قلمبند کیا؟ غرض اس دلآزاری پر حنفی حضرات نے اب تک کچھ نہیں کہا کہ یہ وقت ان فروعی مسائل میں الجھنے کا نہیں، لیکن اہلحدیث حضرات خاموش بیٹھنے والے نہیں انہیں عوام کو توڑنے اور اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لئے روزانہ اس قسم کے اختلافی مسائل اٹھانے سے دلچسپی ہے چنانچہ اب یہ دو ورقی اشتہار شائع کر دیا کہ مولانا

افغانی نے فرمایا ہے کہ -

"رفع یدین منسوخ ہے، غیر مقلدین منسوخ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں لہذا بذریعہ تحریر ہذا آپ سے مطالبہ ہے کہ یا تو اپنے دعوی کا کما حقہ ثبوت دیں تاکہ ہم اہلحدیث غلطی میں نہ رہیں اپنی اصلاح کرلیں یا آپ ان کے سنت ہونے کا اقرار کریں تاکہ عوام آپ کی شخصیت کی وجہ سے سنت نبوی ﷺ کا انکار کر کے گمراہ نہ ہوں اور آپ کو گناہ گار نہ بنائیں (ص ۲)

اس سلسلہ میں علامہ قادر بخش صاحب سے صرف اتنی گزارش ہے کہ آپ صاف صاف پہلے یہ بتائیں کہ آپ صرف فروع میں غیر مقلد ہیں یا اصول میں بھی، اگر آپ اصول میں مقلد ہیں تو کس امام کے ہیں تاکہ اس امام کے اصول فقہ، واصول حدیث کو سامنے رکھ کر آپ سے گفتگو کی جائے اور اگر آپ اصول و فروع دونوں میں سرے سے کسی کی تقلید نہیں کرتے تو ہمیں بتائیں کہ آپ کے اصول استنباط کیا ہیں یعنی قرآن و حدیث سے آپ کن اصولوں کو سامنے رکھ کر مسئلے نکالتے ہیں اور کسی روایت کے جانچنے، پرکھنے کے کیا قواعد آپ نے بنائے ہیں نیز نسخ، ناسخ، منسوخ اور سنت سب اصطلاحی الفاظ ہیں آپ بتائیں سنت کی آپ کے نزدیک کیا تعریف ہے، اس کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے نسخ کے کیا اصول ہیں نیز ناسخ، منسوخ کی معرفت کیونکر حاصل ہوتی ہے اگر آپ حنفی اصول فقہ کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں لکھ بھیجئے ہم آپ کو ان کے اصول پر رفع یدین کا نسخ ثابت کردیں گے غرض جب تک آپ اصول نسخ تحقیقاً یا تقلیداً متعین نہ فرمائیں آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو بیکار ہے -

اب آپ نے رفع یدین پر جو خامہ فرسائی فرمائی ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ جو اتنے سارے صحابہؓ کے نام آپ نے ثبوت رفع یدین میں لکھے ہیں یہ سب شاہ اسمعیل شہید کی تقلید میں لکھے ہیں یا خود بھی کچھ تحقیق کی ہے اگر شاہ صاحب موصوف کی تقلید میں لکھے تو پھر حنفی حضرات امام اعظمؒ کی تقلید کو خیرباد کہہ کر شاہ اسمعیلؒ کی تقلید کیوں کریں اس کی وجہ بتائیے؟ اور آپ نے خود تحقیق کر کے ان صحابہ کے نام دریافت کئے ہیں تو براہ کرم اپنی اسناد ان صحابہ تک بیان کر کے ان کی صحت کا ثبوت دیجئے اور اگر کسی مشہور و متواتر کتاب میں آپ نے ان سب روایات کو پایا ہے تو ان کی اسانید و متون کو نقل کر کے حوالہ دیجئے اور ہر روایت کی صحت کو ثابت کیجئے اور سنئے آپ کی "جمعیت اہلحدیث بہاولپور" نے جو کتابچہ "مسئلہ تراویح اور اہلسنت" کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۸ پر یہ تحریر ہے کہ "حدیث کی کتابوں کے کئی درجے ہیں، بعض اعلیٰ درجے کی ہیں، بعض درمیانے درجے کی، بعض گھٹیا درجے کی، بعض بیکار سی- اعلیٰ درجے کی تین کتابیں ہیں- بخاری، مسلم، موطا امام مالک، درمیانے درجے میں ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد وغیرہ ہیں تیسرے درجے میں طحاوی، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی کتابیں، تیسرے درجہ کی کتابوں میں چونکہ ہر طرح کی حدیثیں ہیں اس لئے اعمال کا دارومدار اور محدثین و فقہاء کا اعتبار صرف پہلے اور دوسرے درجے کی کتابوں پر ہے چوتھے اور پانچویں درجے کی کتابیں بہت حد تک ساقط الاعتبار ہیں-"

یہ عبارت اگر آپ کو تسلیم نہیں ہے تو اس کا اقرار کیجئے کہ یہ

"جمعیت اہلحدیث" کی غلطی ہے اور ایسا کتابچہ شائع کر کے انہوں نے عوام کو دھوکہ دیا ہے اور اگر یہ بات بعینہ تسلیم ہے تو اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے ان تمام روایات کے متعلق جو آپ نے "متنازع فیہ رفع یدین" کے ثبوت میں پیش کی ہیں اس امر کی نشاندہی کیجئے کہ ان میں اعلیٰ درجے کی کونسی روایات ہیں اور درمیانی درجہ کی کونسی اور گھٹیا درجے کی کونسی اور بے کار کونسی؟ ہمیں بڑی خوشی ہو جو یہ سب روایتیں اعلیٰ درجے کی نکلیں، خاص طور پر اگر "عشرہ مبشرہ" کی روایات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک سے نکال کر بتا دیں تو سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اور اگر "عشرہ مبشرہ" میں سے کسی ایک کی روایت بھی ان تینوں کتابوں میں نہ مل سکے تو پھر اس کا اقرار کریں کہ ان حضرات سے اعلیٰ درجے کی کوئی روایت نہیں اچھا اعلیٰ درجے کی نہ سہی سب صحابہ کی مذکورہ روایات درمیانے درجے کی کتابوں ہی میں بتا دیں۔ یعنی ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد ہی میں ان سب روایات کو دکھا دیں اور اگر یہ سب روایتیں ان ساتوں کتابوں میں نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں بلکہ ان میں سے صرف بعض روایتیں ہیں تو بعدہ خدا گھٹیا درجے کی اور بیکار سی روایتوں کو الگ کر کے کیوں بیان نہیں کیا گیا صحیح، غلط کو غلط ملط کر کے پیش کرنا اہلحدیث کو زیب دیتا ہے۔

اور ہمیں تو نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے شاہ اسمٰعیلؒ کی تقلید میں محض بے سند، غلط اور بے اصل روایات کو بھی پیش کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ برا نہ مانیں اگر اس تنبیہ کے باوجود بھی آپ کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اصرار ہے تو آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ براہ کرم حضرات "عشرہ

مبشرہ" میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان ساتوں حضرات کی کوئی ایک ہی روایت مختلف فیہ رفع یدین کے بارے میں پیش تو کر دیجئے بتایئے حدیث کی کس کتاب میں ان حضرات کی روایات بسند بیان کی گئی ہیں؟ اسی طرح حضرت امام حسنؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابو مسعودؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت عمارؓ کی مرفوع روایات کہاں ہیں؟ آپ تو کہتے ہیں حدیث کی ہر کتاب سے رفع یدین کا ثبوت ہے؟ ان صحابہ کو تو نام بہ نام آپ نے احادیث رفع یدین کے راویوں میں گنایا ہے فرمایئے حدیث کی کس کتاب میں ان حضرات سے یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔ ذرا تو شرمایئے آخر اس قدر غلط بیانی اور دیدہ دلیری کی جرأت آپ میں کس طرح پیدا ہو گئی۔

اچھا ان بارہ حضرات کو چھوڑیئے کہ ان کی روایات کا تو سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ان حضرات کے اسماء گرامی تو آپ نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اندھی تقلید میں جکڑ بند ہو کر لکھ دیئے تھے۔ بقیہ حضرات صحابہؓ کی اعلیٰ درجہ کی اور درمیانی درجہ کی روایتیں ہی چھانٹ کر الگ کر لیجئے اور پھر جو گھٹیا اور بے کار روایات ملیں ان کو علیحدہ نکال دیجئے اور اب دیکھئے کہ آپ کی اس بیان کردہ فہرست میں کتنی آ گئی مگر یہ سب کام آپ کو دیانت داری سے کرنا ہو گا اور آپ کے اصل اہلحدیث ہونے کا ثبوت بھی جب ہی فراہم ہو گا کہ جب آپ پوری دیانت داری

اور ایمانداری سے ان روایات کی تحقیق میں معروف ہوں گے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ پوری دیانت داری اور تحقیق سے کام لیں گے تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ ان روایات صحیحہ میں صرف مختلف فیہ رفع یدین ہی کا ذکر نہیں یعنی ان میں صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہی رفع یدین کا ذکر نہیں بلکہ دوسری رکعت سے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ملتا ہے، اور بعض روایات میں سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے رفع یدین ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہے اب یا تو شکریہ کے ساتھ اس امر کا اقرار کر لیجئے کہ ہم نے آپ کو مزید سنتوں کی طرف رہنمائی کی، کیونکہ اب تک تو آپ نے "مختلف فیہ صرف رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت کی رفع یدین" (ص ۴) ہی کو بتلایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر نماز میں صرف تین مرتبہ رفع یدین کے قائل ہیں ایک تکبیر تحریمہ کے وقت، کہ جو امت کا اجماعی مسئلہ ہے، دوسرے رکوع میں جاتے وقت، تیسرے رکوع سے سر اٹھاتے وقت، ان تین جگہوں کے علاوہ باقی مقامات پر آپ کو حنفیہ سے اتفاق ہے کہ اور کسی جگہ نماز میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے لہٰذا اب بقیہ مقامات پر بھی رفع یدین شروع کر دیجئے اور اپنے دوسرے اہلحدیث بھائیوں کو بھی اس کی دعوت دیجئے کہ یارو یہ بھولی بسری سنت ہمیں بتلائی گئی ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اور بتلانے والے کا احسان ماننا چاہئے - اب تک ہم اس سنت سے غافل رہے یہ ہماری بڑی کوتاہی تھی

ورنہ در صورت دیگر جو جواب آپ سجدہ میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنے کی روایات کا دیں وہی جواب ہماری طرف سے "رکوع میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کی روایات کا قبول فرمائیں۔"

محترم علامہ صاحب آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ "سینکڑوں صحابہ ہیں جو رفع یدین کے راوی ہیں" پھر اس دعوی کے ثبوت میں جو نام گنائے تو بیسیوں گنا ڈالے۔ پینتیس تک گنتے چلے گئے آگے معاملہ ختم ہو گیا پھر آپ نے غور بھی کیا یہ کیا ہمارا۔ آپ کے اس طرز عمل سے دعوی میں دس فیصدی سچائی باقی رہ گئی باقی سب غلط بیانی ٹھہری۔

پھر ان پینتیس حضرات کے اسماء کی تنقیح کی گئی تو بارہ نام یوں خارج ہو گئے کہ ان کی روایت کا سرے سے خارج میں کوئی وجود ہے ہی نہیں صرف آپ کے ذہن میں ہے جو دوسروں کی اندھی تقلید میں آپ کے جکڑ بند ہونے کی وجہ سے آپ کے ذہن میں بیٹھ گیا ہے اور ہاں ام درداءؓ دو ہیں ایک کبریٰ دوسری صغریٰ، کبریٰ صحابیہ ہیں صغریٰ نہیں لہذا روایت تلاش کرتے وقت یہ بھی خیال رکھیں کہ جس ام درداءؓ کی روایت بیان کی جارہی ہے وہ صحابیہ ہوں کیونکہ آپ نے صحابہ ہی میں ان کا نام ذکر کیا ہے اس طرح پینتیس میں سے جب تیرہ کو منہا کر دیا جائے تو کل بائیس صحابہ ہی کی روایات رہ جائیں گی اور ان میں بھی جب کچی پکی روایتیں چھٹ جائیں تو پھر بتائیں کہ اب کے باقی بچے۔

اور علامہ صاحب آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ۔

"صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اپنی وفات سے چند ماہ قبل بھی رفع یدین کرتے رہے ہیں جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد کی وائل ابن حجر کی احادیث سے واضح ہے"۔ ۳؎

تو آپ سے اس سلسلہ میں کیا عرض کیا جائے۔

جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی

دعوی کیا "صحاح ستہ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے" یعنی حدیث کی چھ مشہور کتابوں میں اس کا ثبوت موجود ہے مگر ثبوت دینے بیٹھے تو چھ میں سے چار گئے دو باقی بچے یعنی جائے چھ کے صرف دو کتابوں کا حوالہ دے سکے یہ کیسا طرز استدلال ہے اور ہمیں اس دعوی کی بھی صحت تسلیم نہیں اگر آپ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو مسلم اور ابوداؤد سے وائل بن حجرؓ کی وہ احادیث پیش کیجئے جن میں یہ تصریح ہو کہ "حضور ﷺ اپنی وفات سے چند ماہ قبل رفع یدین کرتے رہے ہیں" صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد تو مطبوعہ کتابیں ہیں ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔ تصحیح نقل کیجئے اور یہ بھی واضح رہے کہ سنن ابی داؤد میں وائل بن حجرؓ کی ایک روایت میں یہ بھی تصریح موجود ہے کہ "واذا رفع راسہ من السجود ایضا رفع یدیہ" اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے تھے، لہٰذا اس روایت کے بموجب آپ کو سجدہ اولی اور سجدہ ثانیہ سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا قائل ہونا پڑے گا حالانکہ آپ اب تک تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کے قائل ہیں اور اسی میں آپ نے حنفیہ سے اپنا اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ۔

بیہقی " بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں یہ لفظ بھی صاف ہیں

کہ۔

فما زالت تلک صلوته حتی لقی الله (حوالہ نصب الرایہ)

یعنی حضور ﷺ وفات تک رفع یدین کرتے رہے ہیں۔ بیہقی

لہذا دعویٰ نسخ بالکل باطل ہے (ص ۳) تو جناب والا آپ کو بیہقی کا حوالہ

دینے کی جرات کیسے ہوئی۔ آپ کی "جمعیت اہلحدیث بہاولپور" کے شائع کردہ

کتابچہ "مسئلہ تراویح اہلسنت" میں حنفیوں سے اس بات پر بڑی خفگی کا اظہار کیا گیا

ہے کہ وہ کیوں بیہقی کی یہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں یہ آتا ہے کہ بیہقی

حضور ﷺ رمضان شریف میں بیس تراویح پڑھتے تھے" (ص ۱۷) چنانچہ (ص

۱۸ پر) لکھا ہے کہ "گروہ مہدی اسی لئے تو دری ہے کہ ایک اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر

ایک گھٹیا چیز لینی پڑتی ہے۔ بیہقی وغیرہ تیسرے درجہ کی ضعیف روایات تو لیتے

ہیں تاکہ اپنا مذہب ثابت ہو جائے" افسوس ہے کہ اب آپ کو بھی اپنا مذہب

ثابت کرنے کے لئے اسی بیہقی کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی یہ کیا بات ہو گئی

اور پھر اس کتابچہ میں جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا یہ بھی تو تصریح ہے کہ۔

"تیسرے درجہ میں طحاوی، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی کتابیں ہیں تیسرے درجہ کی

کتابوں میں چونکہ ہر طرح کی حدیثیں ہیں اس لئے اعمال کا دارومدار اور محدثین و

فقہاء کا اعتبار صرف پہلے اور دوسرے درجہ کی کتابوں پر ہے" (ص ۸)

سوچئے رفع یدین کا شمار اعمال میں ہے یا نہیں اگر رفع یدین بھی ایک عمل

ہے اور اعمال کا دارومدار اور محدثین و فقہاء کا اعتبار حسب تصریح اہلحدیث

بہاولپور صرف پہلے اور دوسرے درجہ کی کتابوں پر ہے تو پھر آپ نے تیسرے درجہ کی کتاب کا اس سلسلہ میں کیوں نام لیا اور اس کی رد میں اشتہار چھاپے تا کہ لوگوں کو آپ کی دیانت کا پتہ چلے کہ آپ اہلحدیث کی غلط باتوں کی تردید بھی کیا کرتے ہیں، صرف حنفیوں کے پیچھے نہیں پڑے رہتے اب ہم پھر جناب سے دریافت کرتے ہیں کہ بیہقی کی تصانیف تیسرے درجہ کی ہیں یا نہیں اگر تیسرے درجہ کی نہیں تو پھر فرمایئے آپ نے اس کا کیا درجہ رکھا ہے کیا وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ہم پایہ ہیں یا سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی اور مسند احمد کے۔ اور جب آپ کو یہ معلوم تھا کہ وہ تیسرے درجہ کی کتاب ہے اور فقہاء و محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار تو پھر آپ کو اول تو اس کا حوالہ ہی نہ دینا چاہیے تھا اور جو حوالہ ہی دینا تھا تو اس کی سند کی تحقیق کرتے کہ وہ کیسی ہے اگر یہ سچ ہے کہ آپ نے اس روایت کو "نصب الرایہ" سے نقل کیا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے "بحوالہ نصب الرایہ" تو بندہ خدا کیا نصب الرایہ میں آپ کو اس روایت کی سند نظر نہ آئی صرف اس کا متن ہی نظر آیا تھا، کیا آپ کتابوں کا مطالعہ اسی طرح کیا کرتے ہیں کہ بس ایک سطر دیکھتے ہیں آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھتے یہ تو تحقیق کا عجیب انداز ہے اب مہربانی کر کے اس کی سند نصب الرایہ میں ملاحظہ فرمائیں اس روایت میں دو جھوٹے راوی ہیں جن کے بارے میں محدثین کی تصریح ہے کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتے تھے ایک عصمۃ بن محمد انصاری اور دوسرا عبدالرحمن بن قریش ہروی آپ کو اگر اس روایت کا حال معلوم ہو تا اور باوجود اس کے آپ نے اس کو استدلال میں پیش کیا تو مرتکب حرام ہوئے اس سے علی الاعلان توبہ کیجیے

اور بصورت دیگر اپنی ناواقفیت کا اعتراف کیجئے اور پھر سوچئے کہ اس کم علمی پر جو اپ نے عدم تقلید پر کمر باندھی ہے وہ آپ کو کہاں پہنچا کر چھوڑے گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ اب بھی آپ کو اس روایت کی صحت پر اصرار ہے تو اس کی صحیح سند پیش کیجئے۔

ہمیں اہلحدیث حضرات کے اس طرز عمل کی سخت شکایت ہے کہ جب وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی روایت پیش کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ حنفی حضرات اس کو آنکھ بند کر کے قبول کرلیں اور یہ بالکل نہ دیکھیں کہ وہ روایت صحیح ہے یا غلط، چنانچہ علامہ قادر بخش صاحب نے اس دوورقہ میں روایات کا طومار باندھ دیا ہے اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کی یہ سب بیان کردہ روایتیں بے چون وچرا تسلیم کرلی جائیں حالانکہ جتنی روایتیں انہوں نے اب تک ذکر کی ہیں ان میں انہوں نے کوئی تنقیح نہیں کی بلکہ صحیح، ضعیف، موضوع، منکر سب کو ایک ساتھ ملا کر پیش کر دیا ہے اب یا تو ان کو کچھ پتہ ہی نہیں محض نادانی میں ایسا کر رہے ہیں یا جان بوجھ کر یہ جرأت کی ہے کہ جھوٹ کو سچ بنائے دیتے ہیں اور وہ بھی آنحضرت ﷺ کی احادیث کے باب میں کہ آپ پر جھوٹ بولنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دوسری طرف حنفی حضرات جب کوئی روایت پیش کرتے ہیں تو پھر اہلحدیث حضرات تنقید میں بڑے سرگرم ہوتے ہیں چنانچہ اس دوورقہ میں ارشاد ہے۔

”ترک رفع یدین کی حدیث اول تو کوئی صحیح نہیں لیکن اگر صحیح ہو بھی

تو الخ (ص ۳) گویا آپ ترک رفع یدین کی سب روایتوں کی تحقیق کئے بیٹھے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ مسند احمد، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں جتنی روایات اس باب میں ہیں ان میں کوئی صحیح نہیں سبحان اللہ کیا انصاف ہے ایک طرف بیہقی کی موضوع روایت کا اعتبار، حکم کے صرف اتنا کہہ دینے کا اعتبار کہ "عشرہ مبشرہ سے رفع یدین ثابت ہے" اگرچہ اس کی کوئی موضوع سند بھی نہ بتائی جا سکے دوسری طرف مسند احمد، سنن نسائی سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی کی صحیح اسانید سے مروی روایات بھی ناقابل اعتبار۔

اسی لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ پہلے آپ صحیح، غیر صحیح کا ایک معیار مقرر کرلیں خواہ تقلیداً کریں اور یہ بتادیں کہ فلاں مذہب کے اصول فقہ و اصول حدیث آپ کو تسلیم ہیں خواہ تحقیقاً کریں کہ خود اصول متعین کریں یا اگر زمانہ سابق میں کسی غیر مقلد اہلحدیث عالم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو تو اس کی کتاب بتائیں ورنہ صاف اقرار کریں کہ کسی غیر مقلد اہلحدیث عالم نے آج تک اصول فقہ اور اصول حدیث پر کوئی کتاب نہیں لکھی اب ہم اس میدان میں قدم رکھتے ہیں غرض جو صورت منظور ہو تحریر کریں تاکہ انہیں اصول پر آپ سے بحث کی جاسکے جس کتاب کو آپ پیش کریں اس کے مصنف کے بارے میں یہ تاریخی شہادت پیش کرنی ہوگی کہ وہ اہلسنت میں سے تھا اور کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتا تھا اور یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کو اس کے بیان کردہ اصول بچون وچرا تسلیم ہیں ورنہ خود اصول بنایئے، پہلے ان اصول کی صحت دلائل سے ثابت کیجئے پھر ان اصول کے مطابق اپنی تمام پیش کردہ روایات صحیح ثابت کیجئے، اس کے بعد ہم

سے مطالبہ کیجئے کہ ہم انشاء اللہ ترک رفع یدین کی احادیث صحیحہ پیش کردیں گے نمبر ۱ اور

جناب والا نے یہ جو تقریر فرمائی ہے کہ۔

"جب رفع یدین کرنا سنت ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آپ کو بھی تسلیم ہے تو اس کو منسوخ کرنے والی حدیث بھی لازما اصح یا صحیح ہونی چاہئے یہ نہیں کہ ثابت کرنی والی حدیث تو صحیح اور صریح ہو اور منسوخ کرنے والی ضعیف بلکہ موضوع اور مبہم ہو، اسی طرح منسوخ کرنے والی حدیث وہ ہو سکتی ہے جو مالک بن حویرث اور وائل بن حجر کی احادیث کے بعد ہو یعنی تقریباً شوال ۱۰ھ کے بعد کیونکہ ناسخ ہمیشہ منسوخ کے بعد ہوتا ہے رہ گئی ترک کی حدیث اول تو کوئی صحیح ہے نہیں لیکن اگر ہو بھی تو اس سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ترک عدم وجوب کے اظہار کے لئے ہو نسخ کے لئے تو صریح عبارت چاہئے لہذا اگر آپ کے پاس کوئی ایسی صحیح صریح حدیث ہو تو سنہ ۱۰ھ کے بعد کی ہو اور اس میں صاف ہو کہ حضور ﷺ نے "مختلف فیہ یعنی رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین" سے منع فرمایا ہو تو پیش کریں ایسی حدیث کے بعد نہ یہ کہ ہم رفع یدین کرنا چھوڑدیں گے بلکہ (۲) آپ کو اس حدیث کے ہر لفظ کے عوض سو سو روپیہ حق محنت و تحقیق ادا کردیں گے امانت و ضمانت کے لئے آپ کے معتمد خصوصی جناب ڈاکٹر نیاز احمد صاحب ریٹائرڈ میڈیکل آفیسر سینٹرل جیل بہاولپور کا نام نامی اسم گرامی پیش کیا جاتا ہے" (ص ۳، ۴)

سو ہم آپ کی اس تقریر کو بعینہ برقرار رکھ کر یہ عرض کرتے ہیں کہ اس تقریر کے مطابق اب آپ پر لازم ہو گیا کہ روافض کی طرح آپ بھی ہر تکبیر کے

ساتھ رفع یدین کے سنت ہونے کا اقرار کریں کیونکہ مالک بن حویرثؓ کی روایت جو صحیح نسائی میں مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انہ رای النبی ﷺ رفع یدیہ فی صلاتہ، واذا رکع واذا رفع راسہ، من الرکوع واذا سجد واذا رفع راسہ، من السجود حتی یحاذی بھما فروع اذنیہ

انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی نماز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب آپ نے رکوع کیا اور جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھایا اور جب سجدہ فرمایا اور جب سجدہ سے اپنا سر مبارک اٹھایا تو ان تمام مقامات پر رفع یدین کیا یہاں تک کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کی لو کے مقابل لے آتے تھے۔

امام نسائیؒ نے یہی روایت تین سندوں سے نقل کی ہے اور اس پر عنوان قائم کیا ہے "باب رفع الیدین للسجود" یعنی سجدہ کے لئے رفع یدین کرنے کا باب، اور پھر آگے چل کر اسی روایت کو نقل کر کے دوسرا عنوان قائم کرتے ہیں "باب رفع الیدین عند الرفع من السجدۃ الاولی (یعنی پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا باب اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اسی حدیث کو اپنی مسند میں (ج ۳ ص ۴۳۶، ۴۳۷) دو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اس طرح یہ حدیث پانچ مختلف اسانید سے مروی ہے اور اسی طرح حضرت وائل بن حجرؓ سے بھی مسند احمد (ج ۴ ص ۳۱۷) میں اسی مضمون کی روایت موجود ہے جسکے الفاظ ہیں "وکان یرفع یدیہ کلما کبر ورفع ووضع بین السجدتین (آنحضرت ﷺ جب بھی تکبیر کہتے رفع یدین فرماتے تھے) اور دونوں سجدوں کے مابین جب سر اٹھاتے اور سر رکھتے تب بھی ایسا ہی کرتے تھے) اور سنن ابی داؤد کی روایت اس بارے میں پہلے نقل کی

جاچکی ہے اور اسی مضمون کی روایتیں ان دونوں حضرات کے علاوہ اور صحابہؓ سے بھی مروی ہیں چنانچہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی ان میں سے دو روایتوں کو اپنی کتاب "تنویر العینین" میں نقل کیا ہے اور ان کا حوالہ آپ نے بھی دیا ہے مجملہ ان کے ایک یہ روایت ہے۔

واخرج ابن ماجه عن عمير بن حبيب قال كان رسول الله ﷺ يرفع يديه مع كل تكبيرة في الصلوٰة المكتوبة (ص ١٠)

ابن ماجہؒ نے حضرت عمیر بن حبیبؓ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔

اور دوسری یہ ہے

اخرج ابو دائود عن ميمون المكي انه راء ى عبدالله بن الزبير وصلى بهم يشير بكفيه حين يقوم و حين يركع و يسجد وحين ينتهض للقيام فيقوم فيشير بيديه فانطلقت الى ابن عباس فقلت انى رايت ابن الزبير صلى صلوٰة لم ار احداً يصليها فو صفت له هذه الاشارة فقال ان احببت ان تنظر الى صلوٰة رسول الله ﷺ فاقتد بصلاة عبدالله بن الزبير (ص ١٢)

ابو داؤدؒ نے میمون مکیؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو کہ جب انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو جب کھڑے ہوتے تھے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور جب رکوع اور سجدہ کرتے تھے جب بھی یہی کرتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھ کھڑے ہوتے جب بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے چنانچہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ابن زبیرؓ کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے جس طرح کسی اور کو نہیں دیکھا چنانچہ اشارہ کرنے کی ان کو تفصیل بتائی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا تم کو پسند ہے تو عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کی پیروی کرو۔

آپ نے بھی تنویر العینین کے حوالہ سے حضرت ابن زبیر ﷺ کی اسی روایت کا ذکر کیا ہے نیز سنن نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو اس طرح رفع یدین فرماتے تھے کہ آپ کے دونوں ہاتھ چہرہ اقدس کے مقابل آجاتے تھے، اور اس روایت پر عنوان قائم کیا ہے (باب رفع الیدین بین السجد تین تلقاء الوجہ) یعنی دونوں سجدوں کے درمیان اسی طرح رفع یدین کرنے کا باب کہ دونوں ہاتھ چہرہ کے مقابل ہوں اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کی روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے سنن ابن ماجہ (ص ۶۲) پر موجود ہیں اور امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں خود حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا سجدہ میں رفع یدین کرنا نقل کیا ہے (ص ۲۶) اور حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلی (ج ۴ ص ۹۳) میں بسند صحیح حضرت ابن عمرؓ کا عمل بھی یہی نقل کیا ہے اور جب آپ ان پینتیس راویوں کی حدیثیں ڈھونڈنے بیٹھیں گے جن کا آپ نے اس "دو ورقہ" میں ذکر کیا ہے تو امید ہے کہ اور روایتیں بھی اس باب میں آپ کو مل جائیں گی اور اس وقت تو سر دست حضرت مالک بن حویرثؓ اور حضرات وائلؓ کی احادیث سے حسّ ہے کہ ان دونوں حضرات سے سجدہ میں جاتے اور ان سے سر

اٹھاتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے لہذا پھر اس کو ترک کیوں کیا جائے سنت
کیوں نہ قرار دیا جائے اور اگر کوئی حدیث سجدوں میں رفع یدین ترک کرنے کی بھی
ہو تو اس سے بقول آپ کے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ترک عدم
وجوب کے اظہار کے لئے ہو نسخ کے لئے تو صریح عبارت چاہئے لہذا اگر آپ کے
پاس کوئی صریح حدیث ہو جو سنہ ۱۰ھ کے بعد کی ہو اور اس میں یہ صاف
تصریح ہو کہ حضور ﷺ نے سجدوں میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین سے منع
فرمایا ہے تو براہ کرم اسے پیش کریں ورنہ سجدوں میں رفع یدین کے سنت ہونے کا
اقرار کریں اور اگر ایسی حدیث آپ کو مل جائے تو بیشک سجدہ اولی اور سجدہ ثانیہ میں
آپ رفع یدین کرنا چھوڑ دیں ورنہ جس طرح آپ رکوع میں جاتے اور اس سے سر
اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں اسی طرح
دونوں سجدوں میں جاتے وقت اور ان سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین شروع
کر دیں اور ہمارا احسان مانیں کہ ہم نے آپ کو اتباع سنت کی راہ بتائی اب تک
آپ اس سنت سے غافل ہی رہے اور اس کے شکریہ میں (چونکہ آپ روپیہ جمع
کرانے پر تلے ہوئے ہیں اس لئے) کم از کم سترہ سو روپے ورنہ مزید جتنے چاہیں
انہیں ڈاکٹر نیاز صاحب کے پاس جمع کرا دیں جن کے پاس رقم جمع کرانے کی آپ
نے پیش کش کی ہے اور جب آپ کو تحقیق و تلاش کے بعد ایسی روایت مل جائے
جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک سو روپے حق محنت و تحقیق ڈاکٹر صاحب
موصوف سے وصول کر لیں اور اسی طرح ان تیرہ صحابہؓ کی روایات مرفوعہ بسند
صحیح رفع یدین مختلف فیہ کے ثبوت میں آپ کو مل جائیں کہ جن کا نام رفع یدین

کے راویوں میں آپ نے لیا ہے اور ہم نے آپ سے اس کا ثبوت مانگا ہے تو ہر روایت کے عوض ایک ایک سو روپیہ لیتے جائیں اور اس طرح جتنے سو روپیہ لے چکیں تو صحیح مسلم اور ابو داؤد کی ان روایتوں کو پیش کریں جن کے بارے میں آپ سے تصحیح نقل کا مطالبہ کیا گیا ہے اور ہر کتب کے ثبوت پر سو سو روپے لیتے جائیں اب صرف ایک سو روپے بچ جائیں گے وہ اس وقت لے لیں جب بیہقی کی اس روایت کی صحیح سند پیش کر دیں کہ "حضور علیہ السلام وفات تک رفع یدین کرتے رہے ہیں" اور جو ان میں سے کچھ بھی نہ کر سکیں تو یہ سب روپے ناشر رسالہ ہذا کو پیش کر دیں تاکہ آپ حضرات کی مزید تردید میں کام آئیں خدارا تحقیق کریں نبی کی سنت ہے معاملہ بڑا نازک ہے۔ ہاں جن پینتیس راویوں کے نام آپ نے "رفع یدین فیہ" یعنی رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت کی رفع یدین کے اثبات میں پیش کیے ہیں براہ کرم ان میں سے حضرت مالک بن حویرثؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت عمیر بن حبیبؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے اسماء گرامی بھی منہا کر دیں کہ ان ساتوں حضرات سے رفع یدین مختلف فیہ کے علاوہ سجدوں میں جاتے اور اٹھتے غرض ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین مروی ہے اور آپ کو ان تمام مقامات پر رفع یدین نہ کرنے میں حنفیہ کے ساتھ اتفاق ہے اختلاف نہیں لہذا یا تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے سنت ہونے کا اقرار کیجئے ورنہ ان حضرات کی روایات پیش نہ کیجئے کہ الٹی آپ کے خلاف ہیں اسی طرح پینتیس میں سے دس راوی تو منہا ہو گئے اب باقی روایات میں سے چھانٹ کر بتائیے کہ

مرفوع اور صحیح احادیث آپ کے پاس کتنی رہتی ہیں آدمی سے زیادہ تو اب تک ختم ہوگئیں اور یہ بحث الگ ہے کہ بقیہ میں سے بھی بعض حضرات جیسے کہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ ہیں ان میں سے وہ روایات بھی موجود ہیں جو مذہب حنفی کی اس مسئلہ میں صاف صاف تائید کرتی ہیں تو پھر دو چار روایتوں کے علاوہ آپ کے پاس کیا بچے گا حالانکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس سے ہر خاص وعام کو باخبر ہونا چاہئے تھا کہ روزانہ پنج وقتہ جماعت کے علی الاعلان فرض نمازیں پڑھی جاتی ہیں پھر سب علماء کو یہ مسئلہ کیوں نہ معلوم ہوا اس کا قرار تو امام بخاریؒ کو بھی ہے کہ۔

وكان الثوری و وكيع وبعض الكوفيين لا يرفعون ايديهم
(جزء رفع یدین ص ۲۵)

امام سفیان ثوریؒ۔امام وکیعؒ اور بعض علماء کوفہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں

حديث ابن مسعودؓ حديث حسن و به يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ و التابعين وهو قول سفيان واهل الكوفته۔

حضرت ابن مسعودؓ ﷺ کی حدیث ترک رفع یدین میں "حدیث حسن" ہے اور اسی کے قائل ہیں بہت سے اہل علم صحابہ اور تابعین میں اور یہی قول ہے سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا۔

اور حافظ ابن حزم ظاہری المحلی میں لکھتے ہیں۔

كان علیؓ وابن مسعودؓ لا يرفعان (ج ۴ ص ۸۸)

حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

یہاں تک تو روایات کی بحث تھی مگر خیر سے آپ نے روایات کو چھوڑ کر آراء رجال کو بھی بطور ثبوت پیش کیا ہے یہ آپ آراء رجال کو کب سے ماننے لگے آپ تو غیر مقلد ہیں اور پکے اہلحدیث، حدیث کے سوابات نہیں کرتے کسی امام کی رائے کو نہیں مانتے پھر شاہ عبدالقادر جیلانیؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا نام کیسے زبان پر آگیا آخر یہ کیا بات ہو گئی کیا بیچارے بھولے بھالے حنفیوں کو پھانسنے کے لئے ایسا کیا ہے یا واقع میں آپ نے ائمہ اربعہؒ کو چھوڑ کر ان چاروں بزرگوں کو اپنا امام بنالیا ہے۔

بندۂ خدا سب جانتے ہیں حضرت پیران پیرؒ غیر مقلد نہیں حنبلی تھے انہوں نے "غنیۃ الطالبین" میں حنبلی مذہب کے مطابق مسئلے لکھے ہیں حنفی مذہب کے مطابق نہیں پھر اس سے کیا ہو گیا ہزاروں اولیاء اللہ حنفی مذہب میں بھی گزرے ہیں جیسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت مجدد الف ثانیؒ یہ سب حنفی مذہب پر عمل کرتے تھے حضرات پیران پیرؒ نے غنیۃ الطالبین میں تراویح کی بیس رکعت بتائی ہیں فرماتے ہیں۔

وھی عشرون رکعۃ (ج ۲ ص ۱۶) اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

جمعیت اہلحدیث بہاولپور نے تو ایک مستقل کتابچہ "مسئلہ تراویح اور اہلسنت" نامی اسی مسئلہ کی تردید میں شائع کیا ہے کہ تراویح بیس نہیں آٹھ ہیں اور لکھا ہے کہ ۔

"یہ بات غلط ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا" (ص ۱۵)

اور دوسری جگہ لکھا ہے۔

"رسول کریم ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ملی کہ انہوں نے کبھی بیس پڑھی ہوں (ص ۱۸)

حالانکہ امام ترمذی اپنی سنن میں فرماتے ہیں کہ۔

واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی و عمر و غیر ھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری و ابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ (باب ماجاء فی قیام شھر رمضان)

اکثر اہل علم اسی پر ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور نبی اکرم ﷺ کے دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور یہی قول ہے سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور شافعیؒ کا اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے وطن مکہ شریف میں لوگوں کو یہی پایا کہ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اور موطا امام مالک میں ہے

کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب فی رمضان بثلاث و عشرین رکعۃ۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں تئیس رکعتیں تراویح کی پڑھا کرتے تھے۔

= (باب الترغیب فی الصلوٰة فی شهر رمضان)

اور محدث شیخ سلام اللہ محلی شرح موطا میں لکھتے ہیں

روی البیهقی فی " المعرفة" باسناد صحیح عن السائب ابن یزید انهم کانوا یقومون علی عهد عمرؓ بعشرین رکعةً و فی عهد عثمانؓ و علیؓ مثله -

بیہقی نے اپنی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں حضرت سائب بن یزیدؓ سے باسناد صحیح نقل کیا ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عثمانؓ و علیؓ کے عہد خلافت میں بھی۔

اس کتابچہ میں تراویح کی بابت جتنے مغالطے دیئے گئے ہیں ان سب کا جواب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی اس تحریر میں موجود ہے جو حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ نے بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے کے ثبوت میں سپرد قلم فرمائی ہے اور جو فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۳۴، میں موجود ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں رفع یدین کا جھگڑا ہی ختم کر دیا ہے فرماتے ہیں۔

وهو من الهیئات فعله النبی ﷺ مرة و ترکه مرة والکل سنة واخذ بکل واحد جماعة من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهذا احد المواضع التی اختلف فیها الفریقان اهل المدینة والکوفة ولکل واحد اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذالك ان الکل سنة

"رفع یدین" نماز کی ایک شکل ہے جس کو کبھی آنحضرت ﷺ نے کیا اور کبھی چھوڑ دیا اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے یعنی رفع یدین کرنا بھی اور نہ کرنا بھی اور

ہر ایک کو صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے حضرات نے اختیار کیا ہے (کہ بعض رفع یدین کے قائل ہیں اور بعض نہیں) اور یہ ان مسائل میں سے ہے کہ جن میں فریقین فقہاء اہل مدینہ اور فقہاء اہل کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کے پاس پختہ دلیل ہے اور میرے نزدیک ایسے مسائل میں حق یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں۔

اس کے بعد وہی عبارت ہے جو دو ورقہ میں منقول ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت ہے کہ

غیر انہ لاینبغی لانسان فی مثل ھذہ الصور ان یثیر علی نفسہ فتنۃ عوام بلدہ

مگر کسی انسان کو یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسی صورت میں اپنے شہر کے عوام میں اپنے خلاف فتنہ برپا کرے۔

پھر فرماتے ہیں۔

ولا یبعد ان یکون ابن مسعودؓ ظن ان السنۃ المقررۃ آخراً ھو ترکہ لما تلقن من ان مبنی الصلوٰۃ علی سکون الاطراف۔

اور یہ بعید نہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ خیال کیا ہو کہ آخر میں جو سنت مقرر ہوئی وہ ترک رفع یدین ہے جب یہ تلقین ہوئی کہ نماز کی بناء اعضاء جوارح کے سکون پر ہے۔

غور فرمایئے شاہ ولی اللہ صاحب "رفع یدین نہ کرنے کو" بھی سنت مانتے ہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے اور اس مذہب کی بھی پختہ دلیل ہے چلئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہی بات مان جایئے۔ ترک رفع یدین کو بھی سنت کہئے جھگڑا چھوڑیئے شاہ صاحب کی

ہدایت پر عمل کر کے رفع یدین کا مسئلہ نہ اٹھایئے اور شہر بہاولپور کے عوام میں فتنہ نہ پیدا کیجئے اور دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق (جو بڑے مشہور و محترم صحابی ہیں اور جن کی فقاہت و علمیت کا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے بر ملا اعتراف کیا ہے) جو اظہار خیال کیا ہے وہ یہی تو ہے کہ حضرت ممدوحؓ نے ترک رفع یدین کو نبی ﷺ کی آخری سنت مقررہ سمجھا، یہ وہی "نسخ رفع یدین" والی بات ہوئی کہ نہیں جس کے ثابت کرنے کا آپ نے مولانا افغانی کو چیلنج دیا ہے، ہدۂ خدا اب چین سے بیٹھو یہ بھی ایک رائے ہے جو شروع سے چلی آتی ہے ٹھیک ہے دوسرے علماء اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ رفع یدین کو منسوخ نہیں مانتے مسئلہ اختلافی ہے جھگڑنے سے بجز عوام کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے کیا فائدہ۔

مولانا انور شاہ صاحبؒ بھی "رفع یدین" و ترک "رفع یدین" دونوں کو متواتر مانتے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین" اسی غرض سے تصنیف کی ہے کہ "ترک رفع یدین" کے سنت ہونے کا اثبات کیا جائے آپ کی ابلہ فریبی کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو آپ "ترک رفع یدین" کو سنت نہیں مانتے ترک کی حدیثوں کی صحت کا انکار کرتے ہیں اور پھر حجۃ اللہ اور نیل الفرقدین کے حوالے بھی دینے بیٹھے ہیں اب آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ بھی ان دونوں بزرگوں کی اتباع میں رفع یدین نہ کرنے کے سنت ہونے کا اقرار کریں۔

اور شاہ اسمعیلؒ جیسے مجاہد اور بطل جلیل کے بارے میں بھی آپ نے

زی لبلہ فریبی سے کام لیا ہے انہوں نے رفع یدین کے مطلق مسنون ہونے پر کتاب نہیں لکھی بلکہ اس کو سنت غیر مؤکدہ ثابت کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے اور اسی کو انہوں نے "سنت ہدی" سے تعبیر کیا ہے مگر آپ نے غضب یہ کیا ہے کہ ان کی پوری بات نہیں لکھی وہ فرماتے ہیں۔

الحق ان رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والقیام منه والقیام الی الثالثة سنة غیر مؤکدة من سنن الهدی ولا یلام تارکه وان ترکه مدة عمره۔

حق بات یہ ہے کہ رفع یدین نماز کے شروع میں اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کو کھڑے ہوتے وقت ایسی سنت ہے جس کی تاکید نہیں کی گئی یہ سنن ہدی یعنی مستحبات میں سے ہے اور اس کے چھوڑ دینے والے پر ملامت نہیں کی جائیگی خواہ وہ ساری عمر نہ کرے۔

اب کہئے کیا رہی آپ تو رفع یدین نہ کرنے والے کو تارک سنت کہہ کر قابل ملامت قرار دیتے ہیں اور زمرہ اہلحدیث سے خارج سمجھتے ہیں اور ہاں آپ نے تو حنفیہ سے صرف دو مقامات پر رفع یدین میں اختلاف ظاہر کیا ہے ایک رکوع میں جاتے وقت اور دوسرے رکوع سے سر اٹھاتے وقت حالانکہ اس میں چوتھی جگہ رفع یدین کے استحباب کی تصریح ہے اور وہ ہے دوسری رکعت سے تیسری رکعت کو اٹھتے وقت۔ اب شاہ اسمعیلؒ کی مانتے ہیں تو آپ چوتھی جگہ بھی رفع یدین کے قائل ہو جایئے اور آپ نے خوب فرمایا کہ۔

"شاہ اسمعیل شہید" جیسے مجاہد اور بطل جلیل نے تو رفع یدین کے

مسنون ہونے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "تنویر العینین فی مسئلة رفع الیدین" اس کے صفحہ ۹ پر رفع یدین کو سنت ہدی لکھتے ہیں اور پھر سنت ہدی کی تشریح میں لکھتے ہیں لم ینسخ ولم یترک بالاجماع یعنی رفع یدین ایسی سنت ہے جو نہ منسوخ ہے اور نہ متروک، اس پر اجماع ہے"(ص ۳)

"سنت ہدی" اور مسنون ہونے کی حقیقت تو ابھی ہم نے بیان کی کہ اس سے مراد کیا ہے مگر یہ یعنی کہہ کر آپ نے خوب مطلب بیان کیا آپ کی عبارت فہمی کا سلیقہ تو واقعی قابل داد ہے "شعر فہمی عالم بالا معلوم شد" بندہ خدا خود لکھتے ہو کہ شاہ صاحب نے یہ الفاظ "سنت ہدی" کی تشریح کے سلسلے میں فرمائے ہیں پھر بھی "سنت ہدی" کی تشریح کے بجائے اس کو رفع یدین کی تشریح سمجھ رہے ہیں یہ آپ کو اچھی خوش فہمی لاحق ہوئی کیا آپ نے شاہ صاحب کو بھی اپنی ہی طرح کا علامہ سمجھا ہے وہ یہ دعوی کر دیں گے کہ "اس پر اجماع ہے کہ رفع یدین ایسی سنت ہے جو نہ منسوخ ہے اور نہ متروک"

گویا سرے سے اس مسئلہ میں کبھی اختلاف ہی نہیں ہوا امت میں کوئی مجتہد ترک رفع یدین کا قائل ہی نہیں قربان جائیے اس خوش فہمی پر، پھر امام بخاری کا یہ بیان غلط ٹھہرا کہ "امام سفیان ثوری اور امام وکیع بن جراح اور بعض علماء کوفہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے" اور ترمذی نے بھی یہ غلط کہا کہ "بہت سے اہل علم صحابہ و تابعین رفع یدین کے قائل نہیں تھے" اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے جد امجد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی غلط ہو گیا۔

"ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو"

برادر عزیز بزرگوار "لم ینسخ" اور "لم یترک" کی ضمیر کا مرجع لفظ فعل ہے نہ کہ رفع یدین، جیسا کہ آپ نے غلطی سے سمجھا ہے شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ رفع یدین ان مقامات مذکورہ پر سنت غیر مؤکدہ ہے یعنی سنن ہدی میں سے ہے پھر "سنت ہدی" کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ومزید بالسنته الهدی ههنا فعل غیر فرض وغیر مختص بالنبی ﷺ فعله هو اوالخلفاء الراشدون اوامروابه او قرر واعلیه قربة ولم ینسخ ولم یترك بالا جماع (ص ۹)

اور "سنت ہدی" سے یہاں ہماری مراد وہ فعل ہے جو فرض نہ ہو اور حضور ﷺ کے ساتھ مختص بھی نہ ہو خواہ حضور ﷺ نے بنفس نفیس اس فعل کو کیا ہو یا خلفاء راشدین نے یا ان حضرات نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہو یا بطور کار ثواب اس کی تقریر کی ہو (یعنی اور لوگوں نے بطور کار ثواب ایک کام انجام دیا ہو اور ان حضرات نے اس کام کو دیکھ کر ان پر نکیر نہ فرمائی) اور وہ ایسا فعل ہو کہ نہ منسوخ ہوا ہو اور نہ اس کے ترک کرنے پر اجماع ہوا ہو۔

اور "سنت غیر مؤکدہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وبغیر المؤکدة ما فعلوه مرة و ترکوه مرة اخری

اور سنت غیر مؤکدہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ جس کو ان حضرات نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا۔

پھر "سنت ہدی" کی تعریف کے فوائد قیود بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "غیر فرض

کی قید سے جملہ فرائض اس تعریف سے نکل گئے اور "غیر مختص" کی قید لگانے سے وہ نوافل نکل گئے جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھے جیسے کہ صوم وصال،

اس کے بعد شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

و بقولنا " لم ينسخ" خرجت السنن المنسوخته كالقيام للجنازة و بقولنا " لم يترك بالا جماع" خرجت السنن المتروكة كالرفع بين السجد تين (ص ۹)

اور ہم نے جو یہ کہا کہ "وہ فعل منسوخ نہ ہو" اس قید سے وہ سنتیں خارج ہو گئیں جو منسوخ ہو چکی ہیں جیسے کہ جنازہ کو آتے دیکھ کر کھڑا ہو جانا اور یہ جو ہم نے کہا کہ " وہ فعل ایسا نہ ہو کہ جس کے ترک پر اجماع ہو چکا ہو" اس سے وہ سنتیں نکل گئیں کہ جو متروک ہو چکی ہیں جیسے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اہلحدیث علامہ کی چالاکی کو۔ کس طرح بات کو بگاڑا ہے خیر اچھا ہوا بات سمجھ میں آگئی کہ شاہ صاحب نے سجدہ میں رفع یدین کو جو صحیح احادیث سے ثابت ہے سنن متروکہ میں شمار کیا ہے حنفیہ کے نزدیک رکوع کی رفع یدین کا بھی یہی حکم ہے۔

اور آپ کو معلوم ہے یا نہیں کہ شاہ اسمٰعیل شہید کے معاصر مولانا سید محبوب علی صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "تنویر العینین" کا نہایت مدلل و مفصل جواب لکھا ہے جس کا نام ہے "تصویر التنویر فی سنۃ البشیر النذیر" اور مولانا محمد عبد القادر لودھیانوی مرحوم نے "کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین" پر جو تعلیقات لکھی ہیں ان میں بھی "تنویر العینین" کے مباحث کا مفصل رد ہے خوب

ہوتا اگر شاہ اسمعیل شہید اس مسئلہ میں اپنے جد امجد شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی رائے سے اتفاق کرتے اور یہ رسالہ سپرد قلم نہ فرماتے اور عمل میں اپنے استاذ اور عم بزرگوار اور اپنے مرشد کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی اتباع فرماتے کہ وہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت موصوف فتاوٰی عزیزی میں رقم طراز ہیں ترک رفع یدین می کنم۔ میں رفع یدین نہیں کرتا (ج ۱ ص ۶۸)

آخر میں ہم کو جناب علامہ قادر نقش کی خدمت میں یہ گزارش کرنا ہے کہ جناب والا کو اس پیرانہ سالی میں فکر آخرت کرنا چاہئے نہ کہ گروہ ہندی کے چکر میں پھنس کر آمین، رفع یدین کے جھگڑے اٹھانا، نظر کو بلند تر کیجئے اقلیم ہند کو جن غازیوں نے فتح کیا اور یہاں اسلام کا بول بالا کیا وہ حضرات حنفیہ ہی تھے انہی کی بدولت اس ملک میں اسلام کا ڈنکا بجا، آپ اور آپ کے آباء اجداد انہیں کی کوششوں سے مسلمان ہوئے ملک کے فاتح حنفی تھے تو مذہب حنفی کو یہاں فروغ ہوا آپ کو تو حنفیوں کا احسان ماننا چاہیئے کہ ان کے طفیل دولت اسلام سے مشرف ہوئے شرک و کفر سے نجات ملی نہ کہ اس مذہب کی بیخ کنی کے درپے ہو گئے کیا آپ لوگوں کو تبلیغ کے لئے متفق علیہ مسائل نہیں ملتے جو مختلف فیہ مسائل چھیڑتے ہو جن مسائل میں سلف سے اختلاف چلا آرہا ہو وہ بھلا آپ کیا طے کریں گے۔

بندہ خدا وہ دن بھول گئے جب آپ "دھوبیوں کی مسجد" کے امام تھے اور حنفی مذہب کے مطابق نماز پڑھایا کرتے تھے نہ آمین بالجہر کا جھگڑا تھا نہ رفع یدن کا۔ اب اخیر عمر میں یہ کیا سودا سمایا کہ سواد اعظم سے منحرف ہو گئے آخر مسلمانوں میں

بلاوجہ افتراق واختلاف پیدا کرنے سے سوائے اپنی عاقبت برباد کرنے کے اور کیا ملے گا شاہ ولی اللہ صاحب کی نصیحت آپ سن چکے ہیں فتنہ انگیزی چھوڑیے ہم نے مانا کہ "رفع یدین" آپ کے نزدیک مستحب ہے پھر اس کی دعوت دینا کونسا فرض ہے اس ملک میں آپ کو حافظ ابن تیمیہ کے اس فتوی پر عمل کرنا چاہئیے۔

والمسلم قد یترک المستحب اذا کان فی فعلہ فساد راجح علی مصلحتہ کما ترک النبی ﷺ بناء البیت علی قواعد ابراھیم (الفتاوی الکبری۔ج ا ص ۱۶۵)

اور مسلمان کبھی مستحب چیز کو بھی چھوڑ دیتا ہے جب کہ اس کے کرنے میں فساد مصلحت پر غالب ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بناء ابراہیمی کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر کو ترک کر دیا تھا۔

خوب سوچ لیجئے اس ملک میں حنفی مذہب کے خلاف الگ گروہ بندی فساد کے سوا اور کیا ہے۔

تمہ

اور اتنا تو آپ کو بھی تسلیم ہے کہ رفع یدین کرنا واجب نہیں چنانچہ خود آپ کے الفاظ ہیں" رہ گئی ترک کی حدیث اول تو کوئی صحیح نہیں لیکن اگر ہو بھی اس سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے وہ ترک عدم وجوب کے اظہار کے لئے ہو" (ص ۳، ۴) اب آپ اگر رفع یدین کو مستحب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ مانتے ہیں تب بھی آپ کے اصول پر رفع یدین نہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں چنانچہ خود آپ نے تنویر العینین سے شاہ اسماعیل صاحبؒ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وقد تقرر فی الاصول ان الایتانی بفعل بغیر ترکه مرة دلیل وجوبه فلا بد من القول بترك السنته المؤكدة ايضاً الثلا يلزم الوجوب فلا تعارض بين احاديث الرفع والترك (ص ١٦)

اور اصول میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کسی فعل کا اس طرح [illegible] بھی اس کو ترک نہ کیا جائے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فعل واجب ہے لہذا سنت مؤکدہ کے ترک کا قائل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا وجوب لازم نہ آئے اور اس تقریر احادیث رفع یدین اور احادیث ترک رفع یدین میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

لیجئے اب آپ ہی کی تقریر سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ رفع یدین کرنا صحیح نہیں بلکہ کبھی کبھی اس کو ترک بھی کرنا چاہئے لہذا پہلے آپ اہلحدیث حضرات کو اس امر کی دعوت کہ کم از کم ہفتہ میں ایک دو دن ضرور بغیر رفع یدین کے نماز پڑھا کریں اور جب اہلحدیث آپ کی اس دعوت کو قبول کرلیں تو احناف سے مخاطب ہوں۔

تقلید مجتہدین خیر القرون میں

★ ـــــــ مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

عقل و شرع دونوں کا فتویٰ ہے اور سب کو معلوم بھی ہے کہ نادان اور دانا، عالم اور جاہل، خاص اور عامی کسی امر کی حقیقت معلوم کرنے میں برابر نہیں۔ خواہ اس امر کا تعلق علوم دنیوی سے ہو یا علوم دینی سے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿الزمر ع ۱﴾

آپ فرما دیجئے کہیں برابر ہوتے ہیں علم والے اور بے علم، سوچتے وہی ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

فارسی کی مشہور مثل ہے "علم شے بہ از جہل شے" اسی لئے بے علم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں اہل علم سے رجوع کیا کرے۔ شریعت میں تو اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ع ۶ الانبیاء ع ۱﴾

سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم علم نہیں رکھتے۔

اور حدیث نبوی میں وارد ہے:

شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ، وابن خزیمہ وابن حبان وابن الجارود والحاکم والدارقطنی والضیاء فی "المختارة")

درماندہ کا علاج ہی دریافت کر لینا ہے

معلوم ہوا کہ غیر اہل علم کو جب بھی ضرورت پیش آئے "اہل علم" سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر

عمل کرے۔ لیکن شریعت کا مسئلہ بتانا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لئے دینی تفقہ کی ضرورت ہے۔ جو شخص فقیہ نہ ہو اس کا فتویٰ قابل قبول نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۞ (التوبہ ع ۱۵)

اور ایسا تو نہیں کہ سارے ہی مسلمان نکل کھڑے ہوں، پھر کیوں نہ نکلا ہر جماعت میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی جانب لوٹ کر آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (خدا کی نافرمانی سے) بچتے رہیں۔

اس آیت شریفہ سے واضح ہوا کہ "انذار" خدا کے حکموں سے ڈرانا اور اس کے احکام کی تبلیغ کرنا اور مسائل شرعیہ کا بتانا ان لوگوں کا حق ہے جن کو "تفقہ فی الدین" یعنی دینی مسائل کی سمجھ حاصل ہو اور خدا کے حلال و حرام اور اس کی مرضی نامرضی کو جانتے ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کا کام ان کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے:

نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ إِنِ احْتِيجَ إِلَيْهِ نَفَعَ، وَإِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ أَغْنَى نَفْسَهُ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۳۶)

بڑا اچھا ہے وہ شخص جو دین میں فقیہ ہو کہ اس کی طرف حاجت پڑے تو وہ نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے نیازی کی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز رکھے۔

مطلب یہ کہ فقیہ کی شان یہ ہے کہ لوگ اس سے مسئلے پوچھیں تو ان کو نفع ہو، اور اگر اس سے استغنار برتیں تو وہ دوسرے کا محتاج نہیں کہ اس کو کسی سے مسئلہ دریافت کرنے کی حاجت ہو۔

علمی اصطلاح میں جو شخص فتویٰ دینے کا اہل ہو اور ادلۂ شرعیہ سے احکام شرعیہ کو نکال سکے وہ فقیہ اور مجتہد کہلاتا ہے اور جس میں یہ اہلیت نہ ہو وہ عامی ہے۔ اس کو چاہئے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرے اور اس کی تقلید کرے۔ یہ مسئلہ امت مرحومہ کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ محدث ابوالحسن صغیر سندھی مدنی بہجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ أَجْمَعَ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الْعَامِيَّ مَأْمُورٌ

امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عامی کو یہ حکم ہے کہ

بِاتِّبَاعِ الْمُفْتِیْ مَعَ اَنَّہٗ رُبَّمَا یُخْبِرُ عَنْ رَایِہٖ　　وہ مفتی کا اتباع کرے۔ حالانکہ بعض وقت مفتی فتوی

(ص ۱۹ طبع مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۹ھ)　　میں صرف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک امت کا عمل اسی طریق پر ہے۔ عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں تو خود صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آکر مسائل معلوم کیا کرتے تھے۔ لیکن مدینہ منورہ کے علاوہ جو شہر اور بستیاں تھیں، وہاں کے رہنے والے ان حضرات کے فتووں اور فیصلوں پر عمل کرتے تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی "معیار الحق" میں مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی سے ناقل ہیں:

بر اہل علم مخفی نیست کہ از صحابہ کرام چند صحابہ معدود مجتہد بودند و باقی ہمہ مقلد۔　　اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ صحابہ کرام میں سے چند گنے چنے صحابی مجتہد تھے۔ اور باقی سب مقلد۔

(ص ۸۳ طبع مطبع رحمانی دہلی ۱۳۳۷ھ)

یہ عبارت مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی علیہ الرحمہ کے اس فتوی کی ہے جس کو میاں صاحب موصوف نے اس تمہید کے ساتھ اپنی کتاب "معیار الحق" میں نقل کر کے مسلم رکھا ہے کہ:

"مولانا مغفور نے ۱۲۷۰ھ میں ایک فتویٰ جواب میں کسی سائل کے تحریر فرمایا تھا اور ۱۲۷۱ھ میں مع مواہیر علمائے ٹونک اور دہلی بقالب طبع آیا تھا، وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔" (ص ۸۱)

یہ بھی واضح رہے کہ مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی جلالت علمی کا اعتراف میاں صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"مولوی سید حیدر علی مرحوم ساکن قصبہ ٹونک کہ جو بڑے عالم متبحر، جامع معقول اور منقول، شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہما کے تھے۔" (ص ۷۹)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں رقم طراز ہیں:

صحابہ وتابعین ہمہ دریک مرتبہ نبودند بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند وبعض مقلد، قال اللہ تعالیٰ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ (ص۲۵۱ طبع مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ)

صحابہ وتابعین سب ایک مرتبہ کے نہ تھے بلکہ بعضے ان میں سے مجتہد تھے اور بعضے مقلد، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ضرور معلوم کر لیتے اس امر کو وہ لوگ کہ جو اس امر کی ان میں تحقیق کرنے والے ہیں" (معلوم ہوا دوسرے لوگ محقق نہیں مقلد تھے)

غرض صحابہ اور تابعین کے دور میں عام لوگ اپنے اپنے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کی تقلید کیا کرتے تھے اور ان ہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کرتے تھے۔ بعد کو جب تبع تابعین کے دور میں علوم اسلامی کی تدوین شروع ہوئی اور اس سلسلے میں علم فقہ کی تدوین بھی کتابی شکل میں عمل میں آئی تو اس دور کی حکومتوں نے اس کو اپنا دستور العمل بنایا، اور عوام و خواص نے اسی فقہ مدوّن پر عمل شروع کر دیا۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّاسَ لَمْ يَزَالُوْا مِنْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ اِلٰى اَنْ ظَهَرَتِ الْمَذَاهِبُ الْاَرْبَعَةِ يُقَلِّدُوْنَ مَنِ اتَّفَقَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ مِنْ اَحَدٍ۔

بے شک لوگ صحابہ کے عہد سے لے کر چاروں مذہبوں کے شائع ہونے تک ان علماء کی تقلید کرتے رہے جو ان کو ملتے۔ اس امر پر کسی نے نکیر نہیں کی۔

(ملاحظہ ہو "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" از شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی ص۲۹، طبع مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۴ھ)

مجتہدین اگرچہ بہت ہوئے ہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو قبول عام ان ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو نصیب فرمایا وہ دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا۔ شاہ اسماعیل شہید دہلوی "صراط مستقیم" میں فرماتے ہیں:

امامت در ہر کمال عبارت است از حصول مشابہت تامہ بانبیاء اللہ درآں کمال، مثلاً علم باحکام شرعیہ ۔۔۔۔ پس مشابہ بانبیاء دریں

کسی کمال میں امامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت تامہ حاصل ہو جائے۔ مثلاً احکام شرعیہ کا علم ہے کہ ۔۔۔۔

فن ائمہ مجتہدین مقبولین اند، پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ، ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار گذشتہ اند فاما مقبول درمیان جمہور امت ہمیں چند اشخاص اند، پس گویا کہ مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردید، بناءً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص و عوام بلقب "امام" معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف ۔ (ص ۹۰ و ۹۱ مطبوعہ مطبع مظہری کلکتہ ۱۲۶۵ھ)

اس فن میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہ مجتہدین مقبولین ہی ہیں لہذا ان حضرات کو ائمہ فن میں شمار کرنا چاہئے جیسے کہ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں کہ اگرچہ مجتہدین زیادہ سے زیادہ ہو گزرے ہیں لیکن جمہور امت کے درمیان مقبول یہی چند حضرات ہیں پس گویا مشابہت تامہ اس فن میں انہی حضرات کے نصیب میں آئی ۔ اسی بنا پر عامہ اہل اسلام کے درمیان چاہے وہ خواص ہوں یا عوام یہی حضرات "امام" کے لقب سے معروف اور قوت اجتہاد سے موصوف ہیں ۔

ان حضرات ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ تو تابعی ہیں اور امام مالکؒ تبع تابعی اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے تبع تابعین کا زمانہ پایا ہے ۔ ان حضرات ائمہ کی فقہ مدوّن ہونے کے ساتھ ہی امت میں اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا اور ان کے عہد سے لے کر آج تک تمام اہل سنت و جماعت ان ہی حضرات کی فقہ کے پیرو ہیں ۔ ان حضرات کا اختلاف بھی امت اسلامیہ کے لئے رحمت ہے ۔ واضح رہے کہ مجتہد سے اگر کسی مسئلہ میں خطا بھی ہو جائے تو ایک اجر ملتا ہے ورنہ دوہرا اجر تو اس کا ہے ہی ۔ حافظ ابو المحاسن دمشقیؒ "عقود الجمان" میں فرماتے ہیں ۔

اِعلَم رحمکَ اللّٰہُ انَّ الاُمّۃَ المحمدیۃَ فِی جمیعِ بلادِ الاسلامِ مِنْ اَثناءِ القرنِ الثّانِي اِلیٰ زمانِنا ھٰذا ۔ وَھُوَ سَنَۃُ ثمانٍ وثلاثینَ وَتِسعِ مائۃٍ ۔ لَایَخرجُ اَحدٌ مِنھَا اِذا کانَ غیرُ مجتھدٍ عَنْ انْ یکونَ مُقلِّدًا لِاحدٍ مِنَ الائمّۃِ المجتھدینَ فِي الفقھۃِ لِانّھُمْ کلُّھُمْ علیٰ ھُدیً مِنَ اللّٰہِ تعالیٰ ۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے ، اللہ تم پر رحم فرمائے کہ امت محمدیہ تمام بلاد اسلامی میں دوسری صدی کے وسط سے لیکر ہمارے اس زمانے تک کہ ۹۳۸ھ ہے کوئی غیر مجتہد شخص ایسا نہیں گذرا کہ جو فقہ میں ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا مقلد نہ رہا ہو ۔ کیوں کہ یہ سب حضرات حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے ۔

(ص ۶ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۹۴ھ)

غرض اواخر عہد تبع تابعین سے لے کر آج تک امت اسلامیہ کا سواد اعظم ان ہی مذاہب اربعہ سے وابستہ رہا ہے۔ میاں نذیر حسین صاحب، دہلوی بھی معیار الحق میں مذاہب اربعہ کی تقلید کو مباح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"باقی رہی تقلید وقت لاعلمی، سو یہ چار قسم ہے

قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی مجتہد اہل سنت کے سے لاعلی التعیین جس کو مولانا شاہ ولی اللہ نے عقد الجید میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت ---------

قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے بشرطیکہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعین کرے کہ جب کہ امر اللہ تعالے کا واسطے اتباع اہل ذکر کے عموماً صادر ہوا ہے۔ تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے۔" (ص ۴۱ و ۴۲)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور مذاہب اربعہ پر جمع ہو جانے کی برکت کہ جتنے اساسی گمراہ فرقے نکلے وہ ان چاروں مذاہب پر لوگوں کے جمع ہو جانے سے پہلے پہلے نکلے۔ جب سے لوگوں نے مذاہب اربعہ کی پیروی شروع کی نئے نئے فرقے بننا بند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:

تا وقتیکہ مردم بر ہر چہار مذہب استوار نشدند و تقلید ایشاں اختیار نہ کردند ہفتاد و چند فرقہ پیدا شدند و بعد از ایشاں تابعان ہمہ فرقہ ہا باقی ماندند و مذاہب دیگر مخترع نگشت۔ (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۶۵ طبع مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ)	جس وقت تک کہ لوگ چاروں مذہب پر پختہ نہ ہوئے تھے اور ان کی تقلید انھوں نے اختیار نہ کی تھی ستر سے اوپر فرقے پیدا ہوئے اور ان کے بعد تمام فرقوں کے پیرو تو باقی رہے اور دوسرے نئے مذاہب پیدا نہ ہوئے۔

اہل بدعت میں روافض کو ہمیشہ ان مذاہب چہارگانہ کے اختیار کرنے پر اعتراض رہا۔ چنانچہ ابن مطہر حلی نے منہاج الکرامہ میں اہل سنت پر یہی اعتراض کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے یہ چار مذاہب

نکال لئے ہیں۔ اور حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں اس رافضی کے اس اعتراض کے متعدد جوابات دئے ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے باب دوم میں روافض کے مکائد کی تفصیل بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کید ہشتاد و پنجم آں کہ طعن کنند بر اہل سنت و جماعت کہ ایشاں مذہب ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اختیار می کنند۔ (ص ۱۰۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

رافضیوں کا پچاسی واں فریب یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ابوحنیفہؒ شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کا مذہب اختیار کرتے ہیں۔

اور پھر اس طعن کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

جواب ایں کید آں کہ نبی صاحبِ شریعت است نہ صاحبِ مذہب زیراکہ مذہب نام راہے است کہ بعض امتیاں را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہند کہ موافقِ آں قواعد استنباطِ مسائلِ شرعیہ از ماخذِ آں نمایند۔ ولہذا محتملِ صواب و خطا می باشد ولہذا مذہب را بسوئے خدا و جبریل و دیگر ملائکہ نسبت کردن کمال بے خردیست۔ (ص ۱۰۹)

اس کید کا جواب یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ صاحب مذہب، کیوں کہ مذہب تو اس راہ کا نام ہے جو بعض امتیوں پر فہم شریعت کے سلسلے میں کھلتی ہے اور پھر وہ اپنی عقل سے چند قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ ان قواعد کے مطابق شرعی مسائل ان کے ماخذ (کتاب و سنت و اجماع و قیاس) سے نکالتے ہیں اور اس لئے مسائل کے نکالنے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا، جبریل، ملائکہ اور انبیاء کی طرف مذہب کی نسبت کرنا نہایت بیوقوفی ہے (چنانچہ اللہ رسول کا دین کہتے ہیں، اللہ رسول کا مذہب نہیں کہتے)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

مقلد را در اتباع شریعت پیغمبر از توسیط مجتہد ناگزیر است ...... پس اہل سنت را در اتباع ابوحنیفہ و شافعی چہ گناہ لازم آمد۔ (ص ۱۱۱)

مقلد کو پیغمبر کی شریعت پر چلنے کے لئے مجتہد کے واسطے کے بغیر چارہ نہیں ...... پس اہل سنت پر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی اتباع کرنے میں کیا گناہ لازم آ گیا۔

ہندوستان میں بھی جن لوگوں نے تقلید مجتہدین اور مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے پر انکار کیا ہے وہ روافض ہی کی تقلید کا اثر ہے۔ چنانچہ گذشتہ صدی میں مولوی عبدالحق بنارسی المتوفی ۱۲۸۶ھ نے اس سلسلہ میں بڑا سخت فساد برپا کیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں سخت انتشار پیدا ہوگیا تھا۔ یہ مولوی صاحب بھی ایک زمانہ میں تشیع کا شکار رہ چکے ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب "سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند" میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

در اواسط عمر بعض تزلزل در عقائدِ ایشاں ومیل بسوئے تشیع وجز آں معروف است (ص ۳۶ طبع بھوپال ۱۲۹۲ھ)	اپنی عمر کے درمیانی حصہ میں کچھ تزلزل ان کے عقائد میں اور تشیع وغیرہ کی طرف ان کا میلان مشہور ہے۔

یہی زمانہ ہے جب موصوف نے "الدر الفرید فی المنع عن التقلید" لکھی تھی۔ جس کا جواب مولانا تراب علی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ نے "سواء الطریق" لکھ کر مولوی عبدالقادر سندیلی کے نام سے چھپوایا تھا۔ اسی زمانہ میں شیخ احمد اللہ بنارسی نے حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور ۱۲۵۷ہجری میں وہاں کے علماء سے تقلید مجتہدین کے بارے میں فتاوی حاصل کئے تھے اور ان سے ایک سال پہلے منشی حسن علی بنارسی نے ۱۲۵۶ہجری میں علمائے حرمین شریفین سے اسی سلسلہ میں استفسار کیا تھا۔ یہی وہ فتاوی ہیں جو "تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین" کے نام سے اسی زمانہ میں طبع ہوئے تھے اور پھر متعدد بار ان کی طباعت عمل میں آئی۔

مولوی عبدالحق بنارسی کے متعلق مولانا سید عبدالحی صاحب حسنی لکھنوی المتوفی ۱۳۴۱ھ نے اپنی کتاب "معارف العوارف فی انواع العلوم والعارف" میں جو "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے دمشق سے ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوئی ہے۔ جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

ومنهم مَن سَلكَ مَسلكَ الافراط جداً و بَالغ فِي حرمةِ التقليدِ وَجاوَزَ عَن الحدِ، بدّعَ المقلِدِينَ وَادَخلهُم	اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سخت زیادتی کا راستہ اختیار کیا، تقلید کی حرمت میں مبالغہ سے کام لے کر حد سے بڑھ گئے، مقلدین کو بدعتی

في اهل الاهواء، ووقع في اعراض	ٹھہرایا اور ان کو اہل ہوا میں داخل کیا۔
الائمة، لاسيما الامام ابي حنيفة و	اور ائمہ کی اہانت کی خصوصاً امام ابوحنیفہ
هٰذا مسلك الشيخ عبد الحق بن	رحمہ اللہ کی، شیخ عبدالحق بن فضل اللہ
فضل الله البنارسي والشيخ عبدالله	بنارسی اور شیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی
الصديقي الاله آبادي وغيرهما۔	وغیرہ کا یہی طریقہ ہے۔

(ص ۱۰۴)

سید صاحب نے شیخ بنارسی کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اس سے ناظرین بنارسی صاحب کی کارگزاری کا پوری طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو افراط و تفریط سے بچائے۔ واللہ يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

مولانا عبد الرشید نعمانی

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ (کراچی)

دار العلوم دیوبند
ہند میں دینِ حنیفی و مذہبِ حنفی کا گہوارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد۔

ہندوستان جنت نشان اس کرۂ ارض کا وہ خطہ ہے جہاں سب سے پہلے افرادِ انسانی کے ابوالآبا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط واقع ہوا۔ چنانچہ یہ مضمون کتبِ احادیث کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی گرانقدر تصنیف "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" کی فصل اول میں اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کر دیا ہے[1]۔ اس بنا پر عالم انسانیت میں تعلیم ربانی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے لیکن یہ عالم انسانیت کا عہد طفولیت تھا۔ پھر جب یہ سوہنی دھرتی آدمیوں سے آباد ہونے لگی تو ان کی اصلاح و تعلیم کے لیے وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدہ بندے آتے رہے اور ان کو راہِ حق دکھلاتے

---

[1] ملاحظہ ہو "سبحۃ المرجان" ص ۴ تا ص ۲۴۔ واضح رہے کہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام "شمامۃ العنبر فی الہند عن سید البشر" اس رسالہ میں تفسیر و احادیث کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان کے متعلق مولانا غلام علی کی نظر سے گذرا تھا اس کو انھوں نے یکجا کر دیا ہے پھر اس رسالہ کو "سبحۃ المرجان" کا جز بنا کر تمام و کمال اس کی ابتدا میں نقل کر دیا ہے۔ "سبحۃ المرجان" ایک صدی ہونے کو آئی جب ۱۳۰۳ھ میں مرزا محمد ملک الکتاب کے زیر اہتمام بمبئی سے طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ کتاب اپنے موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کو دوبارہ تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مزید اہتمام سے شائع کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

رہے۔ چنانچہ قرآن عظیم کی تصریح ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۝ (الفاطر ۲۴)

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈرسنانے والا نہ گذرا ہو۔

یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور کچھ ہند ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں بھی عالم انسانیت نے جنم لیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، ہادی اور نذیر وہاں برابر آتے رہے اور انسانوں کو دین حق کی طرف بلاتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے تاہم تعلیم و تعلم اور دعوت حق کا یہ سلسلہ مقامی، وقتی اور نسلی تھا کیونکہ عالم انسانیت ابھی عہد طفلی سے عہد شباب کی طرف گامزن تھا اور دنیا مختلف نسلوں، گروہوں اور جغرافیائی حدبندیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پھر جب عالم انسانیت نے شباب کی منزل میں قدم رکھا اور جب اس کے قوائے علمی و عملی میں بہار آنا شروع ہوئی اور ایسا وقت آگیا کہ اب وہ امۃ واحدہ بن کر تکمیل دین اور اتمام نعمت الٰہی کی دولت سے مشرف ہو تو حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرماکر عالم انسانیت کی روحانی ضرورت کو جس کا وہ زبان حال سے ملتجی تھا پورا فرمایا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۳)

آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت کو میں نے پورا کردیا اور تمہارے واسطے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور رسل آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس میں کالے، گورے، سرخ، سفید اور زرد کی کوئی تخصیص نہیں اس لیے رومی، شامی، فرنگی، حبشی، ترک، تاتار، تاجیک، دیلم، چینی جاپانی، ہندی، افغانی، غرض تمام عرب و عجم اور ہر قوم اور ہر جنس کے لوگ آپ میں برابر کے حق دار ہیں، ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ (السبا ۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف ۱۵۸) اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیامبر ہوں۔

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے پہلے جو نبی بھیجا جاتا تھا وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں[1]" اس معنی کی روایتیں کتب حدیث میں بکثرت وارد ہیں، اور اس کی عملی دلیل مطلوب ہو تو سارے پیغمبروں کے حالات پڑھ جایئے سب کے ماننے والوں کو ان کی زندگی میں آپ اسی ملک اور قوم میں محدود پائیں گے جس ملک اور قوم کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں خود آپ ہی کی حیات طیبہ میں ہم کو بلال حبشی صہیب رومی اور سلمان فارسی کے بھی نام ملیں گے اور شاہان عالم کے نام جو آپ نے دین اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے وہ بھی عموم دعوت کی ایک بڑی بھاری عملی دلیل ہے۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اس بنا پر دین اسلام وہ ابر رحمت تھا جو اس دنیا کے چپہ چپہ پر برسا مگر فیض ہر ایک نے بقدر استعداد اٹھایا۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ رویدو در شورہ بوم خس

ہمارے ہندوستان کی قسمت میں بھی اس باران رحمت سے فیض اٹھانا مقدر تھا۔ غازیان ہند کو فتح سندھ سے کئی صدی پہلے یہ بشارت دی جا چکی تھی۔

عصابتان من أمتي أحرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند، وعصابة تكون مع عيسى بن مريم
میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آتش دوزخ سے بچا لیا ہے ایک وہ جو ہندستان کے غزوہ میں شریک ہوگا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند[3] میں اور امام نسائی نے اپنی سنن[2] میں اور حافظ ضیاؑ

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری اور صحیح مسلم، کتاب المساجد
[2] سنن نسائی کتاب الجہاد، غزوۃ الہند
[3] ج۔ ۵ ص ۲۷۸

مقدسی نے "المختارہ" میں نیز طبرانی نے بسند جید[2] حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔
اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ الھند فان استشھدت کنت من خیر الشھداء وان رجعت فانا ابوھریرۃ المحرر۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ - ص ۲۲۹ -)

ہم سے اپنی مسلمانوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندستان کے غزوہ کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے تو اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو بہترین شہیدوں میں ہونگا اور اگر صحیح وسلامت واپس آ گیا تو (دوزخ سے) آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔

اور سنن نسائی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی، فان اقتل کنت من افضل الشھداء، وان ارجع فانا ابوھریرۃ المحرر۔

(کتاب الجہاد)

ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے سو اگر مجھے اس غزوہ میں شرکت کا زمانہ آیا تو میں اس میں جان ومال قربان کردوں گا پھر اگر میں اس میں شہید ہو گیا۔ تو افضل شہیدوں میں ہوں گا اور اور اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو میں دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔

---

[1] ملاحظہ ہو "الفتح الکبیر فی ضم الزیادہ الی الجامع الصغیر" ج - ۲ ص ۲۲۹ طبع مصر

[2] سبحۃ المرجان ص ۲۱ حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد کی کتاب الجہاد باب غزوہ الہند میں اس روایت کو طبرانی کی المعجم الاوسط کے حوالہ سے نقل کیا ہے تعجب ہے کہ حافظ ہیثمی نے اس روایت کو زوائد میں شمار کیا حالانکہ یہ روایت بعینہ ان الفاظ کے ساتھ سنن نسائی میں موجود ہے اور زوائد میں ان روایات کو ذکر کیا جاتا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور نہ ہوں۔ نیز حوالہ میں صرف المعجم الاوسط کا ذکر کیا ہے مسند احمد کا نہیں۔ حالانکہ مجمع الزوائد میں مسند احمد کے بھی زوائد کو جمع کیا گیا ہے اور یہ روایت مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

واضح رہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ وعدہ عام امت محمدیہ سے تھا خاص افراد سے نہ تھا اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تردد تھا کہ خدا جانے اس غزوہ ہند میں مجھے شرکت کی سعادت نصیب ہو یا نہ ہو۔ غور فرمایئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ ہجری کی مسند میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے "غزوہ ہند" ۳۹۲ھ ہجری سے تقریباً دو سو پونے دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔ مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے" ہند" کے ساتھ "سند" کے الفاظ بھی آگئے ہیں یہ روایت حسب ذیل ہے۔

حدثنا یحیی بن اسحٰق حدثنا	ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا وہ کہتے ہیں
البراء عن الحسن عن ابی ھریرۃ	ہم سے براء نے حسن بصری کی روایت سے حضرت
قال حدثنی خلیلی الصادق رسول	ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بیان
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال	کی کہ مجھ سے میرے محبوب صادق رسول اللہ صلی اللہ
یکون فی ھذہ الامۃ بعث الی	تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس امت میں سندھ
السند والھند فان ادرکتہ	اور ہند کی طرف لشکر کشی ہوگی سو اگر میں نے وہ
فاستشھدت فذلک وان	زمانہ پایا اور شہید ہو گیا تو مراد بر آئی اور اگر (اس کے
أنا فذکر کلمۃ رجعت	بعد انھوں نے کچھ فرمایا جو یہ تھا کہ) میں زندہ لوٹ
وانا ابوھریرۃ المحرر قد اعتقنی	آیا تو اس حال میں لوٹوں گا کہ میں آزاد ابوہریرہ
من النار۔ (ج ۲۔ ص ۳۶۹)	ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ سے آزاد فرمایا ہوگا۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ تفرد بہ احمد[1] یعنی اس حدیث کے راوی صرف امام احمد ہیں مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں امام صاحب کی تو بڑی شان ہے کسی ثقہ کا تفرد بھی قادح صحت نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس روایت کا ایک راوی براء بن عبداللہ بن یزید الغنوی البصری القاضی جو امام حسن بصری سے اس روایت کو نقل کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو ضعیف لکھا ہے[2] مگر ائمہ جرح و تعدیل کی تصریحات جو اس کے بارے

[1] ج ۶۔ ص ۲۲۳ طبع ۱۹۶۶ء شائع کردہ دار المعارف بیروت [2] تقریب التہذیب

میں ہیں ان پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ ضعیف نہیں ہے چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ ھو عندی أقرب إلی الصدق منه إلی الضعف یعنی میرے نزدیک یہ ضعف کے بجائے صدق کے زیادہ قریب ہے اور امام بزار فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی وقد احتمل حدیثه گو یہ قوی نہیں تاہم اس کی روایت قابلِ برداشت ہے اور ایک بار امام موصوف نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ لیس به بأس یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں اور بعینہ یہی الفاظ امام ابوداؤد سجستانی سے بھی اس کے بارے میں منقول ہیں[1]۔ غالباً اسی لیے حافظ ابن کثیر نے براء کے بارے میں کچھ اظہار خیال نہ فرمایا۔ تاہم اس کے ضعف کی بنا پر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ روایت میں "سند" کا اضافہ ضعف حافظہ کا نتیجہ ہوگا مگر واقعات اس پیشین گوئی کی بھی صحت کے شاہد ہیں بلکہ سندھ پر تو ہند سے بھی پہلے لشکر اسلام کا حملہ ہوا تھا۔ بہرحال غزوہ ہند کی پیشین گوئی باسانید صحیح حضرت ثوبان و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایت سے ثابت ہے اور غزوہ سندھ کی پیشین گوئی بسند ضعیف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لیکن روایت کا ضعف اتنا شدید نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اس کو سرے سے نظرانداز کر دیا جائے بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچہ میں یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ

وکل ما کان فی مسند احمد فھو مقبول فان الضعیف الذی فیه یقرب من الحسن[2]	اور ہر وہ روایت جو مسند احمد میں ہے مقبول ہے کیوں کہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہے وہ حسن کے قریب قریب ہے۔

صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ آخر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں سنہ ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ھ میں اسلامی فتوحات کا سیلاب سندھ کے تمام حدود کو پار کر گیا جس کے نتیجہ میں سندھ کا تمام علاقہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اور ایک عرصہ تک سندھ میں اموی اور عباسی خلفاء کی طرف سے والی مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر چوتھی صدی کے

---

[1] تہذیب التہذیب میں اس کا تذکرہ پڑھیے۔

[2] ملاحظہ ہو۔ "کنز العمال" ج ۱ ص ۳ طبع دائرۃ المعارف

اواخر میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور سومنات کے بت کدہ کو تاراج کرکے دم لیا۔ اب غزنین سے لاہور تک اسلامی راج تھا۔ محمود غزنوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد تقریباً دو سو سال تک غزنین سے لاہور تک حاکم و متصرف رہی۔ غزنویوں ہی کے عہدِ حکومت میں ہمارے پاکستان کے مشہور بزرگ اور ولی اللہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ المتوفی ۴۶۵ھ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے لاہور کو نوازا۔ حضرت ممدوح نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے اس سرزمین کے بارے میں اپنا جو رویائے صادقہ بیان کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں۔

و من کہ علی بن عثمان الجلاّبی ام۔ وفقنی اللہ بدمشق شام بودم بر سر گور مؤذن رسول خدائے صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خفتہ، خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدہ پیرے را در بر گرفتہ، چنانکہ اطفال را در بر گیرند بشفقتے من پیشش دویدم، بر دست و پایش بوسہ دادم و در تعجب بودم کہ آں کیست وآن حالت چیست! وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شد، مرا گفت ایں امام تو و اہلِ دیارِ تست یعنی ابو حنیفہ۔ مرا بہ ایں خواب امید بزرگ است و با اہل دیار خود ہم و درست گشت ازیں خواب مرا کہ وے یکے از آنان بودہ است

میں کہ علی بن عثمان جلاّبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق خیر دے شام کے شہر دمشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد کو اپنی گود میں لیے اس حال میں اندر تشریف لائے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں، میں دوڑ کر حاضر خدمت ہوا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا حالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندرونی اندیشہ کو دریافت کرلیا اور مجھ سے فرمایا یہ ابو حنیفہ ہیں جو تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہل ملک کے بھی مجھے اس خواب سے اپنے بارے میں بڑی امید ہے اور اپنے اہل دیار کے بارے

کہ از اوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرح باقی وبدان قائم، چنانکہ برندہ وے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است واگر وے خود رفتے باقی الصفت بودے وباقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب چوں برندہ وے پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود فانی الصفت باشد بیقائے صفت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وچوں بر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطا صورت نگیرد بر آنکہ بدو قائم بود ...... نیز صورت نگیرد۔ وایں رمز لطیف است[1]

میں بھی۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام اعظم ان حضرات میں سے ہیں کہ جو اپنے اوصاف طبع کے لحاظ سے فانی اور احکام شرع کے لحاظ سے باقی ہیں اور ان ہی کے ذریعہ قائم ہیں، چنانچہ ان کو لیکر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور اگر وہ اپنے آپ چلتے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت غلط فیصلہ بھی کرسکتا ہے اور صحیح بھی اور اب جب ان کو اٹھا کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے تو وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بقا صفت کی وجہ سے فانی الصفت ٹھہرے اور چونکہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خطا کی کوئی صورت نہیں اس لیے جس کا قیام پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات عالی سے وابستہ ہو اس پر بھی خطا کی صورت نہیں بن سکتی۔ دیا در ہے یہ ایک لطیف رمز ہے۔

اب تک مسلمانوں کی حکمرانی لاہور تک تھی ۵۸۹ھ میں سلطان معز الدین سام غوری رحمت اللہ علیہ نے ہندوستان کے آخری فرمانروا پرتھی راج کو شکست دے کر دہلی کو دار السلطنت قرار دیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۲۷۳ھ تک اس برصغیر ہند و پاک کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط واقتدار رہا۔ اب حدیث صحیح اور رویائے صادقہ کی روشنی میں اس کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پر جائیے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی، رحمۃ اللہ تک کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا۔ اس ملک کے

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سمرقند ۱۳۰۳ھ وص ۸۶ طبع لاہور ۱۳۹۶ھ

اولین غازی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا صحیح مصداق ہیں، ان ہی حضرات کی برکت سے ظلمت کدہ ہند نور اسلام سے جگمگا اٹھا، ہندوستان میں ان فاتحین کے قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفیہ، اہل دل اور علماء کی آمد شروع ہوئی اور سکان ہند جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے جو شریعت محمدیہ کی سب سے پہلی تشریح اور تمام مذاہب میں سنت کے زیادہ قریب ہے اور ایمان و عمل میں اخلاص کی دولت صوفیہ کی بدولت نصیب ہوئی چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

"رعایای آن ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند"[1]

اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالہ سے ناقل ہے۔

"مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ اند"[2]

اور حضرت مجدد الف ثانی رح مغل امپائر کے فرمانروا کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"سلطان وقت خود حنفی می گیرد و از اہل سنت میداند"[3]

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی "تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف" میں ارقام فرما ہیں۔

"واہل الروم وما وراء النہر والہند حنفیون" (اہل روم اور اہل ہند سب حنفی ہیں)

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

روزے در حدیث لوکان الدین عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ہولاء یعنی اہل فارس، و فی روایۃ لنالہ رجال من ہولاء، بلا شک مذاکرہ می کردیم۔

ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کر رہے تھے جس میں آتا ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کر کے رہے گا اور ایک روایت میں بغیر شک کے "ہولاء" کا ہی لفظ

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۳۳۳ طبع نول کشور [2] ایضاً ص ۳۴۰ [3] مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب دو صد و پنجاہ و یکم حصہ چہارم ص ۲۰ طبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ اس کتاب کا عکسی نسخہ برادر عزیز مولوی محمد عبد الحلیم حسنی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور میں نے یہ عبارت اسی کے ص ۲۰ سے نقل کی ہے۔

فقیر گفت، امام ابو حنیفہ درین حکم داخل است کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بر دست وی شائع ساخت و جمعے از اہل اسلام را آبان فقہ مہذب گردانید خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمین مذہب است و بس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرسان و اکثر عوام حنفی [1]

مذکور ہے یعنی اہل فارس کے کچھ افراد ضرور حاصل کرکے رہیں گے۔

فقیر (یعنی میں) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھوں اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ آراستہ فرمایا، خصوصاً پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب ذی دولت ہے۔ تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔

اور "تفہیمات الٰہیہ" میں لکھتے ہیں۔

وجمہور الملوک و عامۃ البلدان[3] متمذہبین بمذہب ابی حنیفۃ [2]

عام سلاطین، اور تمام ممالک، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب کے پیروکار ہیں۔

واضح رہے کہ نجات ابدی کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص پھر علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جس سے مقصود مجرد اعتقاد و یقین قلبی ہے اور جس پر ایمان کا دار و مدار ہے اور جس کی تفصیل علم عقائد و کلام میں مذکور ہے اور دوسرا وہ علم جس سے مقصود عمل ہے۔ اور علم فقہ جس کے بیان کا متکفل ہے۔ اہل ہند عقائد و فقہ دونوں میں امام اعظم کے مسلک کے پیرو ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ "عقائد و فقہ دونوں میں اسلامی دنیا کی اکثریت کے مقتدا ہیں، علم عقائد میں امام صاحب کی متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ جیسے (۱) کتاب الفقہ الاکبر (۲) کتاب العالم و المتعلم (۳) کتاب الرسالۃ الی عثمان البتی۔ یہ کتابیں مطبوع و متداول ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ملاحظہ ہو "کلمات طیبات" مکتوب شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم ص ۱۷۷ طبع مطبع العلوم مراد آباد ۱۳۰۶ھ

[2] تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ

[3] واضح رہے کہ کاتب کی غلطی سے البلدان کی بجائے مطبوعہ نسخے میں البیان طبع ہو گیا ہے جو محض غلط ہے۔

نے ائمہ حنفیہ کے عقائد کو ایک مستقل رسالہ میں اس نام سے جمع کر دیا ہے۔ بیان عقیدۃ فقہاء الملۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمہم اللہ" یہ رسالہ "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ امام طحاوی کے معاصر ماوراء النہر کے مشہور امام، امام اہل السنۃ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۳۲ھ نے جو "امام الہدیٰ" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان عقائد کو عقل و نقل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون فرمایا ہے اور بڑی عمدہ تصانیف اس سلسلہ میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ تمام حنفی دنیا اس بارے میں آپ کی مرہون منت ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ نے جس طرح اپنی بیش بہا تصانیف، احکام القرآن، شرح معانی الآثار، بیان مشکل الآثار وغیرہ کے ذریعہ فقہ حنفی کی خدمت کی ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کو خوب مدلل و مبرہن کیا ہے بعینہ وہی کام امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی گراں قدر تصانیف تاویلات القرآن، کتاب المقالات، کتاب التوحید وغیرہ کے ذریعہ حنفی عقائد کے بارے میں انجام دیا ہے۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنّا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ ہندوستان، ماوراء النہر اور روم کا تمام خطہ بلکہ تمام حنفی عقیدۃً ماتریدی کہلاتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ عقائد کے اعتبار سے اہل السنۃ والجماعۃ میں بنیادی طور پر کوئی اہم اختلاف نہیں ہے تاہم عقائد ماتریدیہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ ان کی تدوین فلسفہ کے اثر سے قطعاً پاک ہے اور ان کی بنیاد خالص کتاب و سنت پر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو علم عقائد و کلام میں امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں فرماتے ہیں:-

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است۔ تکوین را از صفات حقیقیہ می دانند، ہر چند بظاہر رجوع بقدرت و ارادت می نماید لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم گردد کہ صفت علیحدہ است۔ علیٰ ہذا القیاس، و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی است و در اقل مترددو این فقیر را در توسط احوال	اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ علم کلام کے اختلافی مسائل میں حق حنفیوں کی طرف ہے چنانچہ تکوین کو حق تعالیٰ کی حقیقی صفات میں جانتا ہے اور ہر چند کہ بظاہر صفت تکوین قدرت و ارادہ ہی کی طرف لوٹتی نظر آتی ہے۔ لیکن دقت نظر اور فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل صفت ہے علیٰ ہذا القیاس (اور مسائل خلافیہ کلام کا حال ہے) اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی مذہب کی جانب ہے

حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوات، والتسلیمات در واقعہ فرمودہ بودند کہ تو از مجتہدان علم کلامی، از آں وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ ایں فقیر را رای خاص است و علم مخصوص، در اکثر مسائل خلافیہ کہ ماتریدیہ و اشاعرہ در انجا متنازع اند در ابتدا ر ظہور آں مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم می گردد و چوں بہ نور فراست و حدت نظر نمودہ می آید واضح میگردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است۔

اور بہت ہی کم میں متردد (کہ دوسری جانب بھی ان کے حق میں ہونے کا احتمال ہے) اور اس فقیر کو انہیں احوال میں حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے اس وقت سے مسائل کلامیہ میں ہر مسئلہ میں اس فقیر کی ایک خاص رائے اور مخصوص علم ہے اکثر وہ اختلافی مسائل کہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین نزاع ہے، ان میں مسئلہ کے ابتدا ظہور میں تو حقیقت اشاعرہ کی جانب معلوم ہوتی ہے لیکن جب نور فراست سے گہری نگاہ ڈالی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔

در جمیع مسائل خلافیہ کلامیہ رای ایں فقیر موافق رای علماء ماتریدیہ است والحق ایں بزرگواران را بواسطہ متابعت سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ شان عظیم است کہ مخالفان ایشان را بواسطہ خلط فلسفیات آں شان میسر نیست اگر چہ ہر دو فریق از اہل حق اند۔[1]

علم کلام کے تمام مسائل خلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کے موافق ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی اتباع سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ایسی بڑی شان ہے کہ جو شان ان کے مخالفین کو فلسفہ کے مسائل کو ملا دینے کے سبب میسر نہیں۔ اگر چہ دونوں فریق اہل حق سے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں :-

درمیان علماء اہل سنت طریق اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ

علماء اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیسا زیبا ہے

[1] ملاحظہ ہو رسالہ "مبدا و معاد" از حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۹ طبع مطبع انصاری دہلی۔

زیبا است کہ اقتصار بہ مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقات فلسفہ کردہ۔ طریق نظر و استدلال بطریق فلسفی درمیان علماء اہل سنت و جماعت از شیخ ابو الحسن اشعری ناشی شدہ است، و خواستہ کہ معتقدات اہل سنت را باستدلال فلسفی تمام سازد و ایں دشوار است، و دلیر ساختن است بر طعن اکابر دین، و گذاشتن است طریق سلف را ثبتنا اللہ سبحانہ علی متابعۃ آراء اہل الحق المقتبسۃ من انوار النبوۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا و اکملہا[1]

کہ مقاصد پر اکتفا فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریکیوں پر رخ نہیں کرتے۔ فلسفیانہ طرز بحث و استدلال کا طریقہ علماء اہل سنت و جماعت کے درمیان شیخ ابو الحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ اہل سنت کے عقائد کو فلسفیانہ استدلال سے مکمل کیا جائے اور یہ دشوار بات ہے اور اکابر دین کے طعن پر جرأت دلانا اور سلف کے طریقہ کو چھوڑنا ہے اللہ سبحانہ آراء اہل حق کی پیروی پر کہ جو انوار نبوت سے جگمگا رہی ہے، ہمیں ثابت قدم رکھے۔ ذات رسالت مآب پر اتم و اکمل صلوات و تسلیمات،

اور فقہ حنفی کے بارے میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی در نظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر می درآیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان،

و ایں مذہب باوجود کثرت متابعان در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ دارد و ایں معنی از حقیقت است[2]

بغیر کسی تکلف و تعصب کے شائبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ نظر کشفی میں اس مذہب حنفی کی نورانیت ایک بڑے سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے اور بقیہ مذاہب ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ حوض اور نہریں ہوتی ہیں۔ اور بظاہر میں بھی دیکھا جائے تو اہل اسلام کا سواد اعظم امام ابو حنیفہ ہی کا پیرو ہے نیز یہ مذہب اپنے متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور طرز استنباط میں جداگانہ طریقہ کا حامل ہے اور یہ بات بھی اس کی حقانیت کی خبر دیتی ہے۔

---

[1] ایضاً ص ۵۶ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب پنجاہ و پنجم ص ۱۴ حصہ ہفتم، طبع امرتسر ۱۳۳۲ھ

اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو اس سنت معروفہ کے سب سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون و منقح ہوئی ہے۔

ایک اور وجہ مذہب حنفی کی حقانیت کی یہ بھی ہے کہ جب سے اس مذہب کا شیوع ہوا۔ اسلامی دنیا کے غالب حصہ میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا قسطنطنیہ کے فاتح یہی ہیں ہندوستان کے فاتح بھی ہیں اور اسی مذہب کے ذریعہ کم و بیش ایک ہزار سال تک دنیا میں اسلامی نظام نافذ رہا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "فیوض الحرمین" کے بالکل آخر میں ملت حقہ اور مذہب حق کی ایک شناخت یہ بھی لکھی ہے۔

بان یکون حفظۃ المذہب ھم القائمون بالذب عن الملۃ، او یکون شعارھم فی قطر من الاقطار ھو الفارق بین الحق والباطل (۱۰۳ و ۱۰۴)

کہ خاص مذہب کے پاسبان ہی ملت اسلام کی طرف سے دفاع کے لیے کھڑے ہوں، یا ممالک میں سے کسی خاص ملک میں ان کا شعار ہی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہو۔

اب بر اعظم ایشیا کی پوری اسلامی تاریخ پڑھ جائیے آپ کو اسلامی اقتدار کا نشان حنفی ہی ملیں گے بارہ سو سال سے اس بر اعظم میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا ہے وہی مذہب کے پاسبان اور ملت اسلامیہ کے محافظ رہے ہیں۔ بالخصوص ہند و پاک اور سرزمین روم و ماوراء النہر میں ہر جگہ کفر سے نبرد آزمائی ان کا شیوہ رہا اور کفار عجم کے مقابلہ میں یہی ہمیشہ سینہ سپر رہے یہی تھے جو ان تمام ممالک میں حق و باطل کے ہر معرکہ آرائی میں ہر جگہ حق کا شعار اور صداقت کا نشان بنے رہے۔

تیسری چیز اخلاق جو علم و عمل کے لیے بمنزلہ روح ہے اس کا حصول سلوک طریقہ صوفیہ سے وابستہ ہے سو الحمد للہ سرزمین ہند و پاکستان شروع ہی سے جب سے غازیان اسلام نے ادھر کا رخ کیا ان حضرات قدسی صفات کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتی رہی۔ دور غزنوی میں ان بزرگوں

کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور ادھر حضرت علی ہجویری صاحب "کشف المحجوب" کا داخلہ ہو رہا تھا غوریوں کے عہد میں جب قبۃ الاسلام دہلی یہاں کے مسلمانوں کے فرمانرواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگان قادریہ، حضرات چشت اہل بہشت، سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا، کشمیر فتح ہوا تو کبرا ہمدانیہ کا وہاں ورود ہوا ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفر زار ہند میں اسلام کو وہ فروغ ہوا کہ باید وشاید، ہندوستان جیسی سنگلاخ زمین کو جہاں کے باشندے اپنے آپ کو پوتر اور دوسروں کو ملیچھ سمجھتے تھے۔ جن کے نزدیک دوسروں کا مذہب قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا تک گوارا نہ تھا بلکہ ان کے سائے سے پرہیز کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کی تعداد تیکیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ وہ ان ہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور ان ہی کے اخلاص کی برکت ہے اور گو اس میں شک نہیں کہ اس برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سہروردی، فردوسی، ہمدانی، قادری سب ہی سلاسل کے بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان بزرگوں کی برکات خاص خاص خطوں اور علاقوں تک محدود رہیں، ملتان کے حدود میں سہروردیہ کا اثر رہا، اوچ کے علاقہ میں قادریوں کا، دلی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا لیکن پورے طور پر جن بزرگوں نے علی العموم اقلیم دلی پر فرمانروائی کی وہ حضرات چشت اہل بہشت تھے۔ بعد کو مغل دور حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالاران اہل دل حضرات اکابر نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا اور عالم اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہو گیا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بجا فرمایا ہے کہ

تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمین	بخارا و سمرقند سے تخم لا کر زمین ہند میں کہ جس کی
ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و	اصل یثرب و بطحا کی خاک سے ہے اس کو دیا
بطحا است کشتند و بآب فضل سالہا	اور فضل خدا کے پانی سے برسوں اس کو
آن را سیراب داشتند و بتربیت احسان	سینچا اور اخلاص کی تربیت سے اس کی

آنرا امر بے ساختند چوں آں کشت و کار بکمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشید[1]

پرورش کی پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

مخدوما در ہندوستان ہم ولایت میسر ہست ...... امروز در ہندوستان آں میسر ہست کہ در اکثر جا نیست، از کثرت فیوض و واردات رشک بقاع و بلاد است، و از مزج صباحت و ملاحت مشابہت تمام بتربت یثرب و بطحا در حسن و لطافت دارد و از انوار و برکات آں بیش از بیش امید وار ہست[2]

مخدوما ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے ...... آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے۔ فیوض و واردات کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لیے باعث رشک ہے اور خوبروئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب و بطحا کی خاک سے حسن و لطافت میں مشابہت تمام رکھتا ہے (اور بندہ) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ امید رکھتا ہے۔

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشان میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان۔ پھر وہ وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنے شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا، بتصیب دشمناں کہیں ہمیشہ کے لیے بجھ نہ جائے۔ ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء، دوسرا انگریز کا عہد نحوست عہد بالخصوص سنہ ۱۲۷۴ھ کا ہنگامہ رستخیز کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۰۰ و صد و شصتم ص ۲۹ حصہ چہارم طبع امرتسر

[2] مکتوبات معصومیہ جلد ثالث، مکتوب چہل و ہشتم ص ۵۰ طبع امرتسر سنہ ۱۳۳۰ھ

اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا۔ لا مذہبیت نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا۔ دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت مولانا مملوک العلی اور مولانا عبد الغنی صاحب محدث مجددی رحمۃ اللہ علیہما نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ نے۔ اخلاص کی دولت اور چشتیہ و نقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحب کے آستانہ سے ملی اور مجددیہ کے برکات اور خاندان ولی اللہی کے علوم و فیوض ان دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوان علمی سے۔ میری مراد ان دونوں طالب علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمد اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہما سے ہے۔ قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا۔ آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درسگاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور زوال و انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کی علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو۔ حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ دیوبند جیسی گمنام بستی میں، چھتہ کی مسجد کے اندر انار کے درخت کے نیچے جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندی اور پہلے طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہند) تھے اور ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو جس کی بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے رکھا۔ اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے ایک ایک اینٹ رکھی تھی اور جس کی پہلے سال کی آمدنی کل چھ سو انچاس روپے چار آنے تھی۔ کل دو مدرس ایک عربی اور ایک فارسی و ریاضی کے مقرر ہوئے تھے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے تھے۔ سوچیے آج ایک سو سال گزر جانے پر کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دین حنیفی و مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ:-

"ذرا سوچیے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن بن کر "دار العلوم دیوبند" سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا

کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدتمندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے، ان میں حکیم الامت مرشد تھانوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن حضرت امام کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد انبٹھوی وغیرہم جیسے حضرات ہیں، جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔"[۱]

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ "خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منھ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔" مولانا نانوتوی نے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحب سے فرمایا، مولانا یعقوب نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ "خواب دیکھنے والے شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی۔ امیر شاہ خاں صاحب جو اس خواب کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سنی ہے"[۲]، اس خواب کی جو تعبیر دی گئی آج اس کی حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ مولانا گیلانی نے اس سلسلہ میں بہت صحیح فرمایا ہے کہ:۔

"تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنہ غیر مقلدیت کے طوفان کی وجہ سے پیش آگیا تھا اور قریب تھا کہ یک جہتی کا یہ شیرازہ بکھر کر پراگندہ ہو جائے، شتر بے مہاری کے اس سیلاب میں ڈر تھا کہ سلف کے سارے کارنامے شاید تہ و بالا ہو کر رہ جائیں، اس کڑے وقت اور کٹھن گھڑیوں میں درس حدیث کے قاسمی یا دیوبندی طریقہ نے خصوصیت سے کام کیا۔ اور ...... دین کی وہ تشریحی شکل جو امام ابو حنیفہ اور ان کے ماننے والے ائمہ وعلماء کی جد و جہد کی بدولت صورت پذیر ہوئی۔ یہ ان کا صدقہ ہے کہ دین کا یہ حنفی قالب شکست و ریخت، ٹوٹ پھوٹ کے خطرے سے ہندوستان میں محفوظ رہا۔"[۳]

۱۔ سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی ج ۱۔ ص ۱۳۳ شائع کردہ دار العلوم دیوبند بسنہ ۱۳۷۳ھ

۲۔ ایضاً ج ۱۔ ص ۱۳۴ ۳۔ ایضاً ص ۱۳۴ تا ۱۳۶

آخر میں جناب آل احمد صاحب سرور پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ محاکمہ بھی پڑھ لیجیے جو ان کے قلم سے ان الفاظ میں تراوش ہوا ہے۔

"ہر ایک تحریک اپنے اندر مختلف قسم کے اثرات چھپائے رکھتی ہے، علی گڑھ کی تحریک ایک انقلابی تحریک تھی، یہ ترقی پسند تحریک تھی، یہ بادشاہت کے نشہ کو اتار کر حقیقت کی تصویر دکھانا چاہتی تھی، مذہب میں عقلیت، سماجی زندگی میں رسم و رواج سے بیزاری، تعلیم و تربیت میں مغربیت اور اجتماعی اخلاق کی تلقین کے ذریعہ سے اس نے انقلابی خدمات انجام دیں، مگر ۱۹۰۸ء کے قریب اس تحریک کی مغرب دوستی انگریز پرستی بننے لگی تھی اور اس لحاظ سے یہ ان علماء کے مقابلہ میں پیچھے تھی جو دیوبند کے ذریعہ سے حریت اور سیاسی جد و جہد کے علمبردار تھے"[1]

---

[1] ملاحظہ ہو "تنقید کیا ہے" از پروفیسر آل احمد سرور شائع کردہ مکتبہ جامعہ دہلی ص ۴۳، ۱۹۵۲ء

ردِّ ناصبیت

ایک استفسار اور اس کا جواب

س - ایک دینی رسالے میں امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل دو اقوال نقل کئے گئے ہیں:-

(١) جسے خلیفہ بنایا گیا اور لوگ اس پر متفق اور راضی ہو گئے وہ خلیفہ ہے، اور جو اُن پر تلوار کے زور سے غالب ہو گیا اور خلیفہ بن بیٹھا وہ بھی خلیفہ ہے۔ ہر امیر کے ساتھ جہاد قیامت تک ہو سکتا ہے خواہ وہ صالح ہو یا فاجر۔

(٢) جو مسلمانوں کے امام کے خلاف بغاوت کرے درآنحالیکہ لوگ اس پر متفق ہو چکے ہوں اور اس کی خلافت تسلیم کر چکے ہوں، خواہ خوشی کے ساتھ یا بالجبر، تو اس باغی نے جماعت کا شیرازہ منتشر کیا اور ارشادِ نبویؐ کی مخالفت کی۔ اگر باغی اسی حال میں مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔

اگرچہ ان اقوال کی سند صاحب مضمون نے درج نہیں کی لیکن اس کی صحت کے متعلق شبہ اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ مصنف ایک قابل اعتماد عالم دین ہیں۔

براہِ کرم مندرجہ بالا اقوال کے پیش نظر چند سوالات کے جواب دیکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

١- یزید بن حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر اکثر صحابۂ کرام نے بیعت کی تھی اور اس کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے بیعت نہ کی اور اس کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔

٢- کیا حضرت امام حسینؓ کا حضرت مسلم بن عقیلؒ کو کوفہ روانہ کر کے لوگوں سے بیعت لینا بغاوت کی تعریف میں نہیں آتا۔ فرض کیجئے کہ اگر کوفی بدعہدی نہ کرتے اور بیعت کر لیتے تو کیا یزید مردود اور حضرت امام حسینؓ کے درمیان جنگ نہ ہوتی اور اسلامی شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔ فقط والسلام

احقر سلیم احمد
٥ - بی - ٨/٨ ناظم آباد - کراچی

ج :- باسمہ سبحانہ وبحمدہ۔ امابعد

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی علمی و اجتہادی حیثیت امام احمد سے کم نہ تھی، وہ خود مجتہد تھے یزید سے زیادہ تو خود حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد کا مسئلہ ہے، جب جناب معاویہؓ حضرت علیؓ سے برسرپیکار ہوگئے تو پھر حضرت حسینؓ پر اس سلسلہ میں اعتراض کیا معنی۔ حالانکہ یزید و حسینؓ میں وہ نسبت نہیں جو علیؓ و معاویہؓ میں تھی۔

بات یہ ہے کہ بغاوت کہتے ہیں امام عادل کے خلاف خروج کرنے کو، جب امام عادل نہ ہو جابر ہو تو پھر ارباب حل و عقد کا یہ فریضہ ہے کہ اس کے معزول کرنے کی سعی کریں، البتہ اس سعی کرتے وقت یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ آیا اس کے معزول کرنے میں زیادہ فتنہ و فساد کے برپا ہونے کا اندیشہ ہے یا اس کے برقرار رکھنے میں۔ ظاہر ہے کہ اگر ارباب حل و عقد میں اتنی قوت ہو کہ وہ اس کو معزول کر کے خلافت کو اس کے صحیح اہل کے ہاتھ میں سونپ سکیں تو پھر اس صورت میں خروج ان پر واجب ہو جائے گا۔ اور جہاد بالسیف ضروری ہوگا، اور اگر وہ اتنی قوت نہیں رکھتے کہ امام جائر سے بآسانی عہدہ برآ ہو سکیں بلکہ اس میں مزید فتنہ کا اندیشہ ہے کہ ظالم کے ہاتھ اور مضبوط ہو جائیں گے اور اہل حق قتل کر دیئے جائیں گے اور تغلب مزید بڑھ جائیگا، تو ایسی صورت میں خروج بالسیف ضروری نہیں بلکہ سکوت بہتر ہے اور قتال کے علاوہ دوسری تدابیر سے اس کی معزولی کی کوشش واجب ہے تاکہ اسلامی نظام اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو۔ یہ تو ہے اصل صورت مسئلہ۔

اب یزید کی خلافت محض زور اور تغلب و جبر کا نتیجہ تھی ورنہ ارباب حل و عقد خوشی سے اس کی خلافت پر کبھی راضی ہی نہیں ہوئے۔ غور کیجئے حضرات اہل بدر، حسنین، بلکہ سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کی موجودگی میں کہ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے اور حضرت سعد تو ان چھ حضرات میں ہیں کہ جن کو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے بعد خلافت کا اہل قرار دیا تھا، ان حضرات کی موجودگی میں یزید جیسے شخص پر خلافت کے بارے میں نگہ انتخاب پڑنا اور اس کو ولی عہد بنانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حجاز و عراق نے اس کی خلافت کو کبھی دل سے قبول ہی نہیں کیا اور یزید کے سہ سالہ دور حکومت میں صحابہؓ کی جماعت برابر اس کے خلاف اقدام کرتی رہی۔ واقعہ حرہ صحابہؓ کی قیادت ہی میں ہوا۔ مکہ کا محاصرہ جو یزیدی فوج نے کیا تھا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے خلاف تھا جو مشہور صحابی ہیں۔ حضرت حسینؓ کی

...ت کا واقعہ تو طشت از بام ہے ہی۔ صحابہ کی اکثریت کی بیعت یزید کے بارے میں ثابت نہیں، زیادہ
زیادہ اس بارے میں جو کہا جا سکتا ہے وہ ان کا سکوت ہے نہ یزید کی تائید میں صحابہ کے بیانات موجود ہیں
...ن کے لشکر میں جو ان مہموں پر بھیجا گیا تھا صحابہ کی شرکت ثابت ہے، نہ کربلا میں، نہ حرہ میں، نہ محاصرہ
...کعبہ میں، صحابہؓ اگر یزید کو خلیفہ برحق مانتے تو ان جنگوں میں ضرور شرکت کرتے کیونکہ باغیوں سے
...ل بھی واجب ہے اور جہاد ہی میں داخل ہے۔ صحابہؓ کی ان جنگوں سے کنارہ کشی خود بتاتی ہے کہ وہ اس کی
...ت سے راضی نہ تھے۔

اب یہ اور بات ہے کہ خروج بھی سب نے نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں جو حضرات یہ سمجھتے تھے
...ت کی متغلب حکومت سے عہدہ برآ ہونا ہمارے بس کی بات نہیں بلکہ اس میں مزید نقصان جان ہوگا اور
...ب کی توقع نہیں انھوں نے سکوت اختیار کیا اور صرف معروف میں حکومت وقت کی اطاعت کی
...صیت میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اور جن حضرات کا یہ اندازہ تھا کہ وہ صورتِ حال سے عہدہ برآ ہو کر
...ت کو اپنی اصلی صورت پر قائم کر سکیں گے وہ اس میدان میں اتر آئے، شکست و فتح تو اللہ کے اختیار میں
...قابلہ تو خوب رہا اور آخر یہ حضرات مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام بھی اسی وقت عمل میں آیا تھا جب انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ
...ت اب ہمارے ہاتھ میں بھی ہے اور چالیس ہزار کی جمعیت لڑنے پر تیار ہے۔ حرہ میں بھی صحابہ نے
...رقت قدم اٹھایا تھا جب انھوں نے کچھ جنگی قوت بہم پہنچالی تھی، یہی حال حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کا تھا
...ہ وہ اس وقت کامیاب بھی رہے اور بارہ سال تک خلافت کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیتے
...اور وہ صحابہ جن کے پاس جنگی قوت فراہم نہ تھی اور ان کو اس کا بھی اندازہ تھا کہ موجودہ حالت میں
...ب لانا ہمارے بس کا نہیں وہ سوا سکوت اور دعا کے اور کیا کر سکتے تھے۔ والسلام

محمد عبدالرشید نعمانی

۲۶ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ

٭

ردِّ شیعیت

فتویٰ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ نستعین

اہل قبلہ کی تکفیر میں علماء حق غایت درجہ کی احتیاط سے کام لیتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو فرقہ بھی ضروریات دین کا منکر ہو وہ قطعی کافر ہے خواہ وہ اپنے ایمان واسلام کا کتنے ہی زور شور سے دعویٰ کرتا ہے۔ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد کے بارے میں فاضل علام حضرت مستفتی مولانا محمد منظور نعمانی اطال اللہ بقاءہ وعم فیوضہ نے جس تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور ان کی مستند کتابوں کے جس کثرت سے حوالے پیش کئے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد خواص تو کیا عوام کو بھی اس فرقہ ضالہ کے خارج از اسلام ہونے میں شک نہیں ہو سکتا ہے بھلا جو فرقہ ختم نبوت کا قائل نہ ہو اپنے ائمہ کو نبی کا درجہ دے انھیں معصوم سمجھے

ان کی اطاعت کو تمام انسانوں پر فرض قرار دے ۔ اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ ان پر وحی باطنی ہوتی ہے اور وہ انبیاء اولو العزم سے بھی افضل ہیں ۔ قرآن کریم محرف و مبدل ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو بنص قرآن خیر امت ہیں اور جن کی جاں فشانی و جاں فروشی سے اسلام برپا ہوا اور دین اب تک باقی رہا ان ہی کو مرتد اور کافر کہے اور ان پر سب و شتم اور تبرا کو نہ صرف حلال بلکہ کار ثواب سمجھے ۔ ایسا فرقہ لاکھ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کو اسلام و ایمان اور قرآن و نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے کیا تعلق ؟ بقول شاعر

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

یاد رہے کہ تقیہ کے دبیز پردے اور اس فرقہ کی کتابوں کی اشاعت نہ ہونے کے باعث عام طور پر ہمارے علماء گذشتہ دور میں ان کے معتقدات سے بے خبر رہے لیکن اب جبکہ ان کی مستند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کا کفر واضح ہو چکا ہے ۔ پہلے بھی جبکہ اس فرقہ کی تصانیف علماء حق کی دسترس سے باہر تھیں جن اکابر علماء نے ان کے افکار و نظریات پر کام کیا ہے ان کے کفر و زندقہ کی تصریح کی ہے ۔ چنانچہ فاضل مستفتی دامت برکاتہم نے استفتاء میں ان حضرات علماء کی تصریحات اس سلسلے میں نقل فرما دی ہیں جزاہ اللہ خیر الجزاء ۔

ہندوستان کے اکابر علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے کفر و زندقہ سے پردہ اٹھایا ہے ۔ چنانچہ وہ اپنے "وصیت نامہ" میں فرماتے ہیں ۔

"ایں فقیر از روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمایند در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند ، وصحابہ را بدی گویند ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعے از کلام روحانی القا فرمودند کہ مذہب ایشاں باطل است و بطلان مذہب ایشاں از لفظ "امام" معلوم می شود ۔ چوں ازاں حالت افاقت دست داد ، در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ "امام" باصطلاح ایشاں

معصوم، مفترض الطاعة، منصوب للخلق است، و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را "خاتم الانبیاء" می گفتہ باشند" (ص ۶ و ۷، طبع مطبع مسیحی باہتمام محمد مسیح الزماں کانپور ۱۲۸۳ھ)

اور اپنی دوسری گراں قدر تصنیف "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں ارقام فرماتے ہیں

" و اجارا و کہ جب ایشاں از حد اعتدال بیروں رفتہ بسیار اند۔ الآن سہ قوم بروئے کار اند" اسماعیلیہ" کہ زندیق صرف اند" امامیہ" کہ بہ حقیقت منکر ختم نبوت اند، و "زیدیہ" کہ فتنہ مقاتلات بین المسلمین را ایشاں نشانی شدہ اند، باز ایں فرق منشعب شدہ اند بفرقہائے بسیار کہ تعداد ایشاں عسر دارد، و حضرت مرتضی بری است از لوث ایشاں و ایں معنی از خطب او ظاہر است، و اللہ اعلم" (ص ۱۴۸، ۱۴۹ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

" و از ذریت حضرت مرتضی سہ فرقہ ضالہ بر آمدند کہ ہیچ تقصیر نکردند در برہم زدن دین محمدی اگر حفظ او تعالی شامل حال ایں ملت نبودے۔

از اں جملہ" شیعہ امامیہ" کہ نزدیک ایشاں قرآن بنقل ثقات ثابت نیست زیرا کہ نقل صحابہ و قراء سبعہ پیش ایشاں حجت نیست و روایت از ائمہ ایشاں منقطع، وہم چنیں احادیث مرفوعہ روایت ندارند، و استفاضہ احادیث پیش ایشاں متصور نیست، و در ختم نبوت زندقہ پیش گرفتہ اند۔

" زیدیہ" اکثر عقائد اسلامیہ را کہ باحادیث ثابت شدہ منکر ند، و سبب جنگہا وجدلہا شدند ——

و اسماعیلیہ" خود اخبث اند از ہمہ، بحقیقت مذہب ایشاں سست کردن اسلام است، و بدعات بیشمار در عقیدہ و عمل اہل اسلام از یں سہ فریق پیدا شدہ کہ تفصیل آں طولے تمام می طلبد، اگرچہ حضرت مرتضی از لوث ایشاں بری است و وبال ایشاں راجع نیست مگر بر ایشاں (ص ۲۰۹ و ۲۱۰)

اور اپنی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں رقمطراز ہیں۔

"وآں جاہلاں کہ می گویند خلافت را از مستحق آں غصب کردہ شد وبغیر مستحق رسید مکذب خدا ومکذب رسول اویند (ج ا ص ۲۳ طبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ)

اور اسی کتاب میں آگے چل کر حفاظت قرآن کریم پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"چوں تمام عالم بر مصاحف عثمانیہ جمع شدند یقین کردیم کہ محفوظ ہمانست وغیر او مراد الحفظ نبود، واگر مراد الحفظ می بود مخونی شد، وایں را ہیچ عاقلے حفظ نشمارد کہ کہ نزدیک امام موہوم الوجود مختفی الحال ادعا کنند کہ نہادہ شدہ است سبحانک ھذا بھتان عظیم یا در روایتے غریبے در کتابے نادرے بطریق تعجب آوردہ باشد کہ فلاں چنیں گفت وفلاں چنیں نوشت، در وقت اشکال یک جانب اصابت بود ویک جانب خطأ المعذور، چوں پردہ از روے کار برداشتند وحق مثل فلق تصبح پدیدار گشت مجال خلاف نماند، ہر کہ الآن یمیناً وشمالاً افتد زندیق است او را می باید بقتل رسانید (ج۔ ا ص ۲۵)

غرض یہی وہ عقائد باطلہ ہیں جن کی بنا پر حضرت ممدوح کے خلف ارشد مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے "فتاوی" میں صاف تصریح کی ہے۔

"در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ (امامیہ) حکم مرتدان است چنانچہ در فتاوی عالمگیری مرقوم است" (فتاوی عزیزی ج۔ ا ص ۱۳ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ)

یہ بھی واضح رہے کہ مذہب امامیہ اثنا عشریہ کا سارا تصنیفی سرمایہ گیارہویں امام حسن عسکری رحمہ اللہ المتوفی ۲۶۱ھ کے بعد کا ساختہ پرداختہ ہے۔ جس کو دشمنان دین نے اپنی طرف سے گڑھ کر ان حضرات ائمہ کے سر منڈھ دیا ہے۔ بارہویں امام کا وجود تو محض فرضی اور موہوم ہے۔ وہ ابھی عالم وجود میں ہی نہیں آئے۔ ان کا وجود تو محض امامیہ اثنا عشریہ کا ذہنی اختراع ہے۔ بقیہ تمام گیارہ ائمہ مذہب اہل سنت سے وابستہ تھے۔ ان کے زمانے میں اگر یہ خرافات قلمبند ہو کر ان کے علم میں آتیں تو سب سے پہلے ان غلط عقائد پر نکیر کرنے والے اور ان گمراہوں کی تکفیر کرنے والے یہی حضرات ہوتے۔ جس طرح کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے سبائیوں کو نذر آتش کیا تھا اور جامع کوفہ کے منبر پر اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص بھی مجھ کو حضرات ابوبکر وعمر پر فضیلت دیگا۔ اس کو مفتری کی حد اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ، الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالی محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ ذنوبہ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

مخطوطات

کتب خانہ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی کے

مخطوطات

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

(نائب الشیخ)

جامعہ اسلامیہ بہاولپور

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی کا مشہور مدرسہ ہے جس نے اس گئے گذرے دور میں دین اور دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں اس دیار میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ مدرسہ کا نصاب تعلیم تھوڑے تغیر کے ساتھ وہی درس نظامی کا مروجہ نصاب ہے اس کی تاسیس ۱۳۰۲ھ میں مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جب سے لے کر آج تک شہر کراچی میں یہی واحد دینی درسگاہ ہے جو طلبۂ علوم دینیہ کے لئے شمع فروزاں کا کام دیتی رہی ہے۔ مدرسہ کے موجودہ مہتمم مولانا مفتی محمد صادق صاحب دامت برکاتہم ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں جو بانی مدرسہ کے صاحبزادے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا نہایت ہی نیک دل متواضع اور با اخلاق عالم ہیں جنہیں دیکھ کر پرانے بزرگوں کی یاد تازہ ہوتی ہے مولانا

کے عہد میں مدرسہ نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آج کل مسلمانوں نے دینی تعلیم اور مدارس دینیہ کی طرف سے جو بے توجہی اختیار کر رکھی ہے اس سے کھٹکا ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ کہیں لادینی کے موجودہ بے پناہ طوفان میں یہ دینی علوم کی ٹمٹماتی ہوئی شمعیں گل نہ ہو جائیں۔ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

مدرسہ میں سینکڑوں درسی کتابوں کے علاوہ جو کہ طلباء کے لئے مخصوص ہیں ایک اچھا خاصہ کتب خانہ بھی ہے۔ جسمیں مختلف علوم و فنون کی تقریباً چار ہزار کتابیں ہیں جو مسجد کی بالائی عمارت میں الماریوں کے اندر قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ کتابوں کی فہرست فن وار حروف تہجی پر ترتیب ہے مخطوطات کی تعداد (۲۰) ہے جن میں سے قابل ذکر کتابوں کے متعلق تفصیلی معلومات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں

ان کتابوں کا انتخاب یا تو ان کی ندرت کی بنا پر ہے مثلاً فرقہ زیدیہ کی کتابیں اس دیار میں ناپید ہیں۔ یا اس لحاظ سے ہے کہ وہ کسی مشہور عالم کی نقل کردہ ہے۔ یا اس کے زیر مطالعہ رہ چکی ہے یا وہ خود مصنف کا اصل نسخہ ہے یا اس سے منقول ہے۔

(۱) **التعلیقۃ علی الثلاثین المسئلۃ** تالیف الشیخ شمس الدین احمد بن الحسن الرصاص بقلم احمد بن ابراہیم الغذاری۔ تقطیع متوسط۔ تعداد اوراق ۴۱ خط واضح سنہ کتابت ۱۰۴۲ھ ہے۔ ذرا کرم خوردہ بھی ہے۔ یہ کتب خانہ کا سب سے قدیم مخطوطہ ہے۔

مصنف یمن کا کوئی زیدی عالم ہے جس نے زیدیہ کے اصول عقائد میں تیس مسائل کی شرح لکھی ہے۔ یہ مسائل تین قسم کے ہیں دس توحید سے متعلق ہیں دس عدل کے بارے میں ہیں اور دس میں وعد و وعید کا بیان ہے۔ مسائل علی الترتیب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اس عالم کا ایک صانع ہے۔ جس نے اس کو بنایا ہے۔ اور مدبر ہے جو اس کی تدبیر فرماتا ہے

۲۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے

۳۔ اللہ سبحانہ عالم ہے

۴۔ اللہ تعالیٰ الحیّ ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ السمیع والبصیر ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کسی شے کے مشابہ نہیں یا اللہ تعالیٰ کا کوئی شبہ نہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کا نہ دنیا میں آنکھوں سے دیدار ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں ہوگا۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ قدم میں کوئی اس کا شریک ہے نہ الوہیت میں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے، اس کے افعال میں ظلم نہیں ہے، نہ وہ عبث ہیں، ان میں سفاہت یا اور کسی قسم کی برائی نہیں ہے۔

۱۲۔ بندوں کے اچھے برے افعال بندوں ہی کی طرف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

۱۳۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ معاصی قضا و قدر الٰہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ بغیر عمل کے کسی کو ثواب نہیں دیتا اور بغیر گناہ کے کسی کو عقاب نہیں کرتا۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ کفر سے راضی نہیں۔ اور فساد کو پسند نہیں کرتا۔

۱۷۔ جو نقصانات اور مصیبتیں بچوں دیوانوں نیز ان لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش و امتحان میں ڈالے جاتے ہیں، ان کا بدلہ ملنا، نیز ان سے عبرت حاصل ہونا ضروری ہے۔

۱۸۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۱۹۔ قرآن جو کلام اللہ ہے مخلوق ہے۔

۲۰۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی صادق ہیں۔

۲۱۔ جن مومنین سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے ان میں سے جو کوئی تائب ہو کر مریگا اور کسی کبیرہ پر اس کو اصرار نہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۲۔ جن فساق سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے ان میں سے جو کوئی اپنے فسق پر مصر ہوگا اور بغیر توبہ کئے مریگا۔ وہ دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیگا۔

۲۳۔ جن کفار سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے ان میں سے جو کوئی اپنے کفر پر مصر ہو کر

اس سے توبہ کیے بغیر مرے گا وہ آگ میں جلائے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔

۲۴۔ اس امت میں جو لوگ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہیں وہ فساق و فجار سے موسوم ہیں نہ وہ مومنین کہلائیں گے نہ منافقین اور نہ کفار۔

۲۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مستحق نار کفار و فساق کے حق میں نہ ہو گی۔ صرف مومنین کے حق میں ہو گی جس کے ذریعہ ....

.... اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی فرمائے گا۔

۲۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں جبکہ ان کی شرطیں مکمل طور پر موجود ہوں بقدر طاقت و امکان واجب ہیں۔

۲۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام امام بلا فصل ہیں۔

۲۸-۲۹۔ امام حسن و امام حسین علیہما السلام اپنے باپ کے بعد یکے بعد دیگرے امام ہیں۔

۳۰۔ حسن و حسین علیہما السلام کے بعد ان دونوں کی اولاد میں سے جس نے بھی اٹھ کر امامت کا دعویٰ کیا اور صفات امامت کا جامع ہوا۔ امامت اسی کی ہے۔ امامت کی دوازدہ صفات حسب ذیل ہیں (۱) علم (۲) ورع (۳) فضل (۴) شجاعت (۵) سخاوت (۶) قوت تدابیر امور (۷) مرد ہونا (۸) بالغ ہونا (۹) عاقل ہونا (۱۰) آزاد ہونا (۱۱) حسنینؓ کی اولاد میں سے ہونا (۱۲) اس سے پہلے کسی امام کی دعوت کا قبول نہ کیا جانا۔

یہ وہ تیس مسائل ہیں جو زیدیہ کے امہات عقائد ہیں جن کی بنا پر وہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سے جدا اور ممیز نظر آتے ہیں۔ یہ عقائد معتزلہ سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ مصنف نے کتاب میں جابجا ابو علی جبائی، ابو ہاشم، جاحظ، ابوالقاسم بلخی وغیرہ علماء معتزلہ کے اقوال کو بیان کیا ہے۔ اور ان کا نام نہایت عظمت سے لیا ہے۔ کہیں علماء اہل اصول الدین کے شاندار الفاظ ان کے لئے استعمال کئے ہیں اور کہیں ان کو اصحاب المعارف کا لقب دیا ہے۔ کتاب میں دلائل کا بیان سرسری ہے تاہم زیدی عقائد سے واقفیت کے لئے اچھا خاصہ رسالہ ہے۔

. . . .

. . . .

. . . . آخیر میں کاتب کی طرف سے یہ عبارت تحریر ہے۔

تمت التعليقة المباركة بحمد الله ومنه و توفيقه فله الحمد كثيرا بكرة واصيلا وافق الفراغ منها يوم تاسع وعشرين من شهر القعدة الحرام الذى هو من شهور ۱۰۴۲ھ من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلوة والتسليم. بخط الفقير الخائف من عذاب الله البارى احمد بن ابراهيم بن محمد الفذارى غفر الله له ولوالده وللمسلمين ولمن قال آمين

۲- شرح التكملة للاحكام والتصفية من بواطن الآثام تصنیف جمال الدین علی بن زید تقطیع متوسط تعداد اوراق (۲۵) کرم خوردہ ہے اور التعلیقۃ علی الثلاثین ہی کے ساتھ مجلد ہے اور اسی کاتب کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ التکملۃ للاحکام فن اخلاق کا متن ہے اور یہ کتاب اس کی شرح ہے۔ ماتن اور شارح دونوں یمن کے زیدی ہیں۔ شارح نے جا بجا ائمہ زیدیہ کے اقوال سے استناد کیا ہے اور حدیثیں سب بلا سند بیان کی ہیں۔ ماتن نے کتاب کی ابتداء اس طرح کی ہے۔

اعلم ان الفقه الاصطلاحى هو العلم بالاحكام الشرعية العملية المستدل على اعيانها بحيث لا يعلم ضرورة لكل احد من الناس وانما تكلم المصنفون فى الفروع منه على احكام افعال الجوارح دون افعال القلوب وقد جعل الله محرماتها شطرا حيث قال وذروا ظاهر الاثم وباطنه فوجب ان يجعل لها فى ابواب علم الحلال بابا يتضمن تفصيلها بحقائقها وتفريعاتها وهذا الباب اهم من غيره اذ لا يعرى مكلف بالشرعيات عن التكليف به.

اس کے بعد لکھا ہے کہ شریعت میں قلب کے جن افعال کی حرمت بیان کی گئی ہے وہ سترہ ہیں پھر بالتفصیل ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فصل میں بیان کیا ہے۔ یہ سترہ افعال ممنوعہ حسب ذیل ہیں:

(۱) کبر (۲) عجب (۳) ریا (۴) فخر ومباہات (۵) مکاثرت یعنی مال وزر کی کثرت میں مقابلہ (۶) حسد (۷) بغض وکینہ (۸) سوء ظن (۹) موالات ومعادات لغیر اللہ۔ یعنی دنیا کے لئے دوستی اور دشمنی (۱۰) بیجا حمیت (۱۱) مداہنت یعنی دینی امور کے بارے میں بے جا نرمی (۱۲) حب دنیا (۱۳) بزدلی (۱۴) بخل (۱۵) اسراف (۱۶) اترانا (۱۷) جزع وفزع۔

خاتمہ پر کاتب کی یہ عبارت ہے۔ وکان الفراغ من رقمہ وقت العصر یوم الثلاث یوم ۲۰۲ فی شہر الحجۃ الحرام الذی ھو من شہور سنۃ ۱۰۴۲ من الہجرۃ النبویۃ علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیم بخط العبد الفقیر الخائف من عذاب الباری احمد بن ابراھیم بن محمد بن حسن القداری عفر اللہ لہ ولاخوانہ المومنین ولجمیع المسلمین ولمن قال آمین۔

۳- الارشاد الی نجاۃ العباد تالیف فخر الدین عبداللہ بن زید تعداد اوراق ۲۲، تقطیع متوسط نہایت ہی کرم خوردہ ہے۔ التعلیقہ کے ساتھ مجلد ہے اور اسی کاتب کی لکھی ہوئی ہے۔

یہ کتاب اخلاق عقائد اور فقہ سب پر جامع ہے۔ اور مصنف یمن کا زیدی عالم ہے۔ کتاب کی ابتدا، ان الفاظ سے کی اللھم انی معترف لک بالعبودیۃ الخ آگے چل کر دیباچہ میں لکھتے ہیں: اعلم ایھا الطالب ان نجاۃ العبد انما یحصل بطاعتہ سیدہ وانقیادہ لمولاہ فی امرہ ونہیہ فاذ النجاۃ انما تحصل بامرین احدھما الاعتقاد للاولہ الالہیۃ علی حسب ما اقتضتہ وثانی الانقیاد پھر موضوع کتاب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلھذا ینبغی ان یقع الارشاد الی ما یصلح ان نعاشر بہ العباد فھما قسمان قسم المعاشرۃ مع الخالق وقسم المعاشرۃ مع المخلوق وان کان یرجع الی باب المعاشرۃ مع الخالق ولکن باعتبار الانقیاد لہ فی جمیع المراد فتنقسم ذلک ثلاثۃ اقسام قسم اول وھو تہذیب النفس بترک المناھی علی الجملۃ وقسم ثان وھو تہذیب النفس بالطاعۃ للہ تعالی فی المعاشرۃ من خلقہ وقسم ثالث وھو تہذیب النفس بالخضوع للہ تعالی فی جمیع اوامرہ۔

پھر قسم اول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اعلم ان تہذیب النفس وتطہیرھا لا یحصل الا بترک المعاصی والمعاصی انما تقع بالجوارح الظاھرۃ سبعۃ وھی

العین والاذن واللسان والید والبطن والفرج والرجل فہذہ الاعضاء ھی التی یحدث منہا الخیر والشر وبسببہا یقع النفع والضر وعلیہا قیم واحد وھو رئیسہا وبسببہ تصدر افعالہا وھو القلب فاذا اصلح صلحت کلہا واذا فسدت فسدت باجمعہا۔

پھر مصنف نے علی الترتیب ان اعضاء ہشتگانہ کے آفات و معاصی کو ۲۳ اوراق میں تفصیل در بیان کیا ہے۔ یہ قسم ذمائم اخلاق کے بیان پر مشتمل ہے اور دوسری قسم یعنی تہذیب النفس بحسن الخلق مع المخلوق میں محاسن اخلاق اور حسن معاشرت کا تفصیلی بیان ہے .....

....

اور قسم ثالث یعنی تہذیب النفس بالخضوع للہ تعالیٰ میں اوامر و عبادات کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ قسم ثالث کے موضوع بحث کو بیان کرتے ہوئے تحریر ہے۔ فاعلم ان اصول التکلیف خمسۃ احدھا التقرب الی اللہ تعالیٰ بمعرفتہ و توحیدہ و عدلہ وثانیہا التقرب الیہ بالصلوٰۃ وثالثہا التقرب الیہ بالزکوٰۃ ورابعہا التقرب الی اللہ تعالیٰ بمعرفتہ و توحیدہ و عدلہ و ثانیہا التقرب الیہ بالصلوٰۃ وثالثہا التقرب الیہ بالزکوٰۃ ورابعہا التقرب الیہ بالصیام وخامسہا التقرب الیہ بالحج پہلے اصول یعنی التقرب الی اللہ بمعرفتہ و توحید و عدلہ کے سلسلہ میں عقائد کا تفصیلی بیان ہے کتاب کے آخیر میں ایک فصل اہل بیت کے ذکر میں ہے جس میں ائمہ زیدیہ کی امامت کا ثبوت ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیدیہ کی احیاء العلوم ہے یہ کتاب ۶۳۲ھ کی تالیف ہے خاتمہ میں مصنف نے تصریح کی ہے فرغت من ھذا التصنیف یوم الجمعۃ اخر جمعۃ ربیع الاخر من شہور سنۃ ۶۳۲ اثنتین وثلثین وستمائۃ والحمد للہ۔ وصلی اللہ علی محمد والہ وسلم۔

کاتب نے تاریخ کتابت یہ درج کی ہے :۔ فرغت من ھذہ النسخۃ المبارکۃ ضحوۃ یوم الاحد وھو الیوم الخامس والعشرون من شہر جمادی الاولیٰ الذی ھو من

شہور سنہ ۱۰۲۳ من الہجرۃ النبویۃ علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیم بخط العبد الفقیر الی کرم الملک الغنی القدیر وعفوہ المرجو من کل صغیر وکبیر احمد بن ابراہیم بن محمد المقدادی وفقہ اللہ بحسن الخاتمۃ

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا یہ تینوں کتابیں ایک ساتھ مجلد ہیں اور ایک ہی کاتب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یمن کے شاہی خاندان کے ارکان نیز اکابر علماء زیدیہ کے مطالعہ اور ملکیت میں رہ چکا ہے۔

سرورق پر دو تحریریں ہیں (۱) الحمد للہ رب العٰلمین فی تولیۃ العبد الفقیر الی اللہ المتوکل علی اللہ رب العٰلمین القٰسم بن الحسین بن امیر المومنین وفقہ اللہ وتولاہ بمعونتہ وشملہ رضوانہ بحق محمد وآلہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔ (۲) فی ملک العبد الفقیر الی اللہ تعالیٰ الغنی بہ عمن سواہ احمد بن علی بن احمد بن محمد عز الدین علی السلعی لطف اللہ بہ آمین

اسی طرح اخیر ورق پر بھی کچھ علماء کے دستخط ہیں مگر وہ اچھی طرح پڑھنے میں نہیں آئے

۴ ھدایۃ المرید لجوھرۃ التوحید از علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابراہیم المعروف بشرح الجوھرۃ الصغیر اللقانی المالکی المتوفی سنہ ۱۰۴۱ھ تقطیع خورد

اوراق ۲۶۰۔ دو ورق (۲ و ۵) بیچ سے غائب ہیں۔ خط نسخ پختہ صاف اور واضح ہے پوری کتاب میں کہیں قلم نہیں بدلا ہے۔ کتابت ۲۷ محرم سنہ ۱۰۸۶ھ کو تمام ہوئی۔

مصنف مصر کے مشہور محدث اور اکابر علماء میں سے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی کے شاگرد ہیں جوھرۃ التوحید علم عقائد و کلام میں علامہ موصوف کا مشہور عام اور مقبول انام منظومہ ہے۔ علامہ نے خود ہی بمصداق ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ اس منظومہ پر تین شرحیں لکھی ہیں۔ کبیر متوسط اور صغیر۔ شرح کبیر کا نام عمدۃ المرید ہے۔ شرح متوسط جو کبیر کی تلخیص ہے تلخیص التجرید لعمدۃ المرید سے موسوم ہے۔ یہ شیخ قاضی زادہ کے لئے تالیف کی گئی تھی۔ اور پیش نظر کتاب، ہدایۃ المرید تیسری شرح ہے جو صغیر کہلاتی

جوھرۃ التوحید کا پہلا شعر یہ ہے۔

الحمد للہ علی صلاتہ ثم سلام اللہ مع صلاتہ

ہدایۃ المرید کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ نستعین و صلی اللہ علی نبیہ صاحب الخلق العظیم والدین القویم والنہج المستقیم و علی الہ وصحبہ اهل المجد والعظیم۔

ملا کاتب چلپی مصطفی بن عبد اللہ معروف بحاجی خلیفہ المتوفی سنہ ۱۰۶۷ھ نے اپنی مشہور تصنیف کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون میں لکھا ہے کہ تلخیص التجرید کی تصنیف سے مصنف کو محرم سنہ ۱۰۳۵ھ کو فراغت حاصل ہوئی مگر ہدایۃ المرید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تلخیص التجرید، ہدایۃ المرید سے پہلے کی تصنیف ہے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

اما بعد فان افضل العلوم علم دین اللہ و شرائعہ فان بہ حفظ الایمان والاسلام الذین هما من اجل ودائعہ وافضلہ علم العقائد الدینیۃ فان بہ یہتدی المکلف الی المسالک السنیہ ویرتقی الی المراتب السنیۃ وقد وضعت فیہ منظومتی المسماۃ بجوہرۃ التوحید وشرحتها قبل هذا شرحین جلیلین احدهما عمدۃ المرید وثانیهما تلخیص التجرید ثم ادرکتنی رحمۃ الضعاف ثنتی عنان القلم الیهم حب الاسعاف حین طلب منی جماعۃ من الاخوان وجملۃ من الخلان شرحا لها لایکون قاصرا عن افادۃ القاصرین خالیا عن الاسهاب والاطناب وعما یصعب فهمہ من الایجاز عن المبتدئین وغیر الممارسین لیعم نفعها العباد ویتفرغ لہ العباد وبتعاطاہ الحضری والبادی فاجبتهم الی ذلک واثقا باقدار الکریم المالک بهدایۃ المرید لجوہرۃ التوحید واللہ اسئل ان ینفع بہ العباد وان یملأ بہ الاقطار والبلاد الخ اور ہدایۃ المرید کی تصنیف کا سال فراغت خود مصنف نے سنہ ۱۰۱۹ھ بیان کیا ہے۔

یہ شرح اگرچہ صغیر کہلاتی ہے مگر درحقیقت جن محققانہ مباحث کی یہ حامل ہے اس اعتبار سے اگر اس کو کبیر کہا جائے تو بجا ہے کتاب کے ہر صفحہ سے مصنف کی جلالت علمی اور شان تبحر نمایاں ہے۔

اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے نسخہ سے منقول ہے اس کا ناقل بھی کوئی بڑا عالم

معلوم ہوتا ہے۔ نسخہ صحت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ خاتمہ میں مرقوم ہے۔

هذا اخر ما في نسخة المؤلف رحمه الله رحمة واسعة واسكنه فراديس الجنان بعون الله الرحيم الرحمن ووجد فيها كان الفراغ من جمعها غرة شهر صفر الخير ثاني شهور تسع وعشر والف وفيه علقه جامعه الحقير ابراهيم اللقاني المالكي بيده الفانية وفكرته الفاترة الواهية يرجو من الله قبوله والى اعالى الدرجات وصوله انتهى و علقه بيده الفانية اقفر العباد ذنوبا واحوجهم اليه محمد بن الحاج حسن بن علي العاصمي بلدا الشافعي مذهبا و كان الفراغ من نسخه يوم الثلاث المبارك سابع عشرين المحرم من شهور سنة ۱۰۸۶ھ ست و ثمانين والف من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلاة والسلام۔

اس نسخہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمۃ کے خاندان کی تولیت میں وقف چلا آیا ہے۔ چنانچہ موصوف کے ہر دو صاحبزادگان مخدوم عبدالرحمن اور مخدوم عبداللطیف کے اس پر دستخط ثبت ہیں اور مخدوم محمد ابراہیم بن مخدوم عبداللطیف کی اس پر مہر ہے جو اب مٹ جانے کے سبب پڑھی نہیں جاتی۔ چنانچہ سرورق پر تحریر ہے۔

ثانی الحال بشراء صحیحہ شرعیہ بریۂ عی (اس کے بعد ورق کا حاشیہ کٹ گیا ہے اس لئے کچھ پتہ نہیں چلتا کیا لفظ ہے) وقف کردہ شد

الفقیر عبدالرحمن

حررہ الفقیر عبداللطیف

و توليتها كان لهما فلما توفي المخدوم عبدالرحمن المرحوم تفرد بولايته الى المخدوم عبد اللطيف المرحوم وهو ولاتي هذا الكتاب (اس کے بعد مہر کا نشان ہے)

۵۔ مطول از علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ تقطیع کلاں تعداد اوراق ۲۳۰ سنہ کتابت ۱۰۹۰ھ

یہ علم بلاغت کی مشہور عام معرکۃ الآراء کتاب ہے جو مصنف کے عہد سے لے کر

آج تک داخل درس ہے۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ پوری کتاب مخدوم عنایت اللہ بن فضل اللہ المتوفی ۱۱۴۳ھ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے جو مخدوم ملا معین ٹھٹھوی صاحب دراسات اللبیب کے استاد ہیں مخدوم عنایت اللہ کا خاندان علم وفضل کا خاندان ہے ان کا سلسلہ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں ان کا تذکرہ کیا ہے کتاب کا پہلا ورق کسی اور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس نسخہ پر بکثرت حواشی ہیں جن کا بیشتر حصہ مطول کے دوسرے مشہور حواشی سے التقاط کر کے لکھا گیا ہے ان حواشی کا بڑا حصہ بھی موصوف ہی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ آخیر ورق پر مخدوم ابراہیم کا اپنا حاشیہ لکھا ہوا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ مخدوم محمد ہاشم کے خاندان کے مطالعہ میں بھی رہ چکا ہے

خاتمہ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

تم تحریر الکتاب المسمی بالمطول بید الفقیر الحقیر عنایت اللہ ولد فضل اللہ بعنایۃ اللہ تعالیٰ وکرمہ وحسن توفیقہ وقت الضحوۃ من یوم الخمیس الرابع من الشہر المبارک شہر شعبان المعظم فی سلک شہور سنہ ۱۰۹۰ھ تسعین والف من من الہجرۃ المبارکۃ المصطفویۃ صلی اللہ علی صاحبہا ما دام الدھر باقیا وعلی آلہ واصحابہ ما دام الفلک دائرا اللہم اغفر لکاتبہ ولاساتذتہ ولاباءہ بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم آمین

(۶) التوضیح فی حل غوامض التنقیح از علامہ فقیہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ المتوفی ۷۴۷ھ تقطیع خورد۔ تعداد اوراق نہایت خوش خط ہے سنہ ۱۱۰۳ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے۔

یہ اصول فقہ کی مشہور و معروف کتاب ہے اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مخدوم ابراہیم کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے۔ اور تیسرے ورق پر مخدوم موصوف کے ہاتھ کا اپنا لکھا ہوا حاشیہ بھی موجود ہے۔ اس نسخہ پر جا بجا مخدوم رحمت اللہ سندی اور مخدوم عبد الرزاق اور مخدوم وجیہ الدین علوی گجراتی اور نور اللہ کی شروح سے التقاط کر کے حواشی درج کئے گئے ہیں

۷۔ جامع الفصولین از علامہ فقیہ بدرالدین محمود بن اسرائیل الشہیر بقاضی سماونہ المتوفی ۸۲۳ھ تقطیع متوسط تعداد اوراق ۲۶۷، کتابت واضح اور صاف، خط نستعلیق ہے سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

سماونہ بلاد روم کا ایک قلعہ ہے جہاں مصنف کی ولادت ہوئی تھی۔ ان کے والد اس زمانے میں وہاں کے قاضی تھے۔ کتاب مذکور فصول محمد بن محمود الاسنردشتی المتوفی ۶۳۲ھ اور فصول عمادالدین دونوں کی جامع ہے اور فقہ کے صرف معاملات سے مخصوص ہے۔ فصل خصومات ودعاوی کا بیان اس کا موضوع ہے۔ تصنیف اور مصنف دونوں مشہور و معتبر ہیں اور کتاب فقہا میں دائر سائر ہے۔ نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ اور اہل علم کے مطالعہ میں رہ چکا ہے۔ آخر میں لطف اللہ کی مہر ہے جس کا سنہ ۱۱۹۴ھ ہے گو مخدوم ابراہیم کے دستخط موجود نہیں مگر میری رائے میں اس کے حواشی پر جو فوائد ثبت ہیں وہ مخدوم موصوف ہی کے قلم کے مرہون منت ہیں۔

۸۔ خیر التجارب (فارسی) از نواب خیر اندیش خان، تقطیع متوسط۔ خط واضح اور صاف۔

یہ فن طب میں ہے۔ آخر کتاب میں مرقوم ہے۔

"نسخہ خیر التجارب کہ نواب خیر اندیش خاں فوجدار اٹاوا دادبریلی وغیرہ از جمیع طب ہا وارد ہائے بہ تجربہ رسانیدہ اسم کتاب را بدیں نام موسوم ساختہ۔ راقم ایں کتاب الٰہی بخش متوطن کیرانہ تحریر ساختہ بتاریخ پنجم شہر رجب شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی"

۹۔ دیوان قتیل (فارسی) تقطیع متوسط۔ خط واضح، کرم خوردہ نہایت ہی سقیم حالت میں ہے اول سے کچھ اوراق بھی غائب ہیں۔ موجودہ نسخہ میں پہلی غزل کا مطلع یہ ہے۔

آنی تو کہ برہم زدہ سلسلہ ہا را ۔۔۔ افگندہ بعارض ز ادا زلف دوتا را

اور دیوان کی آخری غزل کا مقطع یہ ہے۔

گذشتم زیں سلام روستائی ۔۔۔ چو بر پایش قتیل افتاد فرمود

۱۰۔ فرہنگ رشیدی فارسی (لغت) از مخدوم ملا عبدالرشید الحسینی التتوی

تقطیع خورد، تعداد اوراق (۲۰۰) کتابت باریک اور نہایت ردی ہے۔ کرم خوردہ اور سقیم حالت میں ہے اور ورق ۱۶۰ سے ناقابل استعمال سی ہے کتابت ۱۱۶۶ھ میں ہوئی ہے تصنیف اور مصنف دونوں مشہور و معروف ہیں۔

۱۱۔ ذب ذبابات الدراسات عن المذاھب الاربعۃ المتناسبات — از علامہ مخدوم عبد اللطیف بن علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندی۔ تقطیع خورد، تعداد اوراق (۴۹۷) خط واضح اور صاف۔ کتابت ۱۰ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ کو تمام ہوئی۔

یہ کتاب دراسات کے جواب میں لکھی گئی ہے جو ملا معین سندی کی تصنیف ہے۔ مخدوم ملا معین ٹھٹوی سندی المتوفی ۱۱۶۱ھ مشہور عالم ہیں آپ کچھ عجیب آزاد مشرب بزرگ ہیں ایک طرف آپ اہل بیت کی محبت میں اس درجہ چور ہیں کہ ماتم حسین میں نوحہ زن و سینہ کوب ہیں حضرت معاویہؓ کی تنقیص میں پیش پیش ہیں۔ مروان کو کافر سمجھتے ہیں ابو طالب کے ایمان کے قائل ہیں۔ تفضیل کا معیار آپ کے یہاں بالکل الٹا۔ حضرت علیؓ سب امت میں افضل ہیں پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت عمرؓ کا درجہ ہے اور ان خلفاء ثلاثہ کے بعد پھر حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ ہے حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ کا وارث مانتے ہیں۔ دوسری طرف وحدت وجود کے عارف ہیں اور قوالی کے ایسے رسیا کہ محفل سماع ہی میں جاں بحق ہو گئے۔ ابن عربیؒ کے عاشق تھے اور ابن تیمیہؒ کے دشمن۔ اس پر طرہ یہ کہ عمل بالحدیث کے بہت زور شور سے داعی بھی ہیں۔ اور تقلید مذاہب اربعہ کے منکر بھی۔ یہ سچ ہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

"دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" مخدوم موصوف کا شاہکار ہے جس میں عمل بالحدیث اور ترک تقلید کی دعوت کا صور آپ نے اس بلند آہنگی اور دراز نفسی سے پھونکا کہ فقہاء عصر کے

لہ محمد محسن ٹھٹوی نے مصرعہ تاریخ کہا ہے ع معین دین احمد رفت صد حیف۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام اور مقالات الشعراء میں ان کا سنہ وفات یہی لکھا ہے۔ تحفۃ الکرام چھپ چکی ہے اور مقالات الشعراء کا قلمی نسخہ مولانا دین محمد صاحب وفائی مرحوم مدیر توحید کے یہاں نظر سے گذرا ہے۔ تکملہ و تذییل مقدمہ نصب الرایہ میں ان کا سنہ وفات ۱۱۸۰ھ مذکور ہے صحیح نہیں ہے۔

کے ایوانِ علم میں زلزلہ آگیا۔ بڑے بڑے لوگ ہل گئے۔ کتاب مذکور زبان بیان۔ انشاء زور استدلال ہر اعتبار سے فائق اور مخدوم مذکور کی جلالت علمی پر شاہد عدل ہے۔

دراسات کا جواب ہر کسی کے بس کی بات نہ تھا۔ قدرت نے اس کے لئے پہلے ہی سے مخدوم محمد ہاشم کے خاندانِ علم کو انتخاب کر لیا تھا چنانچہ ان کے بیٹے عبداللطیف اور علامہ عبداللطیف کے بیٹے علامہ ابراہیم نے اس کا بڑا مبسوط رد لکھا۔ مخدوم معین حدیث میں مخدوم محمد ہاشم کے شاگرد ہیں اور ان کے فیضِ علم سے بہرہ ور ہیں۔ خدا کی شان صاحبزادہ نے نامور شاگرد کے سارے طلسم استدلال کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا اور ایسے لطیف پیرایہ میں جواب لکھا کہ معین بے یار و مددگار رہ گئے۔ ذب ذبابات اسی دراسات کا اس کے شایان شان جواب ہے۔ مخدوم عبداللطیف کی تحریر متین، پیرایۂ بیان نہایت سنجیدہ اور طرزِ استدلال محققانہ ہے۔

دونوں کتابوں کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ سندھ کا یہ علمی مباحثہ شیخ الاسلام تقی الدین سبکی اور امام ابن تیمیہ کے مباحثات علمیہ اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی کے مناظرات حدیثیہ اور ان بزرگوں کے علمی دور کی یاد کو تازہ کر دیتا ہے۔

دراسات عرصہ ہوا کہ ۱۲۸۴ھ ہجری میں اہلحدیث حضرات نے لاہور میں تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ طبع کرائی تھی جس سے اہلحدیث تحریک کے فروغ میں خاطر خواہ نفع ہوا۔ مگر اب مدت ہوئی کہ نایاب ہو گئی ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک میں حسرت سے بیان کیا ہے کہ "کاش میرے پاس بھی اس کا کوئی نسخہ ہوتا۔ کراچی مدرسہ مظہر العلوم میں کتاب موجود ہے" اب مدرسہ مذکور میں تو کتاب موجود نہیں لیکن الحمد للہ خاکسار کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے جو اتفاق سے بجے پور میں دستیاب ہو گیا تھا اس کا اچھا خاصہ حصہ کرم کتابی کی نذر ہو چکا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ خاکسار نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانے سے اس کو نقل کر کے مکمل کر لیا ہے

مولانا سندھی نے مخدوم محمد معین کو مخدوم محمد ہاشم اور ان کے صاحبزادہ عبداللہ کا استاد بنایا ہے

۱؎ علامہ ابراہیم کی تصنیف پر تبصرہ آگے آ رہا ہے۔

۲؎ اسی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی تکملہ و تذییل مقدمہ نصب الرایہ میں ملا معین کے متعلق لکھا ہے۔ ومن کبار شیوخ الشیخ ہاشم (ص۴۹)

اور عبداللہ مذکور ہی کو ذب ذبابات کا مصنف بیان کیا ہے لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ مخدوم محمد ہاشم کے صاحبزادے کا نام عبداللہ نہیں عبداللطیف ہے اور ملا معین مخدوم محمد ہاشم کے استاذ نہیں شاگرد ہیں چنانچہ القسطاس المستقیم میں علامہ مخدوم ابراہیم نے دو جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔

افسوس ہے کہ ذب ذبابات الدراسات ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی اس کا ایک اور عمدہ صحیح اور نہایت خوشخط نسخہ خطیبہ مولانا دین محمد صاحب وفائی مدیر مجلہ توحید کے پاس بھی موجود ہے۔ جس کے چند اوراق اول و آخر سے غائب ہیں۔

(۱۲) القسطاس المستقیم فی الجواب عما وقع للفاضل المتبحر المخدوم محمد معین التسلیم من السقطات الوهیة والقول السقیم (جزء اول) — از مخدوم ابراہیم ٹھٹوی، سندی

المتوفی سنہ ۱۲۱۱ھ تقطیع کلاں، تعداد اوراق (۲۵۶) خط بہت معمولی اس پر کتابت کی بہت بڑی غلطیاں ہیں۔ کتاب آخر سے ناقص ہے۔ کتاب کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے ۔

سبحانك یا من انت الحامد وانت المحمود علیه صل وسلم علی حبیبك الخ

مخدوم ابراہیم مخدوم عبداللطیف کے بیٹے اور مخدوم محمد ہاشم کے پوتے ہیں اور اپنے والد بزرگوار اور جد امجد کی طرح فاضل روزگار ہیں آپنے تصانیف کثیرہ یادگار چھوڑی ہیں۔ سندی ریاست کچھ میں جو پاکستان میں داخل نہیں ہے آپ کی وفات ہوئی اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

القسطاس المستقیم جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فاضل مخدوم ملا محمد معین تسلیم کی تصانیف پر تفصیلی نقد ہے۔

مخدوم ابراہیم نے ملا معین کی جن تصانیف پر رد لکھا ہے وہ علی الترتیب حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرۃ العین فی البکاء علی الامام حسینؓ اس میں ملا صاحب نے ماتم حسین رضی اللہ عنہ کا اثبات کیا ہے۔

(۲) ایک رسالہ ملا موصوف نے حدیث لا نورث ما ترکنا صدقة کے بارے میں لکھا ہے اس میں اہل سنت کے برخلاف صدقہ کے نصب کی تصحیح کا دعویٰ کیا ہے اور علامہ عبدالباقی

زرقانی شارح موطا نے جو اس سلسلہ میں روافض کی تغلیط کی تھی، اس کی تردید کی ہے۔

(۳) مواہب سید البشر۔ یہ رسالہ مروان کی تکفیر اور ائمہ اثناء عشر کی عصمت اور ان کی وصایت کے ثبوت میں ہے۔ نیز اس میں یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ انبیاء کے بعد بالاستقلال صلوٰۃ وسلام ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے اوروں کے لئے روا نہیں۔

(۴) الحجۃ الجلیۃ فی نقض الحکم بالافضلیہ۔ یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اہلِ سنت کے یہاں جو ترتیب تفضیل ہے اس کی تردید میں ہے۔ اس رسالہ کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کے بعد حضرت علیؓ افضل ہیں پھر حضرت عثمانؓ۔ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہم موصوف نے اس میں دعویٰ کیا ہے کہ اہل سنت کے دلائل احاد المتن ظنی الدلالۃ اور باہم متعارض ہیں اور یہ نسبت حضرت ابوبکرؓ کے حضرت علیؓ کی فضیلت کے دلائل زیادہ واضح اور قوی ہیں نیز یہ کہ جو تفضیل شیخین کا قائل نہ ہو یا حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دے اس کو بدعتی کہنا جسارت ہے اس میں یہ بھی الزام لگایا ہے کہ اہلِ سنت نے اہل بیت نبوت کا پاسِ احترام نہیں کیا جس کی وجہ سے ائمہ اثناء عشر کے مذہب کا روئے زمین سے نام نشان مٹ کر رہ گیا۔

(۵) ایک مستقل رسالہ' ابو طالب کے مسلمان ہونے کے ثبوت میں لکھا ہے۔

(۶) ایک رسالہ تناسخ کے متعلق ہے

(۷) دراسات اللبیب' جس کو بارہ دراسات پر مرتب کیا ہے۔

مخدوم ابراہیم نے جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا ان ساتوں کتابوں کا اسی ترتیب سے رد لکھا ہے۔ اول کے چھ رسالوں کا رد ۲۶ ورق پر ختم ہو جاتا ہے دراسات کا رد بڑا تفصیلی ہے جو اخیر کتاب تک چلتا ہے۔ پھر بھی ۱۲۱ ورق تک چار ہی دراسات کا جواب ہے، ورق ۱۲۱ پر پانچویں دراسہ کا جواب شروع ہوتا ہے چونکہ ملا صاحب نے اس دراسہ میں شیخ اکبر ابن عربیؒ کے کلام کی تلخیص پیش کی ہے اس لئے ۱۲۱ سے لیکر آخر تک کہ جو ۲۵۶ ورق پر تمام ہوتی ہے ابن عربیؒ ہی کے کشوف ومعارف پر جو تحقیقات اور بحثیں کی ہیں انہیں استقصار کے ساتھ نقل کیا ہے ابھی جلد سوئم کے تیئسویں مکتوب تک بھی پہنچے ہیں اور اقتباس ناقص ہی رہتا ہے کہ یہ نسخہ تمام ہو جاتا ہے آگے خدا ہی کو معلوم کہ یہ کتاب مکمل بھی کہیں موجود ہے یا یوں ناقص و ناتمام رہ گئی ہے بہر حال تمام تر

محققانہ اور علمی مباحث پر مشتمل ہے۔ طرز بیان متین اور سنجیدہ ہے۔

کتب خانہ مظہر العلوم میں علامہ مخدوم محمد ابراہیم کے اور بھی متعدد رسائل ہیں جو بہ ترتیب حروف تہجی درج ذیل ہیں:۔

(۱) ابلاغ جهد الدمص فی مسئلة قص اللحی والنتف والانتماص والنمص

تقطیع خورد تعداد اوراق ۱۲ ــ "ابلاغ جهد الدمص" تاریخی نام ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۱۲۱ نکلتا ہے۔ مصنف کا مقام مطرح میں جو کہ ارتق و مستقط کے قریب ہے گزر ہوا اور وہاں انہوں نے خواص و عام سب کو اس میں مبتلا دیکھا کہ انگشت دو انگشت سے زیادہ ڈاڑھی نہیں چھوڑتے اور اس پر بھی رخسار و ذقن پر استرہ، مقراض اور موچنہ کی عملداری ہے تو مصنف نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس میں ان امور کی مخالفت شرعیہ کو ثابت کیا ہے۔

یہ رسالہ خود مصنف کی ملکیت میں رہ چکا ہے سرورق پر مصنف کی مہر اور دستخط ثبت ہیں جس کی عبارت درج ذیل ہے:۔

ابلاغ جهد الدمص فی مسئلة قص اللحی والنتف والانتماص والنمص للفقیر ابراهیم بن الشیخ عبد اللطیف بن المخدوم محمد الهاشم عفی عنهم۔ آمین وقد ملکہ اللہ تعالی بہ فختم

(مہر)

اس کی تصحیح بھی خود مصنف ہی نے کی ہے اور جابجا اپنے قلم سے اس میں اضافہ بھی کیا ہے جو حواشی پر مرقوم ہے۔ اخیر میں تحریر ہے

قد قوبلت بید مولفها فلله الحمد سبحانه

(۲) اغناء الواصل فی جواز تلقی الجواب عن النوازل من متمذهب لمن تمذهب بمذهب آخر اذا وافق اصول مذهب السائل او جاء بعبارة صریحة فی واقعة المسائل ۱۱۲۱ھ

تقطیع خورد تعداد اوراق ۸ ــ یہ بھی ۱۱۲۲ھ کی تالیف ہے اور "اغناء الواصل" اس کا تاریخی نام ہے۔ اس میں مصنف نے اس امر کا اثبات کیا ہے کہ مذاہب اربعہ مشہورہ میں سے ہر مذہب کا مقلد دوسرے مذہب کے مفتی سے فتویٰ پوچھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ مفتی سائل کے مذہب کے اصول کے مطابق جواب دے یا سائل کے مذہب کی کتابوں ہی سے مسئلہ کا صریح جواب نقل کر دے

اس رسالہ میں مصنف نے علامہ عبدالوہاب شعرانی کے حوالہ سے ان آئمہ فتویٰ کے نام بھی نقل کیے ہیں کہ جن سے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی چاروں مذاہب کے لوگ فتویٰ پوچھتے تھے اور وہ ہر ایک کو ان کے ہی مذہب سے جواب دیتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مصنف نے شیخ عبدالعزیز دیرینی۔ شیخ الاسلام عزیز الدین جماعۃ، علامہ شیخ شہاب الدین رئیسی معروف بابن اقطع اور شیخ علی بن حضیری کے نام ذکر کیے ہیں۔ سرورق پر اور آخر میں مصنف کی مہر کندہ ہے۔ آخر میں سرخ روشنائی سے تحریر ہے

تمت ھذہ الرسالۃ مقابلۃ فی حضرۃ مولفہ والحمد للّٰہ سبحانہ

۱۲۰۹ھ

۳۔ اماطۃ اذی البید عن طریق جواز استعمال اموال الکافر العنید

تقطیع خورد، تعداد اوراق ۱۳۔ کاتب رسالہ کا نام محمد شفیع ہے۔ خط صاف اور واضح ہے۔ اماطہ اذی البید بھی تاریخی نام ہے۔ سنہ ۱۲۰۹ھ میں اس کی تالیف عمل میں آئی ہے۔ مخدوم موصوف سے سوال ہوا تھا کہ کفار کے وہ پیشوا اور ان کے وہ متبعین جو ہمارے دیار اسلامی میں مسلمانوں پر تفوق کا اظہار کرتے ہیں اور حاکم وقت ان کی جائداد ضبط کر لیتا ہے ان کے اموال کا کیا حکم ہے اور آیا اہل اسلام کا تصرف ان کے اموال میں باذن حاکم وقت مباح ہے یا نہیں۔ مصنف نے جواب میں مباح بتایا اور اسی اباحت کے اثبات میں یہ رسالہ سپرد قلم فرمایا۔

اس میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ کفار دیار اسلام میں رہتے ہوئے اگر مسلمانوں پر اپنے تفوق کا اظہار کریں تو پھر وہ ذمیوں کے حقوق کے مستحق نہیں رہتے۔ اور ان کے اموال پر مسلمانوں کا تصرف صحیح ہے مخدوم موصوف لکھتے ہیں:۔

"ہمارے دیار میں تمام وہ کفار جن کو لوگ ذمی کہتے ہیں۔ میری رائے میں ذمی نہیں حربی ہیں اور درحقیقت متعدد وجوہ کی بنا پر ان کا عہد ٹوٹ چکا ہے۔"

اس کے بعد مصنف نے حسب ذیل (۴۵) وجوہ ان کے نقض عہد کے بیان کیے ہیں۔

۱۔ وہ سود لیتے ہیں۔ حالانکہ سود کا لین دین حقوق ذمیت کے حصول کا مانع ہے۔

۲۔ انہیں مسلمانوں کا سا لباس اور سواری استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا سا عمامہ باندھتے ہیں۔ ان کی سی قمیص پہنتے ہیں۔ اور ان کا سا قبا استعمال کرتے ہیں اور بہترین گھوڑوں پر زرکار اور نقرہ کار زینوں پر سوار ہوتے ہیں کہ لباس و خات کا فر اور مسلمانوں میں تمیز

نہیں ہوتی اور سلام کے بارے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

۳۔ ذمی کو مسلمانوں کے مکانوں سے اپنا مکان اونچا تعمیر نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ ہمارے دیار میں ان کی حویلیاں اہل اسلام کے اکابر امراء، سادات، اشراف اور علماء و عرفا کے مکانات سے بلند ہیں۔

۴۔ ذمی کو مسلمانوں پر حاکم نہیں بنایا جا سکتا۔ حالانکہ یہ دیوان تک ہیں۔

۵۔ وہ دارالاسلام میں کسی نئے عبادت خانہ یا مقبرہ یا صنم کے بنانے کے مجاز نہیں۔ ہاں یہ تمام چیزیں جو دارالاسلام کے قیام سے پہلے اس دیار میں موجود تھیں باقی رکھی جائیں گی اور جو ان میں سے منہدم ہو گی اس کی تعمیر کی بھی اجازت رہے گی مگر یہ روز نئے نئے مندر، دھرم شالہ اور بھگت خانہ تعمیر کرتے رہتے ہیں جن میں کھلے بندوں رسوم کفر کی ادائگی ہوتی ہے۔

۶۔ ذمیوں کو اسلحہ لگانے یا بنانے کی ممانعت ہے حالانکہ یہ دونوں کام کرتے ہیں۔

۷۔ ذمیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کُستیج بظاہر طور پر باندھے رہیں (کُستیج وہ موٹی اونی ڈوری ہے جو کپڑوں کے اوپر کمر پر باندھی جاتی ہے) تاکہ وہ الگ پہچانے جا سکیں مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔

۸۔ ان کی عورتیں مسلمانوں کی عورتوں سے ممیز نہیں رہتیں۔ حالانکہ یہ ضروری ہے۔

۹۔ جس شہر میں کوئی ذمیوں کا معبد نہ ہو تو وہاں ان کو کسی ایسے جدید مکان یا تعمیر کی اجازت نہیں کہ جس میں وہ جمع ہو کر فسق و فجور کا ارتکاب کریں مگر یہ اس کے پابند نہیں۔

۱۰۔ ناقوس بجانے کی ذمیوں کو ممانعت ہے مگر یہ بجاتے ہیں۔

۱۱۔ شراب خوری ذمیوں کو منع ہے مگر یہ کھلم کھلا شراب پیتے ہیں۔

۱۲۔ شہر ہو، گاؤں ہو یا باغ ہو، اہل ذمہ کو وہاں اظہار فسق مثلاً زنا و دیگر فواحش کے ارتکاب کی ممانعت ہے مگر یہ علی الاعلان اس کے مرتکب ہیں۔

۱۳۔ ساز اور مزامیر کی ذمیوں کو ممانعت ہے اور یہ رات دن بجاتے ہیں۔

۱۴۔ گانے کی ان کو ممانعت ہے اور ان کے یہاں عورت مرد سب بلا مضائقہ اس میں مبتلا ہیں۔

۱۵۔ ذمیوں کو اپنے تہواروں پر صلیب کی نمائش کی اجازت نہیں اور یہ اپنے آلات کی خوب نمائش کرتے ہیں۔

۱۶۔ ذمیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معابد میں مسلمان مسافروں کو قیام کرنے دیں۔ اور ان کے دروازے آنے جانے والے مسلمانوں اور راہ گیروں کے لئے کھلے رکھیں۔ مگر ان کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسافر ان کے مندر میں اترنے کا ارادہ کرے تو یہ اس کو مارتے اور زخمی کر دیتے ہیں۔

۱۷۔ ذمیوں پر ضروری ہے کہ وہ ہر مسلمان مسافر کی جو اُن کے کسی معبد میں اترے تین دن تک ضیافت کریں اور اس میں قصور نہ کریں۔ مگر یہ مہمانی تو کیا اس کے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے۔

۱۸۔ ذمیوں کو اہل اسلام کی جاسوسی کرنے یا کسی جاسوس کو اپنے معبد میں جگہ دینے کی ممانعت ہے، مگر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان کے بعض لوگ اہل اسلام کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں جیسے کہ گِدو اور اس کے ساتھی ہیں اور بعض اپنے گھروں میں جاسوسوں کو ٹھہراتے ہیں جیسے کہ الیسر اور اس کی پارٹی ہے۔

۱۹۔ ذمیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر کوئی ان میں سے اسلام کی طرف راغب ہو تو اس کو مانع نہ ہوں مگر یہ اگر کوئی ایسا کرے تو مانع ہوتے ہیں اور نہ مانے تو پھر اس کو ہلاکت کے درپے ہو جاتے یا پھر وہ بیچارہ مسلمانوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہوتا ہے۔

۲۰۔ ذمیوں پر ضروری ہے کہ وہ اہل اسلام کی حرمت کا پاس کریں اور ان کا اکرام کریں لیکن یہ حکام اور بڑے لوگوں کا تو احترام و اکرام کرتے ہیں مگر ضعفاء مسلمین کی کچھ عزت نہیں سمجھتے

۲۱۔ ذمی کو چاہیئے کہ جب مسلمان اس کی مجلس میں آئیں تو وہ ان کی تعظیم و توقیر کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے۔ مگر یہ مسلمانوں کی اہانت کرتے ہیں۔

۲۲۔ ذمیوں کو ممانعت ہے کہ وہ مسلمانوں کے نام سے ان کی سی کنیت نہ رکھیں مگر یہ ایسا نہیں کرتے۔

۲۳۔ ذمیوں کو اپنی کسی انگلی میں سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہننا اور اس پر مہر کندہ کرانا ممنوع ہے مگر یہ سب کچھ کرتے ہیں۔

۲۴۔ ذمیوں کو دیار اسلام میں شراب کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔ مگر یہ بے دھڑک کرتے ہیں۔

۲۵۔ ذمیوں کو علی الاعلان سب کے سامنے مراسم شرک کی بجاآوری کی اجازت نہیں مگر یہ خوب بجا لاتے ہیں۔

۲۶۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے محلہ میں رہنے اور ان میں مکان بنانے کی اجازت نہیں مگر یہ ان کے مکانات سے بھی اونچی عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔

۲۷۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے مقابر کے پاس سے گزرنے کی ممانعت ہے۔ مگر یہ جانوروں کی طرح سے چلاتے ہوئے اپنے جنازوں کو مسلمانوں کے قبرستان کے پاس لے کر گزرتے ہیں۔

۲۸۔ ذمیوں کو اپنے جنازوں پر چلانے کی اجازت نہیں مگر یہ خوب شور مچاتے ہیں۔

۲۹۔ ان کو کسی مسلمان غلام یا مسلمان لونڈی کی خریداری کی اجازت نہیں مگر یہ خوب خریدتے ہیں۔ متعدد مسلمان لونڈی غلاموں کو میں نے اپنی خاص سعی و کوشش سے رہائی دلائی ہے۔

۳۰۔ ان کو کسی بھی مسلمان کو پیٹنے کی ممانعت ہے۔ مگر یہ کتے جہاں تک بس چلے اسمیں کمی نہیں کرتے

۳۱۔ ان کو مسلمانوں کی سی مانگ نکالنے کی ممانعت ہے مگر ان میں سے بہت سے مسلمانوں کی سی ہیئت بنائے رہتے ہیں۔

۳۲۔ ان کو چاہیئے کہ یہ سر کا اگلا حصہ منڈا ڈالیں مگر ان میں بہت سے مسلمانوں کی طرح بال رکھے رہتے ہیں۔

۳۳۔ یہ اہل اسلام کی طرح کلام کے مجاز نہیں۔ مگر یہ نہیں مانتے۔

۳۴۔ مسلمانوں کے راستے میں ان کو اپنے جنازوں کے ساتھ آگ کی نمائش کی اجازت نہیں مگر یہ اعلانیہ ایسا کرتے ہیں۔

۳۵۔ ان پر یہ لازمی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے معاملات میں بہتر بات کی طرف رہنمائی کریں۔ مگر ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ جو موقع پائیں تو مسلمانوں کی دھوکہ دہی اور ضرر رسانی میں کمی نہ کریں۔

۳۶۔ مسلمانوں کے گھروں میں ان کو جھانکنے کی ممانعت ہے۔ مگر ان میں بہتیرے بے پرواہی سے جھانکتے رہتے ہیں۔

۳۷۔ ان کو قطعاً کسی مسلمان کی ضرر رسانی ممنوع ہے مگر ان میں بہتیرے ایسے ہیں جن کا مقصود

ہی مسلمانوں کا قلع قمع ہے۔

۳۸۔ جب مسلمان نماز میں مصروف ہوں تو ان کو اپنے گھروں اور معبدوں اور مقامات پر چلانے کی ممانعت ہے مگر یہ نہیں مانتے خوب شور کرتے ہیں۔

۳۹۔ جب مسلمان قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہوں یا دینی علم کی قراءت کر رہے ہوں تب بھی ان کو اپنے معابد مکانات وغیرہ میں بلند آواز سے پکارنے کی ممانعت ہے مگر یہ برابر تخریبات کرتے رہتے ہیں اور منع کرو تو لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

۴۰۔ ان کو چاہیئے کہ بمجرد مسلمانوں کے ان کے پاس آنے کے یہ ان کی توقیر کریں۔ مگر یہ تمرد کرتے ہیں ضعفاء اہل اسلام کی توقیر تو درکنار ان کو گالیاں دیتے ہیں۔

۴۱۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے ساتھ تجارت میں اس وقت تک شرکت کی اجازت نہیں جب تک کہ اس کا پورا پورا اختیار مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں نہ ہو مگر ہمارے دیار میں معاملہ الٹا ہے۔

۴۲۔ جب وہ جزیہ قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے دیار کے بہت سے کفار اپنے کو اکابر میں شمار کر کے جزیہ کے ماننے سے منکر ہیں۔

۴۳۔ قرآن مجید کی طرح ان کو علم دین کی کتابیں خریدنے کی بھی اجازت نہیں مگر یہ خریداری سے باز نہیں آتے

۴۴۔ جس طرح نقض عہد ذمیت کی پاداش میں ان کی سزا قتل ہے اسی طرح اگر دین اسلام پر طعن کریں تب بھی یہی سزا ہے۔ مگر یہ مردود کھلم کھلا دین حق پر طعن کرتے رہتے ہیں۔

۴۵۔ ان کو اپنے دین کی طرف دعوت دینا ممنوع ہے مگر یہ نہیں مانتے

ان تمام وجوہ کی بناء پر مصنف کے نزدیک ان کا قتل کرنا اور ان کے اموال میں مسلمانوں کا تصرف کرنا مباح ہے

اس کے بعد مصنف نے کتب حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس معاہدہ کے متن کو نقل کیا ہے جو شام کے نصاریٰ سے ان کے جزیہ قبول کرنے کے متعلق عمل میں آیا تھا اور جس میں مذکورہ بالا شرائط مذکور ہیں۔

اس رسالہ کے بھی سرورق پر مصنف کی مہر ہے اور آخر میں مصنف کے قلم سے تحریر ہے۔ قوبلت بمنہ تقدس فالحمد لہ سبحانہ و تعالیٰ۔ بیچ میں بھی حواشی پر متعدد جگہ خود مصنف کے قلم سے اضافہ ہیں۔

اس رسالہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ عثمان ٹھارو کا جابجا اپنے قلم سے اس پر رد لکھا ہوا

ہے جو اس کے حواشی پر تحریر ہے۔ عثمان ٹھارو مصنف کے معاصر ہیں اور بالغ نظر عالم معلوم ہوتے ہیں اور جو دھپور کے دارالحرب ہونے نہ ہونے پر مصنف اور ان کے درمیان بحث رہ چکی ہے مصنف نے ایک قصیدہ میں ان کی ہجو بھی لکھی ہے جس کے بعض اشعار درج ذیل ہیں۔

الفیت عثمان بن ٹھارو حامیا — للکافرین بجودپور مراعیا
ھی دارحرب اھلھا حرب ببتہ — ھو من حمیتہ جھلہ جاغا ویا
اباءہ من جملۃ الکفار کا — فاذاک یحمیھم لذلک ناعیا
وکذا براعی حق قرب فی النسب — ھنود سند نا کثین مساعیا
ویل لمن صان الکفور بذیلہ — فلمن تولاھم کھم جاعاصیا
اعداء خیرالناس کیف تجبھم — اولست ترضی عن نبیک ھادیا
اللہ جاھدھم بقرآن کذا — قلم ولوح والرسول مشاکیا
اولست تعرف کیف عادوا دیننا — عمیت بصارتک او بصیرتک ابیا
منعوا شعار الدین فی انحاءھم — وینفذون احکام کفر ناکیا
احکامھم احکام کفر جاءھا — متمردون علی من امن طاغیا
المسلمون رعیۃ فی دارھم — مقھورۃ کل لدیھم شاکیا

پھر چند اشعار کے بعد کہتے ہیں:۔

لا ینبغی للسومری وولدھا — ان یفتنوا فی دین ٹھار وعادیا

آخر میں ٹھارو کو نصیحت کی ہے کہ علم ظاہر کے ساتھ علم باطن سے بھی آراستہ ہونا چاہیئے یہ پورا قصیدہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا رسائل مذکورہ کے ساتھ مجلد ہے۔

عثمان ٹھارو کے رد کا حاصل یہ ہے کہ ذمیوں سے جو مسلمانوں کا عہد ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک عہد ہے ترک قتال کا یہ اس وقت تک قائم ہے جب تک وہ جزیہ دینا قبول رکھیں۔ دوسرا عہد ہے ان سے کسی قسم کے تعرض نہ کرنے کا اس کی پابندی اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ وہ شرائط معاہدہ کی بجاآوری کرتے رہیں لیکن اگر وہ جزیہ قبول کر لینے کے بعد امور مذکورہ میں سے کسی کی پابندی نہ کریں تو ان سے اسی طرح تعرض کیا جائے گا جس طرح سے کہ کسی مسلمان سے گناہ کا مرتکب ہونے پر بازپرس کی جائے گی۔ لیکن وہ بدستور ذمی ہی رہیں گے اور جب تک جزیہ سے منکر نہ

ہوں گے حربی نہیں قرار دیئے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے مذکورہ معاہدہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ان شرائط کے مطابق کفار سے صلح کرنا اولیٰ ہے واجب نہیں ہے۔ اگر جزیہ دینے کے اور شرائط طے کئے جائیں مثلاً یہ کہ وہ نئے معابد کی تعمیر کے مجاز ہوں گے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

اس تقریر کی بناء پر عثمان مذکور کے نزدیک اس دیار کے کفار حربی نہیں کہ ان کا جان و مال مباح ہو۔ ہاں ان سے امور مذکورہ پر باز پرس کرنا حکام مسلمین کے ذمہ ہے۔

(۴) تالیف طریدۃ ۱۲۱۴ھ الحیاک مماطرہ الخصم بقطع الشباک فی مسائل التناک

تقطیع خورد۔ تعداد اوراق ۴۶ خط معمولی۔ سرورق پر مصنف کے قلم سے تحریر ہے۔

والحقیقۃ ان الفقیر ابراھیم عفی عنہ الف رسالۃ فی تحریم التناک اسمہا رشق الاستمساک ورد علیہ الشیخ عبد الرحمٰن الاحسائی وسمی رسالتہ قطع الشباک فی استحلال التناک فرددت علیہ رسالۃ ھی ھذہ سمیتہا تالیف طریدۃ الحیاک وھی ھذہ الرسالۃ۔ ابراھیم)

"تالیف طریدۃ الحیاک" بھی تاریخی نام ہے جس سے سنہ تالیف ۱۲۱۴ نکلتا ہے۔ یہ جیسا کہ مذکور ہوا عبد الرحمٰن احسائی کے رسالہ قطع الشباک فی استحلال التناک کا رد ہے جس میں احسائی نے مخدوم موصوف کے رسالہ رشق استمساک کا رد لکھا تھا۔ احسائی کا رسالہ قطع الشباک بھی مخدوم موصوف کے رسائل کے ساتھ مجلد ہے۔

(۵) تطییب ۱۲۱۳ھ افواہ الاخوان فی المنع عن شرب الدخان تقطیع خورد۔ کتابت عمدہ تعداد اوراق (۶۸)۔ سرورق موجود نہیں ہے اسی طرح بیچ میں سے ورق نمبر ۴۳ پر چار اوراق کا اضافہ ہے جو اس ورق کو نکال کر خود مصنف نے الحاق کیا ہے یہ رسالہ تمباکو کی حرمت کے بیان میں لکھا ہے۔ اس کے تین تاریخی نام ہیں پہلا تو یہی جو مذکور ہوا (۲) رشق الاستمساک لرمی من استن فاہ بالتنباک (۳) وکذا اوتیت فی براھین حرمۃ التتن ان تینوں سے بحساب جمل ۱۲۱۳ھ نکلتا ہے جو اس کا سنہ تالیف ہے اس نسخہ پر بھی مصنف کے قلم سے حواشی مرقوم ہیں۔ ورق (۴۸) کے حاشیہ پر سید علوی بن احمد الحداد باعلوی کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اور دستخط ہیں جن میں انہوں نے لکھا ہے قد اعجبنی جمیع ھذا الکتاب اسی طرح ورق (۶۵)

اور خاتمہ پر بھی سید موصوف کی اپنے قلم کی تحریریں ہیں۔ عبدالرحمن احسائی نے اسی رسالہ کا رد لکھا ہے

(۶) توثیق الاسباق فی مسئلۃ الصداق ۱۲۱۱ھ

یہ (۶) ورق کا چھوٹی تقطیع کا رسالہ ہے کتابت مناسب ہے۔

سرورق پر مصنف کے دستخط اور مہر ثبت ہیں ورق نمبر (۵) پر خود مصنف کے قلم کا اضافہ ہے
توثیق الاسباق بھی تاریخی نام ہے جس سے سنہ تالیف ۱۲۱۱ھ نکلتا ہے۔ یہ رسالہ مہر سے متعلق ہے وجہ تصنیف ایک استفتاء تھا۔ ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا مہر میں ایک ہزار سکہ رائج الوقت متعین کپڑے اور کچھ متعین خوشبو کی شرط لگائی بایں طور کہ خواہ وہ تمام کپڑے اور خوشبو نیز نصف تعداد مقررہ نقدی، عورت کو عقد سے پہلے دیدے یا بعد میں۔ یہ سب باتیں خطبہ نکاح سے پہلے پیغام نکاح کے وقت* گے وقت عقد میں صرف نقدی کا نام لیتے۔ کپڑوں اور خوشبو کا ذکر کرتے شرماتے تھے۔ مگر عرف و عادت کے اعتبار سے یہ تینوں چیزیں مہر نکاح میں داخل سمجھی جاتی تھیں چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ عقد مناکحت کے وقت صرف نقدی کا بسلسلہ مہر ذکر ہوتا ہے اور کپڑے اور خوشبو کا ذکر نہیں آتا۔ نکاح منعقد ہو جاتا ہے پھر ایک مدت کے بعد شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ بیوی مہر کا مطالبہ کرتی ہے۔ شوہر صرف نقد کا حساب کرتا ہے اور کپڑوں اور خوشبو کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے کیونکہ وقت عقد ان کا ذکر نہ آیا تھا مصنف نے فتویٰ عورت کے حق میں دیا اور کپڑے خوشبو اور نقدی سب کو مہر کی رقم قرار دیا اور اس کے ثبوت میں یہ رسالہ تحریر فرمایا جس میں ۲۵ دلائل اپنے دعوے کے اثبات میں بیان کئے ہیں۔

(۷) تہذیب البیان فی اجوبۃ اسولۃ وحید من اکابر الاخوۃ والخلان

تقطیع خورد تعداد اوراق (۵) خط روشن اوصاف۔ یہ بھی تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۱۱ھ نکلتے ہیں۔ اور یہی اس کا سنہ تالیف ہے۔ شیخ محمد بن احمد بن عبدالرحمن بن عبداللطیف احساوی نے مصنف سے چند علمی سوالات کئے تھے یہ سوالات خود سائل کے قلم سے لکھے ہوئے ان ہی رسائل کے ساتھ مجلد ہیں۔ مصنف نے اس رسالہ میں ان کا جواب دیا ہے سرورق پر مصنف کی مہر ہے اور متعدد مقامات پر مصنف ہی کے قلم سے اضافہ ہے جو حواشی پر تحریر ہے آخر میں سرخ روشنائی سے مرقوم ہے

تبلت بمنہ سبحانہ علی ید مولفہ

(۸) دماج المعنم ۱۲۰۹ھ

یہ چھ ورقی رسالہ ہے جو چھوٹی تقطیع پر ہے۔ کاتب کا نام محمد شفیع

*بجائے بڑھ کر کپڑوں اور خوشبو کی شرط ان کے ابناء جنس پر مروج تھی اور یہ بھی رواج تھا کہ عقد نکاح م

سعد اللہ ہے خط معمولی ہے۔

کھوسہ قوم کے بلوچ ریاست جودھ پور پر تاخت کر کے وہاں سے مال اسباب لوٹ لاتے اور عورتوں اور بچوں کو بھی گرفتار کر لاتے تھے اس کے متعلق مصنف سے سوال ہوا کہ دیار اسلام میں کفار کو اسیر کر کے بحفاظت تمام لے آنے کے بعد ان کو لونڈی غلام بنا لینا اور ان کے اموال کا لے لینا مباح ہے یا نہیں۔ مصنف نے اس کو مباح قرار دیا اور اسی سلسلہ میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ "وماج الخم" تاریخی نام ہے اور اس سے سنہ تصنیف ۱۲۰۹ نکلتا ہے مصنف نے رسالہ کو تین بحثوں پر تقسیم کیا ہے پہلی بحث میں یہ ثابت کیا ہے کہ جودھ پور اور اس کے ماتحت کا علاقہ دار الحرب ہے دوسری بحث میں شرعی جہاد کو بتلایا ہے اور تیسری بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ جہاد سے قبل کفار کو دعوت اسلام دینا مستحب ہے واجب نہیں ہے پھر بلوچوں کے اس فعل کی تصویب کی ہے ان کی تاخت کو جہاد اور اسیران کفار اور ان کے اموال کو مال غنیمت میں داخل کیا ہے مصنف نے لکھا ہے کہ جب رئیس جودھپور نے سندھ کے امیر الامراء میر بجار کو دھوکہ سے اپنے آدمی بھیج کر قتل کروا دیا تو اب ان کے حربی ہونے میں کیا شبہ باقی رہا۔

اس رسالہ کے پہلے ورق پر مخدوم عثمان ٹھاروکے قلم سے مصنف پر بعض اعتراضات تحریر ہیں اور عثمان کے شاگرد محمد صادق نے "دماج المخم" کا رد بھی لکھا ہے جس کا نام ذب الظلمہ عن مسائل اہل الذمہ ہے اس رسالہ کے دو نسخے رسائل مذکورہ کے ساتھ مجلد ہیں۔ دونوں رسالوں پر مخدوم ابراہیم کی مہر ثبت ہے ذب الظلمہ اپنے مصنف کے نام پر رسالہ صادقیہ سے بھی موسوم ہے اس کا ایک نسخہ تو مخدوم دین محمد بوبکائی نے مخدوم موصوف کو بھیجا تھا دوسرا خود مصنف رسالہ نے ارسال کیا تھا۔

(۹) رسالۃ فی الاجازۃ والتلقین بالطریقۃ النقشبندیۃ الاحمدیۃ المعصومیۃ المصفیہ۔

تقطیع خورد تعداد اوراق (۳) کتابت بہتر اس رسالہ کے ذریعہ مصنف نے سید قاسم بن علی بن محمد الاسکافی اور سید مصطفےٰ ابن السید محمد المرباوی کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی اجازت عطا کی ہے اور اپنا شجرہ اجازت و تلقین نقل کیا ہے۔

(۱۰) سحق الاغبیاء من الطاعنین فی کمل الاولیاء و اتقیاء العلماء تقطیع خورد تعداد اوراق

۹۹ کتابت عمدہ۔ سید علوی بن سید احمد بن حسن بن قطب عبداللہ الحداد باعلوی کا مصنف سے بعض مسائل پر اختلاف ہو گیا تھا انہوں نے ذی الحجہ ۱۲۱۳ھ میں مصنف پر ایک تحریر میں تنقید کی تھی سید علوی کی یہ تحریر خود ان کے قلم کی لکھی ہوئی مصنف کے رسالہ وصول الغانی تحریم الدف مع الجلاجل دالغنا کے ساتھ مجلد ہے۔ سحق الاغبیار سید علوی کے اس تحریر کا رد ہے۔

سحق الاغبیاء تاریخی نام ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۴ھ نکلتا ہے۔ مصنف نے یہ رسالہ ۱۴ جمادی الثانیہ کو تمام کیا تھا اس رسالہ میں جابجا مصنف کے قلم سے فوائد کی نشاندہی کی گئی۔ اس رسالہ میں فقہ تصوف تاریخ و اصول حدیث کے مختلف مباحث ہیں جو علمی اور محققانہ ہیں اس سلسلہ میں مشاہیر علماء عرفا کے متعلق یہ بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ وہ فروع میں کس مسلک کے پیرو تھے امام عبدالکریم بن ہوازن ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ قشیریہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ شافعی تھے مصنف نے ورق ۲۶ کے حاشیہ پر اپنے قلم سے لکھا ہے کہ حسن عجمی نے کفایۃ المتطلع میں ان کے متعلق تصریح کی ہے وہ مالکی تھے۔ سیدالطائفہ جنید بغدادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ابوثور کے مذہب پر تھے امام ابوالحسن اشعری اشاعرہ کے امام ہیں ان کو مالکیہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں۔ شافعیہ ان کو شافعی شمار کرتے ہیں مصنف نے غنیہ الظریف کے حوالے سے علامہ طاش کوبری زادہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے طبقات الحنفیہ میں ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے[1] آئمہ حدیث میں مسلم ترمذی بلکہ بخاری کو بھی سید علوی نے شافعی بتایا تھا۔ مصنف کا بیان ہے کہ گو مشہور عوام یہی ہے کہ وہ شافعی تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ امام شافعی کے مقلد تھے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں مجتہد اور صاحب استنباط ہیں اور ان دونوں کی فقہ کا فقہ شافعی سے توافق ہو گیا ہے۔ چنانچہ امام مسلم کے اجتہاد کی طرف ابن حجر نے تقریب میں اور صاحب جامع الاصول نے جامع مذکور میں اشارہ کیا ہے۔ اور امام ترمذی کے اجتہاد کی طرف امام ذہبی شافعی کی میزان میں اشارہ ہے ہاں محمد بن احمد ترمذی شافعی ہیں اور صاحب السنن جن کا نام محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ہے یہ مجتہد ہیں جس نسان پر شافعی ہونے

---

[1] اور لطف یہ ہے کہ حنابلہ کا اشعری کے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ وہ اخیر میں حنبلی ہو گئے تھے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شروع میں جب وہ معتزلی تھے تو فروع میں حنفی ہی تھے پھر فروع میں بھی ان کا رجوع تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر وہ حنبلی ہوتے تو حنابلہ اور اشاعرہ میں اس درجہ بُعد بعید نہ ہوتا۔

کا حکم لگایا ہے اس نے ترمذی کے لفظ سے دھوکا کھا کر غلطی کی ہے اور تحقیق سے کام نہیں لیا ہے مصنف کا بیان ہے کہ بعد میں مجھ کو اتحاف الاکابر میں اس کی تصریح ملی کہ مسلم صاحب الصحیح مالکی المذہب ہیں ہاں امام بخاری کو بلا شبہ تاج الدین سبکی نے اپنے طبقات میں شافعی المذہب کہا ہے لیکن علامہ نفیس الدین سلیمان بن ابراہیم علوی نے ان کی تردید کی ہے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں

البخاری امام مجتھد برأسہ کابی حنیفۃ والشافعی و مالک واحمد و سفیان الثوری ومحمد بن الحسن رضہ انتہی

سید علوی نے امام شافعی کے متعلق لکھا تھا وھو اول من صنف فی الاصول مصنف نے جواب میں تحریر کیا کہ اگر اصول سے کتب احادیث (جو فقہ کے لئے اصل اصیل ہیں) مراد ہیں تو حسب تصریح سیوطی۔ موطا امام مالک پہلی تصنیف ہے اور اصول فقہ مراد ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے یہ اس سے پہلے منقول ہو چکے ہیں اور اگر فقہ مراد ہے تو پہلے مدون اس کے امام ابو حنیفہ ہیں

امام نووی شافعی کے متعلق مصنف نے غنیۃ الظریف سے نقل کیا ہے کہ ان کی وفات پر ان کی عمر شمار کی گئی تو ۴۶ سال تھی پھر تصانیف کا حساب لگایا گیا تو یوم ولادت سے لے کر وفات تک ایک (کراسہ) جزء یومیہ ہوا۔ ان میں امام نووی کی تہذیب سے نقل کیا ہے کہ شیخ عبد العزیز دیرینی بیان کرتے ہیں کہ میری مرویات میں ایک احکام القرآن کبری بھی ہے۔ جس کی چار سو جلدیں ہیں شیخ ابو حفص واعظ عمر بن احمد بن عثمان بن شاہین کے متعلق سیوطی کی کتاب منتہی العقول سے نقل کیا ہے کہ ان کی تصانیف تین سو اسی تک جا پہنچی تھیں۔ شیخ ابو الوفا علی ابن عقیل بن محمد بغدادی حنبلی کی کتاب الفنون کے متعلق ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ یہ کتاب دو سو جلدوں میں تھی۔

قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب امام غزالی کی احیاء العلوم کا ماخذ ہے اس کے مصنف امام ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ مکی کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ ان کے حنفی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اسی طرح التعرف لمذہب اہل التصوف جس کے بارے میں اکابر اولیا کا قول ہے کہ

لہ یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی لطف سے خالی نہیں کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے جو ہندوستان کی گروہ اہل حدیث کے سرخیل ہیں اپنی مشہور کتاب ابجد العلوم (ص ۸۱۰) میں امام بخاری، ابو داؤد، اور نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے اور اپنی دوسری تصنیف اتحاف النبلاء (ص ۲۰۷) میں امام مسلم کو شافعی لکھا ہے۔

(۷) التعرف لمذھب التصوف اس کے مصنف امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن یعقوب کلا بازی بخاری کے متعلق قاسم بن قطلوبغا کی تاج التراجم سے نقل کیا ہے کہ وہ حنفی المذہب تھے۔

اس رسالہ میں بحث تو شروع ہوئی تھی۔ تنباکو، ڈاڑھی اور گانے بجانے کے مسائل سے مگر آگے چل کر تاریخی تحقیقات کا دفتر کھل گیا ورق ۱۳ میں صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد بتائی ہے جن پر بدعت کا الزام ہے۔ مگر وہ خود صادق اللہجہ ہیں ورق ۲۰ پر کشف والہام کی حقیقت کا بیان ہے ورق ۲۲ پر خواجہ محمد پارسا نے جو فصول ستہ میں اپنا کشف بیان کیا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نازل ہونے کے بعد مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے اس کی تشریح کی ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ نعوذ باللہ امام ابوحنیفہ کے مقلد ہوں گے بلکہ حنفی مذہب ان کے اجتہاد کے موافق ہے ورق ۲۷، ۲۸ پر جرح و تعدیل کی قبولیت پر نہایت لطیف بحث ہے اور اس کا ضابطہ کلیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے بل الضابطہ عندنا ان ثابت العدالۃ لا یلتفت فیہ الی قول من یشھد القرائن بانہ متحامل علیہ لتعصب مذھبی او غیرہ پھر ورق ۲۹ پر اسی سلسلہ میں عبدالرؤف مناوی کی شرح شرح نخبہ سے نقل کیا ہے۔ وھذا الذھبی من ھذا القبیل لہ علم و دیانۃ وعندہ علی اھل السنۃ تحمل مفرط فلا یجوز الاعتماد علیہ یاد رہے یہاں اہل سنت سے مراد متکلمین اشاعرہ اور فقہاء احناف ہیں۔ کیونکہ ذہبی حنبلی المعتقد شافعی الفروع ہیں اسی طرح ابن معین کے متعلق مناوی کے حوالہ سے سبکی کا قول نقل کیا ہے۔ یقبل قول ابن معین فی ابراھیم بن شعیب المدنی شیخ روی عنہ ابن وھب انہ لیس بشیء وفی ابراھیم بن یزید المدینی انہ ضعیف وفی الحسین بن الفرج انہ کذاب وان لم یبین الجرح لانہ امام مقدم فی ھذہ الصناعۃ ولا یقبل قولہ فی الشافعی ولو فسر واتی بالف ایضاح لقیام القاطع علی انہ غیر محق بالنسبۃ الیہ

پھر ورق (۴۰) پر کرامت اور اولیاء اللہ پر انکار کی مذمت کا بیان شروع ہو گیا ہے ورق (۴۳ اور ۴۴) پر ان اولیاء اللہ کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ جن کو اپنے اہل زمانہ کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ ورق ۷۱ سے ۷۵ تک امام ابوحنیفہ کے مناقب کا بیان ہے اور ورق ۸۲ اور ۸۳ میں ان مشاہیر مصنفین اہل علم کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام پر

اپنی بہترین تصانیف چھوڑی ہیں پھر مشاہیر عرفاء و اولیاء اللہ میں سے ۳۹ حنفی ۱۸ مالکی اور ۱۲ حنبلی مشاہیر طریقت کو نام بنام بیان کیا ہے۔ آخر میں ورق ۸۰ و ۸۹ پر مقامات ولایت کی تفصیل ہے۔

یہ یاد رہے کہ مصنف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں اپنی عقیدت ان لفظوں میں پیش کی ہے الامام الشافعی و لہ من مناقب جمۃ و فواضل عامۃ و فضائل تامۃ لو فصلنا ھا لسودنا وجوہ الکراریس ولم یتم حسنۃ واحدۃ حسنا تہ الخ (ورق ۶۷) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے متعلق شروع ہی میں لکھ چکے ہیں۔

و غایۃ امامنا ابی حنیفۃ انہ کان من کمال المتابعۃ الخاصۃ فی مقام عال و نعتقد نحن الحنفاء فیہ الصواب ازید من الخطاء مع انہ لیس بمعصوم من الخطاء و لولا برکات الانبیاء نقتبس باقتفائہ لما قضیناہ و لو کانت علی غیر متابعۃ الانبیاء لبعضناہ (ورق ۲۱)

(۱۱) سیر التقریر بتحقیق مقاصد مسئلۃ استعمال الحریر۔ تقطیع

خورد تعداد اوراق (۵۴) کتابت درمیانے درجہ کی۔

یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے استعمال حریر یعنی ریشم کے مسائل کے بیان میں ہے یہ رسالہ بڑا سیر حاصل اور محققانہ ہے۔ پندرہ مقاصد پر رسالہ کو تقسیم کیا ہے پہلے حدیثیں نقل کی ہیں پھر کتب لغت و شروح سے الفاظ غریبہ کی شرح کی ہے پھر رجال و اسانید پر بحث ہے پھر فقہا کے مذہب کو تفصیل سے بیان کر کے قول فیصل پیش کیا ہے۔

سیر التقریر تاریخی نام ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۱ نکلتا ہے سرورق پر مصنف کی مہر ثبت ہے اور متعدد جگہ مصنف کے قلم سے مفید حواشی درج ہیں کتاب میں ورق (۹) پر ایک جگہ ضمناً امام ابوداود سجستانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

و ابو داؤد رحمہ اللہ من الحنابلہ و رایت بخط جدی رحمہ اللہ تعالی فی ھامش اتحاف الاکابر قال العلامۃ بن حجر المکی فی فہرستہ الصغری انہ ذکر جماعۃ فی کتبھم ان ابا داود کان شافعیا قال و فیہ نظر ظاہر بل الظاہر انہ حنبلی انتہی

(۱۲) غسل العاک عن تصویب قطع الشباک تقطیع خورد تعداد اوراق (۹)

سرورق پر مصنف کے قلم سے تحریر ہے۔ ھذہ رسالۃ للفقیر ابراھیم عفی عنہ

فی المنع عن تعاطی التنباک واسمہا غسل العباک عن تصویب قطع الشباک وھو رد علی رسالۃ الشیخ محمد الاحسائی الذی صنف فی استحلال التنباک تصویبا لرسالۃ الشیخ عبد الرحمن الاحسائی التی فی استحسان التنباک واستحلالہ

شیخ محمد بن احمد بن عبد الرحمن بن عبد اللطیف الشافعی الاحسائی نے شیخ عبد الرحمن احسائی کے رسالہ قطع الشباک فی حکم مسائل التنباک کی تائید میں ایک رسالہ لکھا تھا غسل العباک شیخ محمد احسائی کے رسالہ مذکور کی تردید ہے یہ اس کا تاریخی نام ہے جس سے سنہ تالیف ۱۲۱۴ نکلتا ہے۔

(۱۳) القول الرضی بتصحیح حدیث الترمذی فی فضل معاویۃ الصحابی

کتب خانہ میں اس کے دو نسخے ہیں ایک خود مصنف کے قلم کا اصل مسودہ ہے جو چھوٹی تقطیع کے چار ورق میں ہے اور جا بجا سے اس کے حواشی جلد ساز کی دست برد کے کچھ اس طرح نذر ہوئے ہیں کہ متن کتاب کی سطریں زد میں آ گئی ہیں دوسرا اس کا بیضہ ہے جو چھوٹی تقطیع کے آٹھ ورق میں نہایت خوش خط لکھا ہوا موجود ہے۔ اس کے سر ورق پر مصنف کی مہر ہے اور دوسرے صفحہ پر خود مصنف کے قلم کا حاشیہ ہے۔

"القول الرضی" تاریخی نام ہے اس سے سال تصنیف ۱۲۰۸ نکلتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اللھم اجعلہ ہادیا مہدیا واھد بہ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس حدیث کی تصحیح کے ثبوت میں ہے اور تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔

(۱۴) نشر حلاوی المعارف والعلوم فی الرد علی من نصر الکفار واھل الرسوم

تقطیع خورد تعداد اوراق (۱۲۲) کتابت معمولی درجہ کی سر ورق پر حاشیہ میں مصنف کے قلم سے سرخ روشنائی سے یہی نام تحریر ہے اور نیچے مصنف کی مہر ثبت ہے لیکن خاتمہ کتاب میں خود مصنف کی عبارت میں یہ نام اس طرح مذکور ہے۔ ولما حصل التمام وصار مسکی الختام وکان اعداد لفظ نشر حلاوی المعارف والعلوم یعنی تاریخ عام الاختتام سمیتہ بنشر حلاوی ۱۲۱۰ المعارف والعلوم علی اولیاء الاذہان والفہوم تقطع بنیتہ اعداء الحق من اھل الشرک والعادات والرسوم اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جا بجا

مصنف کے قلم سے حواشی میں اصل کتاب پر اضافہ ہے۔ نسخہ حلاوی المعارف والعلوم جیسا کہ عبارت مذکورہ میں مصرح ہے تاریخی نام ہے جس سے اس کا سال تصنیف ۱۲۱۰ھ معلوم ہوتا ہے سابق میں گذر چکا ہے کہ ۱۲۰۹ھ میں مصنف نے دماج المغنم اور اماطۃ اذی البعید۔ دو رسالے تصنیف کئے تھے پہلا رسالہ جودھ پور کے دار الحرب ہونے کے ثبوت میں تھا اور دوسرا سندھی ہندوؤں کے ذمی نہ ہونے کے اثبات میں شیخ عثمان کی تحریک پر ان کے شاگرد محمد صادق نے ذب الظلمۃ عن حال اہل الذمہ کے نام سے دماج المغنم کا جواب لکھا تھا جس میں جودھ پور کو دار الاسلام قرار دینے کی ناکام کوشش کی تھی اور خود استاد نے اماطۃ اذی البعید کی تردید میں قلم اٹھایا تھا اور سندھی ہندوؤں کو حربی قرار دینے کی مخالفت کی تھی یہ شیخ عثمان، شیخ نور محمد نصر پوری کے شاگرد تھے جن کا شمار مصنف کے بزرگان خاندان کے تلامذہ میں ہے۔

نسخہ حلاوی المعارف والعلوم ان دونوں کا مبسوط رد ہے جس میں اصل بحث تو انہی دونوں مسئلوں سے متعلق ہے مگر ضمن میں نحو، بلاغت، اصول فقہ اور تصوف کے متعدد مسائل زیر بحث آگئے ہیں جن کے مطالعہ سے مصنف کی جلالت علمی اور وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے مصنف کے پاس مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا جس پر مصنف کو کافی عبور تھا ورق (۵۳) پر خود مصنف کے الفاظ ہیں و فی قبضۃ تملکی نحو من الفی مجلد من کتب العلوم و مہارتی بمعرفۃ الکتب و میز بعضہا عن بعض علی حسب ذالک علامہ قاضی شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی کا حاشیہ تفسیر بیضاوی بیس جلدوں میں مصنف کے پاس موجود تھا۔

ابتداء کتاب میں علماء حق کی فضیلت اور علماء سو کی برائی مذکور ہے پھر دماج المغنم کے خطبہ پر شیخ عثمان کا جو اعتراض تھا اس کا تفصیلی رد ہے ورق (۱۹) سے ذب الظلمہ کی تردید شروع ہوتی ہے دار الاسلام کب دار الحرب ہوتا ہے اس پر مصنف نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک جب دار الاسلام پر کفار احکام شرک کا اجراء کر دیں تو وہ دار الحرب بن جاتا ہے۔ لیکن امام اعظم کے نزدیک دو باتیں اور ضروری ہیں۔ (۱) وہ مقام دار الحرب سے اس طرح ملا ہو کہ دونوں کے بیچ میں مسلمانوں کا کوئی ایسا شہر نہ ہو جہاں سے اس جگہ مدد پہنچ سکے (۲) امان اول باقی نہ رہے یعنی کفار کے استیلاء سے قبل مسلمان کو جو اپنے اسلام کی بناء پر اور ذمی کو جو عقد ذمہ کی بناء پر امان حاصل تھی

وہ ختم ہو چکی ہو اور مسلمان اور ذمی کفار سے امان لئے بغیر وہاں قطعاً نہ رہ سکیں۔ مصنف نے لکھا ہے
کہ یہ اختلاف درحقیقت اختلاف عصر و زماں ہے۔ امام صاحب کے نزدیک دارالحرب ہونے کے لئے
کفار کا پورا غلبہ اور قوت معتبر ہے جو دھ پور امام صاحب کی ہرسہ مذکورہ بالا شرائط کی بناء پر بھی
دارالحرب ہی ہے احکام کفر کا اجراء تو وہاں ظاہر ہی ہے۔ بت پرستی عام ہے مسلمانوں کو بآواز
بلند اذان کہنے کی ممانعت ہے حلال جانوروں کا ذبح کرنے پر دارو گیر ہے اگر کوئی مسلمان اپنے گھر میں
بھی خفیہ طور سے کسی مرغ یا پرند کو ذبح کر ڈالے اور انہیں خبر ہو جائے تو اس کی گردن اڑا ڈالیں
یا مار پیٹ گالی گفتار اور مال لے کر اسے اذیت پہنچا کر رہیں۔ ہم نے ایک معتبر شخص کی زبانی سنا ہے
کہ ان ہی دنوں کسی مسلمان نے ایک حلال جانور کا ذبیحہ کیا جس پر کافروں نے اس کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں
پہنچائیں اور آخر میں جب ایک عالم نے جو جودھ پور کے ہی نواح کا رہنے والا تھا حکام سے اس کی سفارش کی
تو اس غریب کو قتل کر دیا۔ بیچارہ کا مال و اسباب لوٹ کر اس کے بیوی بچوں کو غلام اور لونڈی بنا لیا اور اس
کی مذہبی کتابوں کے ساتھ وہ نازیبا سلوک کیا کہ بیان کے لائق نہیں ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ وہاں محض
مسلمانوں کو چڑانے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لئے ایک نام نہاد مدعی اسلام کو جو محض جاہل مطلق ہے
عہدہ قضا تفویض کیا گیا ہے۔ اور اس نالائق کا نام قاضی گنگا رام رکھ چھوڑا ہے کوئی مسلمان ان کے یہاں علانیہ
ختنہ نہیں کرا سکتا۔ جمعہ جماعات کو کھلے بندوں قائم نہیں کر سکتا۔ کسی معروف شرعی کو علی الاعلان کہہ نہیں
سکتا اور کسی منکر دینی کو ظاہر میں روک نہیں سکتا اگر ہمارے دیار کا کوئی امیر ان کو اسلام کی دعوت دے
یا جزیہ قبول کرنے کے لئے کہے تو فوراً آمادہ پیکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب مرحوم میر بجار تالپور نے
سندھ کے اطراف میں ان کی خالی اور بنجر زمین کے قریب قلعہ تعمیر کیا تو انہوں نے دھوکہ سے اس کو قتل
کرا کے دیار سندھ میں ایسا عظیم فتنہ برپا کیا کہ جس کی آگ کے شرارے ابھی تک نہ بجھ سکے پھر ان اشقیاء
نے لشکر جمع کر کے ہمارے دیار کے امراء مسلمین کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جس میں سخت معرکہ ہوا۔ میر
فتح خان تالپور اسی جنگ میں زخمی ہوا بالآخر حق تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی دوسری مرتبہ
پھر ان کی فوج سے مقابلہ ہوا اور اسی میں میر سہراب خان کا بھائی غلام محمد مقتول ہوا۔ اور آج تک
سندھ کے مسلمان امراء سے یہ نہ ہو سکا کہ قلعہ عمر کوٹ کو ان سے خالی کرا لیتے جس کو انہوں نے اس
سے چھین لیا تھا اور نہ کسی کو میر بجار یا میر غلام محمد کے خون کا انتقام لینے کی مقدرت حاصل ہوئی۔
حالانکہ ان کے جانشینوں میں میر فتح علی خان۔ میر غلام علی خان۔ میر مراد علی میر غلام حسین۔ میر بہرام

اور میر سہراب جیسے مشاہیر حکام اور صاحبان سپاہ و لشکر گزرے ہیں۔ کیونکہ امراء سندھ کے مقابلہ میں ان کی سپاہ کی تعداد کمی گنی زیادہ ہے جودھپور کی مساجد دو سو برس یا اس سے زیادہ ہونے کو آئے کہ کھنڈر پڑی سوتی ہیں اور بعض مسجدیں جو باقی بچی ہوئی ہیں ان میں سے کسی میں اگر مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو با آواز بلند اذان نہیں کہہ سکتے۔ بعض مسجدیں پیشاب خانوں یا خانوں اور غسل خانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں بعض میں اونٹ گھوڑے۔ گدھے اور گائے بھینسیں بندھتی ہیں۔ خدا جانے مسلمان کہاں ہیں اور غیرت اسلامی کیا ہو گئی۔

رہی دوسری شرط کہ وہ دار الحرب سے متصل ہو سو جودھپور میں یہ بھی ہے۔ شرق میں اودے پور اور مرہٹوں کا علاقہ ہے غرب میں جیسلمیر اور سورٹھ ہے۔ شمال میں سکھ قوم اور سندھیا کی حکومت ہے جنوب میں کچھ۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ۔ جھالاواڑ وغیرہ ہیں اور تیسری شرط کہ وہاں کوئی مسلم اور ذمی امان اول پر باقی نہ ہو یہ بھی ظاہر ہے قرنوں سے جودھپور میں مسلمان بغیر مشرکین کے امان کے رہتے ہیں اور ذمی کا تو وہاں سرے سے وجود ہی نہیں رہا ہے۔

ہمارے دیار سندھ میں بھی اگرچہ اسلام کا غلبہ زائل ہو چکا ہے۔ علانیہ شرابیں کشید کی جاتی ہیں نرد و شطرنج کی بازی ہوتی ہے رنڈیوں سے ان کی خرچی کی آمدنی میں سے حکومت وصول کرتی ہے ہیجڑوں پر مالی ٹیکس مقرر ہے۔ چاول وغیرہ سے مسکرات تیار کئے جاتے ہیں دوکانوں پر بت پرستی ہوتی ہے۔ کفار کے معابد میں قصبات اسلامی میں چراغ روشن ہوتے ہیں تاکہ کفار کی شہرت ہوتی رہے مساجد خیر آباد ہیں نماز روزہ وغیرہ عبادات کے قیام کی کوشش نہیں ہے مقدمات کے فیصلوں میں مکھیاؤں کی طرف رجوع ہے اگر کوئی مسلمان قاضی مکھیاؤں کی مخالفت کرے تو اسے ایذا دی جاتی ہے یہی وجہ تھی کہ میں ٹھٹھ سے جو اس وقت میر فتح علی خان تالپور کے زیر نگیں تھا بندر کراچی کو ہجرت کر گیا تھا اس زمانے میں میر محمد نصیر خان زندہ تھا۔ گو کراچی میں بھی بہت سی بدعتیں تھیں تاہم نواب میر فتح علی خان کی عملداری سے کم تھیں۔ نصیر خان کے انتقال پر جب میر فتح علیخان قلعہ کراچی کا وارث ہوا ہے تو پھر بدعات و کفریات کی وہاں بھی ایسی اشاعت ہوئی کہ اس کے بیان سے دل تنگ اور زبان گنگ ہے[1] تالپوریوں کے عہد میں بہت سے

[1] اس سلسلہ کا ایک واقعہ خود مصنف نے ورق (۹۶) کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ پنیہ نامی گائے قصاب کو خود ہم نے کراچی میں مشاہدہ کیا کہ ان کا فروں نے گھڑی بھر میں نکال باہر کیا اور اس کے گھر کو تاراج کر ڈالا مسلمان دیکھتے رہے اُن کو یہ مجال نہ تھی کہ قصاب کو ان ظالموں کے پنجہ ظلم سے چھڑا لیتے اس قصاب کا سوائے اس کے کوئی قصور نہ تھا کہ وہ گائے قصاب تھا۔

مشرکین نے مسلمہ عورتوں سے تسری کی۔ اور بہت سے مسلمان لونڈی غلام کافروں کے قبضہ تصرف میں تھے۔ ان سب چیزوں کے باوجود نواب میر فتح علی خان کی عملداری میں گو اہل اسلام بہت ہی مغلوب ہوئے ہیں اور کفار حاکم مذکور کے اقبال سے بہت سر چڑھ گئے ہیں تاہم اس دیار پر دار الحرب ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اسی طرح ملتان اگرچہ سکھوں کے قبضہ میں ہے اور بندر سورت اور بندر بمبئی پر اگرچہ فرنگیوں کی حکومت ہے تاہم وہ دار الاسلام ہی ہیں کیونکہ وہ شرطیں جن کی بنا، پر دار الاسلام دار الحرب بن جاتا ہے وہاں موجود نہیں ہیں۔ ان مقامات پر مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے مسلمان قاضیوں کی عدالت میں طے ہوتے ہیں یہ مقامات دیار مسلمین سے اس طرح متصل ہیں کہ ضرورت پر اہل اسلام کی مدد پہنچ سکتی ہے اور مسلمان اور ذمی امان اسلامی پر وہاں باقی ہیں اگرچہ ٹھٹھہ میں مسلمانوں کا اقتدار ہے اور ملتان، سورت اور بمبئی میں کفار کا۔

اس کے بعد مصنف نے ثابت کیا ہے کہ ان جودھ پوری کافروں کے ساتھ جنگ شرعاً جہاد ہے رہا نیت کا سوال سو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان تمام اعمال کی صحت کے لئے تو اس کا وجود ضروری ہے جو مقصود بالذات ہیں لیکن جو اعمال کہ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بغیرہ ہیں جیسے نماز کے لئے وضو اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد تو ان میں نیت محض حصول ثواب کے لئے شرط ہے ان کی اعمال کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے کیونکہ مقصود اصلی یعنی اس وضو سے نماز کا ہونا اور اس جہاد سے دین کا اعزاز ہونا ہر حال میں حاصل ہے خواہ اس نماز و جہاد میں نیت ہو یا نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آخرت میں ثواب عقاب کا دار و مدار نیت ہی پر ہے مصنف نے اپنے اس دعوے کے اثبات میں بہت سی حدیثیں پیش کی ہیں۔ جیسے وہ حدیث جو حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مسند احمد میں مروی ہے۔ دب قتیل بین الصفین اللہ اعلم بنیتہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت کی وہ حدیث جو سنن نسائی میں ہے کہ من غزا فی سبیل اللہ وھو لا ینوی الا عقالا فلہ ما نوی اور طبرانی میں حضرت صہیب سے مروی ہے ایما رجل تزوج امراۃ فنوی ان لا یعطیہا من صداقہا شیئا مات یوم یموت وھو خائن* اور طبرانی ہی میں حضرت ابو امامہ سے یہ بھی مروی ہے کہ من ادان دینا وھو ینوی ان یؤدیہ ادی اللہ عنہ یوم القیامۃ و من ادان دینا وھو ینوی ان لا یؤدیہ بعثہ اللہ سارقا۔

ورق (۳۸) سے اماطۃ الاذی البین پر جو شیخ عثمان کے اعتراضات تھے ان کا جواب شروع ہوتا ہے یہ بڑا تفصیلی جواب ہے جو آخر کتاب تک چلا گیا ہے شیخ عثمان نے جو ذمیوں کے بارے میں لکھا تھا کہ ان سے جو مسلمانوں کا عہد ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک عہد ہے ترک قتال کا اور دوسرا ان سے

* وھو زان و ایما رجل اشتری من رجل بیعا فنوی ان لا یعطیہ من ثمنہ شیئا مات یوم یموت

عدم تعرض کا۔ مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ کسی عالم نے آج تک عہد کی دو قسمیں بیان نہیں کی ہیں (ورق ۲۴) بلکہ علماء کی تصریح کے مطابق معاہدہ عمریہ میں سے جب ایک دفعہ کی بھی ذمی خلاف ورزی کریں گے نقض عہد کے مرتکب سمجھے جائیں گے۔ مفتی الحنفیہ تلمیذ ابن الہمام علامہ قاسم بن قطلوبغا نے تخریج احادیث الاختیار میں لکھا ہے۔ ینبغی للامام اذا عقد الذمۃ ان یعقد ما علی ما عقدہا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وان ینقض العہد بحل مابہ خلاف ذلک (ورق ۹۰) اور علامہ سبکی نے تصریح کی ہے۔ لیس لاحد من الائمۃ بعدہ (ای بعد عمر) ان یصالحہم بدون شیٔ من الشروط التی شرط عمر رضی اللہ عنہ وجمیع اھل الذمۃ انما ھم جارون علی شروط عمر رضی اللہ عنہ کانا لا نعرف احدا بعدہ من الائمۃ عقد لہم عقدا یخالف عقدہ بل کل الائمۃ یعتمدون شروطہ ویجرون علیہا (ورق ۹۵) اور اس معاہدہ کے متن کی آخری دفعہ میں خود ذمیوں نے تسلیم کیا تھا۔ فان نحن خالفنا شیئا مما شرطناہ لکم فضمناہ علی انفسنا فلا ذمۃ لنا وقد حل لکم ما یحل لکم من اھل المعاندۃ والشقاق (اخرجہ الحافظ) ابو علی محمد بن سعید الحرانی فی تاریخ الرقۃ وابن حزم فی محلاہ (ورق ۹۰)

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مصنف کو ان دو مسئلوں میں ان کی صحت کی بابت اس درجہ یقین ہے کہ وہ شیخ عثمان مذکور کو ان کی حقانیت کا فیصلہ چکانے کے لئے پورے جزم و یقین کے ساتھ مباہلہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ چنانچہ ورق (۷۰) پر فرماتے ہیں۔

فانی الآن ارید بمنا بعۃ النبی صلی اللہ والہ وسلم المباھلۃ مع الخصم فلیات الخصم بیاھلنا فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین

۱۲۱۲ھ

(۱۵) **نشیج الضحی فی قص اللحی** تقطیع خورد، تعداد اوراق (۹) کتابت مناسب، سرورق پر خود مصنف کے قلم سے اس رسالہ کا نام تحریر ہے اور نیچے مہر ثبت ہے ورق (۵) پر مصنف کے قلم سے حاشیہ پر اصل کتاب میں اضافہ بھی ہے

نشیج الضحی بھی تاریخی نام ہے جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۲ھ نکلتا ہے۔ مصنف نے اس رسالہ میں داڑھی کے ایک مشت سے کم کرنے کی حرمت شرعیہ کو بیان کیا ہے۔

(۱۶) وصول الغنا فی تحریم الدفوف مع الجلاجل والغنا تقطیع خورد۔ کتابت متوسط

تعداد اوراق (۱۷)

سرورق پر خود مصنف کے قلم سے تحریر ہے۔ وصول الغنا فی تحریم الدفوف مع الجلاجل والغنا للفقیر ابراہیم عفی عنہ وھی رد رسالۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللطیف الشافعی الاحسائی المدعی جذب التتن فی استحسانہ واباحتہ الدفوف والغنا الموسیقی والجلاجل والصلاصل والاوطار

شیخ عبدالرحمٰن احسائی نے گانے اور دف بجانے کے جواز پر ایک رسالہ لکھا جو مصنف کے رسائل کے ساتھ مجلد ہے مصنف کا یہ رسالہ اس کے رد میں ہے۔

اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آخری ورق پر مصنف کے قلم سے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے ثقہ فی الحدیث ہونے کے بارے میں تخریج احادیث الاختیار سے حسب ذیل منقول ہے۔

فنقل المزی فی کتابہ تہذیب الکمال عن یحیی بن معین انہ قال ابو حنیفہ ثقۃ فی الحدیث وروی ابن خسرو فی مسندہ حدثنا المشایخ ابو منصور الشیخی قال حدثنا القاضی ابو القاسم التنوخی حدثنا ابی حدثنا ابو بکر حدثنا احمد سمعت یحیی ابن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفہ اثقۃ ھو فی الحدیث فقال نعم ثقۃ کان واللہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرا من ذلک، وسئل عن ابی یوسف فقال صدوق ثقۃ وروی الامام الاجل عبد الخالق تاج الدین بن اسد بن ثابت فی معجمہ حدثنا محمد بن احمد بن محمد بن عمر الصوفی الباغبان باصبہان حدثنا عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مندہ اجازۃ (واخبرنا) محمد بن ابی زید بن محمد یعرف بحکۃ باصبہان حدثنا ابو نصر محمد بن ابی السرجاء بن ابی النصر الموذب حدثنا عبد الرحمٰن بن مندۃ حدثنا عبد الصمد القاضی حدثنا نصر بن احمد المطوعی ابو منصور حدثنا ابو القاسم احمد بن حم الفقیہ سمعت عبد اللہ بن محمد المصری یقول سمعت یحیی بن معین یقول ابو حنیفہ ثقۃ فی الحدیث وابو یوسف کذلک وھو اکثر حدیثا واما مناقبہ وفضائلہ

کالبدر لا تختفی لیلا اشعتہ الا علی اکمہ لا یعرف القمرا

وقال فی التہذیب روی نصر بن علی الخزیمی قال الناس فی ابی حنیفۃ حاسد وجاھل

واحسنہم عندی الجاھل ۱۲ تخریج احادیث الاختیار فی بیان حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ للعلامۃ قاسم بن قطلوبغا الوحمی الحنفی

(۱۷) ھدایۃ الناس فی ابقاء الشعر علی الراس ، تقطیع خورد، کتابت بخط دیوانی تعداد اوراق (۱۰)

میرے خیال میں یہ پورا رسالہ خود مصنف کے قلم سے لکھا ہوا ہے جا بجا حواشی پر اصل کتاب میں اضافے بھی کیے ہیں اس رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ سر پر بال رکھنا اور ان کو سر سے نیچے تک چھوڑے رکھنا مسنون ہے اور عزیمت میں داخل ہے اور بلا ضرورت سر منڈوانے کی اگرچہ رخصت ہے تاہم چونکہ وہ خوارج کا شعار رہ چکا ہے اس لیئے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

خاتمہ میں مصنف نے تصریح کی ہے کہ یہ رسالہ چوتھائی دن سے کچھ زیادہ دیر میں تمام ہو گیا اور مصنف کو خواب و بیداری کے درمیانی عالم میں اس کی تاریخ تالیف اعانتی قوم الھام ہوئی جس سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۰۸ نکلتا ہے۔

بقیہ

انڈیا آفس لائبریری لندن

صفحہ ۵۴۸ سے آگے

جن کی تعمیر و ترقی میں ہمارے گذشتہ پچاس سال صرف ہوئے تھے۔ اس لائبریری کی ایک کتاب بھی پاکستان کو نہیں مل سکی۔ حیدر آباد اور بمبئی سے لے کر کلکتہ اور دلی تک بیسیوں کتب خانے موجود ہیں۔ جن کا بٹوارہ نہیں ہو سکا۔ تو پھر انڈیا آفس لائبریری کو ہندوستان منتقل کرنے پر پاکستان کو آیا کچھ مل جائے گا؟

نادر مخطوطات

محقق العصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی (رحمہ اللہ)

پرانے زمانے میں شرفاء کا دستور تھا کہ وہ عام طور پر اپنے بچوں کو تین چیزوں کی تعلیم دلایا کرتے تھے۔

(۱) خوشنویسی (۲) طب (۳) شاعری۔

بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں شخصی سلطنت کا دور دورہ تھا اور یہ تینوں چیزیں حکام وقت کے تقرّب میں بڑی ممد و معاون تھیں اس لئے عام طور پر شرفا ان ہی تین پیشوں کو اختیار کیا کرتے تھے، سرکار دربار میں خوشنویس، طبیب اور شاعر کی بڑی قدر تھی، طبیب کی ضرورت سے تو کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ دفع مرض کے لئے سب کو معالج کی ضرورت پڑتی ہے اور امراء کو تو اپنی عیاشی کے لئے بھی ان کی خدمات درکار تھیں، شاعری اصل میں تو اپنے جذبات کے اظہار کا ایک مؤثر ذریعہ ہے جس سے سامع اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن شخصی اقتدار کے زمانے میں شاعری نے نشر و اشاعت کا محکمہ سنبھال رکھا تھا۔ یہ اپنے ممدوح کی عزّت و اجلال اور اس کے رعب و دبدبہ کے اظہار کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ اس لئے ہر دربار میں شاعروں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ پھر اس زمانہ میں طباعت کا سلسلہ نہ تھا اور بعد کو جب طباعت کا فن ایجاد ہوا تو اس کو رواج پانے میں ایک مدت لگ گئی اس لئے ہر ملک میں کاتبوں کی بڑی تعداد پائی جاتی تھی کہ تعلیم و تعلم کا دار و مدار تمام تر کتابت ہی پر تھا پھر مسلمانوں میں فن کتابت کو اس لئے بھی ترقی ہوئی کہ ہماری شریعت نے تصویر کشی کی ممانعت کردی ہے، لہٰذا مسلمانوں نے اپنے ذوق لطیف کی پذیرائی کے لئے اپنی تمام مساعی کو خط حسین و جمیل بنانے کے لئے وقف کردیا اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کاوشوں کا جائزہ لینا ہو تو تذکرہ خوشنویساں اور تاریخ خط و خطاطان پر جو کچھ عربی فارسی اور اردو میں لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہئیے۔

ہندوستان میں مسلمانوں میں عام طور پر تین خطوں کا رواج تھا۔

(۱) خط نسخ جس میں قرآن مجید کی کتابت ہوتی ہے۔

(۲) خط شفیعہ یا خط شکست جس کو خط دیوانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ سرکاری دفاتر کا عام خط یہی تھا۔

(۳) خط نستعلیق جس میں تمام اردو اور فارسی کی کتابیں لکھی جاتی تھیں اور اسی خط کو سب سے زیادہ قبولیت

حاصل تھی۔ اور آج بھی ہندو پاک میں اسی خط کو رواج عام کی سند حاصل ہے۔

غرض طب، شاعری اور خوشنویسی یہ تین پیشے ایسے تھے کہ جن کو عام طور پر ہندوستان میں شرفاء اختیار کیا کرتے تھے، کیونکہ سرکاری ملازمت کے حصول میں ان تینوں شعبوں کا بڑا دخل تھا۔ جب کوئی امیر یا وزیر بیمار پڑتا اور کسی طبیب کے علاج سے اچھا ہو جاتا تو پھر اس طبیب کو وابستہ دولت ہونے میں ذرا دیر نہ لگتی اور فوراً ہی سرکاری طبیبوں میں ملازمت مل جاتی تھی۔ اسی طرح جب کسی شاعر نے قصیدہ مدحیہ سے اپنے ممدوح کا دل لبھایا تو سرکاری شعرا میں اس کا شمار ہوا خلعت اور صلہ سے نوازا گیا یہی خوشنویسوں کا تھا کہ جب بھی کسی جشن مسرّت یا عید وغیرہ کے موقعہ پر کوئی عمدہ وصلی لکھ کر حاکم وقت کو پیش کی اس نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پھر وابستگان دولت میں اس کو شامل کرلیا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال تک یہ تینوں فن عروج پر تھے، بعد کو انگریز کے تسلط واقتدار کے زمانے میں جہاں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوا یہ چیزیں بھی ختم ہوگئیں۔ اب نہ خوشنویس باقی رہے نہ طبیب! مگر اس کا رنگ دگرگوں ہے۔ خط کے بارے میں بعض دماغ یہاں تک سوچ رہے ہیں کہ اگر نسخ و نستعلیق کی بجائے رومن رسم خط اختیار کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اور انڈونیشیا نے تو رومن رسم خط سرکاری طور پر رائج کر ہی دیا ہے۔ مگر.........!

میں جے پور کا رہنے والا ہوں اور یہ اگرچہ ایک ہندو ریاست تھی لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ میرے بچپن میں وہاں جمعہ کی تعطیل ہوتی تھی۔ سرکاری دفاتر میں عام طور پر مسلمان ساٹھ فی صد اور فوج پولیس میں نوے فیصد تک ہوتے تھے۔ دفاتر کی زبان اردو تھی۔ لیکن اب یہ قصہء ماضی ہے۔ انگریز نے اپنی سیاست و تدبیر سے ہندو مسلمانوں کے درمیان وہ خلیج حائل کی کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوگئیں ملک تقسیم ہوگیا اور اب ہر جگہ انگریزی کا دور دورہ ہے۔

میرے والد مرحوم منشی محمد عبدالرحیم صاحب خاطر (رحمۃ اللہ تعالیٰ) اور عم بزرگوار حافظ محمد عبدالکریم صاحب حافظ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۶۵ھ جو والد مرحوم کے برادر کلاں تھے، جے پور کے نامی گرامی خوشنویسوں میں تھے، چنانچہ ''صحیفہ خوشنویسان'' کے مصنف نے ان دونوں کا تذکرہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب ''انجمن ترقی اردو ہند'' نے علی گڑھ سے ۱۹۶۳ء میں شائع کی ہے۔

والد مرحوم (۱) خوشنویس ہونے کے ساتھ صاحب نظر بھی تھے ان کی نقد و بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وصلی دیکھتے ہی یہ بتا دیتے تھے کہ یہ کس دور کے خطاط کا قلم ہے۔ قدماء متوسطین و متأخرین غرض ہر دور کے خطاطوں کی روش قلم اور شیوۂ خط کو پہچانتے تھے اور ان کی خصوصیات کو اچھی طرح واضح کرتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں وصلیاں مخلوط ملط ہو گئیں اور وصلی پر کاتب کا نام درج نہ تھا مگر انہوں نے اپنے ذوق فن اور بصیرت خط کی بنا پر سب کو علیحدہ علیحدہ کیا اور ان کے باہمی ذوق پر روشنی ڈالی۔ والد مرحوم کی وصلیوں کے جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ قدیم وجدید بہت سے خطاطوں کے نمونہ ہائے خط کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ ۴۷ء میں جب تقسیم ملک ہوئی اور سراسیمگی کے عالم میں وطن کو خیرباد کہنا پڑا تو ایک پورا ٹرنک گھر میں وصلیوں سے بھرا ہوا چھوڑا تھا۔ گذشتہ سال جب میرا جے پور جانا ہوا تو باوجود تلاش بسیار اس ٹرنک کا کچھ سراغ نہ مل سکا اُس ٹرنک میں خفی و جلی ہر قسم کے نمونہ ہائے خط کا انبار تھا۔ والد مرحوم کی مفردات سے لیکر فارغ الاصلاح ہونے تک کی تمام مشقیں استاد کی اصلاحیں بعینہٖ محفوظ تھیں اور ان کے علاوہ بہت سے خوشنویسوں کے کتبات تھے۔ پاکستان میں جو وصلیاں آسکیں ان میں متعدد وصلیاں اور منشی ہیرالال جی کا مرقع کراچی میوزیم میں داخل کیا جاچکا ہے۔ بروقت جو وصلیاں محفوظ رہ گئیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) وصلی عبید اللہ، یہ متوسط قلم سے دیباچہ، بوستان کے چھ اشعار ہیں جو نہایت ہی اعلیٰ کتابت کا نمونہ ہے۔ شیوہ خط سے استادی کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن عبید اللہ کا تذکرہ کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گذرا۔

(۲) مشق آغا مرزا۔ یہ اس مشہور مشکل قطعہ کی مشق ہے جو خوشنویسوں کے یہاں زور قلم کے اظہار کے لئے لکھا جاتا ہے۔

چینی تحت زینت خستنی زیب

بنیشینی چین تخت چین چین بے

بخش فیض بخشش بہ بنیشین بنشین

بینی بخشش فیض بخشش از

---

(۱) یہاں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ والد مرحوم کا انتقال ۱۸ر جمادی الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۴ر جنوری ۱۹۵۴ء میں کراچی میں ہوا تھا، مولوی احترام الدین شاغل نے صحیفہ خوشنویسان ص ۱۲۵ میں جو یہ لکھا ہے کہ یہیں (جے پور، راجستھان میں) انتقال ہوا صحیح نہیں ہے۔

یہ قطعہ ہم جنس الفاظ کی مشق کی بنا پر بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے پھر اس میں یکساں کششیں اور دوائر ہیں جس میں یکسانی پیدا کرنا کمال فن کی دلیل ہے۔ آغا مرزا میر پنجہ کش کے تلمیذ رشید اور خطاطان ہند میں بڑے نامی و نامور ہیں، تذکرہ خوشنویساں مولانا غلام محمد ہفت قلم آثار الصنادید سر سید اور ارژنگ چین دیبی پرشاد میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ وصلی پر اگرچہ موصوف کے دستخط نہیں لیکن والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ آغا مرزا کی مشق ہے اور جو صاحب نظر خوشنویس ہوگا اور آغا مرزا کے شیوہ سے واقف ہوگا وہ ان کے خط کو پہچان لے گا۔

(۳) وصلی ابوالمکارم قریشی، یہ نادعلیاً مظہر العجائب کے قطعہ پر مشتمل ہے ابوالمکارم قدیم خوشنویس ہیں شیوہ خط ایرانی ہے میر عماد کی روش پر لکھتے ہیں۔ اہل نظر ان کے کمال فن کی قدر کریں گے۔ یہ مخطوطہ ۱۱۷۷ھ کا ہے۔

(۴) خط غبار مرزا عباد اللہ بیگ، یہ قطعہ، یا من بک حاجتی وروحی بیدیک الخ پر مشتمل ہے، مرزا عباد اللہ بیگ میر پنجہ کش دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں۔ ان کا تذکرہ، تذکرہ خوشنویساں غلام محمد اور آثار الصنادید میں موجود ہے ان کے خط غبار کا نمونہ نایاب ہے لیکن سر کتابت کسی اور شخص نے درج کر دیا ہے جو غلط ہے۔

(۵) خط طغرا بمشکل است۔ یہ گلستان سعدی کی عبارت سے مزین ہے۔

(۶) وصلی مرزا عباد اللہ بیگ بخط جلی یہ موصوف کی ۱۲۷۲ھ شب جمعہ کی تحریر کردہ ہے، مرزا صاحب کا خط بھی بالکل نایاب ہے اور اتنے موٹے قلم کا لکھا ہوا تو کہیں نہیں ملتا۔ مرزا صاحب کا تذکرہ جیسا کہ ہم نے سابق میں تصریح کی تذکرہ خوشنویسان وغیرہ میں موجود ہے۔

(۷) وصلی رحیم اللہ صاحب۔ یہ ان کے خط جلی کا نمونہ ہے جو اس بیت پر مشتمل ہے۔

الٰہی تا جہاں باشی باقبال

جواں بخت وجواں دولت جواں سال

یہ ۱۲۹۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ رحیم اللہ صاحب آغا مرزا کے شاگرد رشید ہیں اور استاذ کے خط میں ایسا خط ملایا ہے کہ اگر اپنا نام نہ لکھیں تو پھر استاد اور شاگرد کے خط کو شناخت کرنا ہی مشکل ہو جائے۔ ان کا تذکرہ ''صحیفہ خوشنویسان'' شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند میں موجود ہے۔

(۸) وصلی رحیم اللہ صاحب مطلاء مذہب، یہ، اے آنکہ مملکت خویش پائندہ توئی والے قطعہ پر مشتمل ہے وصلی قابل دید ہے اور دہلوی اسکول کے کمال فن کا نمونہ ہے۔ سن کتابت ۱۲۹۱ھ ہے۔

(۹) وصلی محمد باقر زریں رقم یہ آنکس تراشناخت جاں راچہ کند والے قطعہ پر مشتمل ہے۔ لکھنوی اسکول کے مشہور خوشنویس ہیں۔ رحیم اللہ صاحب کا جو درجہ میر پنجہ کش کے دہلوی اسکول کے خطاطوں میں ہے وہی درجہ ان کا حافظ نور اللہ صاحب لکھنوی کے لکھنوی روش خط کے اساتذہ میں ہے یہ غالباً دو واسطوں سے حافظ نور اللہ صاحب کے شاگرد ہیں ان کا تذکرہ صحیفہ خوشنویساں میں ہے۔

(۱۰) وصلی محمد یعقوب صاحب مطلاّ جو دنیا بہ نگاہ چشم بینا نفسے، والے قطعہ پر مشتمل ہے۔ ان کا نام اگرچہ وصلی میں تحریر نہیں لیکن والد مرحوم نے یہی فرمایا تھا کہ یہ رحیم اللہ صاحب کے فرزند ہیں اور صاحب نظر جانتے ہیں کہ بیٹی کی روش باپ ہی کے طریقے پر ہوتی ہے اور وہ خوشنویسی میں ان ہی کے قدم بقدم ہیں ان کا تذکرہ بھی صحیفہ خوشنویساں میں موجود ہے۔ اگرچہ مؤلف صحیفہ نے انکو میر پنجہ کش صاحب کا شاگرد لکھا ہے اور ان کا وطن دہلی بتایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ والد مرحوم کی تحقیق درست ہے ان کا وطن الور تھا ان کی بعض وصلیاں بہاولپور کے مرکزی کتب خانہ میں بھی موجود ہیں۔

(۱۱) وصلی میر پنجہ کش دہلوی مطلاّ جن کا اصل نام سید محمد امیر رضوی ہے۔ یہ "قل ھو اللہ" پر مشتمل ہے۔ اور سال تحریر ۱۲۵۷ھ ہے میر صاحب کا نام نامی بزم خوشنویساں میں محتاج تعارف نہیں، تذکرہ خوشنویساں غرض تمام کتابوں میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۱۲) مشق میر پنجہ کش موصوف۔ یہ وصلی حسب ذیل مشقوں پر مشتمل ہے۔

(ا) تین تختیوں کی مشق ہے یعنی اب بابت حاجت کی۔

(ب) یاقنبر کنت الماس لی حضرت الیوم مثلی الخ

(ج) شب در بوستان با یکے از دوستاں اتفاق مبیت افتاد۔

(د) کئی جگہ پر میر صاحب کے دستخط ہیں۔ فقیر محمد امیر رضوی "مشقہ العبد محمد امیر رضوی وغیرہ۔

(ہ) پشت پر روشنائی تیار کرنے کا نسخہ مرقوم ہے۔

اہل فن اساتذہ کی مشق کے دل و جان سے عاشق ہوتے ہیں کیونکہ بعض وقت مشق میں کوئی حرف ایسا نکل جاتا ہے کہ بالقصد لکھ دینا دشوار ہوتا ہے۔

(۱۳) وصلی محمد عبدالحق، جلی قلم یہ ۱۳۲۲ھ کی لکھی ہوئی کلمہ طیبہ کی تحریر ہے یہ والد مرحوم کے معاصر خوشنویس ہیں اور دہلی اسکول کی روش پر لکھتے ہیں اغلب یہ ہے کہ منشی رحیم اللہ صاحب یا ان کے صاحبزادے کے شاگرد ہیں اس وقت یاد نہیں کہ والد مرحوم نے ان کے بارے میں کیا کہا تھا۔

(۱۴) وصلی رستم خان یہ ۱۱۷۷ھ کی لکھی ہوئی ہے اس لحاظ سے کاتب حافظ نوراللہ اور میر پنجہ کش سے پہلے کا ہے۔ طرز خط ایرانی ہے، کتب تذکرہ مذکورہ بالا میں اس خطاط کا تذکرہ نہ ملا۔ اس وصلی میں حسب ذیل ایک قطعہ لکھا ہوا ہے۔ اب رخ درس ہوش ودرزاں۔ اس قطعہ میں صفت یہ ہے کہ جملہ مفردات کی مشق ہو جاتی ہے الف سے لیکر یا تک تمام حروف الگ الگ اس میں آ گئے ہیں ایسے صرف دو قطعے استادان فن کے یہاں زیر مشق رہتے تھے ایک یہی قطعہ اور دوسرا۔ شراب موج زند در لباس ہر مدہوش کہ جس کو نظم پردین میں نقل کیا گیا ہے۔

(۱۵) وصلی رام دھن یہ نادعلیا پر مشتمل ہے اور دہلوی اسکول کی نزاکت ورعنائی کی حامل ہے۔ سنہ کتابت ۱۲۶۳ھ ہے خط کی خوبی کا اندازہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ منشی رام دھن آغا مرزا کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ان کے خط میں وہی استاذ کی شان نمایاں ہے ایرانی کاتب ابوالمکارم اور رام دھن دونوں کی نادعلی کو سامنے رکھ کر ہندوستانی اور ایرانی روش خط کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۶) وصلی ملا محبوب۔ یہ نسخ کی وصلی ہے اور بہت خوب ہے ان کا تذکرہ کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

(۱۷) وصلی آقا عبدالرشید دیلمی۔ آقا رشید کا نام محتاج تعارف نہیں۔ افسوس ہے کہ اس وصلی پر ممدوح کے دستخط ثبت نہیں۔ مگر والد مرحوم نے جزم ویقین سے اس کو آقا کی وصلی ہی بتایا تھا۔ اور ان کے اس دعویٰ کی تصدیق آقا کی دوسری وصلیوں سے اس وصلی کو ملا کر اور خوب اچھی طرح ان کو دیکھ کر کی جا سکتی ہے صاحب نظر خوشنویس تو دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ آقا کا خط ہے۔

(۱۸) وصلی حافظ ابراہیم دہلوی۔ یہ مشہور ومعروف خطاط ہیں ان کا تذکرہ مولانا غلام محمد نے تذکرہ خوشنویساں میں کیا ہے لیکن محشی سے ان کے عہد کے تعین میں خطا ہوئی ہے۔ مولانا غلام محمد لکھتے ہیں۔

"حافظ ابراہیم مرد خلیق ومتقی ومتورع، نستعلیق ونسخ بر وضع خوب می نوشت کہ کتابت شیریں ودلچسپ می نمود علاقہ کتابت بحضور داشت، واز استادان مرشد زادگان بودہ است" ص ۶۸۔

''مراد از لفظ حضور دریں کتاب ہر جا کہ ذکر شود ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی است کہ از سنہ ہزار ودویست وبست ویک الی سنہ ہزار ودویست وپنجاہ وسہ در قلعہ دہلی ریاست داشت''

معین الدین در ہندوستان شاہزادہ را بلفظ مرشد زادہ خطاب می نمائند و دریں مورد اشارہ بہ پسران ابوالنصر اکبر شاہ ثانی است'' ۶۸۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حضور سے یہاں مراد شاہ عالم ثانی (جن کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ حکومت شاہ عالم از دلّی تا پالم) ہیں اور مرشد زادگان سے ان کی اولاد۔

یہ وصلی تاریخی وصلی ہے جو حافظ ابراہیم نے شاہ عالم ثانی کے ورود دہلی پر ۱۱۸۵ھ میں لکھ کر پیش کی تھی۔ شاہ عالم ثانی شروع میں یورپ میں مارے مارے پھرتے رہے اور پھر ۱۱۸۵ھ میں دہلی کے تخت پر متمکن ہوئے یہ قطعہ ان کی آمد کے موقع پر حافظ موصوف نے بطور تہنیت لکھ کر پیش کیا تھا جس کا آغاز اس طرح ہے۔

زہے خرم ایام وخوشتر لیالی

کہ آمد خداوند ملک وموالی

اور آخیر میں یہ شعر ہے۔

چنیں سال تاریخ جستم کہ باوا

مبارک قدوم شہنشاہ عالی

مصرعہ اخیر ''مبارک قدوم شہنشاہ عالی'' سے ۱۱۸۵ھ نکلتا ہے جو شاہ عالم کے درود دہلی کی تاریخ ہے اور وصلی پر بھی یہی سنہ تحریر ہے۔ آخر میں خود کاتب کے دستخط ان الفاظ میں ہیں قائلہ وکاتبہ حافظ ابراہیم۔ یہ دستخط نسخ میں ہیں اور اس طرح حافظ صاحب نے نسخ و نستعلیق دونوں میں خوشنویسی کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔

(۱۹) وصلی بخط نسخ۔ کاتب کا نام درج نہیں طرز خط یاقوت مستعصمی کی روش پر ہے۔ اس میں موئے قلم سے جو کام کیا گیا ہے اور سونے کے حروف جس طرح بنائے گئے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔

(۲۰) وصلی خدایار۔ یہ خوشنویس خط نستعلیق کا خدائے فن معلوم ہوتا ہے۔ ابا میاںؒ جب کبھی اس کی وصلی دیکھتے تھے تو دیر تک دیکھتے رہتے اور پھر اس کے نوک پلک کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے، حیدر آباد دکن کے مشہور خوشنویس میر قادر علی صاحب نے جو شہر یار دکن کے زمرہ خوشنویساں میں ملازم اور ممتاز عہدہ پر مامور تھے اس

وصلی میں بعض مٹے ہوئے حروف پر سیاہی بھرنے کی کوشش کی لیکن وہ جس طرح اس مقصد میں ناکام رہے وصلی پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ خدایار کا تذکرہ ''صحیفہ خوشنویساں'' میں موجود ہے۔

(۲۱) وصلی سراج رقم۔ پورا نام محمد ابراہیم علی سراج رقم ہے۔ کاتب کے بارے میں مزید تفصیل معلوم نہیں سنہ کتابت غالباً ۱۲۴۳ھ ہے یہ وصلی اللہ و محمد علی و حسنین پر مشتمل ہے۔

(۲۲) قطعہ...... بخوبی ہمچو مہ تابندہ باشی۔ یہ منشی پنالال تلمیذ منشی بہاری لال تلمیذ میر پنجہ کش کا لکھا ہوا ہے۔ ان کا تذکرہ صحیفہ خوشنویساں میں ہے۔

(۲۳ تا ۲۵) وصلی شیریں رقم۔ اس میں شک نہیں ان کی تحریر تنوینی ہے۔ شیریں رقم کے باب میں [illegible] کوئی اطلاع نہیں۔ ان کا نام عابد علی تھا۔ ان کی تین وصلیاں ہیں۔

(۲۶، ۲۷) مفردات کی تختی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہست کلید در گنج حکیم کاتب کا نام معلوم نہیں مگر خط میں پختگی اور صفائی ہے۔

(۲۸) وصلی فضل الرحمٰن خان۔ یہ خط نسخ و طغرا دونوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صلوٰۃ تنجینا مرقوم ہے۔ وصلی قابل دید ہے۔ مولوی فضل الرحمٰن خان کا تذکرہ، تذکرہ کاملان رام پور اور صحیفہ خوشنویساں میں موجود ہے۔

(۲۹) وصلی عماد الدین احمد...... یہ ''بابت'' کی تختی ہے اور خوشنویس کے کمال فن پر شاہد ہے۔ عماد الدین مذکور کے متعلق ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ کس عہد کے ہیں اور کون ہیں۔

اب یہ سب وصلیاں برادر عزیز مظفر لطیف کے قبضہ میں ہیں اور وہی ان کے مالک ہیں ان ہی کی فرمائش پر ان وصلیوں کا تعارف ایک نشست میں لکھ دیا گیا ورنہ اگر خصوصیات خط و خطاطاں پر تفصیل سے سیر حاصل بحث کی جاتی تو مضمون طویل ہو جاتا۔ پھر اب یہ فن تقریباً ختم ہو چکا ہے نہ لکھنے والے رہے نہ سمجھنے والے اس لئے تفصیل پر طبیعت آمادہ نہ ہو سکی۔

حساب و تقویم

مقالات

کیا حساب تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ کا تعین ہو سکتا ہے؟

از جناب مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی

فرنگیوں کے دور اقتدار سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کا عام رواج تھا، اور روزمرہ کی زندگی میں تمام چھوٹے بڑے واقعات کے سلسلہ میں ہم اسی سنہ کے ماہ و تاریخ کو استعمال کیا کرتے تھے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق تمام مسلمان مورخین واقعہ نگاری کے سلسلہ میں ہر دن کی وہی تاریخ قلمبند کرتے تھے جو اس روز ان کے یہاں رویت ہلال کے شرعی ثبوت کی بناء پر ہوتی تھی، لیکن فرنگیوں کے عہد اقتدار میں ہمارے ملک میں سنہ عیسوی میلادی کا اتنا رواج ہوا کہ اس نے ہماری روزمرہ کی زندگی میں وہی جگہ لے لی جو اس سے پہلے ہمارے یہاں سنہ ہجری نبوی کی تھی، اور اسی انقلاب کا اب یہ اثر ہے کہ ہمارے مصنفین جب گذشتہ واقعات کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو پہلے دن اور تاریخ کا تعین سنہ مسیحی میلادی سے کرتے ہیں، پھر اگر ضرورت ہوتی ہے تو کسی تقویم کی مدد سے جو اسی کلیۂ حسابی پر مبنی ہوتی ہے، جو سنہ مسیحی میلادی کے اعتبار سے دن اور تاریخ کے استخراج کے لیے وضع کیا گیا ہے،

سنہ ہجری نبوی کے دن اور تاریخ کو مطابق کر دیتے ہیں، اس طرز عمل سے بعض لوگوں کو یہاں تک
ہو گئی ہے کہ مسلمان مورخین نے واقعات کے سلسلہ میں جس دن اور تاریخ کا ذکر کیا ہے اگر وہ
کلیۂ حساب کے مطابق نہ ہوں تو قطعاً غلط ہیں، اسی غلط فہمی میں انھوں نے بہت سے مسلم
کا نہایت شد و مد سے انکار کیا ہے، جو سراسر ان کی نادانی اور علم تقویم سے ناواقفیت کا نتیجہ
ہر مسلمان جانتا ہے کہ "تاریخ ہجری" میں مہینوں کا شمار "رویت ہلال" سے ہوتا ہے نہ کہ
حساب و شمار سے، اس لیے تمام مسلمان مورخین واقعات کی تفصیلات بتاتے وقت اسی دن
کا ذکر کرتے ہیں جو رویت ہلال کے حساب سے اس وقت ان کے یہاں ہوتی ہے، اور اہل علم
ہیں کہ اختلافِ مطالع کے اعتبار سے چاند دیکھنے میں مختلف ملکوں کے اندر ایک دو دن کا فرق
معمولی بات ہے، اس لیے ایک دو دن کے معمولی فرق کی بنا پر مورخین کی تکذیب کرنا دانشمندی نہ

رویت ہلال سے تعیین اوقات "رویت ہلال" سے تعیین اوقات کی تعلیم خود قرآن عظیم میں موجود ہے:

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، قُلْ	آپ سے لوگ نئے چاندوں کے بارے میں دریافت
هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ	کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لیے
	اور حج کے لیے مقررہ اوقات ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات یا شرعی حسابات سب میں دنوں، مہینوں اور
تاریخوں کا حساب رویت ہلال سے ہوگا، ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی تفسیر بحر
آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

معنی آنست، بگو ماہہائے نو از بدائع	معنی یہ ہیں کہ آپ فرمائیے، ماہہائے نو زال
مخلوقات است، مر مرداں را علامات	مخلوقات میں سے ہیں، یہ لوگوں کے لیے
اوقات است کہ بداں تقدیر ناسہائے	اوقات کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ

طول دنیا و مدت عمرہا و عدت زنان و مدت حمل و اوضاع ایشاں و ماہ رمضان کہ ماہ صیام است و ماہ عید کہ از شعائر اسلام است و حولان حول کہ شرط وجوب زکوٰۃ است و مانند آں بدانند، و اقامت وظائف دنیا و دین و معرفت شہور و سنین بجا آوردن و محافظت کردن توانند

قرضوں کی میعاد کے مناسب اندازے، عمروں کی مدت، عورتوں کی عدت، ان کے خاص حالات، حمل کی مدت، ماہ رمضان جو روزوں کا مہینہ ہے، ماہ عید جو شعائر اسلام میں سے ہے سال کا اتمام جو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے مشروط ہے، اور اسی طرح دوسری چیزیں معلوم کرتے ہیں اور دین و دنیا کے کاروبار، مہینوں اور سالوں کا پہچاننا اور انکی نگہداشت کرنا انہی کی بدولت ان کے لیے ممکن ہوتا ہے،

و علامت وقت حج و زیارت بیت حرام کہ از معظمات ارکان اسلام است دو ماہ شوال و ذی القعدہ و دہ روز ذی الحجہ از غرۂ شوال یعنی از عید فطر تا عید اضحیٰ، و در وے اعمال حج از سنن و واجبات و فرائض مودی شود [1]

نیز یہ حج و زیارت بیت اللہ کے وقت کی علامت ہیں، جو اسلام کے بڑے ارکان میں سے ہے، یعنی شوال اور ذیقعدہ کے دو مہینے اور ذی الحجہ کے دس دن جو غرہ شوال یعنی عید فطر سے لیکر عید قرباں تک کا زمانہ ہے اسی زمانہ میں حج کے اعمال اور اس کے سنن واجبات و فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔

---

[1] تفسیر بحر مواج، ج ۱ ص ۲۰۹ طبع نولکشور ۱۲۹۷ھ، اس کتاب کے قلمی نسخے ہند و پاک کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں ایت عمدہ تفسیر ہے، اور ہندوستان کے علمی کارناموں میں ایک شاندار کارنامہ ہے، کاش کوئی علمی ادارہ اس اہم تفسیر کو شائع نے پر آمادہ ہو جاتا، مطبع نولکشور میں اسکی صرف پہلی جلد چھپی ہے اور وہ بھی اغلاط سے مملو ہے، پوری کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے۔

اگرچہ مواقیت کے عموم میں حج بھی آجاتا ہے لیکن خاص طور پر اس کا دوبارہ اس لیئے ذکر کیا گیا

زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حساب شمسی کے مطابق حج کرنا شروع کر دیا تھا، اور حساب شمسی سے مطابقت

سے نسئی (لوند) سے کام لیکر قمری مہینوں میں ادل بدل کر دیا کرتے تھے، اس لیئے اللہ تعالیٰ نے خصو

کے ساتھ حج کے بارہ میں بھی انھیں رویت ہلال سے حساب لگانے کا پابند بنا دیا، علمار نے تصریح کی ہ

ہلال کا اہتمام وانضباط فرض کفایہ ہے، تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تمام کاروبار میں ماہ و

دن اور تاریخ کی تعیین کے لیئے ہمیشہ "رویت ہلال" کا اعتبار کیا ہے، موجودہ زمانے میں ہمارے ملک

سنہ عیسوی شمسی رائج ہے، یہ انگریزوں کے دور کی بری یادگار ہے، اور عام مسلمانوں کا بلا ضرور

ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی کو اختیار کر لینا بڑے افسوس کی بات ہے،

امت مسلمہ کے تمام فرقوں کا (باستثنار شیعہ اسماعیلیہ) اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام احکام

دارومدار "رویت ہلال" پر ہے، نہ کہ حرکت قمری کے حساب وشمار پر، علامہ مؤرخ مقریزی اپنی مش

کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار میں لکھتے ہیں:-

وقد عرفت ان شهور تاريخ	اور تم جان چکے ہو کہ تاریخ ہجرت کے مہینے قمری
الهجرة قمرية وايام كل سنة	ہیں، اور اس کے ہر سال کے ایام کی تعداد
منها عدتها ثلاث مائة واربعة	تین سو چوّن ۳۵۴ دن اور ایک خمس (۱/۵) اور
وخمسون يوما وخمس وسدس	ایک سدس (۱/۶) دن ہے، اور سارے
يوم وجميع الاحكام الشرعية	اسلامی فرقوں کے نزدیک تمام احکام شرعیہ
مبنية على رؤية الهلال عند	چاند دیکھنے ہی پر موقوف ہیں سوائے شیعہ
جميع فرق الاسلام ما عدا الشيعة	(باطنیہ) کے کہ ان کے یہاں احکام شرعیہ
فان الاحكام مبنية عندهم	کا دارومدار سال کے ان

على عمل شهور السنة بالحساب
على ما استقراه في ذكر القاهرة
وخلفائها۔
ثم لما احتاج منجموا الاسلام
الى استخراج مالابد منه من
معرفة الاهلة وسمت القبلة
وغير ذالك بنوا ازياجهم على
التاريخ العربي، وجعلوا شهور
السنة العربية شهراً كاملاً و
شهراً ناقصاً وابتدؤا بالمحرم اقتداءً
بالصحابة فجعلوا المحرم ثلاثين
يوماً وصفر تسعة وعشرين يوماً
وربيع الاول ثلاثين يوماً وربيع
الآخر تسعة وعشرين يوماً
وجمادى الاولى ثلاثين يوماً
وجمادى الآخرة تسعة وعشرين
يوماً ورجب ثلاثين يوماً، وشعبان
تسعة وعشرين يوماً، ورمضان
ثلاثين يوماً، وشوال تسعة و

مہینوں پر ہے جو حساب سے بنتے ہیں جیسا کہ
قاہرہ اور وہاں کے خلفاء کے تذکرہ میں
تمکو معلوم ہوگا،
پھر جب منجمین اسلام کو ضروری چیزوں کے
دریافت کرنے کی حاجت پیش آئی، جیسے
ہلالوں کا معلوم کرنا یا سمت قبلہ وغیرہ کا
پتہ چلانا تو انھوں نے اپنی زیچوں (تقویموں)
کی بنا تاریخ عربی پر رکھی اور عربی سال کے
مہینے اس طرح قرار دیے، کہ ایک مہینہ کامل
(یعنی تیس دن) اور ایک مہینہ ناقص
(یعنی انتیس دن کا) اور سال کی ابتداء
صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں محرم سے رکھی،
چنانچہ محرم کو تیس دن کا قرار دیا اور صفر کو انتیس
دن کا، اور ربیع الاول کو تیس دن کا اور ربیع الآخر
کو انتیس دن کا، اور جمادی الاولیٰ کو تیس دن کا
اور جمادی الآخر کو انتیس دن کا، اور رجب
کو تیس دن کا اور شعبان کو انتیس دن کا،
اور رمضان کو تیس دن کا اور شوال
کو انتیس دن کا، اور ذیقعدہ کو تیس دن کا

عشرین یوماً، وذا القعدة ثلاثین یوماً، وذا الحجة تسعة وعشرین یوماً، وزادوا من اجل کسر الیوم الذی ھو خمس وسدس یوماً فی ذی الحجة اذا صار ھذا الکسر اکثر من نصف یوم فیکون شھر ذی الحجة فی تلک السنة ثلاثین یوماً، ویسمون تلک السنة کبیسة ویصیر عددھا ثلاث مائة و خمسین، ویجتمع فی کل ثلاثین سنة من الکبیس احد عشر یوماً، واللہ تعالیٰ اعلم[1]

اور ذی الحجہ کو انتیس دن کا، اور ایک دن کی اس کسر کی بنا پر جو ایک خمس (⅕) اور ایک سدس (⅙) کی وجہ سے ہوتی ہے، ذی الحجہ میں ایک دن کا اضافہ اس طریقہ سے کر دیا کہ جب یہ کسر نصف دن سے زیادہ ہو جائے تو اس سال کا ماہ ذی الحجہ تیس دن کا ہوگا اور اس سال کو "سال کبیسہ" کہتے ہیں، اور یہ سال تین سو پچپن دن کا ہوتا ہے، اور ہر تیس سال میں کبیسہ کے جملہ دن گیارہ ہوتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

منجموں کے اصول پر تقویم سازی کا طریقہ

اس تفصیل سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ منجمین نے جس اصول پر اپنی تقویم کو مرتب کیا ہے وہ اور ہے اور مسلمانوں میں جس اصول پر مہینوں کا شمار ہے وہ اور ہے، اسلامی شریعت کے اعتبار سے سال کا ہر مہینہ ایک رویت ہلال سے شروع ہو کر دوسری رویت ہلال پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن منجموں کے یہاں قمر کے بارہ دوروں کی مجموعی مدت کو جو تین سو چوّن (۳۵۴) دن اور ایک خمس اور ایک سدس دن پر مشتمل ہے بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے بارہ مہینے بناتے ہیں، اور چونکہ اس مدت کی تقسیم بارہ مساوی حصوں پر بغیر کسر کے نہیں ہو سکتی اس لیے اس کسر کو دور کرنے کے لیے

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور عنوان "تاریخ العرب" ص ۳۰۵ و ۳۰۶

انھیں پورے تیس سال کا حساب لگانا پڑتا ہے، اور پھر تیس سال کے مجموعۂ ایام کو حسب قاعدہ سابقہ اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ پہلا مہینہ ہمیشہ تیس دن کا شمار کرتے ہیں اور دوسرا ہمیشہ انتیس دن کا، البتہ سال کبیسہ میں ذی الحجہ کو بھی تیس ہی دن کا مانتے ہیں اسکی تفصیل ابوریحان بیرونی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے، وہ لکھتے ہیں:-

واما تاريخ الهجرة فى الاسلام	اور اسلامی تاریخ ہجرت جب ہمیں مطلوب
فانا اذا أردنا ان قسمنا ايامه	ہو تو اس تاریخ کے ایام محصلہ[1] کو قمر کے
المحصلة على سنة القمر الوسطى	سنہ وسطی پر جو تین سو چون ۳۵۴ دن اور ایک
وهى ثلاثمائة واربعة وخمسون	خمس اور ایک سدس دن کا ہوتا ہے،
يوما وخمس وسدس بان نضربها	ہم تقسیم کردیں گے، اس طریقہ پر کہ پہلے انکو
فى ثلاثين، وهو اقل عدد له	تیس میں ضرب دیں گے، کیونکہ تیس ہی وہ سب سے
خمس وسدس ونقسم المجتمع	چھوٹا عدد ہے جس میں خمس بھی ہو اور سدس بھی،
على عشرة آلاف وستمائة	اور پھر دس ہزار چھ سو اکتیس کے مجموعہ کو (جو
وأحد وثلاثين وهو مضروب	تین سو چون کو تیس میں ضرب دینے سے حاصل
ثلاثمائة واربعة وخمسين فى	ہوتا ہے، مع ان گیارہ دنوں کے جو تیس خمس
ثلاثين مضافا الى ما اجتمع	اور تیس سدس کا مجموعہ ہیں) تقسیم کردیں گے.
احد عشر التى هى مجموع خمسها	اب جو خارج قسمت ہوگا وہ مکمل قمری
وسدسها فما خرج فسنون	سال ہوں گے، اور جو باقی بچے گا وہ وہ
تامة قمرية وما بقى فايام	دن ہوں گے جو تیس میں ضرب دینے سے

[1] ایام محصلہ سے مراد آغاز تاریخ سے لیکر یوم مطلوب تک دنوں کی مجموعی تعداد ہے۔

مضروبة فی ثلاثین فاذا قسمناها علی ثلاثین عاد القسم ایاماً فناخذ منها للشهر ثلاثین یوماً وللشهر تسعة وعشرین ونبتدئ من المحرم، وما بقی لا یتم شهراً فهو ما مضی من ذلک الشهر وعلی هذا العمل فی استخراج التواریخ فی الزیجات فان سلک فیه طرق مختلفة فهی راجعة الی معنی واحد فاما علی رؤیة الهلال فیمکن ان یتوالی فیه شهران ناقصان وثلاثة اشهر تامة ویمکن ان تزید سنة القمر علی المقدار المذکور وتنقص منه بسبب اختلاف الحرکة (الآثار الباقیة عن القرون الخالیة ص ۱۴۲)

حاصل ہوتے تھے، پھر جب ہم نے ان کو تیس پر تقسیم کر دیا تو تقسیم سے دن بن گئے اب ایک ماہ کے لیے تیس دن لیں گے اور دوسرے ماہ کے لیے انتیس، اور محرم سے شروع کریں گے اور جو باقی پورا مہینہ نہیں بنتا تو وہ اس مہینہ کا گذرا ہوا حصہ ہے، زیچوں (تقویموں) میں تاریخوں کے نکالنے کے لیے اسی قاعدہ پر عمل کیا جاتا ہے، اور گو اس سلسلہ میں مختلف طریقے استعمال میں لائے جائیں لیکن ان سب کا مرجع یہی ایک اصول ہے لیکن رؤیت ہلال پر یہ ممکن ہے کہ دو مہینے مسلسل انتیس انتیس دن کے ہوں اور تین مہینے مسلسل تیس تیس دن کے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے زائد یا کم ہو جائے،

ابوریحان بیرونی علم ہیئت و ریاضی کا مسلّمہ امام ہے، اس کی اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویم کا یہ حساب نہ تو رؤیت ہلال کے حساب کے موافق ہے اور نہ قمر کی حقیقی حرکت کے مطابق،

بلکہ اس حساب مین تیس سال کے مجموعۂ ایام کو بغیر اس کے کہ ان مین رویت ہلال کا یا قمر کی حقیقی حرکت کا لحاظ رکھا جائے محض اپنی سہولت کے خاطر فرضی طور پر اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ ہر طاق مہینہ ہمیشہ تیس کا مانا جائے گا، اور ہر جفت مہینہ ہمیشہ انتیس کا، بجز ذی الحجہ کے کہ وہ سال کبیسہ مین باوجود جفت ہونے کے تیس ہی کا شمار ہوگا، اس طرح ہر تیس سال مین انیس سال بسیط تین سو چون (۳۵۴) دن کے ہون گے، اور گیارہ سال کبیسہ تین سو پچپن (۳۵۵) دن کے،

شریعت مین منجمین کے حساب کا کیون اعتبار نہیں،

ابوریحان بیرونی کی اس تفصیل سے شریعت مطہرہ کی یہ حکمت بھی معلوم ہوئی کہ اس نے سال کے بارے مین منجمین و اہل تقویم کے حساب کا کیون اعتبار نہین کیا، اور اس کی بجائے رویت ہلال کو مدار تاریخ ٹھہرایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظون مین اعلان فرمایا کہ

جعل اللہ الاھلۃ موا	اللہ تعالیٰ نے ہلالون کو لوگون کے لیے
قیت للناس فصوموا	اوقات کی تعیین کا ذریعہ بنایا ہے، لہذا
لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ	چاند دیکھکر روزہ رکھو اور چاند دیکھکر
فان غم علیکم فعدوا	افطار کرو، اور جب مطلع ابر آلود ہو تو
ثلاثین یوماً[1]	تیس دن شمار کرو،

[1] یہ حدیث مصنف عبدالرزاق مین اس اسناد کے ساتھ منقول ہے عن عبد العزیز ابن ابی رواد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۵) اور محدث حاکم نیشاپوری اپنی مشہور کتاب المستدرک علی الصحیحین مین اس کو نقل کرکے لکھتے ہیں "صحیح الاسناد" یہ بھی واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کی تصحیح کو بلاچون وچرا تسلیم کر لیا ہے ملاحظہ ہو المستدرک اور اس کی تلخیص ج ۱ ص ۴۲۳ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، اس لیے وہ حقایق سے قطع نظر کرکے منجموں کے فرضی حساب کا کیوں پابند ہوتا، دین اسلام میں اوقاتِ عبادات کی بنا ان حقایق ثابتہ پر رکھی گئی ہے جن کے معلوم کرنے میں سب کے لیے سہولت ہو، اسلام کا قانون عدل و مساوات اس بات کا روادار نہیں کہ عبادات کی بجاآوری تو سب پر یکساں فرض ہو مگر ان کے اوقات کا معلوم کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ ہو بلکہ خاص منجمین اور موقتین کا حصہ ہو، اسی حکمت کی بنا پر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام نے اوقاتِ نماز کا تعین آفتاب کی گردش سے متعلق کیا ہے، اور سال و ماہ و روزہ کی تعیین رویت ہلال سے کی ہے، ورنہ اگر ہماری شریعت میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح شمسی حساب کا اعتبار ہوتا یا قمری سال کی بناء رویت ہلال کی بجائے تقویم پر رکھدی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ساری امت اپنے فرائض مذہبی کی بجاآوری میں منجمین و موقتین کی محتاج ہو کر رہ جاتی، جو حساب ان کو اوقات عبادات بتایا کرتے، اور عید بقرعید، روزہ اور حج وغیرہ کے ایام کا پہلے سے تعین کر دیا کرتے، اس طرح مذہبی ارکان کی ادائگی کی اجارہ داری ایک خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو جاتی، اور اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کا ایک سلسلہ چل پڑتا، جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے اور جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے،

تقویم کا حساب فرضی ہے ہم نے تقویم کے حساب کو جو فرضی کہا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام اجرام سماوی میں چونکہ آفتاب و ماہتاب سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اس لیے دنیا کی تمام قوموں نے ماہ و سال کا شمار ان ہی دونوں کی گردش پر اس طریقے سے رکھا کہ شمس کی نسبت سے قمر کے ایک دور وضعی کو قمری ماہ بنا لیا یعنی شمس کے ساتھ جو قمر کی ایک وضع معین اور صورت خاص ہو مثلاً اجتماع یا ہلال یا استقبال اس کو ماہ قمری کا مبدا ما نا اور دوبارہ اسی وضع معین اور صورت خاص پر قمر کے آجانے کو اس کا منتہا اور ان دونوں اجتماعوں یا دونوں ہلالوں یا دونوں استقبالوں کے درمیانی زمانہ کو ماہ قمری سے موسوم کیا، جس طرح ہماری شریعت میں ایک ہلال سے ماہ کا آغاز قرار دیا گیا اور دوسرے

ہلال پر اس کا اختتام اور ان دونوں ہلالوں کی درمیانی مدت کو خواہ وہ تیس دن میں تمام ہو یا انتیس دن میں ایک ماہ شمار کیا ہے، پھر اسی طرح بارہ قمری مہینوں کو ایک سال گننے لگے، اور شمس کی ایک گردش یعنی منطقۃ البروج کے ایک نقطہ معینہ مثلاً اول برج حمل سے جدا ہو کر دوبارہ اسی نقطہ پر آفتاب کے آجانے کو سال شمسی قرار دیا، اور چونکہ آفتاب کی گردش بارہ برجوں پر منقسم ہے، اس لیے ہر برج کے طے کرنے میں آفتاب کو جو عرصہ لگتا ہے اس کو ماہ شمسی بنایا، پھر منجموں نے تقویم بنانے کے لیے اپنی سہولت کی خاطر ہر ماہ و سال کی خواہ وہ قمری ہوں یا شمسی، دو قسمیں قرار دیں، ایک حقیقی دوسری اصطلاحی، جس کو وسطی بھی کہا جاتا ہے، حقیقی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش کا پوری طرح لحاظ ہو، اور ان کی وضع خاص اور برج کی تقسیم اور حرکت کے اعتبار سے مدت کی تعیین ہو، مثلاً ماہ حقیقی قمری وہ ہے جس میں دونوں ہلالوں کے درمیانی زمانہ میں ایک ساعت یا ایک دقیقہ کی بھی کمی بیشی نہ ہو، جس طرح ہماری شریعت میں ماہ کا شمار ہوتا ہے، اور سال حقیقی قمری وہ ہے جو بارہ ماہ ہائے حقیقی قمری سے ذرا کم و بیش نہ ہو، جیسا کہ ہماری شریعت میں ہے، اسی طرح ماہ حقیقی شمسی وہ ہے جس کا زمانہ آفتاب کے ایک برج معین میں رہنے کے بالکل برابر ہو، اور سال شمسی حقیقی وہ مدت ہے جو آفتاب کے ایک مکمل دورہ کے عین مطابق ہو، اور ماہ اصطلاحی وہ ہے جس میں شمس و قمر کی گردش حقیقی کا لحاظ نہ ہو بلکہ ہر مہینہ کے لیے ایام معینہ کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے، مثلاً کسی مہینہ کو انتیس کا اور کسی کو تیس کا اور کسی کو اکتیس کا مقرر کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ مہینہ کی یہ تعداد کبھی ماہ حقیقی سے زیادہ ہوگی اور کبھی کم، اور جو سال ان بارہ اصطلاحی مہینوں سے مرکب ہو وہ سال اصطلاحی کہلاتا ہے[1]

اس تفصیل کے بعد اب آپ ابوالفضل کا یہ بیان پڑھیے:-

و اہل حساب، رویت را نظر انداختہ ماہ قمری	اور اہل حساب نے رویت کو نظر انداز کر کے ماہ قمری
دو گونہ ساختہ اند حقیقی و آں از ہنگام	کی دو قسمیں کی ہیں، ایک حقیقی جو چاند کے آفتاب

---

[1] اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زیج بہادر خانی مولفہ مولوی غلام حسین جونپوری ص ۲۷ ، طبع بنارس ۱۲۵۷ھ

دوری ماہ از وضع معین آفتاب چون اجتماع یا استقبال یا جز آن تا باز بدان رسد، و اصطلاحی چوں حرکات قمر مختلف باشد ضبط آن دشوار و پیچاں مشکلہا پس بحرکت وسطی قرار دادند و لختے کار آسان شد[1]

سے ایک وضع معین جیسے (ایک برج مین دونون کے اجتماع یا بالکل مقابل برجون مین) دونون کے آمنے سامنے ہونے یا کسی اور وضع معین سے دور ہو کر پھر اسی وضع معین پر آجانے کا نام ہے دوسرے اصطلاحی چونکہ چاند کی گردش مختلف ہوا کرتی ہے اور اسکا پوری طرح حساب کرنا اور اس کی شکلوں کو محفوظ رکھنا دشوار ہے اس لیے حرکت وسطی سے اس کا حساب لگا کر کچھ کام آسان ہوگیا،

اس کے بعد ابوالفضل نے زیچ بنانے کا وہی قاعدہ بتایا ہے جو مقریزی اور بیرونی کے بیانات مین ابھی اپ کی نظر سے گذرا،

اب ظاہر ہے کہ اہل حساب نے جب اپنی تقویموں مین رویت کو نظرانداز کیا اور ماہ و سال حقیقی کو سرے سے چھوڑ دیا اور شمس و قمر کی گردش کا خیال نہ کیا تو ان کا حساب فرضی نہ ہوا تو کیا ہوا، ارباب تقویم کے اس حساب کی حقیقت بس اتنی ہے کہ تیس سال مین قمر کے تیس دورے پورے ہو جاتے ہیں، اور ان تیس سالون مین انیس سال تین سو چون (۳۵۴) دن کے ہوتے ہیں اور گیارہ سال تین سو پچپن (۳۵۵) دن کے، لیکن ان مین کونسا قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوگا اور کونسا ۳۵۵ دن، اسکی تعیین ان کے بس کی بات نہین، اور یہ جو زیچ نگارون نے ان گیارہ سالون کی اس طرح تعیین کی ہے کہ:-

---

[1] آئین اکبری ص ۳۰۰ طبع دہلی ۱۲۷۲ھ بتصحیح سرسید احمد خان؛

"دور ہجری سال یازدہ بار ذی الحجہ راسی روز گیرند و این سالہا را سال کبیسہ نامند

و آن سالہا ۲ و ۵ و ۷ و ۱۰ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۱ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۹ است"[۱]

وہ محض فرضی ہے کوئی ضروری نہین کہ ان ہی سالوں کے ایام ۳۵۵ دن کے ہون جیسا کہ ذی الحجہ کا ان سالون مین تیس دن کا ہونا قطعاً ضروری نہین البتہ ممکن ہے کہ ان مین سے کوئی سال ۳۵۴ دن کا ہو اور بقیہ انیس مین سے کوئی ۳۵۵ کا جس طرح کہ تقویم مین جن مہینوں کو تیس دن کا بتایا ہے، ان کا تیس ہی دن کا ہونا یا جن کو انتیس دن کا بتایا ہے، ان کا انتیس ہی دن کا ہونا ضروری نہین ہے، اسی لیے امامِ فن بیرونی نے تقویم سازی کا اصول بتاتے ہوئے آخر مین تصریح کردی ہے کہ

"رویت ہلال کے اعتبار سے ممکن ہے دو ماہ مسلسل انتیس انتیس دن کے ہوں اور تین ماہ مسلسل تیس تیس دن کے اور بالکل ممکن ہے کہ حرکت قمر کے اختلاف کے باعث سال قمری مقدار مذکور سے (جو تقویم مین قرار دی گئی ہے) زائد یا کم ہو جائے"

تقویم کا حساب حقیقی جب ہوتا جبکہ چاند کی حقیقی حرکت کا انضباط منجمین کے لیے آسان ہوتا، حالانکہ ابوالفضل کا یہ اعتراف ابھی آپ کی نظر سے گذرا کہ

"حرکات قمری مختلف باشد ضبط آن دشوار، و ہمچنان مشکلہا"[۲]

ابوالفضل کے اعتراف عجز کی وجہ بیرونی سے سنیئے جو اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ مین شیعہ اسماعیلیہ کے حساب تقویمی کا محاسبہ کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہے

ویبتدؤن بالشھور من عند رؤیۃ الھلال وکذلک شرع	اور وہ مہینے کی ابتدا رویت ہلال سے کرتے ہیں اور اسی طرح اسلام مین مشروع ہے

---

[۱] زیچ بہادرخانی ص ۵۰ [۲] آئین اکبری ص ۲۲۰،

فی الاسلام کما قال اللہ تعالیٰ
یسئلونک عن الاہلۃ قل
ہی مواقیت للناس والحج

ثم منذ سنین نبتت نابتۃ
ونجمت ناجمۃ ونبغت فرقۃ
جاہلیۃ فنظروا الی اخذہم
بالتاویل وولوعہم بسبب
الآخذین بالظاہر بزعمہم
الی الیہود والنصاریٰ فاذا ہم
جداول وحسابات یستخرجون
بہا شہورہم ویعرفون منہا
صیامہم والمسلمون مضطرون
الی رؤیۃ الہلال وتفقد ما
اکتساہ القمر من النور واستتر
بین نصفہ المرئی ونصفہ
المستور ووجدوہم شاکین
فی ذلک مختلفین فیہ مقلدین
بعضہم بعضا بعد استفراغہم

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لوگ آپ سے
نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں
آپ فرما دیجئے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج
کے لیے اوقات مقررہ ہیں"

پھر چند سال سے ایک نئی پود اگ آئی ہے،
اور ایک نمایاں جماعت نمودار ہوئی ہے
اور ایک جاہلی فرقہ ابھرا جو اپنے خیال میں
ظاہر پر عمل کرنے والوں کے سبب تاویل کو
اختیار کرتے ہیں، اور اس پر فریفتہ ہیں،
ان لوگوں نے یہود و نصاریٰ کو دیکھا کہ ان کے
پاس گوشوارے اور حسابات موجود ہیں
جن کے ذریعے وہ اپنے مہینوں کو نکالتے
ہیں، اپنے روزوں کو معلوم کرتے ہیں اور مسلمان
رویت ہلال پر مجبور ہیں اور چاند میں روشنی
آ جانے کی تلاش میں رہتے ہیں کہ قمر کے نصف
مرئی اور نصف مستور میں کس قدر اشتراک
نور ہوا ہے، اور پھر باوجود اس کے کہ وہ
اپنی پوری کوشش چاند کے مقامات پر
غور کرنے کے اور اس کے مناسب و مواقع

واتقی الوسع فی تأمل مواضعه
وتفحص مغاربه ومواقعه ثم
رجعوا الی اصحاب علم الهیئة
فالفوا زیجاتهم وکتبهم
مفتتحة بمعرفة أوائل مايرى
من شهور العرب بجنوب
الحسابات وانواع الجداول
فظنوا انها معمولة لرؤية
الاهلة واخذوا بعضها
ونسبوه الی جعفر الصادق
علیه السلام وزعموا انه
سر من اسرار النبوة،
وتلك الحسابات مبنیة
علی حرکات الوسطی دون المرئیة
اعنی المعدلة ومعمولة علی
ان سنة القمر ثلاثمائة و
اربعة وخمسون یوما وسدس
(کذا) وان ستة اشهر
من السنة تامة وستة ناقصة

کے ڈھونڈنے میں صرف کر دیتے ہیں، پھر بھی
ان میں شک اور اختلاف رہتا ہے اور اس میں
وہ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں، اسی لیے
انھوں نے اصحاب علم ہیئت کی طرف رجوع
کیا، جنھوں نے اپنی زیچوں اور کتابوں کو
طرح طرح کے حسابات اور مختلف گوشواروں
کے ساتھ اس طرح مرتب کیا تھا کہ ان کے
آغاز ہی میں عربی مہینوں کے اوائل کی
معرفت کا بیان ہے، اس لیے انھوں نے
یہ سمجھا کہ یہ زیچیں رویت ہلال کے لیے بنائی
گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان میں سے
بعض حسابات اور گوشواروں کو لیکر حضرت
جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا
اور یہ خیال قائم کیا کہ یہ بھی اسرار نبوت میں سے
ایک راز ہے، حالانکہ یہ سب حسابات شمس و قمر
کی حرکات وسطی (یعنی حرکات اصطلاحی غیر حقیقی)
پر مبنی ہیں، نہ کہ حرکات مرئیہ پر جو حقیقی ہیں، نیز یہ
زیچیں اسی اصول پر بنائی گئی ہیں کہ سال قمری
تین سو چوّن ۳۵۴ دن اور ایک خمس اور سدس دن کا ہوتا ہے

وان کل ناقص منها فهوتال لتام
علی ما عمل علیه فی الزیجات،
وذکر فی الکتب المنسوبة
الی عللها

فلما قصدوا استخراج اول الصوم
واول الفطر بما خرجت قبل
الواجب بیوم فی اغلب الاحوال
.... قالوا ان شهر رمضان
لا ینقص من ثلاثین
فاما اصحاب الهیئة ومن تامل
الحال بعنایة شدیدة فانهم
یعلمون ان رؤیة الهلال
غیر مطرد علی سنن واحد
لاختلاف حرکة القمر المرئیة
بطیئة مرة وسریعة اخری
وتقربه من الارض وبعده
وصعوده فی الشمال والجنوب

اور سال کے چھ مہینے کامل تیس دن کے،
اور چھ مہینے ناقص (یعنی ۲۹ دن کے) ہوتے ہیں
اور ہر ناقص مہینہ کامل کے معاً بعد ہوتا ہے جیسا کہ
زیجوں میں معمول ہے، اور ان کتابوں میں
مذکور ہے جو علل زیچ کی طرف منسوب ہیں (یعنی جن
زیچ تیار کرنے کے وجوہ بیان ہوتے ہیں،
پھر جب ان لوگوں نے اول رمضان یا عید
کو معلوم کرنا چاہا تو اکثر حالات میں اس کے
واجب ہونے سے ایک دن پہلے کا دن
نکلا تو انھوں نے کہدیا کہ ماہ رمضان
تیس دن سے کم کا نہیں ہوتا،
لیکن اصحاب ہیئت اور جن لوگوں نے
پوری توجہ کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا ہے وہ
جانتے ہیں کہ رؤیت ہلال ہمیشہ ایک طریقہ پر ممکن
نہیں، کیونکہ قمر کی حرکت مرئیہ کبھی آہستہ
ہوتی ہے اور کبھی تیز اور کبھی وہ زمین سے
قریب ہوتا ہے اور کبھی دور اور کبھی
وہ شمال وجنوب میں حالت صعود میں
ہوتا ہے اور کبھی حالت ہبوط میں

وهبوطه فيها وحدوث كل واحد
من هذه الاحوال لمن في كل نقطة
من فلك البروج ثم بعد ذلك
لما يعرض من سرعة غروب
القطع من فلك البروج وبطء
بعض وتغير ذلك على اختلاف
عروض البلدان واختلاف
الاهوية إما بالاضافة الى
البلاد الصافية الهواء بالطبع
والكدرة المختلطة بالبخارات
دائما والمغبرة في الاغلب دائما
بالاضافة الى الازمنة اذا
غلظ في بعضها ورق في بعض و
تفاوت قوى بصر الناظرين اليه
في الحدة والكلال وان ذلك
كله على اختلافه بصنوف
الاقترانات كائنة كل اول
شهري رمضان وشوال على
اشكال غير معدودة واحوال

اور یہ سب حالات فلک البروج کے ایک ایک
نقطہ پر اس میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مستزاد
یہ ہے کہ فلک البروج کے بعض قطعے جلد ہی
غروب ہو جاتے ہیں اور بعض دیر میں اور
عرض البلد کے اعتبار سے بھی اس میں تغیر
ہوتا رہتا ہے اور ہواؤں کے اختلاف سے بھی
کیونکہ بعض ملکوں کی ہوا طبعی طور پر
صاف ہوتی ہے، اور بعض میں ہمیشہ بخارات
کے اختلاط کی وجہ سے کدورت رہتی ہے،
اور بعض کی فضا اکثر غبار آلود رہتی ہے، نیز
موسم کے لحاظ سے بھی ہواؤں میں اختلاف
ہوتا ہے، کسی موسم میں اس میں کثافت آجاتی
ہے، کسی موسم میں رقت رہتی ہے، نیز دیکھنے والوں
کی نگاہ میں بھی تیزی اور درماندگی کے لحاظ
سے تفاوت ہوتا ہے، اور قمر کے یہ سب مختلف
احوال اور طرح طرح کے قرانات ہر ماہ
رمضان و شوال کی ابتدا میں بے شمار اشکال
اور غیر محدود احوال پر ہوتے رہتے ہیں،
یہی وجہ ہے کہ کبھی ماہ رمضان انتیس دن کا

غیر محددۃ فیکون الن تلک الشہر
رمضان ناقصاً مرۃ وتاماً اخری
وان ذلک کلہ ما یتغیر بتزاید
عروض البلدان وتناقصہا فیکون
الشہر تاماً فی البلدان الشمالیۃ
مثلاً وناقصاً ہو بعینہ فی الجنوبیۃ
منہا وبالعکس، ثم لا یجری ذلک
فیہا علی نظم واحد بل یتفق فیہا
ایضاً حالۃ واحدۃ بعینہا لشہر
واحد مراراً متوالیۃ وغیر
متوالیۃ
فلو صح عملہم مثلاً بتلک الجداول
والحسابات واتفق مع رؤیۃ
الہلال او تقدمہ یوماً واحداً
کما اصلوا لاحتاجوا الی افرادہا
لکل عرض علی ان اختلاف الرؤیۃ
لیس متولداً من جہۃ العرض
فقط لکن لاختلافات اطوال البلدان
فیہا او فی نصیب لانہ ربما یری

ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا، اور یہ سب
حالات عرض البلد کے گھٹنے بڑھنے کے
اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ
کبھی شمالی ملکوں میں ایک مہینہ تیس دن
کا ہوتا ہے، اور وہی مہینہ جنوبی ممالک میں
انتیس کا اور کبھی اس کے بالکل برعکس،
پھر یہ بھی ہمیشہ ایک نظم پر نہیں چلتا،
بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک
مخصوص مہینہ بارہا مسلسل یا غیر مسلسل
ایک ہی حالت پر چلتا رہتا ہے،
اگر ان کے جدولوں اور حسابات کے لحاظ
سے ان کا عمل صحیح بھی ہوا اور وہ رویت
ہلال سے متفق ہو جائے یا ان کے اصول پر
ایک دن پہلے بنے تب بھی ان کے لیے ضروری
ہے کہ ہر عرض البلد کے لیے ایک علیحدہ
نقشہ بنائیں، اگرچہ رویت ہلال میں اختلاف
محض عرض البلد ہی کی بنا پر نہیں ہوتا
بلکہ طول البلد کو بھی اس اختلاف میں

فی بعض البلاد و یرویٰ فی مکان
اقرب منه الی المغرب وربما
اتفق ذلك فیهما جمیعا و ذلك
مما یحوج ایضا الی افراد الحساب
والجداول لکل واحد من اجزاء
الطول فاذن لا یمکن ما ذکروہ
من تمام شهر رمضان ابدا
ووقوع اوله و آخره فی جمیع
المعمور من الارض متفقا
کما یخرجه الجدول الذی
یستعملونه (ص ۶۳ تا ۶۶ طبع لیبزگ سنہ ۱۹۲۳ء)

بہت بڑا دخل ہے، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا
ہے کہ بعض ممالک میں چاند نظر نہیں آتا اور جو ممالک
اس سے مغرب میں قریب ہوتے ہیں وہاں نظر
آجاتا ہے اور کبھی دونوں جگہ دیکھنے کا اتفاق
ہوتا ہے، اس بنا پر ان کے لیے یہ بھی ضروری
ہے کہ طول البلد کے ہر جزء کے لیے مستقل حساب
اور نقشے تیار کریں، غرض ایسی صورت میں
ان لوگوں کا دعویٰ کہ رمضان کا مہینہ ہمیشہ
تیس ہی دن کا ہوتا ہے اور تمام معمورۂ ارض میں
اس کا اول و آخر ہمیشہ یکساں ہی ہوتا ہے
جیسا کہ انکا گوشوارہ بتاتا ہے، صحیح نہیں ہے،

آگے چل کر اسی کتاب میں جہاں ہجری قمری مہینوں کے اوائل کو معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ

فاما رؤیة الهلال ففی تحقیقه من الطول
والصعوبة ما یحتاج معه الی اعمال
صعبة وجداول کثیرة و یکتفی منه
بما فی زیج محمد بن جابر البتانی
و زیج حبش الحاسب فلیقصدهما
ان احتاج الیهما (ص ۱۹۲)

لیکن (ریاضی کے اصول پر) رؤیت ہلال کی تحقیق میں
بڑی طوالت اور دشواری ہے، اس کے لیے سخت عمل
اور بہت سے گوشواروں کی ضرورت ہے، اس لیے جو کچھ
محمد بن جابر بتانی اور حبش حاسب کی زیج میں
ہے اس پر اکتفا کیجائے اور ضرورت کے وقت
اس کی طرف رجوع کیا جائے،

(باقی)

کیا حسابِ تقویم کی رو سے سنہ ہجری کے دن اور تاریخ

کا

تعیّن ہو سکتا ہے؟

از جناب مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی

(۲)

اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ باطنیہ فرقہ نے جو تشیع اہل بیت کا مدعی ہے، البیرونی نے قاعدہ مذکور کو عمل میں لا کر ایک حساب پیش کیا ہے، جس کے بارے میں اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اسرار نبوت میں سے ہے، حالانکہ یہ سارا حساب اسی قاعدہ پر مبنی ہے، صاف صاف اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ رویت ہلال کے بارے میں اثبات یا نفی میں کوئی قطعی اور حتمی حکم لگانا اہل فن کی استطاعت سے خارج ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

ووجدت بعض رؤسائهم	اور میں نے اس جماعت کے ایک سربرآوردہ
اخذ الجدول المجرد الذی	شخص کو دیکھا کہ اس نے مجرد اس گوشوارے کو
وضعه حبش فی زیجه لتصحیح	لیکر جو حبش نے اپنی زیچ میں اس غرض سے
التاریخ المستعمل فی حساب	مرتب کیا تھا کہ کواکب کے حساب میں جو تاریخ
الکواکب.........	مستعمل ہوتی ہے اسکی تصحیح کیجائے........
واقتفی اثرا لقوم بوضع کتاب	اپنی قوم کے قدم بقدم چلتے ہوئے، ایک کتاب
طعن فیه علی طالبی الهلال	تصنیف کی جس میں رویت ہلال کے تلاش

بالرویة وسبهم وعیرهم باستغناء
الیهود والنصاری عن طلب الهلال
للصیام واوائل الشهور بما عندهم
من الجداول واشتغال المسلمین
بالمتشابه من الاحوال، ولو جاوز
موضع الجدول المجرد من زیج
حبش حتی انتهی الی اعمال اصحاب
الهیئة فی رویة الهلال ووقف
علی کیفیاتها وعلی حقائق ما علیه
الیهود والنصاری لعلم ان الذی
ذهب الیه اهل الکتاب هی الشبه
بعینها وعسی الواقف علی ما قدمنا
یحقق ذلک

کرنے والوں پر طعن و تشنیع کی، ان کو برا بھلا کہا
اور عار دلائی کہ یہود و نصاری کو تو اپنے
روزوں کے لیے اور مہینوں کی پہلی تاریخ
معلوم کرنے کے لیے رویت ہلال کی ضرورت
نہیں پڑتی کیونکہ ان کے پاس اسکے گوشوارے
موجود ہیں اور اہل اسلام مشتبہ حالات
میں پڑے ہوئے ہیں لیکن اگر یہ شخص حبش کی
زیچ میں اس مجرد جدول کے مقام سے آگے
بڑھ کر ذرا اس مقام تک آتا کہ جہاں رویت
ہلال کے بارے میں اصحاب ہیئت کے اعمال
کا ذکر ہے اور ان اعمال کی کیفیات پر
اور ان حقائق پر مطلع ہوتا جن پر یہود و نصاری
کا عمل ہے تو اسے پتہ چلتا کہ یہود و نصاری
جس طرف گئے ہیں شبہ دراصل وہی ہے اور
امید ہے کہ جو شخص سابق میں ہماری بیان کردہ
تفصیلات سے واقف ہوگا وہ ہماری اس بات
کی تصدیق کرے گا۔

علی ان علماء الهیئة مجمعون
ان المقادیر المفروضة فی اواخر

اس کے علاوہ علمائے ہیئت اس بات پر متفق
ہیں کہ جو مقداریں اعمال رویت ہلال کے

اعمال رویة الهلال هی ابعاد لم
یوقف علیها الا بالتجربة والمناظر
احوال هندسیة یتفاوت لاجلها
المحسوس بالبصر فی العظم
والصغر وفی الاحوال الفلکیة
ما اذا تاملها متامل منصف
لم یستطع بت الحکم علی وجوب
رویة الهلال او امتناعها
وخاصة حین یقع قریبا من نهایة
ذلک البعد المفروض
(ص ۱۹۷ - ۱۹۸)

اواخر میں فرض کی گئی ہیں وہ ایسے ابعاد ہیں
جن پر صرف تجربے سے واقفیت حاصل کی گئی ہے،
حالانکہ دیکھنے میں علم ہندسہ کے اعتبار سے
ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن کی بناپر
جو چیز آنکھوں سے محسوس ہوتی ہے اس میں
بڑائی اور چھوٹائی کے لحاظ سے فرق ہوتا رہتا
ہے، نیز فلکی حالات میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے
جس کی بناپر اگر کوئی غور کرنے والا منصف مزاج
غور و تامل سے کام لے تو رویت ہلال کے
بارے میں نفی یا اثبات میں کوئی حتمی حکم نہیں
لگا سکتا، خاص طور پر جبکہ چاند اس بعد مفروض
کی انتہا کے قریب ہو۔

ملاحظہ فرمائیے، یہ ہے بیرونی کی تصریح کہ کوئی صاحبِ فن جو انصاف سے بہرہ ور ہو اور غور و تامل سے پوری طرح کام لیتا ہو، وہ ہرگز یہ نہیں کر سکتا کہ رویت ہلال کے متعلق نفی یا اثبات میں کوئی قطعی یا حتمی حکم لگا دے"۔ بیرونی نے یہ دعویٰ علم و فضل کی روشنی میں کیا ہے، جن کے وجوہ و دلائل کی تفصیل ابھی آپ کی نظر سے گذر چکی ہے، آج ریاضی کا فن بڑی ترقی کر گیا ہے، تاہم ابھی تک بیرونی کے اس دعوے کی علمی تردید نہیں کی جا سکی، چنانچہ اب تک رویت ہلال کی کوئی ایسی صحیح تقویم دنیا کے سامنے مرتب ہو کر نہیں آئی کہ جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو،

ہمارا محکمۂ موسمیات جس طرح آئے دن یہاں کے موسم اور باد و باراں کے متعلق پہلے سے اعلان

اعلان کرتا رہتا ہے، اسی طرح رویت ہلال کے بارے میں بھی اس کی پیشین گوئیاں برابر صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن وہ جس محتاط انداز میں اعلان کرتا ہے وہ خود جزم و یقین کی نفی کے لیے کافی ہے، مثلاً ۱۳۸۰ھ میں عید اور بقرعید کے چاند کے متعلق ہمارے محکمہ موسمیات نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ ناظرین کی معلومات کے لیے روزنامہ جنگ کراچی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:-

عید کا چاند ۱۷ مارچ کو نظر آئیگا

"کراچی ۱۴ مارچ (اسٹاف رپورٹر) پاکستان کے محکمۂ موسمیات نے اعلان کیا ہے کہ پورے ملک میں خاص کر مغربی پاکستان میں چاند ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء کو نظر آنے کے قوی امکانات ہیں۔" (روزنامہ جنگ کراچی، ۱۶ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۶ کالم ۱)

ذی الحجہ کا ہلال ۱۵ یا ۱۶ مئی کو نظر آئیگا

"کراچی ۱۰ مئی (اسٹاف رپورٹر) ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ میں کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کا ہلال ۱۶ مئی کو نظر آئیگا، تاہم ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء کو بھی اس کے نظر آنے کا کچھ امکان ہے جبکہ ڈھاکہ (۶ بجکر ۵ منٹ مشرقی پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم) اور راولپنڈی (۷ بجکر ۲۸ منٹ مغربی پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم) میں غروب کے وقت یہ علی الترتیب ۱۲ منٹ، ۱۵ منٹ اور ۱۰ منٹ افق سے اوپر رہے گا۔"

له ان پیشین گوئیوں کی صحت و عدم صحت کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، پورا ملک اس سے واقف ہے، مگر ساری دنیا کا عالمی ریکارڈ آپ کو بتا دے گا کہ ہر جگہ کے محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیوں کا اوسط فی صد کیا رہتا ہے، آپ خود بھی زحمت فرمائیں تو ہر سال محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیوں کا جائزہ لیکر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کی صحت کا اوسط فی صد کیا رہتا ہے۔

"۱۵ مئی کو یہ ہلال اس صورت میں نظر آسکتا ہے جب مغرب کے وقت افق کے

قریب سورج غروب ہونے کے مقام سے بائیں جانب تقریباً ۵ ڈگری پر دیکھنے کے حالات

بہت اچھے ہیں" (روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۶۱ء ص ۷ کالم ۱)

ظاہر ہے موجودہ دور میں اگر علم وفن کی روشنی میں رویت ہلال کے بارے میں آسانی کوئی صحیح فیصلہ

حتمی اور قطعی صورت میں کیا جاسکتا تھا تو ہمارا "محکمہ موسمیات" ہلال ذی الحجہ کے متعلق یہ مذبذب بات

کیوں کرتا اور ہلال عید کی پیشین گوئی کرتے وقت "قوی امکانات" کے الفاظ کیوں استعمال کرتا،

جو جزم ویقین کے منافی ہیں، معلوم ہوا بات وہی ہے جو بیرونی کہتا ہے کہ "جو شخص منصف مزاج ہو

اور غور وتامل سے کام لے وہ کبھی رویت ہلال کے بارے میں قطعی اور حتمی حکم نہیں لگائے گا"۔ چنانچہ

ہلال عید کے بارے میں رویت کے "قوی امکانات" کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے، روزنامہ انجام

کراچی کا اسٹاف رپورٹر ۱۸ مارچ ۱۹۶۱ء کے کوائف بیان کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"محکمہ موسمیات نے آج بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ کل شام عید کا چاند نظر آگیا تھا اس لیے

آج عید تھی، محکمہ کے بیان کے مطابق عید کا چاند دیکھنے کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں

رصدگاہیں قائم کی گئی تھیں، ہاؤسنگ سوسائٹی کی رصدگاہ سے اطلاع ملی تھی کہ وہاں

دوربینوں سے چاند نظر آگیا ہے۔" (روزنامہ انجام کراچی، عید اڈیشن ۲۰ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۱، کالم ۲)

یہ ہے "قوی امکانات" کے بارے میں خود محکمہ موسمیات کی شہادت کہ شہر کے مختلف علاقوں کی

رصدگاہوں میں صرف ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی رصدگاہ سے چاند نظر آیا اور وہ بھی دوربین کی مدد سے،

حالانکہ حکم شرعی سے قطع نظر خود علم ہیئت میں بھی آغاز ماہ قمری کے لیے رویت ہلال میں طبعی رویت کا

اعتبار ہے نہ رویت ارادی کا یعنی اس رویت کا اعتبار ہے جو قدرتی طور پر آنکھوں سے محسوس ہو نہ کہ

اس رویت کا جو غیر طبعی طور پر آلات رصدیہ کی مدد سے حاصل ہو، چنانچہ زیچ بہادر خانی کے "باب ہفتم

"رویت ہلال" میں مرقوم ہے:-

مراد از رویت طبعی است نہ ارادی کہ	رویت ہلال سے مراد طبعی رویت ہے
بتوسط منظارہائے جدیدہ بہ بینہ چہ دریں	نہ کہ رویت ارادہ کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں
حالت ہلال قبل از آنکہ بحد رویت	کے ذریعہ ہلال کو دیکھا جائے کیونکہ اس
رسیدہ باشد دیدہ می شود	حالت میں تو ہلال کو اس کے حد رویت
(ص ۵۵ طبع بنارس ۱۳۵۵ء)	پر پہنچنے سے قبل بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے محکمۂ موسمیات کو اس مرتبہ نہ جانے کیوں اس غیر طبعی رویت کی صحت پر بڑا اصرار رہا، حالانکہ پیشین گوئی کے الفاظ میں جزم و یقین کا شائبہ تک نہ تھا، علما، اور عوام تو خیر کہ محکمۂ موسمیات کے اس اعلان کو کس طرح صحیح تسلیم کر سکتے تھے جبکہ مطلع صاف ہونے کے باوجود رویت عامہ نہیں ہوئی اور جم غفیر کو چاند نظر نہیں آیا، لطف یہ ہے کہ خود ارباب فن نے بھی محکمۂ موسمیات کے بیان کو صحیح باور نہیں کیا، چنانچہ روزنامہ انجام کراچی کی حسب ذیل خبر ملاحظہ ہو:-

عید کے چاند کے متعلق محکمۂ موسمیات کو پنجاب یونیورسٹی کی رصدگاہ کا چیلنج

"لاہور ۲۰ مارچ (پ ، پ) پنجاب یونیورسٹی کی رصدگاہ نے آج "محکمۂ موسمیات کے ڈائرکٹر کے اس دعوے کو چیلنج کیا ہے کہ چاند اگر اعشاریہ ۷ یا اعشاریہ ۸ دن کا ہو تو مطلع کی عام حالت میں اسے آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے، ایک انٹرویو میں رصدگاہ کے حکام نے بتایا ہے کہ جمعہ کی شام کو محض آنکھ سے چاند کا دیکھنا بہت مشکل تھا، کہا جاتا ہے کہ جمعہ کی شام کو کراچی میں ۸ منٹ تک چاند دیکھا گیا، لیکن یہ بیان بھی بالکل غلط ہے اس لیے کہ نیا چاند کبھی بھی اتنی زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا، نہ ہی اتنا روشن ہو سکتا ہے کہ اسے انسانی آنکھ دیکھ سکے۔" (روزنامہ انجام کراچی مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۱ کالم ۵)

یہ ہے اہل ہیئت و اصحاب نجوم کی اس درماندگی کی روداد جو انھیں قمر کی صرف ایک حالت یعنی رویت ہلال کے انضباط میں پیش آتی ہے[1]، اور ظاہر ہے کہ جب رویت ہلال کا صحیح انضباط علم ہیئت و ریاضی میں اتنی ترقی نہیں ہو سکی ہے کہ رویتِ ہلال کی کوئی صحیح تقویم بن سکے، اس لیے کسی خود ساختہ فرضی اصطلاحی تقویم کی بنا پر مورخینِ اسلام کے بیان کردہ دنوں کی صحت سے انکار کرنا بہت بڑی جسارت ہے، رہا شرعی حیثیت سے آغاز ماہ و سال کا مسئلہ تو شریعتِ مطہرہ نے ثبوت ہلال کا دار و مدار رویت پر رکھا ہے یا شہادت پر لیکن منجمین و موقتین کے حساب و کتاب کا اس بارے میں اعتبار ہی نہیں کیا ہے، اس لیے علمی اصطلاح میں ہم اس کو "الغا" کہیں گے نہ کہ ابطال، الغاء اور ابطال میں بڑا فرق ہے "الغاء" کہتے ہیں کسی چیز کے کالعدم قرار دینے کو، اور "ابطال" کے معنی ہیں اس کی تکذیب کرنا اور اس کو غلط بتانا، اچھی طرح خوب سمجھ لیجیے کہ شرع نے ہلال کے باب میں اہل ہیئت کے فیصلہ کا الغاء کیا ہے یعنی اس کو کالعدم قرار دیا ہے، اس لیے ان کے کسی اعلان سے شرعاً مہینہ کے ثبوت یا عدم ثبوت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، لیکن ان کے حساب و کتاب کا ابطال نہیں کیا ہے یعنی نہ اس کی تکذیب کی ہے، اور نہ اس کو غلط بتایا ہے، اس لیے اگر بالفرض کل علم ہیئت اتنی ترقی کر جائے کہ رویت ہلال کی صحیح تقویم بن جائے اور جو پیشین گوئی بھی اس بارے میں کی جائے وہ حرف بحرف صحیح نکلے تب بھی اس حکم شرعی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ شریعت کا موضوع ریاضی یا ہیئت کے کسی نظریہ کی تصدیق یا تکذیب نہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ متعدد امور کا شریعت نے الغاء کیا ہے، لیکن ان کا ابطال نہیں کیا ہے، مثلاً اندھیری رات میں جبکہ سمت قبلہ مشتبہ ہو ایک شخص بغیر تحری کیے اور اپنی اٹکل کو کام میں لائے جانب قبلہ نماز ادا کرتا ہے تو شرعاً اس کی یہ نماز (اگرچہ وہ واقعہ میں جانب قبلہ ہی ادا کی گئی ہے) کالعدم ہے، کیونکہ شریعت نے ایسے موقع پر یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لیکر پہلے قبلہ کا رخ متعین کرلے اور جس طرف اس کا

---

[1] واضح رہے کہ ہماری بحث اس سلسلہ میں جو کچھ ہے وہ خالص فنی نقطہ نگاہ سے ہے یعنی اب تک

ان کے بس میں نہیں تو پھر وہ اپنی تقویم کا حساب رویت ہلال پر کس طرح رکھ سکتے تھے، ناچاراں کو حقیقی قمری ماہ و سال کی بجائے تقویم کا حساب اپنے فرض کردہ اصطلاحی قمری ماہ و سال سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دل گواہی دے کہ ادھر قبلہ ہے اسی سمت نماز ادا کرلے اور اس صورت میں اگر سمت قبلہ کی تعیین میں اس سے خطا بھی ہو تب بھی اس کی نماز صحیح ہے، لیکن بغیر سوچے سمجھے اگر قبلہ کی بالکل صحیح سمت میں بھی اس نے نماز ادا کی تو وہ ناقابل اعتبار ہے، اسی طرح سب جانتے ہیں کہ خود خلیفہ یا قاضی اگر کسی شخص کو اپنے سامنے زنا یا چوری یا کسی جرم کا ارتکاب کرتے دیکھے تو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر (جب تک اس شخص کے خلاف ثبوت جرم کی پوری شہادت فراہم نہ ہو) اس پر حد جاری نہیں کرسکتا، لیکن صرف شہادت کے پیش ہونے کی صورت میں (گو امیر یا قاضی کو ارتکاب جرم کا سرے سے کچھ علم نہ ہو) حد کا جاری کرنا اس پر فرض ہے، حالانکہ اکثر حالات میں مشاہدہ سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور شہادت سے علم ظنی، ان دونوں مثلوں سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ "الغاء" و "ابطال" میں کتنا بین فرق ہے، پہلی صورت میں شریعت نے قبلہ کی صحیح سمت میں جو نماز بغیر تحری ادا کی جائے اس کا الغاء کیا ہے، یعنی اس کو کالعدم قرار دیا ہے، مگر قبلہ کی طرف بڑھنے کا ابطال نہیں کیا، یعنی یہ نہیں کہا کہ اس نے جانب قبلہ نماز ادا نہیں کی، اسی طرح دوسری صورت میں قاضی یا امیر کے مشاہدہ کا ابطال نہیں کیا کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا غلط دیکھا، بلکہ اس کا الغاء کیا ہے کہ یہ مشاہدہ اجرائے حدود کے باب میں کالعدم ہے۔

ہماری اس تقریر سے وہ شبہہ بھی رفع ہوگیا جو مصر کے مشہور صحافی سید رشید رضا کو رویت ہلال کے مسئلہ میں پیش آیا ہے، ان کے شبہہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ شہادت سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہے اور حساب سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ہے، اس لیے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جب شہادت پر اعتبار کرلیا جاتا ہے تو پھر تقویم پر کیوں نہیں کیا جاسکتا، جب کہ تقویم کی بنیاد

کرنا پڑا جس کی بنا پر ان کی تقویم کے حساب میں اور ماہ ہلال حقیقی کے حساب میں ایک دو دن کا فرق ہوجانا روزمرہ کی بات ہے، چنانچہ عصر حاضر کے مشہور موقت سید محمد بن محمد بن عبد اللہ اپنی مشہور کتاب مجموعۃ الیواقیت العصریۃ میں لکھتے ہیں :-

ثم اعلم ایضاً انہ قد یوافق	پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی مہینہ
اول الشھر بالحساب اولہ	کی پہلی تاریخ جو حساب کی رو سے ہوتی ہے
بالھلال، وقد یتقدم الحساب	وہی ہلال کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے اور
عن الھلال وقد تتوالی اربعۃ	کبھی حساب میں مہینہ ہلال سے پہلے ہی
اشھر ثلاثون ثلاثون یوما	شروع ہوجاتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہو کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) علم ریاضی پر ہے، اس میں اولاً تو یہی دعویٰ غلط ہے کہ ریاضی کے اصول پر ہلال کی کوئی تقویم بن سکتی ہو، اور اگر بالفرض بن بھی جائے تو اس کی بنا پر حکم شریعت میں ترمیم نہیں کیجا سکتی، جبکہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام نے سرے سے موقتین کے حساب و کتاب کو کالعدم قرار دیدیا ہے، ہم نے یہاں وہ مثال بھی پیش کردی ہے جہاں شرع میں علم ظنی کا اعتبار ہے، اور علم قطعی کو کالعدم قرار دیا ہے، غور فرمائیے اگر قاضی یا امیر مملکت کو اپنے ذاتی علم و مشاہدہ کی بنا پر اقامت حدود کا حق دیدیا جاتا تو پھر اسکی کیا ذمہ داری تھی کہ کل کو قاضی صاحب یا امیر مملکت جس سے خفا ہوتے اس کو محض اپنے علم و مشاہدہ کی بنا پر سنگسار نہ کرا دیتے، ایک بیچارہ ناکردہ گناہ لاکھ چلاتا اور سر پیٹتا کہ میں بالکل بے قصور ہوں مگر قاضی صاحب یہ کہکر اس کا خاتمہ کردیتے کہ میں نے تو خود تجھے اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے دیکھا ہے، اسی طرح جب شریعت مقدسہ نے عام مسلمانوں کو صیام و افطار کا حق رویت ہلال کی بنا پر دیا ہے تو پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ بغیر ہلال کو دیکھے یا اس کی رویت کی شہادت گذرے محض اپنے حساب و کتاب کی بنا پر اس حق کو ان سے چھین لے اور اپنے اعلان کے مطابق انھیں صیام و افطار پر مجبور کرے۔

وثلاثة اشهر متصلة وعشرون	ہلال کے لحاظ سے مسلسل چار ماہ تیس تیس
يوما بالهلال ولا يتوالى اكثر	دن کے اور تین ماہ انتیس انتیس دن کے
من ذالك	ہو جاتے ہیں، مگر یہ تسلسل اس سے زیادہ نہیں رہتا۔
واما بالحساب فان انما شهر	لیکن حساب کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ماہ
ثلاثون وشهر متصلة و	تیس کا ہوتا ہے اور دوسرا انتیس کا اور
عشرون لا متغير (ص ۱۹۳ طبع مصر ۱۳۴۹ھ)	اس میں تبدیلی نہیں ہوتی،

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ تقویم کا حساب اصطلاحی ماہ و سال پر مبنی ہے، اور مسلمانوں کا حساب حقیقی ماہ و سال پر۔ اس لیے ہر دن اور ہر تاریخ میں ان دونوں کا مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے اختلاف کی صورت میں بجائے اس کے کہ تقویم سے مورخین کے بیان کردہ دنوں اور تاریخوں کو جانچا جائے، علم و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ خود مورخین کے بیان کردہ دنوں اور تاریخوں سے تقویم کو درست کر لیا جائے، کیونکہ مورخینِ اسلام نے اپنی تصانیف میں ہر دن کی وہی تاریخ لکھی ہے جو رویتِ ہلال کے لحاظ سے اس روز ان کے یہاں تھی، اور یہی تاریخ حقیقی تاریخ ہے، اور اسی کا شرع میں بہ نص قرآنی اعتبار ہے۔

محمد عبدالرشید نعمانی

سنہ عیسوی کی اصلاحات

موجودہ سنہ عیسوی دراصل رومی سنہ ہے جس کی اصلاح سب سے پہلے جولیس قیصر کے زمانے میں ہوئی تھی۔ قیصر مذکور نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۴۵ سال قبل ۷۰۹ رومی میں اسکندریہ سے مصر کے مشہور فلکی سوسی جینس (Socigenes) کو اسی غرض سے طلب کیا تھا کہ سال شمسی کو مرتب و منظم کر دے۔ چنانچہ اس نے اولاً اعتدال ربیعی کا دن رصد سے معلوم کیا تو اس کے حساب سے ۲۵ مارچ کا دن نکلا پھر فلکی مذکور نے حسب ذیل نقشہ کے مطابق قیصر کے لیے سنہ شمسی کو مرتب کر دیا:

نمبر شمار	تعداد ایام	رومی مہینوں کے نام	مہینوں کے موجودہ نام
۱	۳۱	جانواریبوس	جنوری
۲	۲۹ اور سال کبیسہ میں ۳۰	فبرداریبوس	فروری
۳	۳۱	مارتیوس	مارچ
۴	۳۰	اپریلس	اپریل
۵	۳۱	مایوس	مئی
۶	۳۰	یونیوس	جون

۷	۳۱	کینتیلس	جولائی
۸	۳۰	سکستیلس	اگست
۹	۳۰	ستنبر	ستمبر
۱۰	۳۱	اکتوبر	اکتوبر
۱۱	۳۰	نومبر	نومبر
۲	۳۱	دسمبر	دسمبر

فلکی مذکور نے ماہ فروری کے بارے میں یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ وہ ۳ سال تک مسلسل ۲۹ دن کا ہوا کرے گا اور ہر چوتھے سال ۳۰ دن کا شمار کیا جائے گا ۔ جولیس قیصر نے اس اصلاح کی یادگار میں ماہ کینتیلس (مطابق ماہ تموز) کا نام بدل کر اپنے نام کی نسبت سے اس کا نام جولائی کر دیا ۔

سنہ عیسوی میں دوسری تبدیلی : بعد کو جب شاہ اگستس (Augusts)[1] نے اس کی گدی سنبھالی تو چونکہ یہ بڑا مغرور و خود پرست بادشاہ تھا اور جیسا کہ بیرونی کا بیان ہے سب سے پہلے ''قیصر'' کا لقب بھی اسی نے اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ تسمیہ بیرونی نے یہ لکھی ہے کہ ''قیصر'' کے معنی فرنگی زبان میں اس چیز کے آتے ہیں جس کو چاک کر کے نکالا گیا ہو ۔ چونکہ اس کی ماں دردزہ میں مر گئی تھی اور اس کو شکم مادر سے چاک کر کے نکالا گیا تھا اس لیے اس کا لقب ہی ''قیصر'' پڑ گیا ۔ اگستس ازراہ تکبر اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اندام نہانی کے ذریعہ باہر نہیں آیا[2] ۔ بہرحال جب یہ تخت نشین ہوا تو

۱- ''اگست'' کے معنی حسن وفقی بکہ نے مقدس کے لکھے ہیں ۔
۲- ملاحظہ ہو الآثارالباقیہ ص ۲۹ ۔

اس کی آتش حسد نے جوش مارا اور اسے خیال ہوا کہ جولیس کے نام کو تو اس اصلاح کی بدولت بقائے دوام حاصل ہوا کہ ماہ ''جولائی'' ہر سال اس کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے، آخر میں اس سلسلے میں اپنی یادگار کیوں نہ چھوڑوں۔ اس خیال سے اس نے بھی ماہ ''سیکستیلس'' کو، جو جولائی کے بعد آتا ہے، اپنے نام پر ''اگسٹ'' سے موسوم کر دیا۔ اور چونکہ یہ مہینہ ماہ ''آب'' کے مطابق تھا جس کے تیس دن ہوتے ہیں اس لیے اس کے تکبر نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ جو مہینہ اس کے پیش رو کے نام سے منسوب ہو وہ تو اکتیس دن کا ہو اور جو مہینہ خود اس کے نام پر موسوم ہو وہ تیس دن کا اس لیے اس نے اس سنہ میں بمقتضائے ''ایجاد بندہ اگرچہ گندہ'' یہ اصلاح کی کہ ماہ ''اگست'' کو بھی بجائے تیس کے اکتیس ہی کا قرار دے دیا اور ماہ فروری کے بارے میں جو تین سال تک انتیس کا اور ہر چوتھے سال تیس دن کا شمار کیا جاتا تھا یہ قاعدہ وضع کیا کہ آئندہ سے یہ ایک دن کم کر کے تین سال تک اٹھائیس اٹھائیس دن کا اور ہر چوتھے سال انتیس دن کا شمار ہوا کرے گا۔ جولائی اور اگست کے پیہم ۳۱، ۳۱ دن کے ہونے کی اصل حکمت یہ ہے۔ یہ تقویم ''تقویم جولیس'' سے موسوم ہے۔

سنہ عیسوی میں تیسری اصلاح: پھر ۱۰۷۹ رومی یعنی ۳۷۰ جولیسی مطابق ۳۲۵ عیسوی میلادی میں شہر ازنیق میں جو اناطولیہ کے مضافات میں واقع ہے، پوپ پادریوں کی ایک روحانی مجلس اسی غرض سے منعقد ہوئی کہ عیسائیوں کی عیدوں اور ان کے مقدس دنوں کی تعین کی جائے۔ چنانچہ اس مجلس نے تاریخ عیسوی کا مبدأ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادتِ باسعادت کو قرار دیا۔ ارکانِ مجلس کی رائے میں حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت ۲۶ دسمبر کو ہوئی تھی اس لیے یکم جنوری سے سنہ عیسوی میلادی

کا آغاز قرار دیا گیا - اس مجلس نے ''تقویم جولیس'' کو جیوں کا تیوں برقرار رکھا بجز اس کے کہ ''اعتدال ربیعی'' کا دن بجائے ۲۵ مارچ کے اب ۲۱ مارچ مقرر کر دیا گیا، کیونکہ سوسی جینس فلکی نے جب جولیس قیصر کے زمانے میں رصد سے ''اعتدال ربیعی'' کا وقت معلوم کیا تھا تو وہ ۲۵ مارچ کے مطابق تھا لیکن اب ۳۷۰ برس گذر جانے کے بعد جب ازنیقی مجلس نے رصد سے اس کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اب تک چار دن کا فرق پڑ چکا ہے اور اب '' اعتدال ربیعی'' کا دن بجائے ۲۵ مارچ کے ۲۱ مارچ ہو گیا ہے کیونکہ آفتاب اول برج حمل میں اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہے -

بہرحال ان پادریوں نے یہ اصلاح کر کے اپنی عیدوں، تہواروں اور مقدس دنوں کا تعین اسی اصلاح یافتہ سنہ کے اعتبار سے کر لیا لیکن سارے ارکانِ مجلس میں سے کسی کو اتنا خیال نہیں آیا کہ '' اعتدال ربیعی'' میں یہ چار دنوں کا فرق ۳۷۰ سال کے عرصے میں کیسے پڑ گیا اور آئندہ اس کی کیا صورت ہو کہ پھر یہ فرق نہ پڑنے پائے - مگر انھوں نے اتنی ہی اصلاح ضروری سمجھی اور مدت تک مذہبی دنوں کے تعین کے سلسلے میں اسی طریقۂ کار پر عمل درآمد ہوتا رہا -

سنہ عیسوی کا استعمال کب سے شروع ہوا: پھر ۵۲۸ء سے تاریخ میلادی کا استعمال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ تمام مسیحی اقوام میں سنہ عیسوی کا عام رواج ہو گیا جو بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے ''تقویم جولیس'' کے مطابق سولھویں صدی کے اخیر تک رائج رہا -[۱]

۱- فارسی زبان کے کسی شاعر نے انگریزی مہینوں اور سال کبیسہ (لوند کے سال) کے معلوم کرنے کے قاعدہ کو اس طرح نظم کر دیا ہے :

جنوری[۱] و فروری[۲] و مارچ[۳] و اپریل[۴] و مئی[۵]

جون[۶]، جولائی[۷]، اگست[۸] و نیز سپتمبر[۹] بداں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سنہ عیسوی میں چوتھی اصلاح : پھر سولھویں صدی کے اخیر میں پوپ گریگوری سیزدہم نے اس حساب میں یہ اصلاح کی کہ ”تقویم جولیس“ میں سے دس دن اور گھٹا دیے - چنانچہ اس نے یوم پنجشنبہ ۴ اکتوبر ۱۵۸۲ء کے بعد والے جمعہ کی تاریخ ۵ اکتوبر کی بجائے ۱۵ اکتوبر قرار دی - اور یہ قاعدہ بنایا کہ سنہ ۱۷۰۰ء، ۱۸۰۰ء اور سنہ ۱۹۰۰ء میں کبیسہ کا دن ضم نہ کیا جائے اور آئندہ سے ہر تین سال ۳۶۵ دن کے معمولی سال شمار کیے جائیں اور ہر چوتھا سال ۳۶۶ دن کا سال کبیسہ مانا جائے -

اس اصلاح کا سبب یہ تھا کہ شمس کی حرکت دوری حقیقت میں وہ نہ تھی جو جولیس کی تقویم میں مقرر کی گئی تھی یعنی دور شمسی کی مدت (۳۶۵، ۲۵۰۵ دن) نہ تھی بلکہ (۳۶۵، ۲۴۲۲۱۶ دن) تھی اور اسی غلطی کا یہ نتیجہ تھا کہ جس طرح سابق میں ”تقویم جولیس“

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

۱۰ ۱۱ ۱۲
ہست اکتوبر ، نومبر ہم ، دسمبر آخریں
از شہور سال انگریزی بسان رومیاں
پس بود اپریل و جون و نیز سیتمبر دگر
شد نومبر این ہمہ سی روزہ باشد درمیاں
فروری دو کم بود لیکن بسال چارمیں
یک بریں افزا کبیسہ ہست و نہ گردد عیاں
ہفت باقی سی و یک روز است گر قسمت کنی
سالہائے عیسوی بر چار تا اے مہرباں
بر نیاید کسر گر سال کبیسہ شد ہمیں
ور برآید پس بہ ترک کسر کن تقسیم آن
گر یکے ماند ز سال بے کبیسہ اول است
ور دو دوم ور سہ سوم سال باشد بے گماں

کے حساب سے "اعتدال ربیعی" کا دن ۲۵ مارچ کی بجائے ۲۱ مارچ ہو گیا تھا اب بجائے ۲۱ مارچ کے ۱۱ مارچ ہو گیا۔ چنانچہ جب یہ نکتہ پوپ صاحب پر کھلا تو مجبورا ان کو اس حساب میں سے دس دن کم کر کے اپنے ایام مذہبی کی تعیین کرنی پڑی۔ جب سے آج تک پوپ صاحب کی اسی اصلاح کے مطابق عمل درآمد چلا آ رہا ہے۔ آگے اللہ جانے اور کیا اصلاح کرنی پڑے۔

تقویم گریگوری اور مسیحی اقوام: پوپ گریگوری کی مذکورہ تصحیحات کو سب سے پہلے فرانس میں سندِ قبول عطا کی گئی چنانچہ وہاں کے شاہ ہنری سوم کے حکم سے یکشنبہ ۹ دسمبر کے بعد جو دوشنبہ آیا تو اس روز بجائے دسمبر کی ۱۰ تاریخ کے ۲۰ تاریخ قرار دی گئی اور اس وقت سے لے کر ۲۲ ستمبر ۱۷۹۲ء تک فرانس میں اسی تاریخ پر عمل ہوتا رہا۔ پھر ۲۲ ستمبر ۱۷۹۲ء سے حکومت فرانس نے اپنے سنہ میں یہ تبدیلی کر دی کہ آغازِ سال شمس کے نقطہ "اعتدال خریفی" پر آ جانے سے قرار دیا اور سال کے سب مہینے تیس تیس دن کے کر دیے۔ پھر اختتامِ سال پر معمولی سالوں میں ۵ دن اور سالِ کبیسہ میں ۶ دن کا اضافہ مقرر کیا، تا کہ سالِ شمسی کی تکمیل ہو سکے۔ ۱۸۰۵ء کے اختتام تک حکومتِ فرانس اسی حساب پر عامل رہی۔ پھر ۱۷ جنوری ۱۸۰۶ء سے گریگوری کی تقویم پر حسبِ سابق عمل شروع ہو گیا۔

لیکن حکومتِ انگلستان ۱۷۵۱ء تک "تقویم جولیس" ہی پر عمل کرتی رہی۔ بعد کو جارج دوم کے زمانے میں اس کے عہدِ حکومت کے چوبیسویں سال حسب قرارداد پارلیمنٹ اس تقویم کو ترک کر کے گریگوری کی تقویم کو قبول کیا گیا۔ چنانچہ ۲ ستمبر ۱۷۵۲ء یوم چہار شنبہ کے بعد

یوم پنجشنبہ کو بجائے ۳ ستمبر کے ۱۴ ستمبر تاریخ قرار دی گئی ۔ اس سے پہلے چار سو سال تک انگریزوں کا مالی سال ۲۵ مارچ سے شروع ہوتا تھا ، اب سنہ ۱۷۵۳ء سے سال کا پہلا دن یکم جنوری کو قرار دیا گیا ۔[۱]

روس میں سال کا آغاز ستمبر کی پہلی تاریخ سے ہوتا تھا ۔ ۱۶۹۹ء میں قیصر روس بطرس کبیر نے یہ حکم دیا کہ روس میں بھی یورپ کی طرح سال کا آغاز یکم جنوری سے قرار دیا جائے ۔ قیصر روس بطرس مذکور نے آغاز سال کا دن تو بدلوا دیا لیکن اس سے اتنا نہ ہو سکا کہ تقویم جولیس کو ہٹا کر گریگوری کی تقویم کو نافذ کر دیتا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم تک روس اور یونان کا عملدرآمد اسی غلط تقویم پر ہوتا رہا تا آنکہ روس میں انقلاب آیا ، زار کی حکومت کا تختہ الٹا اور کمیونزم کا راج ہو گیا ۔

بعد ازاں یکم اکتوبر ۱۹۳۳ء کو روس اور یوگوسلاویہ کے چرچ نے سنہ عیسوی کے شمار کے لیے جولیس کے حساب کو بدل کر گریگوری کے حساب کو اختیار کر لیا ۔

غرض گریگوری سیزدہم نے اوائل مارچ ۱۵۸۱ء میں سنہ عیسوی کی اصلاح کا حکم دیا ۔ چنانچہ مجلس ازنیقی کے وقت انعقاد سے لے کر اب تک یعنی ۳۲۵ء سے لے کر ۱۵۸۲ء تک تقریباً دس دن کا فرق جو ۱۲۵۷ سال میں ہو گیا تھا اس کو درست کرنے کی غرض سے جمعہ ۱۵۸۲ء کو اکتوبر کی پانچ تاریخ کی بجائے ۱۵ تاریخ شمار کی گئی اور اس روز سے کیتھولک فرقے نے جس کی حکومتیں فرانس ، اٹلی ، سپین اور

۱۔ اس ساری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تقویم المنہاج القویم از حسن وفقی بک ص ۱۱۰ تا ۱۱۹ طبع مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۴۵ھ ۔

پرتگال میں قائم تھیں اسی تاریخ پر عمل شروع کر دیا ۔ لیکن پروٹسٹنٹ نے اس اصلاح کو ۱۷۰۰ء سے پہلے قبول نہیں کیا اور انگریزوں نے تو اس کو ۱۷۵۲ء میں اپنے یہاں نافذ کیا ہے ۔ سب سے اخیر میں اس اصلاح کو آرتھوڈکس فرقے نے قبول کیا جس کے پیرو روس اور یوگوسلاویہ اور دیگر ریاستہائے بلقان میں ہیں ۔ اور اب تو سارے یورپ میں یہی تاریخ مروج ہے ۔[1]

یہ ہے اس سنہ عیسوی کا تاریخی جائزہ جس پر ساری مسیحی دنیا کا دارومدار ہے ۔ مقام عبرت ہے کہ اتنی بڑی قوم برسوں نہیں صدیوں تک اپنے مقدس دنوں ، عیدوں ، تہواروں اور روزوں کے ایام کو گم کیے رہی اور خود اپنے اقرار کے مطابق ۱۵۸۲ء تک صحیح دنوں کا تعین نہ کر سکی بلکہ اپنی تمام عباداتِ مذہبی کو اسی غلط حساب کے مطابق ادا کرتی چلی آئی ۔ یہیں سے اس امر کا اندازہ بھی لگا لیجیے کہ جس قوم نے اپنے مقدس دنوں کو گم کر دیا وہ اپنے انبیاء کی مقدس تعلیم کو کس طرح محفوظ رکھتی! تمام عیسائی دنیا کا اپنے اصلی دنوں کو گم کر دینا اسی ضلال و اضلال کا ایک نمونہ ہے جس کے متعلق قرآن عظیم میں ارشاد ہے :

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیرالحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا و ضلوا عن سواء السبیل ۔

اے اہلِ کتاب اپنے دین کی بات میں ناحق کا مبالغہ مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے

۱- یہ واضح رہے کہ انگریزوں کو تو اپنے سنہ مروجہ کی غلطی ۱۷۵۲ء میں معلوم ہوئی مگر ہندوستان کے مسلمانوں نے اس غلطی کی نشان دہی ان کی اصلاح سے ۳۳ سال پہلے ۱۷۱۹ء ہی میں کردی تھی (ملاحظہ ہو زیج بہادر خانی باب ہفتم در معرفت تاریخ عیسوی ، از مولوی غلام حسین جونپوری ، طبع بنارس ۱۸۵۸ء) ۔

اور بہتوں کو گمراہ کر گئے اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ظاہر ہے کہ جس طرح تثلیث کا عقیدہ عیسائیوں نے غیر قوموں سے لیا ہے اسی طرح اس سنہ کا استعمال بھی انھوں نے دوسروں سے ہی سیکھا ہے۔ جولیس سیزر ایک بت پرست کافر تھا جس کی تقویم کو مجلس ازنیقی نے بجنسہ بحال رکھا؛ صرف اعتدالِ ربیعی کے دن کو بجائے ۲۵ مارچ کے ۲۱ مارچ کر دیا اور اس تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں تک عیسائی دنیا اپنے اصلی ایام مقدسہ کو نہ پا سکی۔

☆ ☆ ☆

جہاد

جہادِ افغانستان اور ہمارا فریضہ

تحریر: مولانا عبدالرشید نعمانی، جامعہ علوم اسلامیہ، کراچی

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد عالی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے ۝ (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی (بات) پر کہ وہ (یوں) کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے ؕ اور اگر یہ (بات) نہ ہوتی کہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے ؕ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) ۝ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے ۝

(سورہ حج آیت نمبر ۳۹۔۴۰۔۴۱، ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ)

> مسلمانوں نے جب تک تلوار اور ڈھال کو اپنا زیور بنائے رکھا اسوقت تک پوری دنیا پر حکمرانی کرتے رہے

آیت شریفہ جہاد افغانستان پر پوری طرح منطبق ہے۔

قتال و جہاد کی اجازت اس بنا پر دی گئی کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ اس کا انکار بڑے سے بڑا معاند شخص بھی نہیں کر سکتا ہے۔ افغان قوم اطمینان کے ساتھ اپنے ملک میں قیام پذیر تھی بغیر کسی قسم کی شکایت یا تعدی کے بیٹھے بٹھائے اس قوم پر حملہ کر دیا گیا۔ کمیونسٹ جو خدا کے وجود کے انکاری ہیں۔ نبوت اور وحی کے قائل نہیں، غیب پر ایمان نہیں رکھتے، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر انہیں یقین نہیں اور اس بے دینی کو سارے عالم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے افغان قوم کو نہتا، بے یار و مددگار سمجھتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا اور وہ مظالم ڈھائے کہ جن کے سننے سے انسانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مساجد مسمار کی گئیں، عورتوں اور بچوں پر بے دریغ بمباری کی گئی، بوڑھوں کو قتل کیا گیا، جوانوں پر مظالم ڈھائے، اور مخدرات عصمت کی عصمتیں پامال کی گئی ہیں۔ ہزاروں معصوم بچوں کو پکڑ کر اپنے ملک میں لے گئے، اور اب ان کو مرتد بنایا جا رہا ہے۔

اس لیے حکم خداوندی کے مطابق ایسی صورت میں جہاد لازم ٹھہرا۔ افغان قوم نے جو غیور قوم ہے، اپنے انہی ہتھیاروں سے جو ان کے پاس سردست موجود تھے جہاد کا آغاز کیا۔ اب اس آیت کے اس فقرے پر غور کیجیے اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا: یعنی مظلوموں کو جنگ کی اجازت دی گئی اور پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر: اللہ کی نصرت کا ظہور کس طرح روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ کہاں ایک طرف دنیا کی عظیم ترین قوت جس کو موجودہ دور میں سپر پاور سمجھا جاتا ہے۔ جس کے یہاں سینکڑوں کارخانے اسلحہ سازی کے موجود ہیں جو دن رات ہتھیاروں کے بنانے میں لگے رہتے ہیں جس کے پاس پٹرول کا ذخیرہ ہے، لوہے کی کانیں ہیں، آدمیوں کی وافر تعداد

> شاباش ہے ان لوگوں کو جو ملک بدر ہونے کے بعد بھی دشمن کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے۔

موجود ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا رقبہ جس کے زیر تسلط ہے۔ تربیت یافتہ سپاہ کی تعداد ۳۰ لاکھ سے زیادہ ہے اور رنگروٹوں کی تعداد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں اور بحر و بر پر حلیف طاقتیں اور زیر نگیں ملکوں میں مدد پر تیار ہیں۔ وہاں کے رضا کار جب اس فوج میں شامل، انگنت طیارے بے شمار ٹینک اور توپیں اور گولہ بارود کا ذخیرہ، غرض آتش و آہن کا سیلاب افغانستان پر اچانک رواں دواں ہوگیا ہے۔ اور مقابل میں مٹھی بھر رضاکار پرانے اور فرسودہ ہتھیاروں کے ساتھ سربکف اللہ کی رضا کے لیے میدان میں کود پڑتے ہیں۔ وہی مضمون ہوتا ہے:

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

بھلا چھوٹی سی چڑیا اور باز کا کیا مقابلہ۔

لیکن اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ اس نے قتال کا اذن اس وعدے کے ساتھ دیا تھا کہ ان اللہ علی نصرھم لقدیر، کہ اللہ کو ان کی نصرت کی قدرت ہے چنانچہ اس وعدے کا ظہور ہوا۔ اللہ کی نصرت اتری اور رضاکاروں کی معمولی تعداد تربیت یافتہ سپاہ پر غالب آئی۔ دشمن کے ہتھیار مال غنیمت میں ملے اس کا اسلحہ اور جنگ کے ساز و سامان، رسد کا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور دشمن خدا کے

بھی ان ظالم کمیونسٹوں کے نزدیک ان کا جرم عظیم تھا۔ اسی بنا پر ان کو اپنے وطن سے بے وطن کر دیا گیا، گھروں سے نکال کر بے گھر بنا دیا گیا، اور اب ملک کی ایک تہائی آبادی جو تقریباً پچاس لاکھ کے قریب ہے اپنے وطن عزیز سے دور بڑی ہولناک سردی بارش اور موسم کی سختیوں کا

ایک طرف جدید ترین ٹیکنالوجی اور مہلک ہتھیاروں کا انبار ہے اور دوسری طرف نہتے مجاہدین

مقابلہ خیمہ بستیوں میں کر رہی ہے۔ تیس پینتیس لاکھ کے قریب پاکستان میں ہیں۔

دس بارہ لاکھ ایران میں اور باقی دوسرے مقامات پر پناہ گزیں ہیں۔

مگر شاباش ہے ان لوگوں کی استقامت کو جو ملک بدر ہونے کے بعد بھی دشمن کے آگے سرنگوں ہونے کو تیار نہیں۔ ان کے حوصلے بلند ہیں، جذبات تازہ ہیں، مقاومت کر رہے ہیں اور ہر وقت دشمن کو نیچا دکھانے کی فکر میں ہیں اس موقع پر آیت کے دوسرے حصے پر بھی نظر ڈالیے جس میں فرمایا گیا ہے:۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت

ہوجاتا ہے، یہی مقصود ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض کا۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس طرح چاہے، مدافعت کا انتظام پیدا کردے اب مسلمانوں کے لیے اللہ کے اس وعدے پر یقین کی ضرورت ہے جس کا وعدہ پوری تاکید کے ساتھ آیت کے آخر حصے میں کیا گیا ہے کہ

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز:

خوب سوچیے، اب ہم سب کے لیے غور و فکر یہ ہے کہ اگر ہم استقامت کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں تو اللہ قوی و عزیز ہے کی نصرت کا آنا بھی یقینی اور قطعی ہے۔ اس سلسلے میں پاکستانی قوم کے لیے سب سے زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے کہ ہماری سرحدوں پر اسلام کی عظیم و مبارک لڑائی جاری ہے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے اطمینان سے بیٹھے رہیں یاد رکھیے ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے یہ سب سے اچھا موقع ہے کہ ہم اس سلسلے میں سب سے پہلے آگے بڑھیں اور اللہ کی نصرت وعدہ کا اپنے کو مستحق بنائیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں دوسری مسلمان قوموں سے سب سے زیادہ پیچھے ہیں اس وقت عرب، افریقہ اور دوسرے مختلف مسلمان

صرف قراردادوں اور زبانی جمع خرچ سے کسی کی حمایت نہیں ہوتی۔

دانت کھٹے ہوگئے۔ جنگ کو نو برس ہوگئے لیکن روس جیسی مقتدر طاقت کو ملک پر قبضہ کرنا نصیب نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے مسلمان مجاہدین میں وہ قوت طاقت اور رعب پیدا کردیا کہ دشمن کو ملک سے اپنی فوجیں نکالتے ہی بن پڑی۔

اس آیت شریفہ میں جو دوسری بات بتائی گئی کہ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق۔ اس پر بھی غور کیجیے کہ کیا یہ واقعہ نہیں؟ کہ اس جنگ میں نہتے مسلمانوں کو ان کے ملک سے باہر نکالا گیا اور ان کا قصور بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ ان یقولوا ربنا اللہ وہ مسلمان تھے، اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے بس

صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً:۔

اس وعدے کا ظہور کس عجیب طریقے سے ہوتا ہے کہ مجاہدین کے لیے تمام عالم کی ہمدردیاں جمع ہوجاتی

افغانوں کو بے یار و مددگار سمجھتے ہوئے روس نے وہ مظالم ڈھائے جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

ہیں۔ اسلامی ممالک ایک طرف، خود مسیحی اقوام بھی مالی مدد کر رہی ہیں دوسری طرف امریکہ سے اسلحہ کی فراہمی شروع ہوجاتی ہے، چین اسلحہ دینے پر آمادہ

ملکوں کے رضاکار بھی میدان جہاد میں داد شجاعت دے رہے ہیں اور ہم کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود اس میدان میں بہت ہی کم نظر آتے ہیں

گوئے توفیق و سعادت در میان افگندہ اند
کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد

ملک میں تبلیغی جماعت بھی ہے، اسلامی جماعت بھی ہے اسلامی مدارس بھی ہیں اور اسلام کے نام پر اور دوسری جماعتیں بھی ہیں، سوال یہ ہے کہ یہ سب اس وقت اس قتال و جہاد کی اہمیت کو کیوں نہیں سمجھ رہے کیا اس سے بہتر جہاد کا موقع اور بھی آسکے گا؟

میرا معروضہ یہ ہے کہ ہماری یہ سب جماعتیں

بے سروسامانی اور جنگی سامان کی قلت مسلمانوں کیلئے شکست کا سبب نہیں بنتی ۔

اگر اپنے دس فیصد آدمیوں کو بھی میدان جہاد میں بھیج دیں تو جہاد کی تربیت بھی مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو گی اور اسلام کا یہ عظیم رکن جو عرصے سے معطل ہے دنیا میں زندہ ہو جائے گا ۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ۔

جی ہاں اگر پاکستانی قوم نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنی جدوجہد کو اللہ تعالیٰ کے لیے شروع کر دیا تو پھر دوسری آیت جس میں فرمایا گیا ہے ۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

اس کا بھی مصداق بن جائیں گے ۔

یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اور اس کی تعمیر میں لاکھوں مسلمانوں کا خون بہہ چکا ہے ایک لاکھ گیارہ ہزار سے زیادہ مسجدیں ہم مشرقی پنجاب میں چھوڑ آئے ہیں اور ایک لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہم اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں کو ہندو ظالموں کے حوالے کر آئے ہیں اور ابھی وہ نسل موجود ہے جس نے یہ دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔ یہ سب نتیجہ ہے ترک جہاد کا جس کی بنا پر یہ ذلت و رسوائی مسلط کی گئی ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے ۔

اذا ترکتم الجھاد فسلط اللہ علیکم الذلۃ حتیٰ ترجعوا الیٰ دینکم ۔

جب تم جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ رب العزت تم پر ذلت کو مسلط کر دیں گے یہاں تک کہ تم دین کی طرف دوبارہ لوٹ آؤ اس حدیث شریف میں ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا حتیٰ ترجعو الیٰ دینکم حالانکہ الیٰ جہادکم ہونا چاہیے تھا ۔ اس لیے کہ جہاد پورے دین کا محافظ ہے ۔ جہاں جہاد نہیں ہوا وہاں مدارس اور مساجد نہ صرف بند ہو گئے بلکہ عیاشیوں کے اڈے بنا دیئے گئے وہاں کلمہ پڑھنا جرم قرار دے دیا گیا ۔

اگر ہم نے سچی توبہ کر کے قتال و جہاد کو اپنا لیا تو پھر تمکن فی الارض ہمارا مقدر ہے اور اللہ کا یہ معاملہ ہمارے ساتھ بھی ہو کر رہے گا ۔ کہ ہماری عظمت پارینہ پھر دوبارہ ہم کو عطا کر دی جائے گی : وللہ عاقبۃ الامور

خوست کے محاذ پر ایک دن

تحریر: مولانا عبد الرشید نعمانی، شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۰ صفر ۱۴۱۰ھ بروز دوشنبہ کو میں مجلس دعوت و تحقیق اسلامی میں طلبہ کو مقدمہ ابن صلاح پڑھا رہا تھا کہ دفعتاً مولوی ابو جعفر صاحب بنگلہ دیشی امیر حرکۃ الجہاد الاسلامی حضرت مولانا سیف اللہ اختر صاحب کو ساتھ لے کر نمودار ہوئے۔ میں ان کو دیکھتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا۔ مولوی ابو جعفر صاحب نے ان کا تعارف کرایا۔ جہادِ افغانستان پر بات چیت شروع ہو گئی، امیر صاحب بڑے اطمینان سے میرے سوالات کا جواب دیتے رہے۔ گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد امیر موصوف نے فرمایا کہ بنگلہ دیش سے جناب مولانا فضل الکریم صاحب جو وہاں کے مشہور بزرگ اور پیر ہیں پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ انکے وہاں ہزاروں لاکھوں مرید ہیں اور انہوں نے بھی اپنی جماعت کا نام مجاہد کیمپ رکھا ہے۔ ہم نے پیر صاحب سے محاذ پر چلنے کا وعدہ لے لیا ہے۔ چنانچہ کل پیر صاحب مع اپنے صاحبزادے اور ایک خادم کے محاذ پر روانہ ہوں گے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی ہمارے ساتھ محاذ پر تشریف لے چلیں۔ امیر صاحب نے جس انداز سے فرمایا تھا مجھے ان کے تعمیل حکم سے انکار نہ ہو سکا۔ بلکہ جی تو میرا بھی پہلے سے چاہتا تھا موقع غنیمت سمجھ کر میں نے فوراً اقرار کر لیا۔ سنتے ہی امیر صاحب مولوی ابو جعفر صاحب کو ساتھ لے کر ٹکٹ کی خریداری کیلئے اسی وقت فوراً روانہ ہو گئے اور مجھے فرما گئے کہ آپ سفر کے لیے تیار رہیں۔ شام تک آپ کو ٹکٹ کی خریداری اور وقتِ روانگی سے مطلع کر دیا جائے گا۔ میں دن بھر اسی انتظار میں رہا۔ شام کو عشاء کی نماز پڑھ کر آیا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ خرید لیے گئے اور کل ایک بجے کی پرواز سے پشاور روانگی ہے۔ خیال یہ تھا کہ کل صبح کی فلائٹ سے اگر روانگی ہو جائے تو دو محاذوں تک پہنچ سکیں گے خوست پر بھی اور ارگون پر بھی لیکن باوجود کوشش کے صبح کی پرواز میں جگہ نہ مل سکی۔ میں دوسرے دن صبح ہی کو آٹھ نو بجے کے

قریب دفتر حرکۃ الجہاد الاسلامی" میں حاضر ہو گیا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد وہاں پیر صاحب بھی تشریف لے آئے اور کھانے سے فارغ ہو کر بارہ بجے کے قریب ہم لوگ مطار پر جا پہنچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ابھی پرواز میں ڈیڑھ گھنٹے کی دیر ہے۔ چنانچہ ایک بجے کے بجائے ڈھائی بجے طیارہ کراچی سے روانہ ہوا اور پونے چار کے قریب پشاور پہنچ گیا۔ جہاز سے اترنے اور باہر آنے میں دس پندرہ منٹ اور صرف ہوئے۔ مطار سے باہر آنے پر معلوم ہوا کہ اتفاق سے وہ جیپ بھی خراب ہے جس پر سوار ہو کر محاذ پر جانا ہے۔ چنانچہ ہم مطار سے سیدھے مسجد درویش میں آئے وہیں عصر کی نماز ادا کی۔ امیر صاحب تو نماز پڑھتے ہی جیپ کی فکر میں روانہ ہو گئے۔ اور ہم نماز پڑھ کر جو اترے تو دیکھا طلبہ جنگی پریڈ میں مصروف ہیں۔ پریڈ اس شان سے ہو رہی تھی کہ طالب علم کا رخسار تک ہلتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ عصر سے مغرب تک طلبہ کی دو جماعتوں نے اس پریڈ میں حصہ لیا۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء تک وہیں قیام کیا اور عشاء پڑھ کے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب (جو حضرت مولانا تھانویؒ کے مجاز ہیں اور اس وقت بزرگوں میں ان کا دم بڑا غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو قائم رکھے) ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، وہیں شام کا کھانا کھایا اور رات بسر کی۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت کے دیدار سے آنکھیں روشن کیں۔ دعا کی التماس کی اور وہیں ناشتہ سے بھی فارغ ہو گئے۔ اسی اثناء میں امیر صاحب آئے جو مولانا ارسلان خان کے کیمپ سے جا کر جیپ لے کر آئے تھے اور اسی تگ و دو میں ان کو رات کے بارہ بج گئے تھے مگر صبح ناشتے کے بعد جو دیکھا تو امیر صاحب ماشاء اللہ تازہ دم مستعد اور سرگرم روانگی تھے۔ چنانچہ امیر صاحب ہی نے اس جیپ کی ڈرائیونگ کی، اور

تنگ راستوں میں اگر جیپ فراز کوہ سے سرک جاتی تو سیدھی قعر ہلاکت میں پہنچتی

صبح کے سات بجے ہم مسجد و درویشی سے خوست کے محاذ کی طرف چل پڑے۔ سب سے پہلے سفر میں درہ آدم خیل پر گزر ہوا جو آبادی کے اعتبار سے معمولی سی بستی ہے لیکن اس کا شمار آزاد قبائل میں ہوتا ہے اور وہاں اسلحہ کے متعدد کارخانے موجود ہیں۔ ہماری جیپ نے وہاں تھوڑی دیر قیام کیا بعض لوگوں سے خود امیر صاحب کو ملنا بھی تھا اور جیپ کے لیے کسی خاص قسم کا آئل درکار تھا جو وہاں دستیاب نہ ہو سکا اس کے بعد جیپ درے سے گزرتے ہوئے پہاڑ کی بلندی پر جا پہنچی اور پھر وہاں سے نیچے اترتے ہوئے کوہاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ کوہاٹ پہنچ کر وہ آئل مل گیا اور ہماری جیپ فراٹے بھرتی ہوئی بنوں کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہمارے امیر صاحب تیز چلانے کے عادی ہیں۔ اس لیے جلد ہی بنوں سے گزرتے ہوئے وزیرستان کے علاقے میں پہنچے۔ راستے میں دو وزیری ملے ہم سمجھے کہ یہ بھی مجاہد ہیں۔ امیر صاحب سے پشتو میں باتیں شروع ہو گئیں مگر بعد میں امیر صاحب نے بتایا کہ یہ جہاد واد کچھ نہیں کرتے آنے جانے والوں سے مال گزاری وصول کرتے ہیں ہم نے آپ کو چھڑوا دیا۔ غرض صبح سات بجے کے چلے ہوئے دو بجے کے قریب میرانشاہ پہنچے جو آزاد قبائل ہی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہاں عرب مجاہدین نے ایک فرودگاہ تعمیر کر رکھی ہے جو دور دراز سے عرب مجاہدین محاذ کو جاتے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے وہاں قیام کرتے ہیں ہم بھی اسی فرودگاہ پر حاضر ہوئے اس کے قریب سعودیہ اور کویت کے شفاخانے بھی ہیں جن میں مجروحین کا علاج کیا جاتا ہے اس فرودگاہ میں پہنچ کر جن عربوں کو دیکھا وہ دوسرے عربوں سے بڑے ممتاز ہیں۔ سب کے چہرے شرعی زیب و زینت سے مزین ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کے چہرے پر شرعی داڑھی ہے جس کو دیکھو جہاد کے جذبے سے سرشار ہے۔ مجاہدین میں بعض کم سن مجاہد بھی نظر آئے جن کا ابھی سبزہ آغاز تھا اور داڑھی بھی پورے طور پر نہیں نکلی تھی مگر جان فروشی میں سب سے آگے نظر آتے تھے۔ میں نے ایک کم سن مجاہد سے سوال کیا کہ تم نے ماں باپ سے اجازت لی ہے تو اس نے جواب دیا حلال فرض کی تعمیل میں والدین کی اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میں اپنے دل میں شرمندہ ہوا کہ کیا حماقت کی اب ہم نے دو بجے اسی منزل میں ظہر کی نماز قصر ادا کی۔ نماز کے بعد عربوں نے اپنی روایت کے مطابق ضیافت کا مندوبست کیا افغانی تنوری روٹی اور سیخ کے تکے اور ٹھنڈی مشروب کی بوتلیں دسترخوان کی زینت تھیں کھانے سے فارغ ہوئے تو امیر صاحب نے کہا کہ کھانا کھا کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کیجئے میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں چار بجے واپسی ہے۔ چنانچہ ہم تو لیٹ گئے سفر کی تھکان تھی نیند ایسی آئی کہ معلوم ہوا چار بج گئے۔ امیر صاحب موجود تھے۔ مرکز والے سب حضرات عصر کی نماز پڑھ چکے مگر امیر صاحب نے کہا کہ ہم نماز عصر اگلی منزل پر جا کر پڑھیں گے۔ چنانچہ فوراً فرودگاہ سے اترے اور جیپ میں بیٹھ کر فوراً منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے ساتھ ہی ایک سوڈانی عرب کلاشنکوف لیے ہوئے ہماری جیپ میں بیٹھ گئے فرمانے لگے۔ میں حارس (چوکیدار) محافظ ہوں۔ ہمارے آگے آگے عرب مجاہدین کی جیپ بھی روانہ ہوئی جس میں سامان رسد تھا اور اسی میں ایک ذبیحہ بھی سوار تھا۔ غرض آگے آگے عربوں کی جیپ اور پیچھے پیچھے ہماری جیپ منزل کی طرف رواں تھی ذبیحہ کو راستے میں کئی مرتبہ وحشت ہوئی اور وہ جیپ سے کود گیا ذرا دیر میں جیپ افغانستان کی آخری سرحد پر پہنچی تو پاکستانی

> جس خیمہ میں ہم نے قیام کیا تھا بعد میں بمباری سے وہ بھی تباہ ہو گیا

چوکیدار سرحدی پوسٹ کے لیے رہبر اتارا اور ہم افغانستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔ افغانستان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد کچا راستہ شروع ہوا، جب کبھی بلند پہاڑی کی چوٹی پر اور کبھی نیچے وادی میں اترتی چڑھتی رہی۔ راستہ سنگلاخ اور پتھری تھا جس کو صرف مجاہدین کی آمد و رفت نے بنایا تھا۔ بہرحال ہم یا اللہ خیر کرتے ہوئے نشیب و فراز سے گزرتے رہے۔ بہت سے ایسے راستے بھی آئے کہ اگر ذرا ایک فٹ یا دو فٹ کا فرق پڑ جاتا تو جیپ فراز کوہ سے سرک کر سیدھی گہرائی میں پہنچتی کہ نہ سواری کا پتہ چلے اور نہ سواروں کا۔ بہرحال ہم راستے میں عربوں کے ایک فوجی ٹریننگ کیمپ سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ راستے میں مجاہدین کے گرائے ہوئے ہیلی کاپٹروں کا ملبہ بھی ملا۔ افغان مجاہدوں کے کیمپ بھی ملے اور بعض افغان قیدیوں پر بھی نگاہ پڑی ان کی وہ سرنگیں بھی راستے میں آئیں جن کو کھود کر افغان مجاہدین نے اپنی پناہ گاہ بنایا ہے۔ وہیں ان مجاہدوں کے کیمپ ہیں۔ اسلحہ بھی رسد ہے۔ وہیں رہتے اور سوتے ہیں اور ہر وقت جہاد کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ تقریباً دو گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم منزل مقصود پر پہنچے جو عربوں کا فوجی تربیت گاہ ہے۔ وہاں پہنچ کر سب سے اول امیر صاحب کی امامت میں نماز عصر ادا کی نماز سے فارغ ہو کر عربوں نے چائے کا اہتمام کیا۔ جیسے ہم نے اس کیمپ میں قدم رکھا تھا ایک دنا ٹا ہوا تھا۔ نماز کے بعد ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فائر ہمارے استقبال کے سلسلے میں تھا۔ یہاں ماشاء اللہ عربوں کی تعداد سو کے قریب ہوگی جو سب ۲۰ سال سے لے کر ۳۰ اور ۳۵ سال کے ہوں گے سب کی صورتیں دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگلی تاریخوں میں مشتعلین اور مرابطین کے تذکرے نظر سے گزر چکے ہیں۔ ان کو دیکھ کر انہی کا نقشہ ذہن میں آ گیا ان میں سے بعض مجروحین بھی تھے بعض ایسے بھی تھے جن کے پیر دشمن کی سرنگوں سے ٹکرا کر جسم سے الگ ہو چکے تھے مگر ماشاء اللہ ہر ایک کے چہرے پر وہ تازگی اور شادابی تھی کہ جو دیکھنے ہی سے

ہی ملتی جلتی ہے۔ تھوڑی دیر میں مغرب کا وقت ہو گیا اور ہم سب مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسجد بالکل کہف کی صورت تھی جس میں سو آدمی کے قریب نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس میں ایک طرف تو قرآن مجید کے نسخے اور تفسیر و حدیث و دینیات کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں دوسری طرف اسی نفق میں مجاہدین کے سرہانے بستر بھی تھے۔ مسجد کے دروازے پر طیارہ شکن توپ بھی نصب تھی اور باہر ایک مجاہد وائرلیس سیٹ لیے فضا کو گھور رہا تھا۔ اسی عرصے میں ایک مجاہد کی اذان کی آواز فضا میں بلند ہوئی اور سب مجاہدین مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اذان کے بعد بعض مجاہدین نے نماز سے پہلے دو رکعتیں ادا کیں جو امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہیں۔ نماز بڑے کیف سے ادا کی گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ تقریر کیجیے میں نے نماز کے بعد عربی زبان میں مختصر تقریر کی۔ تقریر جہاد کی فضیلت پر تھی۔ تقریر کے بعد سوال کی اجازت مانگی میں نے عرض کیا کہ سوال کا جواب سمجھ آ گیا تو ضرور عرض کروں گا ورنہ معذرت کر لوں گا۔ سوال یہ تھا کہ پاکستانی اس جہاد میں حصہ کیوں نہیں لے رہے؟ ظاہر ہے اس سوال کا میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا میں نے عرض کیا کہ یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے قوم کو اس عظیم مقصد کے لیے ابھی تک تیار نہیں کیا اور یہ بڑا تأسف کا مقام ہے کہ اس عظیم عبادت کو ہم نے کئی صدیوں سے معطل رکھا ہے میں نے یہ بھی کہا کہ یہ کوتاہی کچھ ہمارے ساتھ ہی مخصوص نہیں سارے عالم اسلام کا یہی حال ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو سنبھالتے ہی ان مدارس میں داخل کر دیتے ہیں جہاں سارا نصاب تعلیم فرنگیوں کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے۔ یہی بچے بڑے ہو کر باہر کے ممالک میں جاتے ہیں۔ اور وہاں دوران تعلیم جوان کی ذہنیت بنتی ہے اسی کو لے کر اپنے ملک واپس آتے ہیں۔ قوم مسلمان ہوتی ہے اور یہ جو انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ قوم کو اس ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں جس ڈگر پر یہ خود چلتے ہیں اور جب قوم ان کا کہنا نہیں مانتی تو پھر قوم سے آویزش شروع ہو جاتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک کی تعمیر ترقی کی بجائے حکومت اور پبلک میں باقاعدہ اختلاف شروع ہو کر سخت آویزش اور پھر باہمی کشمکش بڑھتی جاتی ہے آج ساری مسلمان حکومتوں کا یہی حال ہے کہ ہر جگہ عام پبلک اسلام کا نفاذ چاہتی ہے اور یہ حکمران پورے امریکہ اور روس کے پروردہ اپنے نظریات کا نفاذ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ہمارے امیر صاحب نے تقریر شروع کی اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے جہاد کی تحریک پاکستان میں کب سے شروع کی ہے، کتنے آدمی ہم میدان میں اتار چکے ہیں کتنوں کی تربیت کر دی

کیمپ میں تمام مجاہدین کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ سال کے درمیان تھیں

گئی ہے اور کتنوں کی تربیت جاری ہے۔ غرض انہوں نے پوری تفصیل سے اپنی تحریک کی کارگزاری کا تعارف کرایا اور ان کو بتلا دیا کہ ہماری تحریک سردست مدارس عربیہ کے طلبہ میں جاری ہے اور وہی زیادہ تر محاذ پر موجود ہیں اور اب پھر آگے وسعت دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ تقریر کے بعد ہم پھر اپنی فرودگاہ پر آئے۔ کھانا کھایا اور عشاء کی اذان ہوئی اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر رات بستر پر لیٹ گئے۔ رات اگرچہ بڑی پرنور تھی اور ہر طرف چاندنی چھٹک رہی تھی تاہم ہمیں ایک مصری مجاہد نے کناذ (بیرکی) دے دیا تھا۔ صبح طلوع فجر سے پہلے تہجد کی اذان ہوئی اور ہم سب اٹھ بیٹھے اور اس سے خوشی ہوئی کہ مجاہدین تہجد گزار ہیں۔ پھر ایک گھنٹے بعد صبح کی اذان فضا میں گونجی اور ایک مجاہد نے آ کر دریافت کیا کہ آپ کا وضو ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں! اور اسی وقت اٹھ کر مسجد کو روانہ ہوئے صبح کی نماز اول وقت میں امام صاحب نے شروع کی اور چونکہ جمعہ کا دن تھا اس لیے سنت کے مطابق پہلی رکعت میں الٓمٓ تنزیل السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر کی تلاوت کی سورت کے شروع ہوتے ہی عرب مقتدیوں کی آواز گریہ سنائی دینے لگی اور ان کی اکثریت نماز کے اندر زار و قطار روتی رہی یہ منظر پہلی مرتبہ آنکھوں سے گزرا کہ نمازیوں کی اکثریت اللہ کے حضور خشوع و خضوع کی اس کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہے جس کا تقاضا نماز میں مطلوب ہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو جمعہ کی مناسبت سے حلقہ بنا کر حاضرین میں سے ہر ایک سے سورۂ کہف کا ایک رکوع یا کم و بیش سنا جاتا رہا۔ تلاوت سے فرصت ہوئی تو کہا گیا کہ اب وادی میں چلیے اور نشانہ بازی کی مشق شروع کیجیے چنانچہ سیدھے اٹھ کر وہاں آئے جہاں نشانہ بازی کی مشق ہوا کرتی ہے۔ سامنے ایک پہاڑی پر تین تختے نصب تھے ایک سیاہ دوسرا زرد اور تیسرا سفید مجاہدین ان نشانوں پر مشق کرتے رہتے ہیں۔ ہم سے بھی اسی عمل کے لیے کہا گیا اور ہم نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا چنانچہ پہلے ۳۰ کارتوس کلاشن کوف میں بھرے گئے اور کلاشن کوف ہاتھ میں دے کر کہا گیا کہ سامنے کے نشانے پر فائر کیجیے۔ پہلے پیر صاحب نے پھر ان کے صاحبزادے نے کلاشن کوف سے فائر کیے پھر ہماری باری آئی اور ہم نے بھی حکم کی تعمیل کی۔ اسی اثناء میں دشمن کا جہاز فضا میں نمودار ہوا۔ اس نے آتش ریز بم گرایا۔ جس کی آگ فضا میں نظر آنے لگی اور مجاہدین کی بعض طیارہ شکن توپوں نے بھی طیارے پر فائر کھولا۔ لیکن مجھے اس کا مطلق احساس نہیں ہوا۔ میں اپنی فائرنگ میں معروف تھا (جاری)

خوست کے محاذ پر ایک دن

آخری قسط

دوسرے لوگوں کے کہنے سے پتہ چلا کہ صورت واقعہ یہ تھی اس کے بعد گرینیڈ (دستی بم) کے بارے بتایا گیا کہ اس کو پھینکنے اور پھینکنے کا طریقہ بھی بتایا شروع میں تو طبیعت جھجکی اور ہم نے معذرت بھی کی۔ لیکن دوسرے لوگوں کو بم پھینکتے دیکھا تو خود بھی ہمت ہوئی۔ اور آخر وہ دستی بم دور پھینک دیا۔ اس کے بعد پھر ان لوگوں کی وہ مشق دیکھتے رہے جو وہ جیپ میں بیٹھ کر کلاشن کوف سے نشانے لے رہے تھے اور پھر اپنی قیام گاہ پر آگئے اور ناشتہ کر کے خوست کے محاذ کی طرف روانہ ہو گئے جیپ کو ہمارے امیر صاحب ہی ڈرائیونگ کر رہے تھے اب پھر ہمارے ساتھ ہمارا حارس کلاشنکوف لیے ہوئے حاضر ہو گیا واپسی میں نو بجے کے قریب "ژاوہ" پہنچے جو عربوں کا دوسرا ٹریننگ سنٹر ہے یہاں بھی ریت کے پہاڑ کو توڑ کر اس میں پناہ گاہ بنائی گئی جس میں کئی کمرے ہیں ان تنگ کمروں میں ہمارے پہنچنے پر آئینے کو آفتاب کے سامنے رکھ کر روشنی کی گئی تھوڑی دیر وہاں بیٹھے۔ عربوں نے حلوہ، چائے اور فروٹ سے ضیافت کی اور پھر منزل کی طرف روانہ ہو گئے ژاور سے نکل کر ذرا دور پہنچے تھے کہ معلوم ہوا ایک طرف حقانی صاحب کا کیمپ ہے دوسری طرف حکمت یار صاحب کا اور غازی ان کیمپوں میں بیٹھے ہوئے فضائے آسمانی پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ہم بھی یہ منظر دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے جیپ پہاڑوں پر چڑھتی نشیب میں اترتی ہوئی اپنی مسافت طے کرتی رہی۔ جا بجا پانی کے آبشار سے بھی گزر ہوا راستے میں جھلسے ہوئے پہاڑ جو دشمن کی بمباری سے شکستہ ہو گئے تھے نظر آئے۔ غازیوں کے متعدد کیمپ بھی آتے رہے جہاں طیارہ شکن توپوں کا کارتوس کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔ یہ کیمپ سامان رسد سے بھرے ہوئے تھے ان میں اسلحہ کا بھی ذخیرہ تھا۔ جگہ جگہ ہیلی کاپٹروں اور طیاروں کا ملبہ بھی نظر آیا۔ ایک جگہ مال غنیمت کا ٹینک بھی نظر آیا جس کو درستی کے بعد پھر میدان میں لایا جائے گا۔ دشمن سے چھینی ہوئی جیپیں بھی نظر آئیں غرض اسی طرح پہاڑوں کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے بارہ بجے کے قریب خوست کے محاذ کے قریب جا پہنچے۔ ہمارے پہنچتے ہی بڑے زور کے دو دھماکے ہوئے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ریت

مولانا عبدالرشید نعمانی

کا طوفان فضا میں اٹھتا ہوا دکھائی دیا دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ بمباری خوست کی اس چوکی پر ہو رہی ہے جس کو ابھی گذشتہ ہفتے غازیوں نے فتح کیا اور بمباری کا سلسلہ صبح سے شام تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ یہ چوکی جہاں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں وہاں سے تین چار کلومیٹر تھی۔ بمباری میں طیارے بھی حصہ لیتے تھے اور خود کابل سے بھی میزائل چھوڑے جاتے تھے جو زمین پر گر کر پھٹ رہے تھے جن سے گرد کا تودہ زمین سے اٹھ کر فضا پر اس طرح چھا جاتا تھا جیسے بڑے بڑے لکہ ہائے ابر فضائے آسمانی میں گھومتے رہتے ہیں۔ یہاں پر پہاڑوں کے دامن میں ہمارے پاکستانی مجاہدوں کا کیمپ تھا جن میں سے بعض حضرات خیمے میں تھے اور بعض حضرات چونکہ جمعہ کا دن تھا کپڑے دھونے اور نہانے دھونے میں مصروف تھے نہانے والے حضرات ہمیں راستے میں آتے ہوئے ایک آبشار کے پاس ملے تھے۔ حاضرین نے ہمیں آتے کے ساتھ ہی کہا کہ چلئے پہلے شہداء کی قبر پر ساتھی مولانا نورالکریم صاحب جو بارودی سرنگیں صاف کر رہے تھے تقریباً سو سرنگیں صاف کر چکے تھے کہ دفعتاً ایک سرنگ کے پھٹنے سے وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور ان کے پیچھے کھڑے ہوئے مولانا نورالکریم صاحب بھی

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فاتحہ پڑھ کر ہم سیدھے پاکستانیوں کے خیمے میں واپس آگئے سنا ہے کہ وہ خیمہ بھی جس میں ہم آکر اترے تھے ہمارے آنے کے بعد دشمن کی آتش باری سے جل کر تباہ ہو گیا۔ ہم جس وقت اس خیمہ میں آکر بیٹھے تو اور ساتھی بھی آگئے اسی وقت کھانا بھی حاضر کیا گیا جو آلو اور ٹماٹر کے سالن اور توے کی ایسی روٹیوں پر مشتمل تھا جن کو اس سے پہلے کھانا تو کیا دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا تھا بہر حال وہی مجاہدوں کا سادہ کھانا حاضر تھا اور اس سے اپنی اشتہا پوری کی اس خیمے میں گلاس نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پانی لوٹوں کی نالی سے ہی منہ لگا کر پیا جا رہا تھا عربوں کے کھانے اور پاکستانیوں کے کھانے میں بڑا فرق تھا۔ عربوں کے ہاں خدا کی دی ہوئی ہر چیز مہیا رہتی ہے گوشت بھی پھل بھی اور تنوری روٹیاں بھی اور پاکستانیوں کے خیمے میں بس

اللہ کے نام کی برکت ہے جو ملتا ہے ہمارے سر دشمن سے کھالیتے ہیں اور جان دینے پر کمربستہ رہتے ہیں ذرا دم لینے کے بعد امیر صاحب نے کہا فاتحہ پڑھ لیں۔ اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی گئی کہ محاذ پر سفید کپڑے پہن کر نہیں آنا چاہیئے دشمن کے طیارے سفید کپڑوں کو جلد دیکھ لیتے ہیں۔

بہر حال ہم توکل علی اللہ انہی کپڑوں سے شہداء کے مقبروں کی طرف روانہ ہوئے جو پہاڑی کے بالکل نیچے واقع ہیں۔ ان شہداء میں ایک عرب مجاہد تھے جو خیمے کے قریب تلاوت میں مصروف تھے کہ اچانک دشمن کی گولی ان کے سر میں آلگی، اور وہ اسی وقت درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے دوسرے دو حضرت مولانا عبد الرحمٰن فاروقی جو حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مرکزی کمانڈر تھے اور انکے اوپر پہاڑی پر چڑھ کر دوربین سے کر سامنے کے مورچے کا معائنہ بھی کر لیجئے جو تین چار کلو میٹر ہے چنانچہ تعمیل حکم میں ہم لوگ پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اس کے دامن ہی میں ایک طرف ایک خیمہ عربوں کا تھا اور دوسری طرف افغانیوں کا طالبوں نے جو ہمیں چڑھتے ہوئے دیکھا تو پہلے ہی ہمیں اپنے خیموں میں آنے کی دعوت دی ہم نے کہا کہ پہاڑ سے اترنے کے بعد حاضری دیں گے۔ پہاڑ اگرچہ بہت ہی معمولی سا تھا اور پیر صاحب اور ان کے صاحبزادے تو بغیر دم لیے ایک دم فرازِ کوہ پر پہنچ گئے تھے لیکن میں نے ضعف پیری کے سبب نصف مسافت پر ہی جا کر ٹھہر گیا کہ طاقت طاق ہو چکی تھی اور ساتھیوں سے کہا کہ [illegible] آگے چلیں گو دم لے کر چنانچہ وہیں ذرا دیر کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور جب دم آراستہ ہو گیا تو پھر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا یہاں مجاہدین نے وائرلیس لگا رکھا تھا اور ایک مجاہد اس پر متعین تھا۔ اب جو دوربین اٹھا کر معائنہ کیا تو ہمارے نگاہ کچھ کام نہ کر سکی اور سوائے وادی اور پہاڑ کے کچھ نظر نہ آیا اتنے میں امیر صاحب کا حکم آ پہنچا کہ واپسی ہو رہی ہے چنانچہ ہم الٹے پیروں واپس آ گئے عربوں کے

> **ہم ہوش سنبھالتے ہی اپنے بچوں کو فرنگی مدارس میں داخل کر دیتے ہیں**

خیمے میں بھی چند لمحوں سے زیادہ ٹھہر نہیں سکے۔ پہاڑ سے نیچے اترے تو ایک بج چکا تھا محاذ پر صرف ایک گھنٹہ قیام رہا امیر صاحب جیپ میں بیٹھے ہوئے ڈرائیونگ کے لیے بالکل تیار تھے جیسے ہی ہم نے گاڑی میں قدم رکھا امیر صاحب نے گاڑی چلا دی اور پھر اسی طرح قطع مسافت کرتے ہوئے ایک گھنٹے کے بعد ایک آبشار پر پہنچے جہاں ٹھہر کر وضو وغیرہ کیا اور امیر صاحب کی امامت میں جمعہ کے دن سفر کی وجہ سے ظہر کا دوگانہ ادا کیا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر پاکستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ چار بجے کے قریب ہم میراں شاہ پہنچے اور پھر وہاں سے ڈیرہ اسمٰعیل خان اسی جیپ میں سفر کرتے ہوئے عشاء کے بعد جا پہنچے عصر کی نماز بنوں میں اور مغرب کی نماز مدرسہ "پیزو" (نزد ڈیرہ) میں آخر وقت میں ادا کی مدرسہ کے مہتمم صاحب نے بغیر کھانا کھائے آنے نہ دیا کھانے کے بعد مدرسہ میں تقریر کرنا پڑی جو جہاد ہی کی دعوت پر مشتمل تھی اور پھر بنوں سے دوسرے دن کراچی واپس ہو گئے۔

یہ تو تھی روداد سفر لیکن اس سفر کی جو کیفیات ہیں وہ بیان سے باہر ہیں کسی کیفیت کو حقیقت یہ ہے کہ زبان سے ادا ہی نہیں کیا جا سکتا جس طرح حلوے کی لذت بغیر کھائے معلوم نہیں ہو سکتی اور اس کی شیرینی کے بیان کرنے پر خواہ کیسی ہی زوردار تقریریں کی جائیں اس کی کیفیت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہی حال ان اعمال کا ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں مجاہدین کا سوز و ساز، ان کا تعلق باللہ ان کی موت سے بے خوفی، جہاد کا ذوق و شوق اللہ کے لیے جان دینے کی تمنا، راتوں کو اٹھ کر رونا، اور جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان وغا میں کود پڑنا۔ غرض ہر حرکت اور ادا میں ایک خاص کیفیت ہوتی ہے جس کو وہی شخص جان سکتا ہے جو خود اس کار خیر میں ان کا شریک ہو۔

ہم تو صرف دیکھنے والوں میں تھے۔ خود ان پر کیا گزرتی ہو گی وہ یہ خود جانیں یا ان کا خدا جانے بس اتنا خیال بار بار آتا ہے "ھم قوم لایشقی جلیسھم" ان کا ہمنشین بھی برکات سے محروم نہیں رہتا۔ جہاد کا رکن صدیوں سے مسلمانوں میں معطل ہو چکا ہے ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس عظیم عبادت کو پھر دوبارہ اسی ذوق و شوق سے جاری کیا جائے کہ جو ہمارے سلف کا وطیرہ رہ چکا ہے اور جاں بازی کے میدان میں جتنا بھی بن سکے بڑھ کر حصہ لیا جائے۔ غازیوں کا حال اپنے جذبات کے اعتبار سے بالکل اسی شعر کے مطابق ہے:

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

●●

حرکۃ الجہاد الاسلامی پاکستان کے زیر اہتمام

کراچی، گجرانوالہ، خانپور، ظاہر پیر، جہانیاں منڈی، ڈیرہ غازی خان اور دیگر کئی شہروں میں تقریری مقابلے جلسے اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔

ان کی تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ادارہ)

جائزے / تبصرے

سیرت امام شافعیؒ

پر

ایک نظر

مولانا محمد عبد الرّشید نعمانی کے قلم سے

محاکمہ، جرح و تنقید، واقعات
کی تحقیق
درایت و روایت کی روشنی
میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ اما بعد

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے مولانا شبلی نعمانی پر جنھوں نے سب سے پہلے ہماری زبان میں ائمہ مجتہدین کی سوانح نگاری کی طرح ڈالی، اور سیرۃ النعمان جیسی بلند پایہ اور گرانقدر کتاب لکھ کر سیرت نگاری کا کمال دکھایا اور اس طرح ہمارے علمی سرمایہ میں ایک مفید اور بیش بہا اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے حیات امام مالکؒ لکھی، اب حال میں مولانا میاں خالد صاحب انصاری بھوپالی نے سیرت[۵] امام شافعیؒ لکھ کر اس سلسلہ کی تیسری کڑی کو ختم کیا۔ خدا کرے کوئی اللہ کا بندہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مفصل سوانح عمری قلمبند کردے تو اس سلسلہ کی تکمیل ہو جائے۔

ائمہ کرام کی سوانح نگاری کے کار خیر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، صالحین کا ذکر اللہ کی رحمت کے نازل ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کا رتبہ تو بہت اونچا ہے اس لئے یقیناً میاں خالد صاحب مستحق مبارکباد اور لائق صد آفرین تھے اگر وہ اس کار خیر کو خوبی کے ساتھ نبھا دیتے۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس فرض کی نزاکت کو محسوس نہیں کیا اور نہ اس بارے میں حدود سے اس درجہ تجاوز کر گئے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت نگاری کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کرام کی منقصت شماری بھی شروع کردی۔ خصوصاً حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اور فقہاء احناف پر طعن بیجا اور اعتراضات بے سر و پا کا ایک طومار باندھ دیا جس سے کتاب جا بجا داغدار بن گئی اور ہم مجبور ہو گئے کہ علمی تنقید کی روشنی میں مولف کی تحقیقات کا جائزہ لیں حالانکہ خود مولف نے تحریر فرمایا ہے۔

"یہ رسم کہن ہے کہ اکابرین پر کچھ نہ کچھ اعتراض کر کے اپنے دلوں کو تسکین دی جائے اور اپنے نفس کو فریب دیا جائے" صفحہ ۳۰۵

باوجود اس کے مولف نے اس رسم کہن سے کہاں تک دامن بچایا ہے اس کا فیصلہ اب ہم ناظرین ہی پر چھوڑتے ہیں۔
پیش نظر مقالہ کے تین جز ہیں۔ پہلے میں مولف کی عام غلطیوں کا بیان ہے۔ دوسرے میں فرضی مناظروں پر کلام ہے۔

---

[۵] "سیرت امام شافعی" از:۔ مولانا میاں خالد انصاری بھوپالی، (کتابت و طباعت دیدہ زیب) ضخامت ۴۴۳ صفحات، قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ — ملنے کا پتہ:۔ انجمن مسلمانان مجگاؤں، شریف بلڈنگ، ری روڈ بمبئی ۱۰

تیسرے میں حنفی فقہ کے سلسلہ میں مولف کے اعتراضوں کا جواب ہے۔

مؤلف کی عام غلطیوں پر ایک نظر

اصول فقہ میں پہلی تصنیف

(۱) ص ۵ و ۶ پر حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ
"مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قواعد منضبط نہ تھے جن سے ان میں باہمی جمع و تطبیق ہو سکے۔ اس لئے ان کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر امام شافعی رحمہ نے اس قسم کی حدیثوں کے متعلق اصول کی بنا ڈالی اور ان سب باتوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی یہی تصنیف ہے"

اولاً تو مولف نے ترجمہ میں ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا۔ انہ لم تکن قواعد الجمع بین المتخالفات مضبوطۃ عندھم میں المتخالفات کا ترجمہ "مختلف نصوص" زیادہ مناسب تھا۔ مولف نے اس کا ترجمہ "مختلف احادیث" کر دیا۔ حالانکہ احادیث کی کوئی وجہ تخصیص نہیں ہے۔ چنانچہ مثال میں جو مناظرہ نقل کیا ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ اور خبر واحد کے اختلاف سے ہی متعلق ہے۔

ثانیاً یہ بھی صحیح نہیں کہ اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف امام شافعیؒ کی ہے۔ بلکہ علامہ سمعانی شافعی نے کتاب الانساب میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق بہ تصریح لکھا ہے

وھو اول من وضع الکتب فی اصول الفقہ علی مذھب ابی حنیفۃ (یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر اصول فقہ میں کتابیں مدون کیں۔

التعلیق المجد علی موطا محمد مولف کی فہرست مآخذ میں ہے اس میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے بھی امام ابو یوسفؒ کے تذکرے میں سمعانی سے یہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی اتحاف النبلا میں امام موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں

" و اول کسے است کہ در اصول فقہ بر مذہب ابی حنیفہ کتبہا ساختہ و مسائل املا نمودہ و آں را نشر کردہ صفحہ ۲۱۲

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی وفات کے ۲ سال بعد ۱۸۴ھ میں بغداد پہونچے پر امام محمدؒ سے فقہ و اصول کی تکمیل کی ہے۔

تعداد روایات

(۲) ص ۱۸ پر مرقوم ہے۔
" (موطا امام مالک رحمہ اللہ میں کل روایتیں ۱۷۲۰ ہیں۔ جن میں مسند و مرفوع ۶۰۰۔ مرسل ۲۲۳۔ موقوف ۶۱۳۔ تابعین کے اقوال و فتاوی ۲۸۵ اور بلاغات امام مالک ۵ ہیں)
امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے فیضان سے یہ سب کچھ حاصل کیا"

مولف نے موطا کی روایات کی یہی تعداد صفحہ ۲۳ پر بھی نقل کی ہے وہاں مولف نے یہ حوالہ بھی نقل کر دیا ہے (مقدمہ مسوی شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۶)

ہم نے مسوے کے مقدمہ کو من اولہ الی آخرہ دیکھا۔ اس میں کہیں موطا کی روایات کی تعداد منقول

نہیں۔ معلوم ہوا حوالہ غلط ہے مولف صاحب تصحیح نقل فرمائیں۔ علاوہ ازیں ان اعداد کی میزان لگائی جائے۔ تو (۱۷۳۸) ہوتی ہے۔ (۱۷۲۰) نہیں اس لئے یقیناً مولف کی یہ بیان کردہ تعداد روایات غلط ہے۔ اور مولف کو یہ بھی ثبوت دینا ضروری ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے موطا کے جس نسخہ کو امام مالک رح کے سامنے پڑھا تھا۔ اس میں روایات کی یہی تعداد تھی۔ ورنہ نری احتمال آفرینی سے کام نہیں چلتا۔ کیونکہ محدثین نے تو نہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نسخے کی روایت کی ہے اور نہ اس کی روایات کا شمار کیا ہے۔

امام شافعی اور علم نجوم

(۳) ص ۲۲ پر مرقوم ہے

"آپ (یعنی امام شافعی رحمہ اللہ) نے منازل شمس و قمر، رجوع استقامت سعد نحس، تاثیرات کواکب و رفتار سیارات اسباب تغیر و تبدل موسم کو ماہرین علم ہیئت و نجوم سے اچھی طرح سیکھا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے توالی التاسیس بمناقب محمد بن ادریس میں چند روایتیں نقل کی ہیں از آں جملہ یہ واقعہ ہے کہ امام شافعی رح کے ایک دوست کا زائچہ آپ نے دیکھ کر کہا کہ ستائیس دن میں تمہارے یہاں بچہ پیدا ہوگا اور اس کی بائیں ران میں سیاہ تل ہوگا۔ چوبیس روز زندہ رہے گا پھر دنعتاً مر جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے بعد ساری کتابیں اس علم کی جلا ڈالیں پھر کبھی نجوم کے متعلق کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ نہ اس کا مطالعہ روا رکھا۔"

ہمارے نزدیک یہ ایک خیالی افسانہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا دس سال کی عمر میں موطا یاد کی، تیرہویں سال امام مالک رح کے آستانہ پر حاضر ہوئے، پندرہویں سال مسلم بن خالد زنجی نے آپ کو افتاء کی اجازت دی۔ اب علم نجوم سیکھا تو کب سیکھا۔ کیا موطا کو حفظ کرنے کے بعد بھی امام صاحب کو علم نجوم کی حرمت کا پتہ نہ ہوا یا ان بزرگوں کے فیض صحبت نے اتنا بھی اثر نہ کیا تھا۔ کہ امام صاحب اس لایعنی اور حرام فعل سے مجتنب رہتے۔ یہ بھی بتایا جائے کہ نجوم سیکھا تو کس شہر میں اور کس منجم کے پاس اور امام شافعی رح کے ابتدائی عہد تک علم نجوم کا کتنا سرمایہ عربی زبان میں منتقل ہو چکا تھا۔ درحقیقت امام شافعی رح کے متعلق اس طرح کی باتیں ثابت کرنا نادان کی دوستی کا مصداق ہے کہ اثبات مدح کے درپے ہیں اور مذمت ثابت ہو رہی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب الام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علم نجوم سے تو امام موصوف کا کیا تعلق ہوتا وہ سرے سے علم ہیئت ہی سے ناواقف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

(۴)

لو اجتمع صلوٰۃ العید و صلوٰۃ الکسوف بدئ بایہما تقدم[1] — اگر نماز عید اور نماز کسوف (سورج گہن) دونوں جمع ہو جائیں تو کونسی نماز پہلے پڑھی جائے۔

حالانکہ جس شخص کو علم ہیئت میں ذرا بھی درک ہوگا وہ مسئلہ کی یہ صورت فرض ہی نہیں کر سکتا کیونکہ سورج گرہن قمری مہینہ کی ۲۸ یا ۲۹ تاریخ کے سوائے کسی دوسری تاریخ میں واقع نہیں ہوتا مولف نے صفحہ ۴، پر لکھا ہے

"کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ غیر موقوعہ مسائل اور مفروضہ صورتوں سے بیحد احتیاط کرنی چاہیئے چونکہ یہ صحابہ کرام کی روش نہ تھی۔"

---

[1] کتاب الام ج ۱ ص ۲۱۲

خدا جانے مولف نے امام شافعیؒ کا یہ مقولہ کہاں دیکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس مقولہ کی نسبت بھی امام موصوف کی طرف صحیح نہیں کیونکہ فقہ کی تدوین کے لئے ان تمام صورتوں پر گفتگو ضروری ہے کہ جن کا وجود ممکن ہو گو ان کا وقوع نادر ہی ہو۔ اور یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ اس کو فرض کرنے کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا وقوع ہی سرے سے محال ہے۔

سبب وفات امام شافعیؒ

(۴) ص ۴۶ پر امام شافعی رحمہ اللہ کے وفات کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بالعموم جو واقعہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ فتیان بن ابی السمح مالکی مصری سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ فتیان نے خلاف تہذیب گفتگو کی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہونچی، امیر مصر نے فیصلہ کیا اور فتیان کو سزا دیدی۔ فتیان موقع کی تاک میں تھا۔ ایک روز اندھیری رات میں موقع پاکر آپ کے سر پر ایسا گرز مارا جس کی وجہ سے سر پھٹ گیا۔"

تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ ثابت نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، توالی التاسیس میں ارقام فرماتے ہیں

ولم ار ذلك من وجه يعتمد (صفحہ ۸۶ طبع مصر) — میں نے یہ واقعہ کسی قابل اعتماد طریقہ سے نہیں دیکھا۔

اشہب کی بددعا

(۵) اس کے بعد لکھا ہے

"دوسری طرف اشہب بن عبدالعزیز فقیہ مالکیہ کا مستقل کام یہ تھا کہ وہ آپ کے لئے بددعا کرتا ہے" صفحہ ۴۶

یہ وہی اشہب ہیں جن کے لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں

ما رایت افقه من اشهب (الديباج المذهب لابن فرحون صفحہ ۹۸ طبع مصر) — میں نے اشہب سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔

کیا اسحاق بن راہویہ نے فقہ حنابلہ میں کوئی تصنیف کی ہے

(۶) ص ۴۸ پر لکھا ہے

"اسحاق بن ابراہیم المروزی مشہور بہ اسحاق بن راہویہ آپ نے بھی فقہ حنابلہ میں کتاب السنن مرتب فرمائی"۔ —— فقہ حنابلہ میں اسحاق بن راہویہؒ کا کتاب السنن مرتب کرنا قطعاً غلط ہے۔ وہ امام احمد رحمہ اللہ کے معاصر اور علم واجتہاد میں ان کے ہمسر ہیں۔ عمر میں بھی ان سے بڑے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے ثقة حافظ مجتهد قرين احمد بن حنبل، ان کی وفات بہتر (۷۲) سال کی عمر میں ۲۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کا انتقال ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۲۴۱ھ میں ہوا ہے۔

مکالمہ

(۷) ص ۶۹ پر یہ غلط اور جعلی مکالمہ مرقوم ہے

"ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمہ اللہ سے کہنے لگے یہ تو بتائیے کہ ہمارے استاد یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمہارے استاد امام مالک رحمہ اللہ سے زیادہ عالم تھے یا نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر منصفانہ گفتگو ہو تو پھر میں جواب دوں، کہنے لگے منصفانہ ہی گفتگو ہوگی، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا، اب آپ قسم کھاکر فرمائیے امام مالکؒ کا مرتبہ فہم قرآن میں زیادہ تھا یا آپ کے استاد کا۔ امام محمدؒ نے فرمایا بخدا امام مالکؒ کا درجہ بلند تھا۔ پھر امام شافعیؒ نے فرمایا اب آپ قسم کھاکر فرمائیے کہ احادیث رسول اللہ واقوال وافعال صحابہ کرام سے بہت زیادہ واقف میرے استاد تھے

یا آپ کے - امام محمدؒ نے فرمایا - خدا کی قسم احادیث رسول اللہؐ و اقوالِ صحابہ سے تمہارے اُستاد بہت زیادہ واقف تھے - تب امام شافعیؒ نے فرمایا اب بجز قیاس کے اور کیا باقی رہا اور قیاس کا دار و مدار بھی انھیں تینوں اصولوں پر ہے جو شخص ان تینوں اصولوں سے زیادہ باخبر ہوگا اس کا قیاس بھی بلند ہوگا - امام محمدؒ خاموش ہوگئے - (تاریخ ابن خلکان ترجمہ امام مالکؒ)

حمایت مذہب کا جوش شباب پر ہے - کیا نقشہ پیش کیا ہے - امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم کا اور وہ بھی امام محمد رحمہ اللہ کی زبانی - واقعہ اصل میں صرف اتنا ہے جس کو امام شیخ الاسلام عماد الدین مسعود بن شیبہ سندی نے امام ابو عاصم محمد بن احمد عامری کی کتاب المبسوط سے نقل کیا ہے

ان الشافعی سأل محمدا أیما اعلم مالک او ابوحنیفۃ فقال محمد بماذا قال بکتاب اللہ قال ابوحنیفۃ فقال من اعلم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوحنیفۃ اعلم بالمعانی ومالک اھدی للالفاظ فقال من اعلم باقاویل الصحابۃ فامر محمد باحضار کتاب اختلاف الصحابۃ الذی صنفہ ابوحنیفۃ (٦)

امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے سوال کیا کون زیادہ عالم ہیں امام مالکؒ یا امام ابوحنیفہؒ - فرمایا کس چیز کے؟ کہنے لگے کتاب اللہ کے امام محمدؒ نے جواب دیا امام ابوحنیفہؒ، پھر امام شافعیؒ نے پوچھا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کون زیادہ عالم ہے فرمایا - امام ابوحنیفہؒ معانی کے زیادہ عالم ہیں اور امام مالکؒ کی پہنچ الفاظ پر زیادہ ہے - امام شافعیؒ نے سوال کیا اقوال صحابہ کا کون زیادہ عالم ہے اس پر امام محمدؒ نے حکم دیا کہ کتاب اختلاف الصحابہ کو لایا جائے جو امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف ہے -

کتاب التعلیم کا قلمی نسخہ مجلس علمی ڈابھیل کے کتب خانہ کراچی میں موجود ہے - جائے غور ہے - امام محمد رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اکابر شیوخ میں سے ہیں - علم اور تفقہ میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں - امام ابوحنیفہؒ کے علوم کے ناشر و مدون ہیں - امام مالک رحمہ اللہ سے تین سال تک کسب فیض کرچکے ہیں[۵] - اس لئے ان دونوں حضرات کی منزلت علمی سے امام شافعیؒ سے زیادہ واقف ہیں پھر بھلا ان کو یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی - امام محمد رحمہ اللہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے خود امام مالکؒ کی زبان سے سات سو سے زیادہ احادیث کا سماع کیا تھا - حالانکہ دوسرے شاگردوں کو یہ حکم تھا کہ وہ خود پڑھیں - آج موطا کے دو ہی نسخے متداول ہیں - ایک امام محمدؒ کا اور دوسرا امام یحییٰؒ کا - ہاں امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے تو ضرور استفادہ کیا تھا لیکن چونکہ امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ نہیں پایا تھا - بدیں وجہ ان ہر دو حضرات کی جلالت علمی کے متعلق امام محمدؒ سے ان کا سوال قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ان کے استاذ تھے اور ہر دو ائمہ کے علوم اور ان کی خصوصیات کے حامل تھے -

ایک غیر محقق روایت | (۸)، ص ۸۸ و ۸۹ پر امام اوزاعیؒ امام مالکؒ وغیرہ ائمہ کرام کے متعلق یہ گل افشانی کی ہے :-

---

[۵] مولف نے سیرۃ امام شافعیؒ کے ص ۱۰ پر لکھا ہے کہ "امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کی خدمت میں تقریباً تین سال صرف کئے" خدا جانے یہ بات مولف نے کہاں سے نقل کی ہے - عام کتابیں تعیین مدت کے ذکر سے خاموش ہیں - اگر مولف کسی معتبر کتاب کا حوالہ پیش کریں تو ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے -

"امام بیہقیؒ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام احمدؒ سے امام مالکؒ کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا۔ حدیث صحیح ورای ضعیف یعنی حضرت امام مالکؒ کی حدیث، تو صحیح ہے مگر رائے کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام اوزاعی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا حدیث ضعیف ورای ضعیف ان کی حدیث بھی کمزور ہے اور رائے بھی کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام شافعیؒ کے متعلق پوچھا فرمایا حدیث صحیح ورای صحیح ان کی حدیث بھی صحیح ہے اور رائے بھی صحیح ہے۔ پھر اصحابِ کوفہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا لارای ولاحدیث یعنی ان کی رائے اور حدیث دونوں کچھ نہیں ہیں"

مؤلف کو خدا جانے دوسرے ائمہ کی تنقیص میں کیا مزہ آتا ہے

تراکہ گفت کہ اے نازنین ز پردہ برآ
بغمزہ برصفِ مردانِ شیر افگن زن

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں

العلماء اربعة الثوری وابوحنیفة ومالك والاوزاعی
علماء چار ہیں امام سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی (رحمہم اللہ)

(البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر شافعی ص ۱۱۶ ج-۱۰)

مولف نے سب پر ہاتھ صاف کر ڈالا۔ امام ثوری اور امام ابوحنیفہ (رحمہما اللہ) دونوں کوفی ہیں۔ اب اگر ان حضرات ائمہ کے علم میں بھی خامیاں ہیں تو پھر امام شافعی اور امام احمد (رحمہما اللہ) تو ان ہی حضرات کے خوان علمی کے زلہ ربا اور ان ہی کے تلامذہ کے دامن فیض میں پلے بڑھے ہیں۔ خود ان کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی۔ ذرا تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت یادگار

درحقیقت یہ امام احمدؒ پر افترا ہے انھوں نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا اور بیہقی کی یہ غفلت ہے کہ انھوں نے بغیر تنقید کے اس کو نقل کر ڈالا۔ امام شعرانی شافعیؒ نے المیزان الکبریٰ میں اس روایت کی ساری قلعی کھول کر رکھدی ہے چنانچہ وہ ابوبکر آجری کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں

فھو کلام ظاھر التعصب علی الائمة باجماع کل منصف ان صح النقل عنه فان الحس لا یصدق ھذا القائل فیما قاله
یہ ایسا کلام ہے جو ائمہ پر کھلا تعصب ہے، اور ہر انصاف پسند اس سے اتفاق کریگا۔ بشرطیکہ اس کی نقل بھی صحیح ہو کیونکہ مشاہدہ اس قائل نے جو کچھ کہا اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔

(ج ۱ صفحہ ۶۰ طبع مصر)

امام شافعیؒ ہارون کے دربار میں

(۹) ص ۶۳ پر مولف نے پہلے تو یہ عنوان قائم کیا ہے۔ "آپ کا مفتی حرم بنایا جانا" پھر صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے:- "آپ مکہ مکرمہ میں ۱۹۵ھ ہجری تک مفتی رہے پھر بغداد تشریف لائے۔ ہارون رشید نے آپ کو بلوایا اور فرمایا کہ آج میرے دربار میں جب سب جمع ہوں وعظ کہئے آپ نے وعظ فرمایا حاضرین مجلس کے تاثرات تو بیان سے باہر ہیں خود ہارون رشید کا یہ حال تھا کہ چیخ چیخ کر رونے لگا وعظ ختم ہونے پر آپ کو ۵۰ ہزار درہم نذر کئے (توالی التاسیس)

ہم نے توالی التاسیس کو بغور دیکھا اس میں تو یہ کہیں موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہارون الرشید کی وفات

جمادی الآخر ۱۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ پھر یہ واقعہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ کیا اچھا ہو جو مولف اپنے بیان کے ثبوت میں توالی التاسیس کی اصل عربی عبارت نقل فرما دیں۔ تاکہ ان کی علمی تحقیق منظرِ عام پر آجائے۔

الجزائر کا سفر

(۱۰) ص ۶۵ پر مرقوم ہے :-

"تمام ائمہ میں تنہا آپ کی ذات ہے کہ جس نے مکہ، مدینہ، نواحِ یمن، عراق، شام، مصر، الجزائر تک سفر کئے۔ اور ہر ہر جگہ علماء و فضلاء سے مذاکرات فرماتے رہے۔ صرف آپ کی مساعی جمیلہ تھیں جن کی وجہ سے ان شہروں میں لوگوں نے آپ کے اجتہادی مسائل کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو ناصر الحدیث، مجدد امام الائمہ مان لیا"

اسی طرح ص ۴ پر امام شافعی کے اس اصول کو بیان کرکے یہ لکھا ہے۔

"آپ نے ان اصولوں کو مع دلائل مدوّن و مرتب کیا۔ پھر اس کی نشر و اشاعت میں آپ نے عالمِ اسلام کا دورہ کیا، بغداد و عراق چونکہ اہل الرائے کا مرکز تھا اس لئے وہاں پہونچکر آپ نے مذاکرات اور مباحثوں سے بڑے بڑے فقہاء اہل الرائے کو قائل کر دیا۔ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، یمن، شام، دمشق، مصر غرضکہ ہر جگہ پہونچکر آپ نے سارے اصول دنیا سے منوالئے"

ہم کو امام شافعیؒ کا ناصر الحدیث مجدد امام الائمہ ہونا سب تسلیم۔ لیکن مولف کی تلبیس تسلیم نہیں۔ اوّل تو امام شافعی کی فہرست سفر میں شام، الجزائر اور دمشق کا نام نہیں آتا۔ مولف بتائیں کہ یہ انھوں نے کس کتاب سے نقل فرمایا ہے۔ ثانیاً

(۸) یہ ثابت کریں کہ امام شافعیؒ نے یہ سفر اصول کو مع دلائل مدوّن و مرتب کرنے کے بعد پھر ان کی نشر و اشاعت کے لئے کئے ہیں خود مولف نے ص ۳۲ و ۳۳ پر لکھا ہے۔ کہ

"آپ کی تعلیم و تربیت ابتدائی جس قدر ہوئی وہ سرزمین حجاز و یمن میں ہوئی ۔۔۔۔۔۔ علم فقہ کو ابتداءً تو آپ نے مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ سے حاصل کیا ۔۔۔۔۔۔ اور حضرت سفیان بن عینیہ وحضرت امام مالک رحمہما اللہ کے فیوض و برکات سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کیا ۔۔۔۔۔۔ مگر چونکہ قدرت باری تعالیٰ کو آپ سے تجدید و اصلاحِ اُمت کا کام لینا تھا۔ آپ نے اکناف عالم اسلامی کا دورہ شروع کیا اور تیس سال کی عمر تک جگہ جگہ جاکر احادیث رسول اللہ و آثار صحابہ کرام کو جمع کیا ان کے باہمی اختلاف پر غور کرتے رہے۔ اس دوران میں کچھ حکومت کی خدمت بھی ادا کی۔ اور پھر جس وجہ سے معتوب ہوئے اس کی وضاحت کی جاچکی ہے۔ اس کو چھوڑ کر کوفہ بغداد و عراق میں فقہ امام ابوحنیفہؒ و اہل الرائے کو امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمۃ اور وہاں کے ممتاز فقہاء سے اچھی طرح سمجھا"

امام شافعیؒ جب معتوب ہوکر بغداد آئے ہیں تو آپ کی عمر ۳۴ سال تھی یہ ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد آپ اتنی طویل مدت تک فقہ کی تکمیل کے لئے امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر رہے ہیں کہ ایک بار شتر کے برابر کتابوں کا آپ نے سماع فرمایا ظاہر ہے کہ اتنے کثیر علم کے لئے کتنی طویل مدت درکار ہے اور وہ بھی خاص طور پر فقہ کے لئے کہ جو نہایت ہی ادق فن ہے۔ فقہ کی تکمیل کے بعد آپ مکہ مکرمہ واپس ہوگئے پھر دوبارہ آپ کی واپسی بغداد ۱۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ جس کو خود مولف نے بھی ص ۴۴ پر لکھا ہے اور پھر ص ۵۶ پر یہ تحریر کیا ہے کہ

"پھر وہاں سے دو برس کے بعد آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں حج سے فارغ ہو کر ۱۹۸ھ میں آپ پھر بغداد تشریف لائے اور چند مہینے ٹھہر کر پھر مصر تشریف لے گئے۔ پھر آخر عمر تک آپ نے وہیں قیام فرمایا اور وہیں مرجع خلائق رہے"

اب مولف صاحب کتب تاریخ سے ثابت فرمائیں کہ امام شافعیؒ نے تدوین اصول کے بعد ان کی ترویج و اشاعت کے لئے بلاد اسلامیہ کا سفر کس سنہ میں کیا تھا۔ حوالہ مع اصل عبارت کے قلمبند فرمائیں۔ ورنہ خالی خولی باتوں سے کام نہیں چلا کرتا۔

واقعہ نکاح

(۱۱) ص ۷۷ پر مرقوم ہے:-

"بالعموم یہ مشہور ہے کہ امام شافعیؒ کی والدہ سے امام محمدؒ نے نکاح کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے مذاکرات علمی و مناظرات میں امام محمدؒ امام شافعیؒ سے درگزر فرماتے رہتے تھے۔ یہ واقعہ بالکل غلط ہے کسی صحیح تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا"

لائق مولف مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کی تحقیق کا بہت لوہا مانتے ہیں چنانچہ جابجا مسائل خلافیہ میں ان ہی کے حوالے نقل کرتے جاتے ہیں اور ص ۲۶۱ پر ان کے متعلق لکھتے کہ وہ "مشہور محقق حنفی ہیں" یہی مشہور محقق اس واقعہ کے ناقل ہیں چنانچہ مقدمہ ہدایہ میں امام محمدؒ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں کہ

وتزوج ھو بام الشافعی آپ نے امام شافعیؒ کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔

اب مولف کو اختیار ہے ان کی تحقیق مانیں یا نہ مانیں۔ ہم کو کچھ اصرار نہیں ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف مولانا عبد الحئیؒ ہی کی تحقیق نہیں بلکہ مولف کے ہموطن فاضل قنوجی نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی بھی یہی تصریح ہے۔ چنانچہ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین میں رقمطراز ہیں

"وگویند با مادر امام شافعیؒ نکاح کردہ بود" صفحہ ۳۴۹

مسند امام احمدؒ

(۱۲) ص ۸۸ پر امام احمدؒ کی مسند کے متعلق لکھا ہے:-

"آپ نے ایک لاکھ حدیثوں سے منتخب کر کے مسند کو مرتب فرمایا۔ جس میں کئی ہزار حدیثیں ہیں"

یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ مسند کی احادیث کی تعداد کئی ہزار نہیں بلکہ تیس ہزار ہے۔ اور ایک لاکھ احادیث سے نہیں بلکہ ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کر کے مرتب فرمایا ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی "بستان المحدثین" میں فرماتے ہیں:-

"ومسند امام احمد مشہور آنست کہ در اصل سی ہزار حدیث است و با زیادات پسر ایشاں عبد اللہ چہل ہزار حدیث اما بعضے از محدثین از بعضے ثقات و شیوخ خود نقل کردہ اند کہ ہمگی سی ہزار حدیث است واللہ اعلم و ممکن است تطبیق باسقاط مکرر و شمار آں پس ہر دو قول صحیح باشند"

ص ۳۰ طبع لاہور

مسند امام احمد کیلئے مشہور تو یہ ہے کہ اصل کتاب میں تیس ہزار حدیثیں ہیں اور آپ کے صاحبزادہ عبد اللہ کی زیادات کو بھی شمار کیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔ لیکن بعض محدثین نے اپنے بعض شیوخ و ثقات سے یہ نقل کیا ہے کہ سب ملا کر تیس ہزار ہوتی ہیں واللہ اعلم اور تطبیق کی یہ صورت ہے کہ مکررات کے بغیر تیس ہزار ہیں اور ان کو بھی شمار کیا جائے تو چالیس ہزار، پس دونوں قول صحیح ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:-

"امام ما چوں از سودہ ایں مسند فارغ شد ہمہ اولاد خود را جمع کردہ برایشاں خواند و گفت ایں کتابیست کہ من آنرا جمع کردہ ام و چیدہ ام از ہفت لکھ و پنجاہ ہزار حدیث یعنی طرق" صفحہ ۳۰

اور امام احمدؒ جب اس مسند کے مسودہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنی سب اولاد کو جمع کرکے ان کے سامنے اس کتاب کو پڑھا اور پھر فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں سے منتخب کرکے جمع کیا ہے۔ حدیثوں سے مراد اس تعداد میں متون نہیں بلکہ اسانید ہیں۔

امام شافعیؒ کی تصانیف کی تعداد

(۱۳) ص ۱۰۲ پر مرقوم ہے:-

"اتحاف النبلاء میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بحوالہ ملا علی قاریؒ تصریح کی ہے کہ آپ کی تصانیف ایک سو تیرہ تھیں"

افسوس ہے کہ ہم کو یہ تصریح اتحاف النبلاء میں نہ مل سکی۔ مؤلف براہ کرم تصحیح نقل فرمادیں۔ ورنہ یہ حوالہ خود ساختہ ہے۔

کیا امام مالکؒ کے شیوخ میں کوئی عراقی نہیں

(۱۴) ص ۱۱۳ پر امام مالکؒ کے متعلق لکھا ہے:-

"کہ آپ کے شیوخ میں ایک بھی عراقی نہیں"

یہ بھی محض غلط ہے۔ ایوب سختیانی، حمید طویل، عبدالکریم ابوامیہ ان تینوں سے موطا میں روایتیں موجود ہیں یہ تینوں حضرات بصرہ کے رہنے والے تھے جو عراق کا مشہور شہر ہے۔ اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں تصریح کی ہے

(۱۰) ان مالک بن انس کان یسال ابا حنیفة رضی اللہ عنہ و یاخذ بقولہ (ج ۱ صفحہ ۴۳ طبع استنبول)

امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ سے مسائل دریافت فرماتے اور ان کے قول کو اختیار کرتے تھے۔

خود امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں:-

"وقلت سألت الدراوردی هل قال احد بالمدینة لا یکون الصداق اقل من ربع دینار فقال لا واللہ ما علمت احدا قاله قبل مالك وقال الدراوردی اراہ اخذہ عن ابی حنیفة" (ج ۷ صفحہ ۲۴۴)

میں نے دراوردی سے پوچھا تھا کہ کیا مدینہ منورہ میں بھی کوئی اس کا قائل تھا کہ مہر ربع دینار سے کم نہیں ہونا چاہیئے آپ نے فرمایا قسم بخدا مجھے تو معلوم نہیں کہ مالکؒ سے پہلے کسی نے یہ کہا ہو۔ دراوردی کا بیان ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ بات امام ابوحنیفہ سے لی تھی۔

اور امام مسعود بن شیبہ سندی نے کتاب التعلیم کے مقدمہ میں امام طحاوی کی اس کتاب کے حوالہ سے کہ جس میں انہوں نے ائمہ احناف کا تذکرہ جمع کیا ہے یہ نقل کیا ہے

عن الدراوردی سمعت مالکا یقول عندی من فقه ابی حنیفة ستون الف مسئلة

دراوردی کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا فرماتے تھے میرے پاس امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے ساٹھ ہزار مسئلے موجود ہیں

عراق کی عظمت کا امام مالکؒ کو جس درجہ اعتراف تھا اس کا اندازہ آپ اس روایت سے لگائیے جس کو حافظ ابن عبدالبر مالکی نے الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقہاء میں بسند متصل نقل کیا ہے۔ کہ جب خلیفہ مہدی عباسی نے یہ کہا کہ آپ میرے لئے ایک ایسی کتاب تیار کردیں کہ میں ساری امت کو اس پر عمل کے لئے مجبور کردوں تو آپ نے فرمایا: امیرالمومنین

اس طرف (مغرب کی سمت اشارہ کرتے ہوئے جس سے افریقہ اور اندلس مراد ہیں) سے تو میں تمہاری طرف سے کافی ہوں اور اہلِ شام میں اوزاعی موجود ہیں جن کو تم بھی جانتے ہو رہے اہلِ عراق تو وہ تو اہلِ عراق ہی ہیں اما اھل العراق فھم اھل العراق۔(ص ۴۰) امام مالک رح نے علم و فضل میں اہلِ کوفہ کو ہمیشہ اہلِ مدینہ کا ہمسر مانا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں باسناد متصل امام ابن وہبؒ کی زبانی کہ جو امام مالکؒ کے شاگرد رشید ہیں یہ نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالکؒ سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر سائل کی زبان سے یہ نکل گیا کہ اہلِ شام تو اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا ومتی کان ھذا الشان بالشام انما ھذا الشان وقف علی اھل المدینۃ والکوفۃ (ج ۲ صفحہ ۱۵۸) —— اہلِ شام کی یہ شان کب سے ہو گئی۔ یہ شان تو صرف اہلِ مدینہ اور اہلِ کوفہ کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں لان شان المسائل بالکوفۃ مدارہ علی ابی حنیفۃ واصحابہ والثوری (کیونکہ کوفہ میں مسائل کے معاملہ کا دارومدار امام ابوحنیفہؒ ان کے تلامذہ اور سفیان ثوری پر ہے)

(۱۵۱) ص ۱۱۳ پر یہ گل افشانی بھی ہے۔

بحوالہ علامہ ذہبی

"علامہ ذہبی نے اسمعیل بن داؤد المخراقی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں نے امام ربیعہ سے سنا وہ فرماتے تھے اس مقدس مقام کے رب کی قسم میں نے کسی عراقی کو کامل سمجھدار نہیں پایا۔

(۱) "امام ذہبی نے بواسطہ معن بن عیسےٰ روایت کیا ہے کہ ہارون الرشید مع قاضی ابو یوسف رح کے حج کے لئے جا رہے تھے، مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ امام مالک رح سے بھی ملے اور آپ کا بیحد احترام کیا۔ قاضی ابو یوسف رح نے امام مالک رح سے ایک مسئلہ پوچھا آپ خاموش ہو رہے اس پر ہارون رشید نے عرض کیا۔ اے ابو عبداللہ یہ ہمارے قاضی یعقوب ہیں جو آپ سے مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا۔ کاش آپ مجھ کو لغو آدمیوں میں بیٹھے دیکھیں تو اس مجلس میں ان کا جواب دے سکتا ہوں"

بلا شبہ یہ دونوں باتیں ذہبی نے نقل کی ہیں اور ان دونوں باتوں کے درمیان ذہبی نے ایک تیسری بات بھی نقل کی ہے جو معلوم نہیں کس مصلحت سے مولف نے چھوڑ دی وہ یہ ہے کہ انھی اسمعیل بن داؤد مخراقی نے امام مالک رح کو یہ کہتے بھی سنا تھا۔ کہ عطاء بن ابی رباح رح سیہ فام اور ضعیف العقل تھے۔ شاید اس کو چھوڑ دینے کی یہ وجہ ہو گی کہ ان کے متعلق مولف ص ۵۹ پر امام شافعی رح سے ایک فتویٰ کے سلسلہ میں یہ نقل کر چکے ہیں کہ

"ہم سے بہتر شخص عطاء ابن ابی رباح نے یہی کہا ہے"

اب مولف عطاء بن ابی رباح رح کے متعلق جو جواب دیں وہی ہماری طرف سے اہلِ عراق کے متعلق سمجھ لیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں اور ذہبی نے ان دونوں کو بلا سند بیان کیا ہے ظاہر ہے کہ ایسی روایتوں میں کہ جن سے ائمہ کی تنقیص ہوتی ہو کس قدر صحت کی ضرورت ہے۔ عطاء بن ابی رباح رح کی وہ شان ہے کہ جس کے متعلق امام ترمذی رح اپنی جامع میں حضرت امام ابوحنیفہ رح سے ناقل ہیں کہ

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو یحییٰ الحمانی — میں نے کسی کو جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔ اور

قال سمعت ابا حنیفة یقول ما رائیت احدا اکذب　　عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں پایا۔
من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء بن ابی رباح (جامع ترمذی مع شرح ابن العربی طبع مصر ج ۱۳ صفحہ ۲۰۹)

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مقولہ حافظ ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ ان ربیعۃ الرائےؒ سے بھی مل چکے اور ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ اہل عراق کے متعلق ذہبی نے ربیعہؒ سے بھی جو کچھ نقل کیا ہے محض غلط ہے۔ بھلا ابن سیرین، حسن بصری، ابراہیم نخعی، اور شعبی جیسے جلیل القدر ائمہ کے بارے میں کون بے عقل یہ کہے گا کہ وہ تام العقل نہ تھے۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے بارے میں بھی جو کچھ نقل کیا ہے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس واقعہ میں امام مالکؒ کا بہانہ غلط کیر لحیہ پیش کیا گیا ہے کہ کسی سنجیدہ آدمی سے سیدھی طرح بات بھی نہیں کرتے غور فرمایئے محض مسئلہ دریافت کرنے میں کیا قباحت تھی کہ برجستہ فرما دیا " کاش آپ مجھ کو لغو آدمیوں میں بیٹھے دیکھیں تو اس مجلس میں اس کا جواب دے سکتا ہوں" بھلا یہ کیا لغویت ہوئی۔ خدا جانے واقعہ کیا ہوگا ذہبی نے اس کو حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ دونوں سخت متعصب تھے اور ائمہ احناف کے بارے میں بہت سی بے سروپا باتیں بغیر تنقید نقل کر دیتے تھے۔ اسی لئے قاضی القضاۃ علامہ ابو الفضل محب الدین بن الشحنہ نے اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں علامہ تاج الدین سبکی کے حوالہ سے تصریح کی ہے کہ ذہبی کے کلام سے کسی حنفی عالم کا تذکرہ نہیں نقل کرنا چاہئے۔[۲]

ازالۃ الخفاء کی عبارت کی تحقیق

(۱۵) ص ۱۳۲ پر مرقوم ہے:۔
" ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد کسی خلیفہ نے خود اپنی امارت میں حج ادا نہیں کیا۔ ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کے مانند رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھ لیتے ہیں"

اس عبارت کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلفائے راشدین کے بعد جتنی بھی اسلامی حکومتیں برسر اقتدار آئیں سب نعوذ باللہ مجوسیوں کے مانند تھیں۔ یہ ازالۃ الخفاء میں کہیں نہیں ہے۔ مولف تصحیح نقل فرمائیں۔ ازالۃ الخفا میں اس سلسلہ میں جو کچھ ہے حسب ذیل ہے:۔

" قامت حج بعد حضرت عثمانؓ ہیچ خلیفہ بذات خود نکردہ است" (ج۔۱۔ صفحہ ۱۳۲) اور گیارہ ورق کے بعد ص ۱۵۰ پر یہ تحریر ہے

باز دولت قریش منقرض شد بلکہ دولت عرب برہم خورد ولساماحافل وملوک عالم عجمیان شدند چوں دولت عرب منتسی شد و مردم در بلاد مختلفہ افتادند ہر یکے آنچہ از مذاہب یاد گرفتہ بود ہماں را اصل ساخت وانچہ مذہب مستنبط سابقا

پھر قریش کی سلطنت ختم ہو گئی بلکہ عرب کی حکومت درہم برہم ہوئی اور رؤسا محافل اور شاہان عالم اہل عجم ہوئے۔ جب عرب کی سلطنت جاتی رہی اور لوگ مختلف ملکوں میں بٹ گئے تو جس نے بھی جو مذہب یاد کر لیا تھا اسی کو اصل بنا لیا اور

---

[۱] ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری ج ۲۔ صفحہ ۷۵۰ اور تخریج ہدایہ از زیلعی ج ۲۔ صفحہ ۴۹)

[۲] ملاحظہ ہو تعلیقات ذیول تذکرۃ الحفاظ ص ۳۲۸ طبع مصر۔ ہم نے اس کی اصل عبارت اپنے اس مقالہ میں نقل کر دی ہے کہ جو حاکم کی مشہور کتاب المدخل فی اصول الحدیث کی تنقید کے سلسلہ میں لکھا ہے اور ندوۃ المصنفین کے موقر جریدہ برہان میں فروری ۵۲ء سے لیکر جون ۵۲ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ عبارت جون کے رسالہ میں ہے۔ اسی طرح فروری کے رسالہ میں حاکم کے تعصب کو بھی بحوالہ حافظ ابن الجوزی

بود الحال سنت مستقرہ شد علم ایشاں تخریج بر تخریج و تفریع بر تفریع و دولت ایشاں مانند دولت مجوس الا آنکہ نماز می گزارند و تکلم بکلمہ شہادت می شدند

جو مذہب پہلے استنباطی و اجتہادی تھا وہ اب مستقل سُنّت بن گیا۔ ان کا علم تخریج پر تخریج اور تفریع پر تفریع گیا اور ان کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند تھی فرق یہ تھا کہ یہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور کلمہ شہادت کے قائل تھے۔

ملاحظہ فرمائیے مولف نے اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر ایک کا جوڑ دوسرے سے لگایا اور واقعہ کو سرے سے کچھ کا کچھ کر دیا۔ فاضل مولف نے کتاب میں اکثر جگہ یہی کارروائی کی ہے۔

ابن معین کی جرح

(۱۶) ص ۱۴۳ پر لکھا ہے:۔

"غلط طور پر یہ مشہور کیا گیا تھا کہ امام یحییٰ بن معین نے امام شافعیؒ پر کچھ جرح کی ہے۔ جس کا جواب علامہ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ امیر عبداللہ بن ناصر نے فرمایا ہے میں نے اصل کتاب محمد بن وضاح کی مشرق میں دیکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ یحییٰ بن معین نے امام شافعیؒ کی ثقاہت روایت حدیث کی توثیق فرمائی ہے"

یہ محض غلط ہے حافظ ابن عبد البر نے تو ابن ناصر کی تردید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یحییٰ بن معینؒ سے یہی صحیح ہے کہ وہ امام شافعیؒ پر کلام کرتے تھے چنانچہ وہ ابن ناصر کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کر کے لکھتے ہیں

وھذا کلہ عندی تخرص وتکلم علی الھوی وقد صح عن ابن معین من طرق انہ کان یتکلم فی الشافعی (ج ۲۔ صفحہ ۱۶۰ طبع مصر)

یہ سب میرے نزدیک اٹکل ہے اور اپنی خواہش کے مطابق بات بنانا ابن معین سے تو متعدد طرق سے یہی صحت کو پہنچا ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے بارے میں کلام کیا کرتے تھے۔

بات یہ تھی کہ معاصرت کی بنا پر امام ابن معینؒ کو امام شافعیؒ کی عظمت شان کا صحیح احساس نہ ہو سکا۔ اور وہ فن حدیث میں ان کے قائل نہیں ہوئے۔

کیا مامون ہروی فقیہ تھا

(۱۷) ص ۱۴۴ پر مرقوم ہے:۔

"ایک شخص مامون بن احمد سلمی متوفی ۲۴۵ھ ہرات کا رہنے والا مشہور فقیہ ہے اس کا کام یہی تھا کہ امام شافعیؒ اور آپ کے مسلک کے خلاف روایتیں وضع کیا کرتا تھا"

مولف کو اس جھوٹے کی فقاہت کی شہرت کس کتاب سے معلوم ہوئی ذرا اس کا نام بتایا جائے۔

مرسل خفی کی خود ساختہ تعریف

(۱۸) ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں:۔

"مرسل خفی اس کو کہتے ہیں کہ ایک ایسا صحابی روایت کر رہا ہو جس نے حضور علیہ السلام کو تو بچشم خود دیکھا ہے مگر اس کا کسی روایت کو سننا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسرے کسی صحابی سے روایت کرتا ہے اور اس کا نام نہیں لیتا"

مرسل خفی کی یہ تعریف محض خود ساختہ ہے۔ اصول حدیث کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ مرسل خفی کے معنی ظاہر ہیں کہ جس کا ارسال بظاہر معلوم نہ ہو بلکہ بادی النظر میں تو متصل نظر آئے اور حقیقت میں مرسل ہو۔

مرسل کے بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب

(۱۹) ص ۱۴۰ و ۱۵۸ پر مولف نے امام شافعیؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ

"روایت مرسل بجز سعید بن مسیب کے ناقابل قبول ہے"

یہ بھی کلیتہً صحیح نہیں بلکہ مذہب شافعی میں مرسل کے بارے میں تفصیل ہے۔ وہ چند شرائط کے ساتھ حدیث مرسل سے احتجاج کے قائل ہیں۔ چنانچہ خود مولف نے ص ۵ پر حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

"امام شافعی رح نے یہ اصول طے کیا کہ مرسل روایتوں پر عمل جب ہی کیا جا سکتا ہے کہ ان کے شرائط بھی پیش نظر ہوں"

ثبوت چاہیئے

(۲۰) مولف نے ص ۱۵۹ سے لیکر ص ۲۰۹ تک کامل پچاس صفحات میں امام شافعی رح کے دس اصول کی تشریح میں جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ امام شافعی رح کی تصنیفات سے اس کا ثبوت فراہم نہ کر سکے جس سے ناظرین کو مولف کے دعوے کی صداقت معلوم ہوتی۔ بلکہ متاخرین مصنفین اصول حدیث کے اقتباسات درج کرتے ہیں اور ان اقتباسات میں بھی یہ کہیں تصریح نہیں کہ امام شافعی رح نے ایسا فرمایا ہے یا امام شافعی رح کے فلاں اصول پر ان تفصیلات کی تخریج ہے۔ یہ اصول حدیث متاخرین کی اپنی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ ان سب کو بیدھڑک سراسر امام شافعی رح کی طرف منسوب کر دینا بڑی جسارت ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آئندہ مولف اگر سیرت امام شافعی رح پر نظر ثانی فرمائیں تو اپنے دعوے کے ثبوت میں خود امام شافعی رح کی تصریحات خواہ ان کی اپنی تصانیف سے یا دوسرے علما کی کتابوں سے نقل فرما دیں تاکہ بات بے سند نہ رہے۔

کیا تدلیس صرف کوفہ اور بصرہ والوں کے ساتھ مخصوص تھی

(۲۱) مولف نے ص ۱۶۸ سے لیکر ص ۱۷۶ تک کامل چار ورق تدلیس اور مدلس کی وضاحت پر صرف کئے ہیں۔ حالانکہ ہزاروں راویان حدیث میں مدلسین کی کل تعداد (۱۵۲) ہے۔ اور ص ۱۶۹ پر توجیہ النظر کے حوالے سے یہ داد تحقیق دی ہے۔

"اہل حجاز، حرمین، مصر، اور عوالی مصر کا طریقہ تدلیس کا نہ تھا۔ اسی طرح خراسان۔ دامان کوہ۔ اصفہان۔ بلاد فارس و خوزستان اور ماوراء النہر کے ائمہ محدثین کے متعلق بھی تدلیس کا علم نہیں ہوا۔ البتہ بیشتر محدثین کوفہ اور کچھ بصرہ والوں کی یہ عادت تھی۔"

مولف کے پیش نظر حافظ ابن حجر عسقلانی کی طبقات المدلسین تھی جو مدلسین کے حالات میں سب سے جامع تصنیف ہے تاہم مولف نے توجیہ النظر کی اس عبارت کو قصداً نقل کیا تاکہ اہل عراق یعنی علماء کوفہ اور بصرہ پر طعن کا موقع ملے۔ لیکن ہم اس غلط تحقیق کی حقیقت کھول کر اپنے ناظرین کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے تلامذہ میں سے کسی کے دامن پر تدلیس کا دھبہ نہیں ہے۔ طبقات المدلسین میں حافظ ابن حجر نے (۱۵۲) مدلسین کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے جب ان کے اوطان کی تحقیق کی تو حسب ذیل اعداد و شمار ہوئے۔

کوفہ	بصرہ	مدینہ منورہ	مکہ مکرمہ	باقی مدلسین حسب ذیل مقامات کے رہنے والے تھے:
۳۹	۲۵	۱۴	۱۱	ـــــــــ

اصفہان، سمرقند، جزیرہ، یمامہ، مرو، یمن، طائف مصر، مدائن، بخارے، اندلس، نیشاپور، واسط، دمشق، بغداد، شام، صنعاء، رے، حران، ہمدان، مصیصہ، حمص خدیثہ، خراسان، افریقہ، ہرات، اس لئے صرف اہل کوفہ و بصرہ کو مورد طعن بنانا مناسب نہیں کہ

ایں گناہیست کہ در شہر شمار نیز کنند

توجیہ النظر کے مولف طاہر جزائری اسی عہد کے علماء میں سے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی سے ان کی شام میں ملاقات

ہوئی تھی۔ غالباً انھوں نے مدلسین کے اوطان پر نظر نہیں ڈالی ورنہ ایسا نہ لکھتے۔

سماءِ دنیا سے کیا مراد ہے

(۲۲) ص ۱۸۵ پر لکھتے ہیں:۔

"کلام عرب میں سماءِ دنیا سے مراد وہ حالت ہے جو ہم سے قریب ہے"

یہ محض غلط ہے۔ مولف لغت و کلام عرب سے ثبوت پیش کریں۔

صاحب ہدایہ پر اعتراض کا جواب

(۲۳) ص ۱۹۴ پر ارقام فرماتے ہیں:۔

"صاحب ہدایہ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قربانی نہ کرنے پر ایک احتمال پیدا کیا تھا کہ ان دونوں حضرات نے بحالت سفر ایسا کیا ہوگا اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ صفحہ ۲۳۵ پر یہ دیا ہے:۔

"یہ روایت کہ بحالت سفر ایسا کیا ہو مجھے نہیں ملی بلکہ بسند صحیح ان حضرات سے یہ ثابت ہے کہ اس خطرہ کی وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں"

یہاں مولف نے کئی غلطیاں کی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ حافظ ابن حجر کی تخریج کو نصب الرایہ لکھدیا اور یہیں نہیں بلکہ مولف نے جہاں بھی اپنی کتاب میں اس کا حوالہ دیا ہے یہی نام لکھا ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ نصب الرایہ حافظ جمال الدین زیلعی کی تصنیف ہے جو ہندوستان اور مصر دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ہے۔ طبع قدیم میں مطبع والوں نے غلطی سے نصب الرایہ چھاپ دیا ہے مولف نے اسے صحیح سمجھ لیا یہ علمی کوتاہی ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کے لئے لکھدیا کہ انھوں نے ایک احتمال پیدا کیا تھا۔ حالانکہ صاحب ہدایہ نے احتمال کے طور پر نہیں بلکہ جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ

(وابوبکرؓ و عمرؓ لا یضحیان اذا کانا مسافرین) — حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جب مسافر ہوتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔

(ج ۴ - صفحہ ۴۲۹)

تیسری غلطی یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کے یہ لکھدینے سے کہ لم اجدہ (یہ روایت مجھے نہیں ملی) آپ نے بھی یہ باور کر لیا کہ واقع میں اس کا وجود نہیں حالانکہ حافظ صاحب موصوف کو اگر کوئی روایت نہ مل سکے تو اس سے روایت کے ثبوت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر حافظ صاحب کو کوئی روایت معلوم نہ ہو سکے تو دوسروں کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ درایہ کی تالیف میں حافظ صاحب کی اپنی سعی و کاوش کچھ نہیں ہے بلکہ نصب الرایہ کی اپنے مذاق کے مطابق محض تلخیص کر دی ہے۔ اور حافظ زیلعی کو جو کوئی روایت نہیں ملتی تو یہ بجائے اس کے کہ اس روایت کے لئے مزید تلاش و تفحص کو کام میں لائیں۔ عام طور پر امام زیلعی ہی کی تقلید کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اور ویسے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی نظر حدیث میں اس درجہ کی نہیں ہے کہ وہ اگر کسی روایت کے لئے لم اجدہ کہدیں تو اس روایت کے ثبوت سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔ غور فرمائیے۔ حافظ صاحب نے ساری عمر صحیح بخاری کی خدمت کی ۲۶ سال کے قریب فتح الباری شرح صحیح بخاری کے نذر کئے جو ان کا شاہکار ہے۔ اور جس کے متعلق مشہور کیا جاتا ہے کہ لا ھجرۃ بعد الفتح۔ پھر بھی یہ کیفیت ہے کہ جا بجا تعلیقات و متابعات صحیح بخاری کے لئے فرما دیتے ہیں لم اجدہ۔ چنانچہ

پانچ حوالے سردست ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:-

(۱) روایۃ ابراھیم بن یوسف بن ابی اسحٰق السبیعی عن ابیہ عن ابی اسحٰق حدثنی عبد الرحمٰن بن الاسود، لم اجدھا (مقدمہ فتح الباری ص ۱۹ طبع میریہ مصر)

(۲) موسیٰ عن مبارک عن الحسن قال اخبرنی ابو بکرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخوف اللہ بھما عبادہ کے متعلق ارشاد ہے۔ ولم تقع لی ھذہ الروایۃ الی الآن من طریق واحد یعنی یہ روایت مجھے اب تک کسی ایک طریقے سے بھی نہیں ملی (فتح الباری ص ۴۴۵ ج ۲ طبع میریہ)

(۳ و ۴) باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، قال محمد ویذکر ذلک عن عمار وابی ذر وانس وجابر بن زید وعکرمۃ والزھری، جابر بن زید کی روایت کے لئے ارشاد ہے واما جابر بن زید وھو ابوالشعثاء البصری فلم اقف علیہ بعد، زہری کے لئے سنئے، واما الزھری فلم اقف علیٰ ذلک عنہ موصولا یعنی ان دونوں روایتوں کی اسناد پر حافظ صاحب کو واقفیت نہ ہو سکی (فتح الباری ج ۳ صفحہ ۳۹)

(۵) قال ابن سیرین وابو صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا کلب غنم او صید، اس کے لئے فرماتے ہیں۔ واما روایۃ ابن سیرین فلم اقف علیھا بعد التتبع الطویل یعنی ابن سیرین کی روایت پر بڑی تلاش کے بعد بھی میں مطلع نہ ہو سکا (فتح الباری ج ۵ صفحہ ۵)

یہ انتہائی خیرہ چشمی ہے کہ اگر ہدایہ کی کوئی روایت متاخرین مخرجین کو نہ مل سکے تو شور مچا دیا جائے۔ اور جو (۱۶) صحیح بخاری کی کسی غیر مسند روایت کی اسناد نہ مل سکے تو چپ سادھ لی جائے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک ہدایہ کی احادیث کا اعتبار صحیح بخاری کی روایات سے کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ ہدایہ کی احادیث پر مسائل کی بنیاد ہے بخاری کی روایات پر نہیں۔

اب سنئے صاحب ہدایہ کی روایت مذکورہ کا حال علامہ حافظ قاسم بن قطلوبغا، منیۃ الالمعی فیما فات من تخریج الھدایۃ للزیلعی میں رقمطراز ہیں

قلت روی مسدد فی مسندہ ان ابابکر وعمر رضی اللہ عنھما شھدا الموسم فلم یضحیا وروی ابن ابی شیبۃ عن عمر انہ کان اذا حج لایضحی

(ص ۵۶ طبع مصر)

میں کہتا ہوں مسدد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سفر پر حج کیلئے تشریف لیگئے اور آپ نے قربانی نہیں کی، اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ سفر حج پر جاتے تو قربانی نہیں کرتے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے حدیث ہدایہ لاجمعۃ ولاتشریق ولااضحی الافی مصر جامع کے لئے لکھدیا ہے کہ لم اجدہ اور آپ نے سند متند سمجھ کر اسے ص ۲۷۳ پر نقل فرما دیا ہے سو یہ بھی حافظ صاحب کے قلت تتبع کا نتیجہ ہے چنانچہ شیخ الاسلام حافظ بدرالدین محمود عینی بنایہ شرح ہدایہ میں رقمطراز ہیں

وقد ذکر الامام خواھرزادہ فی مبسوطہ ان ابایوسف ذکرہ فی الاملاء مسندا مرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بحث صلوۃ جمعہ)

امام خواہرزادہ نے اپنی مبسوط میں بیان کیا ہے کہ امام ابویوسف رح نے اس روایت کو باسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

اور شرح بخاری میں فرماتے ہیں

ان اباذید زعم فی الاسرار ان محمد بن الحسن قال رواہ مرفوعا معاذ و سراقۃ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ج ۳ صفحہ ۲۶۴)

امام ابوزید نے الاسرار میں دعوے کیا ہے کہ امام محمد نے فرمایا ہے کہ اس روایت کو مرفوعاً حضرت معاذ اور سراقہ بن مالک نے بیان کیا ہے۔

ایک حدیث پر نامناسب انداز میں تنقید

(۲۴) ص ۱۹۶ پر مولف نے حنفیہ کی ایک حدیث پر مخالفت کے جوش میں اس انداز میں تنقید کی ہے کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تنقیص ہوتی ہے

"چونکہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بعید از عقل ہے (یعنی) اگر کسی کو گنجائش نصیب ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہمارے مصلے کے قریب نہ آئے۔"

اور اس کے بعد ایک لایعنی تقریر حدیث کی تردید میں لکھ ماری ہے حالانکہ خود مطلب نہ سمجھ سکے اور نعوذ باللہ حضور کے ارشاد کو بعید از عقل قرار دیدیا۔

علامہ ابوالحسن سندی، شرح ابن ماجہ میں فرماتے ہیں:-

لیس المراد ان صحۃ الصلوٰۃ تتوقف علی الاضحیۃ بل ھو عقوبۃ لہ بالطرد عن مجالس الاخیار وھذا یفید الوجوب (ج ۱ صفحہ ۱۳۱ طبع مصر ۱۳۱۳ھ)

یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز کی صحت قربانی پر موقوف ہے بلکہ قربانی نہ کرنے والے کو نیک لوگوں کی مجالس سے دور رہنے کی سزا دی گئی ہے۔ اور یہ بات قربانی کے وجوب کو بتاتی ہے۔

عبارت کا غلط انتساب

(۲۵) ص ۱۹۸ پر امام شافعیؒ کے ساتویں اصول کے ثبوت میں حسب ذیل عبارت امام شافعیؒ کی طرف سے نقل کی ہے۔

"آپ (یعنی امام شافعی) فرماتے ہیں ہم سے ابن کریمہ نے انھوں نے ابوجعفر سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور علیہ السلام نے یہود کو بلایا۔ انھوں نے اپنی مذہبی روایات حضورؐ کو سنائیں از انجملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھوٹی روایتیں بیان کیں اس کے عین مابعد حضور افروز منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمایا سنو، عنقریب مجھ سے روایتیں بیان کی جائیں گی اور وہ پھیلیں گی اس لئے یاد رکھو میری جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ تو میرا کلام ہوگا اور جو قرآن کے خلاف ہو وہ ہرگز میرا کلام نہ ہوگا — مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے انھوں نے بختری سے انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جب تمھارے پاس حدیث رسول اللہ پہنچے تو اس پر یہ غور کر دکہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ دل کو زندہ رکھنے والی ہے یا نہیں اگر ان صفات سے متصف ہو تو یقین کر لینا کہ یہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، اشعث بن سوار اور اسمٰعیل بن خالد نے امام شعبی سے اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاری سے روایت کیا ہے کہ ہمارا گروہ انصار جب کوفہ روانہ ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیدل ہماری مشایعت کی یہاں تک کہ ہم ایسے مقام پر پہنچے جو آبادی سے دور تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے گروہ انصار تم سمجھے کہ میں کیوں پیدل یہاں تک آیا۔ انصار نے کہا جی ہاں

آپ نے ہمارے حق کا لحاظ فرمایا۔ فرمایا یقیناً تمہارا حق تو یہی ہے کہ مجھے آنا چاہیئے تھا اگر تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جہاں شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ کی طرح قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے تم وہاں حضور علیہ السلام کی روایتیں کم بیان کرنا۔ قرظہ نے کہا کہ میں کبھی حضور علیہ السلام کی حدیث ہی بیان نہ کروں گا۔

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یاد رکھو۔ روایتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور ان میں بیشتر نامعلوم ہیں اس لئے وہ حدیثیں لو جن پر ایک جماعت کا اتفاق ہو اور وہ قرآن کریم کے مطابق ہوں فرماتے ہیں ہم سے معتبر لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض الموت میں قرآن و مشہور روایات کے عمل کا حکم صادر فرمایا ہے۔

مؤلف نے اپنی کتاب کا تعارف کراتے ہوئے پہلے ہی صفحہ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ

"مزار امام شافعی رضی اللہ علیہ پر تقریباً روزانہ حاضری ہوتی تھی۔ حضرت شیخ عبد الظاہر شافعی رح سے رسالہ امام شافعی و کتاب الام من اولہ الیٰ آخرہ پڑھی ہیں"

اس کے باوجود آپ کی خوش فہمی کا یہ حال ہے۔ کہ امام ابو یوسف رح کی عبارت کو آپ امام شافعی رح کی عبارت سمجھ گئے سبحان اللہ اسی فہم و دانش پر ائمہ کرام پر نکتہ چینیاں ہیں۔ یہ ترجمہ تمام تر الرد علیٰ سیر الاوزاعی کا ہے جو حضرت امام ابو یوسف رح کی مشہور تصنیف ہے اور جس کو عرصہ ہوا کہ مولانا ابو الوفا افغانی تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ، مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے مصر میں طبع کرا کر شائع کر چکے ہیں۔ الرد علیٰ سیر الاوزاعی چونکہ امام شافعی رح کے مسموعات میں داخل ہے اس لئے وہ کتاب الام کے مجموعہ میں اس کتاب کو بھی روایت کرتے ہیں، لائق مؤلف جنہوں نے سیر الاوزاعی اور سیر الواقدی (۱) کو امام شافعی رح کی تصنیفات میں شمار کیا ہے (صفحہ ۱۰) وہ اگر الرد علیٰ سیر الاوزاعی کو بھی امام شافعی رح کی تصنیف خیال کرلیں تو کیا تعجب ہے۔

اب ہم الرد علیٰ سیر الاوزاعی کی اصل عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

حدثنا ابن ابی کریمۃ عن ابی جعفر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ دعا الیہود فسألہم فحدثوہ حتیٰ کذبوا علی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فصعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فخطب الناس فقال ان الحدیث سیفشو عنی فما اتاکم عنی یوافق القرآن فہو عنی وما اتاکم عنی یخالف القرآن فلیس عنی، حدثنی مسعر بن کدام والحسن بن عمارۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی البختری عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال اذا اتاکم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فظنوا انہ الذی ہو اہدیٰ والذی ہو اتقیٰ والذی ہو احیا، حدثنا اشعث بن سوار واسماعیل بن خالد عن الشعبی عن قرظۃ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ انہ قال اقبلت فی رہط من الانصار الی الکوفۃ فشیعنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یمشی حتیٰ انتہینا الی مکان قد سماہ ثم قال ہل تدرون

---

(۱) مؤلف نے تنبیہ نہیں کی مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس سے مراد احکام کی احادیث نہیں بلکہ غزوات وغیرہ کے واقعات ہیں۔ منکرین حدیث غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ چنانچہ امام دارمی اپنی سنن میں فرماتے ہیں

معناہ عندی الحدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس السنن والفرائض صفحہ ۷۸ طبع نظامی

اس کا مطلب میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے واقعات ہیں سنن اور فرائض نہیں۔

لو مشیت معکم یا معشر الانصار قالوا نعم لحقنا قال ان لکم الحق ولکنکم تاتون ثم ما لھم دوی کدوی النحل فاقلوا الروایة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا شریککم فقال قرظہ لا احدث حدیثا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابداً ص ۳۰ و ۳۱

چند سطروں کے بعد پھر وہ عبارت شروع ہوتی ہے جس کا ترجمہ مولف نے نئی سطر سے یہ کہہ کر شروع کیا ہے کہ "پھر امام شافعی رح فرماتے ہیں" الخ جو حسب ذیل ہے:-

والروایة تزداد کثرة ویخرج منها ما لا یعرف ولا یعرفه اهل الفقه ولا یوافق الکتاب والسنة فایاك وشاذ الحدیث وعلیك بما علیه الجماعة من الحدیث وما یعرفه الفقهاء وما یوافق الکتاب والسنة فقس الاشیاء علی ذلك فما خالف القرآن فلیس عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وان جاءت به الروایة، حدثنا الثقة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال فی مرضه الذی مات فیه انی لا احرم ما حرم القرآن واللہ لا یمسکون علیّ بشیئٍ ص ۳۱

اس اخیر عبارت کے ترجمہ میں مولف نے جو کچھ تصرف کیا ہے اس پر ہم سر دست گفتگو نہیں کرتے مولف کی کتاب کا کافی حصہ اسی قسم کے تصرفات سے پر ہے۔ اس لئے اس کی تو شکایت ہی بے کار ہے۔

ہاں مولف نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ ابن ابی کریمہ، مسعر بن کدام، حسن بن عمارہ، اشعث بن سوار، اسمٰعیل بن خالد ان میں سے کسی ایک کا شمار امام شافعی رح کے شیوخ میں نہیں ہے۔ پھر امام شافعی رح ان کے متعلق حدثنا اور حدثنی کے الفاظ کس طرح استعمال کر سکتے ہیں اگر واقعی امام شافعی رح نے ان سے روایتیں کی تھیں تو آپ نے ان کا شمار امام شافعیؒ کے اساتذہ میں کیوں نہیں کیا۔ نیز آپ نے پہلی روایت کا ترجمہ یہ فرمایا ہے

"ہم سے ابن کریمہ نے انھوں نے ابو جعفر سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا"

یہ ابو جعفر کونسے صحابی ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ذرا طبقات صحابہ سے پتہ بتائیے۔ روایت میں لفظ عن مذکور ہے۔ سمعتُ نہیں اس لئے آپ نے سننے کا غلط ترجمہ کیوں کیا۔ علاوہ ازیں جب ابو جعفر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تو وہ صحابی ہوئے۔ اور ابن ابی کریمہ تابعی اور چونکہ آپ کے خیال شریف کے مطابق امام شافعیؒ نے ان سے سنا لہٰذا وہ تبع تابعی، پھر امام شافعی رح کی اس اہم فضیلت کا ذکر اپنی اس کتاب میں کیوں نہیں فرمایا

امام ابو حنیفہ رح کی طرف غلط نسبت

(۲۶) ص ۳۰۲ پر تحریر ہے:- "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے، فرائض اور اعمال، اعضاء اور جوارح کے کام ہیں ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا قائل ہو اور فرائض نہ ادا کرتا ہو تو وہ بہر نوع مسلمان ہے اور مواخذہ سے بری ہے"

یہ فرائض ادا نہ کرنے والے کا امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مواخذہ سے بری ہونا۔ افتراء ہے۔ اس کا ثبوت چاہیے۔

غیر حنفی علماء کو حنفی لکھ دینا

(۲۷) مولف کو طبقات علماء پر یا تو بالکل نظر نہیں ہے یا وہ دانستہ غیر حنفی علماء کو حنفی لکھ دیتے ہیں تاکہ عوام سمجھیں کہ جب خود حنفی علماء ہی مذہب حنفی پر اعتراض کرتے ہیں تو یقیناً صحیح ہی ہوگا۔ چنانچہ ص ۲۲۶ پر ملا معین سندھی، مصنف دراسات اللبیب کو جو مشہور غیر مقلد اور شیعیت کی طرف مائل تھے۔ حنفی لکھ دیا

ہے حالانکہ ان کے بارے میں علامہ مخدوم ابراہیم سندی المتوفی ۱۲۱۶ھ اپنی کتاب سحق الاغبیا من الطاعنین فی کمل الاولیا والفقہاء العلماء میں یہ رقمطراز ہیں:-

واعجب من ذلک واغرب ان المخدوم محمد معین بن المخدوم محمد امین الذی کان ابوہ عالماً حنفیاً تقیا، وھو بعد ما تعلم العلوم العربیۃ وصار ماھراً فی کل فن ترک مذھب ابی حنیفۃ وطعن فیہ واظھر کثرۃ الاصابۃ مع الامام الشافعی فتقلد الامام الشافعی ثم جمع رسائل صرح فیھا ان دلائل اھل السنۃ والجماعۃ ظنیۃ تتعارض وتتساقط فیما بینھا فلم یبق لھم دلیل الی الحق، وجزم ان معاویۃ رضی اللہ عنہ کان اماما جائرا ولا یتحمل عن مثلہ الدین ولا السنۃ وقال ان الذی اتبع مذھبا معینا فھو الذی حجر علی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ، ثم قال ان المتبع مذھبا (۲ ثنوی مشرک لان من تبع ابا حنیفۃ او الشافعی فقد اخرج عنقہ من کوۃ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وصحبہ وادخل فی کوۃ امامہ ابی حنیفۃ او الشافعی یتبرأ منہ ائمتہ یوم القیمۃ (اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراؤا العذاب وتقطعت بھم الاسباب) واثبت رفع الیدین فی کل خفض ورفع ولو فی خفض السجدتین ورفعھما عند الشافعی غلطا وحرم الصبر علی شھادۃ الامام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما، واوجب تعزیۃ کل عاشوراء مع الرسوم والبدعات، وقال بقطعیۃ الاقوال الاجتھادیۃ للائمۃ الاثنا عشریۃ من اھل بیت النبوۃ، وقطعیۃ کل کشف من کشوف کل ولی من اولیاء اللہ کیف ما کان کقطعیۃ النص القرآنی والحدیث المتواتر وبقطعیۃ الحکم بایمان فرعون القبطی الی غیر ذلک من المفاسد

اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ مخدوم محمد معین بن مخدوم محمد امین کہ جن کے والد ایک حنفی اور متقی عالم تھے۔ انہوں نے علوم عربیہ کی تحصیل اور ہر فن میں مہارت پیدا کرنے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو خیرباد کہا۔ اور اس پر طعن کرنے لگے اور یہ اعلان کیا کہ اکثر مسائل میں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے زیادہ صائب ہے پھر چند رسائل مدون کئے جن میں یہ صاف طور پر کہدیا کہ اہل سنت و جماعت کے دلائل ظنی ہیں اور باہم متعارض اور ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں لہذا ان کے پاس اپنی حقانیت کی کوئی دلیل نہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بڑے یقین کے ساتھ کہہ گزرے کہ وہ ظالم خلیفہ تھے اور ان جیسے لوگوں سے دین یا سنت کی کوئی بات نہیں لینی چاہیئے۔ اور یہ کہنے لگے کہ جو شخص کسی مذہب معین کا پیرو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو تنگ کرنا چاہتا ہے پھر یہاں تک کہدیا کہ ان مذاہب میں سے جو بھی کسی خاص مذہب کا پیرو ہے وہ بت پرست اور مشرک ہے۔ کیونکہ جو شخص امام ابوحنیفہ یا امام شافعی (رحمہما اللہ) کی اتباع کرتا ہے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روشندان سے اپنی گردن نکال کر اپنے امام کے روشندان میں داخل کرتا ہے۔ یہ ائمہ اپنے اس متبع سے قیامت کے دن اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے یہ وہ دن ہوگا کہ سب مقتدا اپنے اپنے پیرووں سے براءت ظاہر کریں گے عذاب کو دیکھ رہے ہوں گے اور باہمی تعلقات سب ٹوٹ چکے ہوں گے۔ مخدوم موصوف نے نمازمیں ہر دفعہ جھکنے اور کھڑے ہونے پر رفع یدین کو ثابت کیا اور اس بارے میں مذہب شافعی کی تغلیط کی۔ نیز حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت پر صبر کو حرام اور ہر عاشورہ پر پوری رسوم وبدعات کے ساتھ تعزیت کو واجب کر دیا۔ اور دعویٰ کیا کہ اہل بیت میں سے ائمہ اثنا عشر کے اجتہادی اقوال قطعی ہیں۔ مکاشفات اولیاء اللہ میں سے ہر ولی کا کشف خواہ وہ کچھ بھی ہو اسی طرح قطعی ہے جس طرح نص قرآنی اور حدیث متواتر قطعی ہیں۔ اور فرعون قبطی کے متعلق فیصلہ کیا کہ وہ قطعی مومن ہو۔

الکثیرۃ الوفیرۃ مع ان کل ذلک باطل باطل باطل۔ (ورق ۲۹ مخطوطہ کتب خانہ مدرسہ مظہر العلوم کراچی)

اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کے وہ قائل تھے۔ حالانکہ یہ سب باتیں سرے سے باطل اور غلط اور غیر صحیح ہیں۔!

ہم نے ملا معین کے عقائد زائغہ کی کچھ تفصیل اپنے اس مقالہ میں پیش کی ہے۔ جو کتب خانہ مدرسہ مظہر العلوم کی مخطوطات پر لکھا ہے۔ اور جو دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ کے ماہنامہ دعوۃ الحق کراچی کے رمضان و شوال ۱۳۷۱ھ کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے اہلِ حدیث حضرات نے ملا معین کی دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب کو احناف کے مقابلہ میں ایک دستاویز سمجھ رکھا ہے۔ سب سے زیادہ اس کتاب کی تعریف میں اہلِ حدیث کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں مرحوم رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ اتحاف النبلاء میں رقم طراز ہیں:۔

"دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، للشیخ الفاضل المحقق محمد معین بن محمد امین سندی است ذا لیفش برائے اثبات عمل بر حدیث صحیح و ترک روایت مذہب مخالف آن بودہ است، و در باب خود در متانت عبارت و رشاقت الفاظ و تحقیقات مطالب علیہ و سرد ادلۂ صحیحہ بر مدعائے مطلوب خیلی خوب واقع شدہ برائے افحام خصم و الزام مقلدین کافی و وافی است، قاضی طلا محمد پشاوری را در وصف کتاب مذکور و تحریص عمل بالحدیث قصیدہ عربی است کہ در آخر کتاب طبع شدہ دیدنی است" (انتہی ملخصاً ص ۸۷)

اگر کبھی موقع ہوا تو انشاء اللہ دراسات کی تحقیقات پر پورا مقالہ قلمبند کریں گے۔

اسی طرح صفحہ ۳۲۳ پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہدایت پر آپ کے متبعین نے عمل نہیں کیا— ارشاد ہوتا ہے:۔

(۲۱)

"کہ اس حقیقت کے انکشاف کے لئے ہم متقدمین و متاخرین ائمہ محققین حنفیہ کے اقوال کو پیش کرتے ہیں"

اس کے بعد مولف نے علی الترتیب حسب ذیل علماء کے اقوال پیش کئے ہیں علامہ عبد الرحمٰن ابو شامہ، امام شعرانی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، اور علامہ محمد حیات سندھی حنفی، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی حنفی نہیں۔ ملا محمد حیات سندھی کے متعلق نواب صدیق حسن خاں اتحاف النبلاء میں صاف تصریح کرتے ہیں کہ

"تقلید ہیچ یکے نمی کرد" ص ۴۰۴

شیخ اکبر بھی کسی کے مقلد نہیں خود مجتہد ہیں، علامہ ابو شامہ اور امام شعرانی دونوں شافعی ہیں اور ان حضرات نے اپنے بیانات میں کہیں فقہاء احناف کا نام نہیں لیا، اس لئے ان کے بیانات کو محض فقہاء حنفیہ کے متعلق سمجھنا بڑی جسارت ہے بلکہ ابو شامہ اور شعرانی کے متعلق تو ظن غالب یہی ہے کہ انھوں نے یہ اپنے مسلک کے فقہاء کا طرز عمل پیش کیا ہے۔ باقی ابن عربی اور ملا حیات سندھی چونکہ کسی خاص فقہی مسلک کے پیرو نہ تھے اس لئے اس بارے میں ان کے بیانات کا جو وزن ہے ظاہر ہے۔

حنفی مذہب کے بارے میں مولف کی معلومات

(۲۸) ہم اس سلسلہ میں صرف تین مثالوں پر اکتفا کریں گے۔ مولف نے صفحہ ۲۵۵ سے لیکر صفحہ ۲۵۸ تک حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل کا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔ منجملہ ان کے حسب ذیل یہ تین مسائل بھی حنفیہ کی طرف منسوب فرمائے ہیں۔

(۱) "وضو اور غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہے"

حالانکہ حنفی مذہب کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں اور ان میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا شامل نہیں ہے۔

(۲) " مسلمان غلام کا کافروں کو امن دینا جائز ہے "

اس مسئلہ کو بھی اس طرح حنفیہ کی طرف منسوب کر دینا صحیح نہیں - امام ابو یوسف رحمہ اللہ الرد علی سیر الاوزاعی میں فرماتے ہیں، قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ اذا کان العبد یقاتل مع مولاہ جاز امانہ صفحہ ۶ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب غلام اپنے آقا کے ساتھ لڑ رہا ہو تو اس کی امان جائز ہے) ۔

(۳) " عید کے دن اگر روزے کی نذر مانے تو جائز ہے"

اس مسئلہ کو بھی ادھورا بیان کیا - ہونا یوں چاہیئے کہ نذر تو صحیح ہے مگر عید کے دن روزہ رکھنا ناجائز - ایام ممنوعہ کے علاوہ کسی اور دن قضاء کرے - امام محمد، جامع صغیر میں فرماتے ہیں

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہم فی رجل قال للہ علی صوم یوم النحر قال یفطر ویقضی

(ص ۲۹ طبع مصطفائی)

امام محمد بواسطہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں جو شخص، یہ کہے کہ میں اللہ کے لئے بقرعید کے دن روزے کی نذر مانتا ہوں تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے اور اس کی قضا کرے -

مذاہب اربعہ کے متعلق مولف کی معلومات

(۲۹) مذاہب اربعہ کے بارے میں مولف کی جو معلومات ہے اس کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں صفحہ ۲۵ پر ارشاد ہے:-

" امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام شافعی رح کے ممتاز شاگرد ہیں اور دنیائے اسلام کے ممتاز مسلم امام ہیں آپ نے حضرت امام شافعی رح کے معینہ اصولوں کو کلیتاً تسلیم کیا اور عمل کیا صرف ان اصولوں میں دو باتوں کا اضافہ کیا یا ترمیم کی- (۲۲)

(۱) ہمارے قیاس سے اقوال صحابہ بہتر ہیں-

(۲) خبر واحد قابل عمل ہے-

" ان اصولوں کی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا امام شافعی رح کے مذہب سے اگر اختلاف تسلیم کر لیا جائے تو وہ زیادہ سے زیادہ دس فیصدی مسائل میں نظر آتا ہے - امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب سے امام شافعی رح نے تقریباً ۲۰ فیصدی مسائل میں اختلاف کیا ہے یہ اختلاف عبادات میں کمتر اور معاملات میں نمایاں ہے- حنفی مذہب سے امام شافعی رح نے تقریباً ۷۰ فیصدی مسائل میں اختلاف کیا ہے- یہ اختلاف عبادات معاملات ہر فقہی شعبہ میں نمایاں نظر آتا ہے "

ماشاء اللہ کیا تحقیقات کا دریا بہایا جا رہا ہے بس اختلاف ہے تو ایک فقہ حنفی سے، اعداد و شمار اس طرح بیان کر دیئے ہیں- کہ جیسے مولف کو مذاہب اربعہ پر بڑی گہری بصیرت حاصل ہے اور ان مذاہب کا ایک ایک مسئلہ پیش نظر ہے- درحقیقت مولف نے جو کچھ لکھا ہے خود ساختہ ہے یہ بھی غلط ہے کہ امام احمد رح نے امام شافعی رح کے اصول کو کلیتاً تسلیم کیا- اور وہ دونوں باتیں بھی غلط کہ جن کا ذکر مولف نے اضافہ اور ترمیم کے سلسلہ میں کیا ہے کیونکہ امام شافعی رح کے نزدیک خبر واحد پر عمل کرنا کیا معنی ان کے اصول پر تو خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی تک ہو سکتی ہے چنانچہ خود مولف نے اسی سلسلہ میں صفحہ ۵ پر امام محمد رحمہ اللہ سے امام شافعی رح کا مناظرہ نقل کیا ہے- رہا اقوال صحابہ سے امام شافعی رح کا اپنے قیاس کو بہتر سمجھنا اس کے متعلق خود مولف صفحہ ۵۹ پر امام شافعی رح سے نقل کر چکے ہیں کہ

"صحابہ کرام کے متعلق فرماتے تھے والصحابۃ فوقنا فی کل علم واجتھاد وورع وعقل، صحابہ ہم سے علم، اجتہاد، تقویٰ اور عقل میں بڑھے ہوئے ہیں"

رہے اختلافی مسائل کے اعداد و شمار وہ تو سرتا سر خود ساختہ ہیں ہی۔ اب ہم اس سلسلہ میں علماء نے جو کچھ لکھا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اتحاف النبلاء میں لکھتے ہیں کہ

خلاف احمد با ابوحنیفہ رح در بست مسئلہ گفتہ اند ص ۱۹۲

علماء نے امام احمد کا اختلاف امام ابوحنیفہ سے صرف بیس مسائل میں بتایا ہے۔

اور علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح سفر السعادت میں ارقام فرماتے ہیں:۔

مذہب امام ابوحنیفہ اکثر موافق مذہب امام احمد بن حنبل است در تمام مذہب در مواضع معدودہ خلافے باشد و اگر ہست روایتے در آں جانب ہست و بنائے مذہب امام احمد بتمام بر احادیث و اخذ بظواہر است و خلاف امام شافعی اکثر است از خلاف وے با ابی حنیفہ، یکصد و بیست و پنج مسئلہ از اصول مسائل نوشتہ اند کہ احمد با ابوحنیفہ موافق است در آں و با شافعی مخالف و فی الحقیقت مذہب حنفی جامع معقول و منقول است۔

(ص ۲۳ طبع نول کشور)

امام ابوحنیفہ رح کا مذہب اکثر امام احمد بن حنبل رح کے موافق ہے سارے مذہب میں چند گنے چنے مسائل میں اختلاف ہوگا۔ اور جہاں اختلاف ہے وہاں اس طرف بھی روایت موجود ہے۔ اور امام احمد رح کے مذہب کی بنا تمام تر احادیث اور ظواہر کے اخذ پر ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کی بہ نسبت امام احمد رح کا اختلاف امام شافعی رح سے زیادہ ہے علماء نے ایک سو پچیس مسئلے اصول مسائل کے ایسے لکھے ہیں کہ جن میں امام احمد رح امام ابوحنیفہ رح کے موافق ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مخالف، اور در حقیقت مذہب حنفی معقول (۲۳ اور منقول دونوں کا جامع ہے۔

یہ تو امام احمد رح اور امام ابوحنیفہ رح کے باہمی اختلاف مسائل کی تفصیل تھی۔ اب ذرا امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کے اختلافی مسائل کی تعداد بھی معلوم فرما لیجئے۔ امام شعرانی، المیزان الکبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

قال الامام ابوجعفر الشیز اماری رحمہ اللہ تعالیٰ وقد تتبعت المسائل التی وقع الخلاف فیھما بین الامام ابی حنیفۃ والامام مالک رضی اللہ عنھما فوجدتھا یسیرۃ جداً نحو عشرین مسئلۃ انتھی ولعل ذلک بحسب اصول المسائل التی نص علیھا الامامان (ص ۶۳ ج ۱ طبع مصر)

امام ابوجعفر شیز اماری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ان مسائل کا تتبع کیا کہ جن میں امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کے درمیان اختلاف ہے تو وہ بہت ہی تھوڑے پائے کوئی بیس مسئلوں کے قریب قریب ہیں (امام موصوف کا بیان ختم ہوا) اور غالباً یہ تعداد ان اصول مسائل کے اعتبار سے ہے کہ جن کے متعلق دونوں اماموں کی تصریح موجود ہے۔

اب مولف اس امر کا ثبوت فراہم کر دیں کہ امام شافعی رح کا اختلاف امام ابوحنیفہ رح سے مسائل میں ستر فیصدی ہے۔

دعوے اور دلیل میں عدم مطابقت

(۳۰) بوالعجبی ملاحظہ ہو۔ ص ۲۵۸ پر عنوان قایم کیا ہے۔
"نیت کہاں باندھنا چاہیئے"

اس کی دلیل سنئے:۔

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے

داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینہ پر نیت باندھی" ص ۲۵۹
مدعا کیا ثابت ہوا۔
"یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔ اور جمہور محدثین کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ناف سے اوپر اور سینے کے نیچے نیت باندھی جائے" ص ۲۶۰
سینہ پر اور سینہ کے نیچے کا فرق ملحوظ رہے۔

حضرت ابن مسعودؓ اور معوذتین!

(۳۱) مولف نے رفع یدین کی بحث میں محض اس بنا پر کہ حنفیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس صحابی جلیل المرتبت کے متعلق ابوبکر بن اسحٰق شافعی کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے۔
"آپ کو یہ محفوظ نہ رہا تھا کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس قرآن سے ہیں یا نہیں"
حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں

هذا كذب على ابن مسعودؓ موضوع وانما صح عنه قراءة عاصم عن زر عنه وفيها المعوذتان
(شرح سلم الثبوت از بحر العلوم صفحہ ۳۱۴)

یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جھوٹ گڑھ لیا گیا ہے۔ ان سے عاصم کی قرأت صحیح ہے جو زر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں اور اس میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس دونوں موجود ہیں

صرف عاصم ہی نہیں بلکہ حمزہ اور کسائی (رحمہم اللہ) کی قرأت میں بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت (۲۴) سے معوذتین موجود ہیں۔ ان تینوں حضرات کا شمار قراء سبعہ میں ہے کہ جن کی قرأت متواتر ہے۔

کیا صحیح بخاری میں امام ابن معین اور امام احمد سے کوئی روایت موجود نہیں

(۳۲) ص ۳۰۷ پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ صحیحین میں امام شافعیؒ سے کوئی روایت کیوں نہیں ہے یہ غلط بیانی کی ہے۔
" امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد امام احمد بن حنبلؒ و یحیٰی بن معین بھی تھے مگر صحیح بخاری میں ان سے بھی روایت نہیں ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ جامع صحیح کے لئے جو اصول امام بخاریؒ نے مقرر فرمائے تھے اس لحاظ سے امام شافعی، امام احمد و امام یحیٰی بن معین کے ذریعہ سے اگر روایت کی جاتی تو وہ سند نازل ہو جاتی امام بخاریؒ نے یہ التزام اپنی تاریخ کبیر وغیرہ میں نہیں فرمایا اس لئے ان کتابوں میں ان مقدس حضرات سے روایتیں موجود ہیں"
مولف نے یہ نہیں بتایا کہ صحیح مسلم میں امام شافعیؒ سے کیوں روایت نہیں ہے۔ اور امام بخاری رح کی طرف سے جو عذر بیان کیا ہے وہ خود ساختہ اور خلاف واقعہ ہے۔ یہ بھی غلط بیانی ہے کہ امام شافعیؒ سے تاریخ کبیر وغیرہ میں کوئی روایت موجود ہے۔ مولف امام بخاریؒ کی کسی تصنیف میں بھی امام شافعیؒ کی روایت سے کوئی حدیث ثابت کر دکھائیں۔ ورنہ ایسی بے دلیل باتوں سے کیا فائدہ!
صحیح بخاری میں امام احمد بن حنبل رح سے بھی روایت موجود ہے اور امام یحیٰی بن معین رح سے بھی اور نہ صرف امام احمدؒ سے بلکہ ان کے شاگردوں تک سے روایت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قال لنا احمد بن حنبل حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان حدثني حبيب عن سعيد عن ابن عباس حرم من النسب سبع (الحديث)۔ باب ما يحل من النساء وما يحرم

اور امام احمدؒ کے شاگرد کی روایت یہ ہے

حدثنی احمد بن الحسن قال حدثنا احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال قال حدثنا معتمر عن کھمس عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال غزا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست عشرۃ غزوۃ باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام یحییٰ بن معین کی روایت سنئے۔ حدثنا یحییٰ بن معین وصدقہ قالا اخبرنا عمر بن سعید بن ابی حسین عن ابن ابی ملیکۃ عن عقبۃ بن الحارث قال رأیت ابابکرؓ وحمل الحسن (الحدیث) مناقب الحسن والحسینؓ۔

(۳۳) کیا اندلس میں امام اوزاعی کا مذہب شافعی مذہب کے اثر سے ختم ہوا

ص ۳۱۵ پر مرقوم ہے :-

"تیسری صدی کے نصف میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلہ میں اندلس میں امام اوزاعیؒ کے مذہب کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا"

یہ بھی خود ساختہ ہے۔ اندلس میں امام اوزاعیؒ کا مذہب شافعی مذہب کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مالکی مذہب کی اشاعت کے سبب ختم ہوا ہے۔ علامہ ابن فرحون لکھتے ہیں

وغلب مذہب الاوزاعی رحمہ اللہ علی الشام وعلی جزیرۃ الاندلس الی غلب علیہا مذہب مالک فانقطع (ص ۱۳ طبع مصر)

امام اوزاعیؒ کے مذہب کی اشاعت شام اور اندلس میں ہوئی پھر جب اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب شائع ہوا اوزاعی کا مذہب ختم ہوگیا۔

(۳۴) کیا صاحبین نے امام ابوحنیفہؒ سے دوثلث مسائل میں اختلاف کیا

ص ۳۱۹ پر مرقوم ہے :-

"امام غزالی رحمہ اللہ نے منخول میں فرمایا ہے کہ ان دونوں اماموں ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے اپنے امام سے دو ثلث مذہب میں اختلاف کیا ہے"

یہ بھی محض بے اصل اور بالکل غلط ہے۔ حنفی مذہب کی کتابیں موجود ہیں ان کی بنیاد پر کسی ایک باب ہی میں اس دعویٰ کو ثابت کیا جائے۔ علاوہ ازیں منخول اس موضوع پر غیر مستند کتاب ہے، اس سے ایک بات بھی ائمہ احناف کے متعلق نقل نہیں کرنا چاہیئے۔

چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی شافعی، الخیرات الحسان میں منخول کے بارے میں فرماتے ہیں :-

اعلم ان بعض المتعصبین ممن لم یمنح توفیقا جاء فی بکتاب منسوب للامام الغزالی فیہ من التعصب الفظیع والحط الشنیع علی امام المسلمین واوحد المجتہدین ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ماتصم عنہ الاذان ویقول عند سماعہ الموفق المنصف لیت ذلک ما کان۔

(ص ۳۰۴ طبع مصر)

مخفی نہ رہے کہ ایک متعصب جو توفیق سے بے بہرہ تھا میرے پاس ایک کتاب لیکر آیا جسے امام غزالی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور جس میں امام مسلمین اور یکتائے مجتہدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق ایسے برے تعصب کا ثبوت دیا ہے اور آپ کی اتنی سخت تنقیص کی ہے کہ جس کو سن کر کان بند کرنے پڑیں اور ہر انصاف پسند جو توفیق الہٰی سے محروم نہ ہو کہہ اٹھے کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔

سحنون کو امام مالکؒ کا شاگرد قرار دیدیا

(۳۵) ص ۳۲۸ پر یہ کہہ کر کہ

"آپ (یعنی امام مالکؒ) کے شاگرد خاص اور جو جانشین کہلائے جاتے تھے یہ ہیں"

دوسرے نمبر پر عبد السلام بن سعید التنوخی الملقب بہ سحنون کو ذکر کیا ہے جو امام مالکؒ کا شاگرد خاص کیا ان کی زیارت تک سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

لحی الله الفقر فلولاه لادرکت مالکا (الدیباج المذہب صفحہ ۱۶۰) اللہ مفلسی کا برا کرے اگر وہ نہ ہوتی تو میں ضرور امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

اسی طرح نمبر ۶ پر عیسیٰ بن دینار کو ذکر کیا ہے ص ۳۳۰ حالانکہ ان کے متعلق بھی ابن فرحون نے تصریح کر دی ہے کہ انھوں نے امام مالک کو نہیں دیکھا تھا (ملاحظہ ہو الدیباج المذہب ص ۱۷۸)

کیا فقہ شافعی کا مسئلہ غلط ہے؟

(۳۶) مولف نے حنفی مذہب کی مخالفت میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن شیخ ابن قیم کے علم کے آپ اس قدر معترف ہیں کہ شافعی فقہ کے مسئلہ کو بھی غلط ماننے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں اگر کوئی شخص تین طلاقیں بیک وقت دے تو وہ تین ہی شمار کی جائیں گی۔ دیگر ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مولف صاحب اس بارے میں شیخ ابن القیم رحمہ اللہ کے ہم زبان ہیں کہ "اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دیدے تو وہ ایک محسوب ہو" صفحہ ۳۳۲

حنفی مذہب

(۳۷) ص ۴۲۳ پر مرقوم ہے:۔

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تفہیمات الٰہیہ میں جو یہ ارشاد فرمایا ہے۔ میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سب سے زیادہ پیرو بھی ان ہی مذاہب کے پائے جاتے ہیں، فقہا، محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے تبع ہیں"

مولف ہر جگہ مذہب حنفی کی تنقیص کے درپے ہیں۔ سعدی نے سچ کہا ہے

ہنر بہ چشم عداوت بزرگ تر عیب است — گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے سے بھی۔ یہی مقصد ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب موصوف نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ مذہب حنفی کی خوبی اور اس کی عظمت کو بیان کیا ہے خود ان کا خاندان بھی حنفی ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف النبلاء میں شاہ عبد العزیز صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

"خاندان ایشاں خاندان علوم حدیث و فقہ حنفی است" ص ۲۹۷

گر مولف ہر جگہ سے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب، المسوی من احادیث الموطا میں کیا فرماتے ہیں

واذکر فی کل باب مذهب الشافعیة والحنفیة اذھم الفئتان العظیمتان الیوم وھو اکثر الامة — اور میں ہر باب میں شافعی اور حنفی مذہب کو بیان کروں گا کیونکہ اس عہد میں یہی دو بڑے گروہ ہیں اور امت میں سب سے

وھم المصنفون فی اکثر الفنون الدینیة وھم قادة الامة (ص ۶۹ ج - ۱ طبع مکہ مکرمہ)

زیادہ ان ہی کی تعداد ہے اور یہی دونوں اکثر فنون دینیہ کے مصنف ہیں اور یہی اُمت کے مقتدا ہیں۔

دیکھئے شاہ صاحب دونوں مذاہب کی عظمت کے یکساں معترف ہیں۔ اور دونوں کے متعلق تصریح فرماتے ہیں کہ یہی اکثر فنون دینیہ کے مصنف ہیں۔ نیز اپنے مکتوبات میں رقم طراز ہیں:-

روزے درحدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال اورجل من ھولاء یعنی اہل فارس وفی روایة لنالہ رجال اورجل بلا شک مذاکرہ کردیم، فقیر گفت امام ابو حنیفہ رح دریں حکم داخل است کہ خدائے تعالےٰ علم فقہ را بر دست وے شائع ساخت وجمعے از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانید خصوصاً درعصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است وبس، درجمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرسان واکثر عوام حنفی (ص ۱۶۸ کلمات طیبات یعنی مجموعہ مکتوبات شاہ صاحب وغیرہ طبع مجتبائی دہلی)

ایک دن اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ، یا ایک شخص اس کو ضرور حاصل کرلیتا اور ایک روایت میں بلا شک کے الفاظ اور آتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رح اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ خدائے تعالےٰ نے علم فقہ کی شاعت آپ کے ہاتھوں کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کی اس فقہ کے ذریعہ اصلاح فرمائی۔ خصوصاً اس عہد اخیر میں کہ دولت بس یہی ایک مذہب رہ گیا ہے، سارے شہروں میں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں قاضی حنفی ہیں، اکثر مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کا مسلکِ افتا

(۳۸) صفحہ ۳۴۴ پر تحریر ہوتا ہے۔

" حضرت قطب الاقطاب شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ شافعی مذہب کے مطابق فتوے دیتے تھے اور آپ کا حنبلی مذہب تھا۔ حنبلی اور شافعی تقریباً ایک ہی ہیں۔

بیشک آپ حنبلی تھے لیکن باقی دونوں باتیں غلط ہیں۔ غنیۃ الطالبین حضرات پیران پیر کی موجود ہے اس سے پتہ لگا لیا جائے کہ وہ فقہ شافعی کے مطابق ہے یا فقہ حنبلی کے۔

کیا حنبلی مذہب کے سوا اور کسی مذہب میں ولی نہیں ہوتا

(۳۹) اسی صفحہ پر مرقوم ہے:-

" آپ (یعنی حضرت پیران پیر) سے جب پوچھا گیا ھل کان للہ ولیاً علی غیر اعتقاد ک فقال ما کان ولا یکون طبقات ابن رجب ۲/۲۰۲ یعنی جو اعتقاد آپ کا ہے (حنبلی) یا اس کے سوا بھی ولی ہوتے ہیں۔ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں نہ ہوں گے"

مولف نے اوپر جو دونوں غلط باتیں لکھی تھیں اس کا منشا صرف یہ تھا۔ کہ حنبلی اور شافعی تو ایک ہی ہیں اسی لئے حضرت پیران پیر صاحب رحمہ اللہ شافعی مذہب پر فتوے دیا کرتے تھے۔ اور خود آپ کے فرمانے کے مطابق دوسرے مذاہب میں نہ اولیا ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔ لہذا حنفی مذہب میں کوئی ولی نہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کیا تلبیس ہے۔

ہم مولف سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر اعتقاد کا مطلب آپ فروعی اختلاف سمجھے ہیں تو حنفی مالکی کیا شافعی مذہب میں بھی اولیا ندارد ہیں اور اگر اعتقاد سے مراد عقائد ہیں تو بیان فرمائیں کہ امام احمد بن حنبل کا وہ کونسا نیا عقیدہ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی (رحمہم اللہ) کے خلاف ہے اور جب چاروں ائمہ کے عقائد ایک ہیں تو اس بات کو نقل کرنے سے بجز ابلہ فریبی کے اور کیا مقصد حاصل ہوا کیونکہ اس صورت میں حنفی، مالکی سبھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کے اعتقاد

کے خلاف نہ کوئی دلی ہوا ہے نہ ہوگا۔

مؤلف نے اپنی کتاب کے تعارف کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"تقریباً چالیس سال ہوئے جب سیرۃ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ اس کے عین مابعد حج کو گیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا وہاں ہفتہ عشرہ قیام کر کے بعد مصر پہنچا۔ مصر میں تقریباً دو سال قیام رہا ہندوستان میں تکمیل علوم عربیہ کر چکا تھا لیکن پھر بھی یہ ذوق تھا کہ اس علمی شہر میں فقہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ وحدیث کی مزید تکمیل کی جائے۔ جامع ازہر میں اور اس کے علاوہ حضرت علامہ رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شیخ عبدالظاہر شافعی رحمۃ اللہ و حضرت شعیب مالکی رحمۃ اللہ سے غیر معمولی استفادہ کا موقع ملا۔ مزار امام شافعی رضی اللہ عنہ پر تقریباً روزانہ حاضری ہوتی تھی، حضرت شیخ عبدالظاہر شافعی رحمۃ اللہ سے رسالہ امام شافعی و کتاب الام من اولہ الی آخرہ پڑھیں۔ اس انعام یزدانی کے بعد پھر احساس ہوا کہ — "خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم" آنکھیں کھل گئیں اور یہ خیال ہوا کہ اب "سیرۃ الشافعی" کو بڑے احتیاط سے دوبارہ مرتب کرنا چاہیئے۔ وہاں سے واپسی پر آہستہ آہستہ اسماء رجال کا ذخیرہ مرتب کیا حیدرآباد میں چند نادر اور ضروری کتابیں بھی چھپ گئی تھیں ان کو منگا کر مطالعہ کیا" صہ او ۲

بایں ہمہ فضل و کمال و کدو کاوش خود مولف کے ادعاء کے مطابق "از سر نو نئی ترتیب سے مرتب کردہ اور مکمل سوانح" صفحہ ۲ کا حال یہ ہے۔ خدا جانے وہ پہلا مرتب کردہ مسودہ ہی شائع ہو جاتا تو نہ جانے وہ کیا ہوتا مولف کے چونکہ چالیس سال سے زیادہ شغل علمی کے نذر ہوئے۔ اس لئے ہم نے بھی مشتے نمونہ از خروار و اندکے از بسیار کے طور پر انتالیس سے کہیں زیادہ غلطیاں ناظرین کے سامنے پیش کر دی ہیں ان انتالیس نمبروں میں متعدد نمبر ایسے ہیں کہ جن میں ایک نمبر کے تحت مولف کی کئی کئی غلطیاں درج ہیں۔ اور بہت سی اور موٹی موٹی غلطیاں نظر انداز کر دی ہیں کہ ناظرین پڑھتے پڑھتے اُکتا نہ جائیں جیسے امام مالکؒ کے درس میں قمری کا قصہ صفحہ ۱۸ پر مذکور ہے یا امام شافعیؒ کا بشر بن غیاث مریسی سے مکالمہ جو صفحہ ۲۹۹ اور ۳۰۲ پر درج ہے وغیرہ وغیرہ کہ یہ سب خانہ ساز باتیں ہیں۔ محدث کوثری رحمہ اللہ نے "احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق" میں ان کے جعلی ہونے پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اہل علم اس میں ملاحظہ فرمالیں۔

تنقید و تبصرہ

(م۔ع۔ن)

نصرۃ القرآن فی الذب عن آیات القرآن

از مولانا عبدالحمید خان صاحب ارشد، تقطیع متوسط، ضخامت ۲۴۴ صفحات، کاغذ، کتابت، طباعت عمدہ قیمت مجلد ۵ مع محصول ڈاک، ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب صدیقی یونائیٹڈ مجید موٹر کمپنی، بندر روڈ، کراچی نمبر

اس ملک میں انکار حدیث کا فتنہ سب سے پہلے عبداللہ چکڑالوی نے برپا کیا، پھر اسلم جیراجپوری نے اس کو ترقی دی اور اب چودھری غلام احمد پرویز نے اس کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ یوں تو عرشی، برقی، تمنا عمادی وغیرہ وغیرہ بہت سے لوگ ہیں جو اس کار شر میں پیش پیش ہیں لیکن اس کی چودھراہٹ اور سربراہی پرویز ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اس ناپاک مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے قوم سے ایک لاکھ روپے کی اپیل کی گئی ہے اور رسالہ "طلوع اسلام" سے جو اس مقصد کا نقیب ہے معلوم ہوا ہے کہ بیس ہزار روپیہ اس سلسلہ میں جمع بھی کیا جا چکا ہے اور کیوں نہ ہو چودھری غلام احمد بٹالوی کو مرزا غلام احمد قادیانی سے قرب مکانی اور قرب روحانی دونوں حاصل ہیں۔ بٹالہ اور قادیان کچھ دور نہیں پاس پاس ہیں۔ غلام احمد آنجہانی تو ختم نبوت کا انکار کر کے خود شریک نبوت ہونے کا دعویدار تھا اور اسی

لئے اس نے کسی نہ کسی حد تک برقرار بھی رکھا تھا لیکن غلام ثانی نے سرے سے مذہب کی لٹیا ہی ڈبو دی ہے قرآن میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے، غلام احمد پرویز لکھتا ہے:۔

"اللہ رسول سے مراد ہی مرکز ملت ہے اور "اولو الامر" سے مفہوم افسران ماتحت"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۵ و ۶۲۶)

دین پرویزی میں یہ مرکز برابر ملت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۶۲۶ پر ہے:۔

"باقی رہا منصب مرکز ملت، سو یہ ملت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سلسلہ بسلسلہ آگے چلے گا۔ لہٰذا نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں"

ظاہر ہے کہ جب نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں تو اطاعت رسول کی کیا حاجت، اسی لئے پرویز کہتا ہے:۔

"اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے، کسی انسان کی نہیں حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا" (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۸۶)

دین پرویزی میں رسول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے[1]۔ پرویز کے الفاظ ہیں:۔

[1] حالانکہ قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہی تحلیل و تحریم فرمایا ہے ارشاد ہے وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔

"قرآن تو رسول کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے
کو حرام قرار دیدے تابدیگراں چہ رسد"۔

(رسالہ طلوع اسلام ص ۳۶۔ فروری ۵۲ء)

اس کے نزدیک

"حضور کی زندگی کا ہر ہر واقعہ آنے والوں کے لئے
نمونہ نہیں"۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹۲)

لیکن اسی کے ساتھ مرکز ملت کو جس کے صدر پرویز صاحب بھی
ہو سکتے ہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ

"جن جزئیات کو بدلنے والے احوال وظروف
کے مطابق قابل تغیر وتبدل سمجھا گیا انھیں قرآن
نے بلا تعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانے میں ان کا تعین خود
کرلیا جائے، رسول اللہ نے اپنے زمانے کے احوال و
اقتضاءات کے مطابق بحیثیت[1] مرکز نظام دین ان
کا تعین فرمایا بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات
کے مطابق ان میں ردو بدل کر سکتے ہیں"۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹۲)

مثلاً زکوٰۃ کے متعلق:۔

"ہر دور کی اسلامی حکومت یہ خود متعین کرے گی
کہ اسے کس قدر روپے کی ضرورت ہے اور اسی حساب سے
وہ قوم سے ٹیکس وصول کرے گی"۔ وقس علی ھذا

(معارف القرآن ج ۴۔ ص ۶۴۹ و ۶۵۰)

ظاہر ہے کہ جب مرکز ملت کے حدود و اختیارات اس درجہ وسیع
ہیں تو پھر دین محمدی کے دیگر عقائد و اعمال کو آخر کیوں نہ جدید طریقہ
پر درست کیا جاتا چنانچہ اب دین پرویزی میں حسب ذیل
اصلاحیں ہو چکی ہیں

۱۔ آخرت سے مُراد قرآن میں:

"قرآن ان پیش پا افتادہ قریبی مفاد عاجلہ
کو "دنیا" سے تعبیر کرتا ہے اور مستقبل کا نام آخرت
رکھتا ہے لہٰذا اس کے نزدیک "متاع دنیا" سے
مفہوم ہوتا ہے وہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات
کے لئے تلاش کرتا ہے اور "سامان آخرت" سے
مقصود ہوتا ہے وہ متاع جسے وہ آنے والی نسلوں
کے لئے تیار کرتا ہے"۔ (طلوع اسلام ص ۱۱ فروری ۱۹۵۲ء)

۲۔ جنت دوزخ کے بارے میں لکھا ہے:

"سلسلہ ارتقاء میں آگے بڑھ جانا جنت کی
زندگی ہے اور نشو و نما کی صلاحیت کے سلب
کر چکنے کے بعد سلسلہ ارتقاء میں رک جانے کا نام
جہنم کا عذاب ہے .... اس لئے جنت
یا جہنم کسی خاص مقام کا نام نہیں کیفیات زندگی
کی تعبیر ہے"۔ (طلوع اسلام ص ۲۵ نومبر ۵۱ء)

۳۔ بعث بعد الموت کے متعلق سُنئے:

"زندگی نہ پیچھے مُڑتی ہے نہ بار بار اعادہ
کرتی ہے ...... لہٰذا زندگی میں رجعت وتکرار نہیں"

(طلوع اسلام ص ۱۵ و ۱۶ اکتوبر ۵۱ء)

۴۔ ملائکہ یعنی فرشتوں کا ترجمہ ان کے نزدیک "کائناتی قوتیں"
(طلوع اسلام ص ۴۰ فروری ۱۹۵۲ء) یا طمانیت قلب کی دوائیں
(معارف القرآن ج ۳۔ ص ۵۱۹)

[1] یہ بحیثیت یاد رہے کہ نبوت کی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس حیثیت سے تو دین پرویزی میں رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا۔

۵۔ نماز کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے:

"مذہب میں یہی نظام صلوٰۃ نماز پڑھنے میں تبدیل ہوگیا جس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔"

(طلوع اسلام ص ۱۲۲ جنوری و فروری ۱۹۵۰ء)

۶۔ بقیہ ارکانِ دین کے متعلق ملاحظہ ہو:

"جس طرح ملوکیت کے استبداد میں منافقانہ زندگی خوشامد کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اسی طرح مذہب کی دنیا میں منافقانہ زندگی بھی خوشامدانہ مسلک اختیار کر لیتی ہے، اس میں خدا کا تصور ایک جابر و مستبد بادشاہ کا سا قائم ہوجاتا ہے جس سے انسان ڈرتا ہے خوف کھاتا ہے، اس لئے اسے خوش رکھنے کے لئے اس کی پرستش کرتا ہے اسکے حضور چڑھاوے چڑھاتا ہے (مذہب میں نماز روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس طرح انسان بزعم خویش خدا کو خوش کر لیتا ہے۔"

(طلوع اسلام ص۳۷ فروری ۱۹۵۲ء)

۷۔ حج کیا ہے اور قربانی کیا چیز ہے۔

"نماز ان کی پوجا پاٹ، حج ان کی یاترا، رسوم باقی، خورونوش ...... حج کرنے جاتے ہیں تاکہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر آئیں الخ ...... نتیجہ اس کا وہ سکرات موت کی ہچکیاں جن میں پوری کی پوری امت گرفتار ہے۔"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۹۲)

پرویز کے نزدیک:-

"حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی۔" (رسالہ قربانی از پرویز ص۲)

غرض یہ ہے کہ وہ "دین پرویزی" جس کو غلام احمد ثانی دی
محمدی کے بالمقابل رائج کرنا چاہتا ہے اور جس کے
ایک لاکھ روپے کا چندہ مانگا جارہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آ
جو بھی اس فتنۂ انکارِ حدیث اور فتنۂ مرزائیت کی سرکوبی کے
لئے کھڑا ہوگا۔ کل فردائے قیامت میں وہ آنحضرت صلی ا
علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں فت
براہ راست حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پر ض
لگاتے ہیں۔ اگر غلام احمد آنجہانی نے آپ کے ساتھ رسالت
و نبوت میں شریک ہوکر آپ کے شرف خاص خ
النبیین کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی تو غلام ا
ثانی نعوذ باللہ آپ کی حیثیتِ نبوت ہی کو سرے سے خ
کر دینا چاہتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک آپ کی تمام احادی
کی حیثیت دینی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ خدا کا شکر ہے ک
نے اپنی دین کی نصرت کے لئے مولانا عبدالحمید خان صا
ارشد کو کھڑا کیا جنھوں نے "نصرۃ القرآن" لکھ کر
پرویزی کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ جزاہم اللہ تعا
عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب
بھی مستحق مبارکباد ہیں کہ ان کو اللہ تعالے نے اس مبارک

کتاب کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے
ان دونوں حضرات کو اس کارِ خیر پر اپنے شایانِ شان جزا
عطا فرمائے۔

انکارِ حدیث کا فتنہ اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے
یہ درحقیقت مذہب اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی
سازش ہے مسلمانوں کو اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔
"نصرۃ القرآن" کے مطالعہ سے پرویزی الحاد و زندقہ کی حقیقت
بالکل آشکارا ہو جائے گی۔ فاضل مصنّف نے پرویزی
افکار کا خوب جائزہ لیا ہے اور چودھری صاحب کی تلبیسات
کی قلعی کھول کر رکھدی ہے۔ ہر مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث
ہے۔ پیرایۂ بیان دلنشین اور طرزِ استدلال محکم و متین ہے
عام مسلمانوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے
تاکہ اس نئے فتنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔

تنقید و تبصرہ

اسے بار یک کر کے نیچے کردیں

الہدیٰ "بخاری نمبر" (ہفت روزہ)

در بھنگہ، مرتبہ آزاد رحمانی، ~~تعداد صفحات (۱۰۴) تقطیع متوسط، چندہ سالانہ پانچ روپے، ششماہی تین روپے~~، اس نمبر کی قیمت ایک روپیہ - ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ، ڈاکٹر ~~سید~~ عبدالحفیظ سلفی، فرید ہاؤس لہیریا سرائے در بھنگہ، پاکستان میں اسٹار میڈیکل ہال ۲/۱ نواب پور روڈ، ڈھاکہ - مشرقی پاکستان

محدثین میں امام بخاری کا جو مقام ہے محتاج بیان نہیں، حدیث کی مشہور چھ کتابیں جو "صحاح ستہ" سے موسوم ہیں ان کے مصنفین میں سر فہرست امام ممدوح کا ہی نام آتا ہے حق تعالیٰ نے ان کی کتاب الصحیح کو جو قبول عام اور شہرت دوام نصیب فرمایا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں الہدیٰ کے مدیر و کارکنان کا یہ نہایت ہی قابل تعریف کارنامہ ہے کہ انہوں نے امام ممدوح کی جلالت علمی کے پیش نظر اس معاملہ میں سبقت کی، ضرورت ہے کہ اس مبارک سلسلہ کو قائم رکھا جائے اور "بخاری نمبر" کی طرح بقیہ ارباب صحاح ستہ اور دیگر محدثین کے بھی نمبر نکالے جائیں تاکہ عام لوگ ان حضرات کی جلالت شان اور ان کے کارناموں سے روشناس ہوں۔

یہ واضح رہے کہ اس نمبر کے مرتب اور مقالہ نگار حضرات (باستثناء

مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی) سب کے سب ممتاز علماء اہل حدیث ہیں۔
مقالات کی زبان شستہ اور صاف ہے ترتیب مضامین بھی مناسب ہے۔ کتابت اور طباعت بھی اچھی ہے آج کل ایک طرف انکار حدیث کا فتنہ زوروں پر ہے، دوسری طرف ملک میں "جماعت اسلامی" کا اثر بڑھ رہا ہے۔ حساس علماء کو جتنا خطرہ "جماعت اسلامی" سے ہے اتنا کسی اور تحریک سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ ملک کی مذہبی جماعتیں "جماعت اسلامی" کے خلاف جس قدر زور و شور سے کام کر رہی ہیں دوسری تحریکوں کے خلاف اس کا عشر عشری بھی نہیں، چنانچہ اس رسالہ میں بھی مقالہ نگاروں کا روئے سخن زیادہ تر مودودی صاحب ہی کی طرف ہے یوں جا بجا منکرین حدیث کی بھی تردید موجود ہے۔

اس نمبر میں سب سے پہلے "نقش اول" کا عنوان ہے جس میں لائق مرتب فرماتے ہیں۔

"ہمیں اطمینان ہے کہ جس جذبہ اور خلوص کے ساتھ ہم نے "عصمت بخاری" کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اس کا ایک بہترین خانہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔" (ص ۵)

اہل سنت نے "پنجتن پاک" اور "چہاردہ معصومین" کے الفاظ اب تک شیعہ حضرات کی زبان سے سنے تھے، اب پہلی مرتبہ "عصمت بخاری" کے الفاظ ایک اہل حدیث عالم کی زبان سے سن رہے ہیں۔ "نقش اول" کے بعد "امام بخاری کا مسلک" شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گجرانوالہ کے قلم سے ہے جو تمام مقالوں میں سب سے زیادہ سنجیدہ اور علمی ہے اس میں مولانا نے یہ بھی تصریح کی

ہے کہ۔

"احناف، شوافع، موالک، حنابلہ، اہل حدیث، یہ اسلامی تعلیمات کی مختلف تعبیرات ہیں۔" (ص ۷)

اس مقالہ میں مولانا نے ایک ذیلی عنوان بھی یہ قائم کیا ہے کہ "حضرات علماء دیوبند کا اضطراب" لیکن خود مولانا کی پریشان بیانی کا یہ حال ہے کہ ایک صفحہ پر تو یہ تحریر فرماتے ہیں۔

"موالک اور احناف نے اچھا کیا کہ خواہ مخواہ انہیں (امام بخاریؒ کو) اپنانے کی کوشش نہیں فرمائی، اگر ایسا کیا جاتا تو معاملہ بڑا غیر معقول ہوتا۔" (ص ۱۴)

اور دوسرے صفحہ پر یہ ارشاد ہے۔

"اکثر مروجہ طریقہ ہائے فکر نے امامؒ کو اپنانے کی کوشش فرمائی ہے، امام الادبا علامہ حافظ عینیؒ سے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری اور استاذ العلماء سید انور شاہ صاحبؒ تک یہ کوشش جاری معلوم ہوتی ہے کہ اولاً تو خود امام بخاریؒ کو حنفی بنالیا جائے، ورنہ کم از کم صحیح بخاری تو ضرور حنفی ہو جائے!!" (ص ۱۳)

پھر ایک طرف شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ صراحت نقل کر رہے ہیں کہ۔

"یہ لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے" (ص ۱۳)

اور دوسری طرف، یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے "ان ابواب میں محدثانہ انداز سے ان تمام دقتوں کا جائزہ لیا جو اس راہ میں ارباب تقلید و جمود نے پیدا کردی تھیں" (ص ۱۶)

"حضرات علماء دیوبند کا اضطراب" کے ذیل میں مولانا اسمٰعیل صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت استاذ الاساتذہ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کے گرامی ارشادات میں عجیب اضطراب ہے، فیض الباری ص ۳۰۱ ج اَوّل ص ۱۶۹ ج ا اور ص ۵۸ ج اَملاحظہ فرمایئے وہ ائمہ حدیث کو ان مختلف سلوکہائے فکر میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جن کا رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا حالانکہ ائمہ حدیث اس دور کی پیداوار ہی نہیں، جب تقلید نے اجتماعی صورت اختیار کی۔" (ص ۱۳) مولانا کو حضرت انور شاہ پر اس لئے غصہ ہے کہ ،وہ "کہیں تو یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن سعید قطان کو حنفی ظاہر فرماتے ہیں، کہیں ابوداؤد و نسائی کو حنبلی فرمایا ہے، بعض جگہ ترمذی کو شافعی فرمایا۔" (ص ۱۴) لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ "حضرت العلام مولانا انور شاہ صاحب نے اس تلخی کے باوجود جو انہیں اہل حدیث یا ائمہ حدیث سے ہے اور اس فرط محبت کے باوجود جو انہیں حنفیت سے ہے امام بخاری کے متعلق جچی تلی رائے قائم فرمائی ہے (ان البخاری عندی سلک مسلک الاجتھاد ولم یقلد احداً۔" (ص ۱۴)

ہمارے خیال میں اس بارے میں مولانا کا غصہ سید انور شاہ صاحب پر بیجا ہے، ان کے بیان میں اضطراب جب ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھی ہے ممکن ہے کہ ان کی تحقیق اس بارے میں شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق سے جدا ہو، اصل میں عجیب اضطراب تو اس بارے میں خود شاہ ولی اللہ صاحب کے ارشاد گرامی میں ہے مگر ہمارے اہل حدیث حضرات

انہیں شاید اس لئے معاف کر دیتے ہیں کہ انہیں نہ اہل حدیث یا ائمہ حدیث سے تعلق ہے اور نہ حنفیت سے افراط محبت، لیکن "الانصاف خیر الاوصاف" ملاحظہ فرمایئے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ میں تو یہ صراحت ہے کہ "اعلم ان الناس قبل المائۃ الرابعۃ کانوا غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ" (ص ۱۵۲ ج ۱) لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی دوسری مشہور تصنیف الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں جو حجۃ اللہ کے بعد لکھی ہے یہ فرماتے ہیں۔

" واعلم ان الناس کانو فی المائۃ الاولی و الثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب واحد بعینہ" (صفحہ ۵۷ طبع مجتبائی دہلی)

یعنی معلوم رہے کہ لوگ پہلی اور دوسری صدی میں کسی ایک معین مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے۔

اور پھر آگے چل کر مزید تشریح کرتے ہیں کہ۔

" و بعد المائتین ظھر فیھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ و کان ھذا ھوالواجب فی ذلک الزمان (ص ۵۹) یعنی، اور ۲۰۰ھ کے بعد لوگوں میں مخصوص مجتہدین کے مذہب کو اختیار کرنا شائع ہوا اور ایسے کم تھے کہ جو کسی مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں، اور اس زمانہ میں ایسا کرنا (یعنی کسی خاص مذہب کا پابند ہو جانا ہی) واجب تھا۔

پھر امام بخاریؒ کے متعلق صاف لفظوں میں ناقل ہیں۔

" ومن هذا القبيل محمد بن اسمعيل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعية و ممن ذكره فی طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكی وقال انه تفقه بالحميدی والحميدی تفقه بالشافعی "(٦٧)

یعنی، اور اسی قبیل سے محمد بن اسمٰعیل بخاری بھی ہیں کہ وہ بھی طبقات شافعیہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ان کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں تاج الدین سبکی بھی ہیں اور ان کا بیان ہے کہ امام بخاری نے فقہ کی تحصیل حمیدی سے کی ہے اور حمیدی نے امام شافعی سے۔

اور امام بخاری ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ ان کے ساتھ دوسرے ائمہ حدیث کو بھی نام بنام مختلف اس کو لہائے فکر میں تقسیم کر دیتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

" ولا يخفى ايضا ان مادة مذهب الشافعی من الاحاديث والآثار مدونة مشهورة مخدومة ولم يتفق مثل ذلك فی مذهب غيره فمن مادة مذهبه كتاب الموطّا وهو (ان كان متقدما على الشافعی فان الشافعی بنی عليه مذهبه) و صحيح البخاری و صحيح مسلم و كتب ابی داؤد و الترمذی وابن ماجه والدارمی ثم مسند الشافعی و سنن النسائی و سنن الدار قطنی و سنن البيهقی و شرح السنة للبغوی امام البخاری فهو وان كان منتسباً الى الشافعی موافقاً له فی كثير من الفقه فقد خالفه ايضاً فی كثير ولذلك لا يعد ما تفرد به من مذهب الشافعی واما ابوداؤد والترمذی فهما مجتهد ان منتسبان الى احمد و اسحٰق

وکذالك ابن ماجه والدارمی فیما نری واللّٰہ اعلم واما مسلم وابو العباس الاصم جامع مسند الشافعی والامؒ والذین ذکرناھم بعدہ فھم منفردون لمذھب الشافعی یتاصلون دونه-"(ص۷۹، ۸۰)

یعنی، اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ شافعی مذہب کے احادیث وآثار کا مادہ جمع شدہ اور مشہور و مخدوم ہے اور اس قسم کا اتفاق کسی دوسرے کے مذہب میں پیش نہیں آیا چنانچہ ان کے مذہب کا مادہ کتاب موطا (ہے جو اگرچہ امام شافعی سے پہلے کی تصنیف ہے لیکن امام موصوف نے اپنے مذہب کی بناء اسی پر رکھی ہے) صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی کی کتابیں ہیں پھر مسند شافعی، سنن نسائی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی اور شرح السنہ بغوی اور بخاری اگرچہ منسوب بہ شافعی ہیں اور فقہ کے بیشتر مسائل میں ان کے موافق ہیں تاہم انہوں نے بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے اور اسی بناء پر جن مسائل میں وہ علیحدہ ہوئے ہیں وہ مسائل امام شافعی کے مذہب سے شمار نہیں ہوتے اور ابوداؤد اور ترمذی دونوں مجتہد ہیں اور امام احمد اور امام اسحٰق کی طرف منسوب ہیں اور اسی طرح ہمارے خیال میں ابن ماجہ اور دارمی بھی ہیں، واللہ اعلم اور مسلم اور ابوالعباس اصم جو مسند شافعی اور کتاب الام کے جامع ہیں، نیز وہ حضرات کہ جن کا ذکر ہم نے مسند شافعی کے بعد کیا ہے (یعنی نسائی، دارقطنی، بیہقی اور بغوی) تو یہ سب محض شافعی مذہب ہی کے ہو رہے کہ اسی کے ماتحت اصول بناتے ہیں-

ستم تو یہ ہے کہ فخر المحدثین،[۱] قاموس العلم جامع المعقول والمنقول،

---

[۱] نواب صاحب کے یہ سب القاب الہدی میں مذکور ہیں ملاحظہ ہو ص ۵۷، ۶۵، ۶۷

بیہقی

بیہقی

علامہ زمان، فاضل جلیل علامہ سید نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی اتحاف النبلا (ص ۷۵) اور الحطہ ص ۹۸، میں امام مسلم کو شافعی لکھ دیا ہے اور اپنی مشہور کتاب ابجد العلوم (ص ۸۱۰) میں بخاری، ابوداؤد اور نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے اب انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان سب حضرات پر حصہ رسدی کلام کیا جائے۔

دوسرا مقالہ "روایت و درایت" کے عنوان سے جناب مولانا عبید الرحمٰن الرحمٰن صاحب عاقل رحمانی کا ہے جس میں ایک ذیلی عنوان "بخاری شریف اور جماعت اسلامی" بھی ہے اس مقالہ کے خاتمہ میں مولانا نے تصریح کی ہے کہ۔

"دنیا کے تمام علماء و فضلاء اور ہر ایک مذہب کے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ بخاری کی ہر ایک حدیث صحیح ہے خواہ وہ حدیث بظاہر عقل و درایت کے خلاف ہی ہو" (ص ۳۵)

تیسرا مقالہ "جامع صحیح بخاری" کے عنوان سے ابوالقاسم سیف بنارسی کا ہے جس کو مرتب نے سلطان القلم مولانا ابوالقاسم کے الفاظ سے یاد کیا ہے لیکن مقالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس بیچارے کو تو شریف آدمیوں کی زبان میں لکھنا بھی نہیں آتا علامہ عینی جن کا ذکر شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ان شاندار الفاظ میں کرتے ہیں "امام الادب[1] علامہ حافظ عینی" ان کے متعلق اس سیف بنارسی نے یہ بازاری زبان استعمال کی ہے۔

---

[1] معلوم ہوا شیخ الحدیث صاحب کے نزدیک ادب میں تو عینی کو امامت کا درجہ حاصل ہے اور حدیث میں ان کا یہ پایہ ہے کہ حافظ حدیث کہلاتے ہیں۔

"سبحان اللہ عینی کو مذاق عربیت کا بھی دعوی ہو گیا، اے لو مینڈکی کو بھی زکام ہوا"
(ص ۴۴)

"جب حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی تالیف شروع کی تو عینی کو نہایت حسد ہوا لیکن خود فن حدیث میں اتنی استعداد نہیں رکھتا تھا کہ حدیث اور خصوصاً بخاری کی شرح لکھے حافظ کے ایک معمولی شاگرد برہان بن خضر نامی کو سانٹ کر اجزاء فتح الباری منگاتا اور اس سے زیادہ تر اور کچھ قاضی (الدین احمد بن محمد قریمی کی شرح سے چرا کر عمدۃ القاری شرح بخاری تیار کی ---- معلوم ہوا کہ اگر فتح الباری بھی تکمیل کو نہ پہنچتی تو عینی کی شرح بھی ناتمام رہ جاتی عینی کو حافظ ابن حجر کا مرہون منت ہونا چاہیے تھا لیکن ہم زمانہ ہونے کی وجہ سے ایسی منافرت ہوئی کہ حافظ پر ہاتھ چھوڑ دیا اور جس سے مضمون لیا اس پر اعتراض کر دیا اسی کو کہتے ہیں، جس برتن میں کھائے اسی میں سوراخ کرے۔" (ص ۴۴)

غریب سیف بنارسی کو کیا معلوم کہ جس عینی کی وہ مٹی پلید کر رہا ہے اس کے سامنے خود حافظ ابن حجر نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے (المجمع المؤسس للمعجم المفہرس) کے طبقہ ثالثہ میں اپنے اساتذہ کے سلسلہ میں علامہ عینی کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی دوسری تصنیف البلدانیات میں ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔

اسی طرح حافظ مسلمہ بن قاسم قرطبی المتوفی ۳۵۳ھ کے متعلق لکھتا ہے کہ (اسی بے دین مسلمہ کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے ص ۴۷) حالانکہ یہ وہی مسلمہ ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر، لسان المیزان میں لکھتے ہیں (ھذا رجل

کبیر القدر(یہ بڑے جلیل القدر شخص ہیں)اور ابن حزم فرماتے ہیں کہ (کان من المکثرین من الروایۃ والحدیث)(بڑے وسیع الروایۃ اور کثیر الحدیث تھے)اور (جمع علماً کثیراً)(اور علم کثیر کے حامل تھے)اور فن رجال میں ان کی وسعت نظر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے راویان حدیث کے حالات میں ایک تاریخ ایسی لکھی ہے، جس میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر امام بخاری کی تاریخ میں نہیں ملتا اور اس تاریخ کے حوالوں سے ابن حجر کی کتب رجال مالا مال ہیں۔

اسی طرح قاضی ابوالولید باجی کے متعلق لکھتا ہے کہ۔

"اپنا دل ٹھنڈا کرنے کو یہ بات گڑھی کہ امام بخاری اس کی تکمیل جمع نے پائے تھے یعنی کامل طور سے اس کو مرتب نہ کرنے پائے تھے کہ فوت ہو گئے اور لا جمع اس بات کا قاضی ابوالولید باجی مالکی ہے جو آنحضرت ﷺ کے امی ہونے کا قائل نہ تھا بلکہ کہتا تھا کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا سب کچھ خوبی جانتے تھے، حالانکہ بالکل غلط اور۔

ماکان یعرف الواحا ولا قلما

آپ ﷺ کی شان میں مشہور مصرعہ ہے۔(ص ۳۹)

اس بھلے مانس کو پتہ نہیں کہ قاضی ابوالولید کس پایہ کے شخص گزرے ہیں؟ حافظ

اہلحدیث میں یہاں صرف (ﷺ) کا نشان ہے اور بعض دوسرے مقامات پر صرف صلعم لکھ دیا ہے، یہ امر ایک دینی رسالہ کے لئے خاص طور پر بخاری نمبر کے لئے جس کے مرتب اہل حدیث حضرات ہوں سخت قابل افسوس ہے کہ اس میں درود بھی اشارہ ہی میں ادا کر دیا جائے حالانکہ اصول حدیث کی کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ درود کے لکھنے میں بخل نہ کیا جائے۔

ذہبی نے طبقات الحفاظ میں ان کا تذکرہ پورے چار صفحات میں کیا ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ الباجی العلامۃ ذوالفنون ابوالولید پھر لکھتے ہیں فبرع فی الحدیث و علله ورجاله وفی الفقه و غوامضه وخلافه وفی الکلام و مضائقه (وہ حدیث اور اس کے علل، رجال، فقہ اور اس کے غوامض و خلافیات اور کلام اور اس کے مشکل مباحث میں فائق ہوئے) ہماری ان کو وضاع بتاتا ہے اور یہ اس کی زری خوش فہمی ہے کہ باجی آنحضرت ﷺ کو امی نہیں سمجھتے تھے اہل علم کو چاہیئے کہ اس سلسلہ میں مقدمہ فتح الباری اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی کی طرف مراجعت کریں۔

چوتھا مقالہ "مقام جامع صحیح بخاری" کے عنوان سے مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈے نگری کا ہے جو سب سے زیادہ مبسوط ہے، اس کی ابتداء ہی میں یہ شعر منقول ہے۔۔

قرآن کے سوا آج زمانہ میں نہیں ہے
صحت میں صحیفہ کوئی ہمتاء بخاری

ہمارے خیال میں یہ شعر بالکل اس قبیل کا ہے جیسا کہ کسی حنفی نے ہدایہ کی تعریف میں کہا ہے۔

ان الهداية كالقرا'ن قد نسخت
ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

اس مقالہ میں صفحہ ۵۶ پر جو یہ مرقوم ہے کہ۔

"امام بخاری کے جلیل القدر شاگرد امام مسلم فرماتے ہیں ان کتابه اربع آلاف حدیث دون المكررات وبالمكررات سبعة الآف ومائتان وخمسة وسبعون

حدیثا-" (ظفر الامانی ص ۵۸)

ہمارے خیال میں اس عبارت کا انتساب امام مسلم کی طرف صحیح نہیں، مولانا تصحیح نقل فرمائیں-

اسی طرح جو یہ لکھا ہے کہ-

"امام نسائی جو توثیق و تضعیف رواۃ کے معاملہ میں ابن معین، ابن مدینی، دار قطنی وغیرہ کی طرح امام الناقدین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں فرماتے ہیں مافی ھذہ الکتاب کلھا اجود من کتاب مسلم (ظفر الامانی) واجمعت الامۃ علی صحۃ ھذین الکتابین، (مقدمہ بخاری ص ۴) یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر امت کا اتفاق ہے اور بخاری باعتبار صحت و جودت سند کے صحیح مسلم سے بڑھ کر ہے-" (ص ۲۰)

وہ بھی غلط ہے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات امام نسائی نے نہیں فرمائی ہے نہ اجود من کتاب مسلم کہا ہے نہ اجمعت الامۃ علی صحۃ ھذین الکتابین، مولانا ظفر الامانی اور مقدمہ بخاری سے دوبارہ مراجعت کریں-

اسی طرح صفحہ ۲۲ پر جو یہ لکھتے ہیں کہ-

" حافظ سخاوی نے اس کی تائید میں لکھا ہے کہ، صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایات اور اسی طرح منفرد روایات سب قطعی الصحت ہیں کیونکہ دونوں کتابوں کو امت کا تلقی بالقبول حاصل ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ متفق علیہ احادیث کے قطعی الصحت ہونے کے بارے میں جمہور محدثین اور اصولین اور عامہ سلف سب متفق ہیں، اختلاف صرف منفرد روایات میں ہے چنانچہ امام

نووی نے یہ خلاف کیا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی منفرد روایات سے ظنی صحت حاصل ہوئی ہے۔"

اس خط کشیدہ عبارت تمام کی تمام مولانا جھنڈے نگری نے اپنی طرف سے لکھ کر حافظ سخاوی کی طرف منسوب کردی ہے اسی طرح صفحہ ۴۷ پر جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ۔

"رضاعت کے ایک مسئلہ میں شرح ہدایہ نے امام بخاری پر جو تنقید کی ہے اس کے جواب و مدافعت کے سلسلہ میں ملا علی قاری نے لکھا ہے ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين (مرقاۃ) یعنی نہ نہایہ کے مصنف کی نقل کا اعتبار اور نہ دوسرے شارحین ہدایہ کا اعتبار اس لئے کہ یہ سب محدثین میں سے نہیں ہیں۔"

یہ بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے محض اپنے حافظہ سے بغیر مرقات کو دیکھے لکھ دیا ہے مولانا کو معلوم ہونا چاہئے کہ، محدث ملا علی قاری کی اس عبارت کا تعلق امام بخاری کے مسئلہ رضاع سے بالکل نہیں ہے اور نہ یہ انہوں نے امام بخاری کی طرف سے جواب و مدافعت کے طور پر لکھا ہے، مولانا مرقات اٹھا کر دیکھیں کہ اس میں یہ عبارت کہاں ہے ہمیں یہ عبارت ملا علی قاری کی موضوعات کبیر میں قضاء عمری کی راویت پر تنقید کے سلسلہ میں ملی ہے اسی طرح مولانا نے جو یہ نقل کیا ہے کہ۔

"حافظ سخاوی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فقہاء و متکلمین و مفسرین کے علاوہ خود محدثین میں سے بھی متاخرین محدثین کی تنقید و تضعیف کا اعتبار نہ

ہوگا۔" (ص ۸۷)

یہ بھی سخاوی نے نہیں لکھا، مولانا جھنڈے نگری تصحیح نقل کریں ہاں ابن صلاح کا یہ خیال ضرور ہے حافظ سخاوی نے تو والحق خلافہ کہہ کر ان کی اس رائے کا ابطال کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح المغیث از سخاوی ص ۱۱۹)

مولانا جھنڈے نگری نے اپنے اس مقالہ میں بعض بڑی مزے دار باتیں لکھی ہیں جو ضیافت طبع کے لئے ہدیہ ناظرین ہیں، فرماتے ہیں۔

"ہندوستان کے ایک مشہور و محقق عالم مولانا سید انور شاہ صاحب دیوبندی ہیں جن کے فضل و کمال کے اعتراف میں ایک مصری حنبلی عالم نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لو حلفت انه اعلم من ابی حنیفته ما کذبت[1]

(حیات انور ص ۳۱۷) (اسی طرح یہ شہادت گویا امام اعظم کی بھی شہادت ہو جاتی ہے) پس سنیئے وہ کہتے ہیں کہ حافظ ابن الصلاح حافظ ابن حجر، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ اجلہ محدثین و محققین کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں سب صحیح نہیں۔" (صفحہ ۷۳)

مطلب یہ ہے کہ ایک مصری حنبلی عالم نے چونکہ مولانا انور شاہ کو امام اعظم سے بڑا عالم بتایا ہے اس لئے مولانا انور شاہ کا کسی بات پر شہادت دینا گویا خود امام اعظم کا شہادت دینا ہے سادگی اس کو کہتے ہیں، ابلہ گفت و دیوانہ باور کرد۔ سادگی کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔

مثیل ابن حجر و نظیر شوکانی شیخنا الاعظم والاجل حضرت عبید اللہ صاحب

[1] اگر میں اس بات پر حلف اٹھاؤں کہ انور شاہ، امام ابو حنیفہ سے زیادہ عالم ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔

مبارک پوری مدظلہ العالی" (ص ۸۷)

ہمیں ڈر ہے کہ کہیں مولوی عبید اللہ صاحب اس تحسین ناشناس پر اپنا سر نہ پیٹ لیں اور سنئے۔

"آج اس مودودی اعلان کے بعد اگر امام شعبہ امیر المومنین فی الحدیث، ابن مدینی، ابن معین، ابن مہدی، یحییٰ قطان، ابن راہویہ تشریف لے آویں اور جامع صحیح بخاری کے متعلق ان تہی مایگان حدیث کا اعلان سنیں تو اس جرأت اور اس شوخی اور اجماع امتہ علی صحۃ البخاری کے اس تحقیر و توہین کی قرار واقعی سزا دیں گے۔" (ص ۷۴)

ان حضرات میں سے ابن مدینی، ابن معین اور ابن راہویہ تو امام بخاری کے استاذ ہیں اور بقیہ حضرات استاذ الاساتذہ، مزید ملاحظہ ہو۔

"وہ مجدد امت فخر الدین رازی، وہ محمد بن جریر طبری، وہ ابن دقیق العید، وہ ابن حزم ظاہری، وہ خطیب بغدادی، وہ ابن خلکان، وہ ابن الاثیر جزری، وہ امام شمس الدین ذہبی، وہ جلال الدین سیوطی، وہ امام اوزاعی، وہ امام غزالی، وہ قاضی عیاض وہ قاضی ابوبکر باقلانی، وہ قاضی ابو یوسف، وہ محمد حسن شیبانی، وہ امام الحرمین ابو المعالی اپنے اپنے گوناگوں علوم و فنون کی بوقلمیوں کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ پائے جاتے اگر امام بخاری کی طرح برسہا برس ہر حدیث کی ذاتی تحقیق میں لگے ہوتے۔" (ص ۷۹)

معلوم ہوا یہ سب بیچارے فن حدیث میں کورے تھے اور ان میں سے کسی نے بھی برسہا برس حدیث کی ذاتی تحقیق میں نہیں گزارے تھے یہ اور اسی قسم

کی مزید نادر معلومات آپ کو صرف مولانا جھنڈے نگری ہی کے یہاں مل سکتی ہیں۔

پانچواں مقالہ " امام بخاری غیروں کی نظر میں " مولانا عبدالماجد دریا بادی کا ہے، جس میں مستشرقین کی آراء امام بخاری کے متعلق نقل کی گئی ہیں یہ مقالہ نہایت مختصر ہے اس کے بعد چھٹا مقالہ بعنوان "امام بخاری کی علمی حیثیت" شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی کا ہے۔ جس میں مولانا موصوف تو یہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن خلدون لے مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں وکان الحدیث قلیلا فی اھل العراق لما قدمنا فاستکثروا من القیاس ومھروا فیہ فلذلک قیل لھم اھل الرای "یعنی عراق والوں میں حدیث کم تھی اس لئے انہوں نے کثرت سے قیاس کیا اور قیاس ہی میں وہ ماہر ہوئے، اسی وجہ سے ان کا نام اہل الرائے رکھا گیا۔" (ص ۹۹)

مگر مولانا عبدالرحمٰن صاحب عاقل رحمانی اپنے مقالہ " روایت و درایت " میں یوں رقم طراز ہیں۔

روایت کا دوسرا مرکز عراق ہے وادی دجلہ و فرات کے جنوبی حصہ کا نام عراق ہے، حجاز کے بعد عراق ہی وہ ہے جو روایت حدیث میں جمیع ممالک

ل حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں ابن خلدون کے متعلق صراحت کی ہے کہ "یہ علوم شرعیہ میں مہارت نہیں رکھتے تھے اور حدیث میں تو ابن خلدون کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ باوجود مالکی ہونے کے انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ امام مالکؒ کی موطا میں کتنی حدیثیں ہیں" چنانچہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "امام مالکؒ کے نزدیک کل وہ حدیثیں صحیح ہیں جو موطا میں ہیں اور جن کی تعداد تین سو یا اس کے قریب قریب ہے" (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۱) حالانکہ موطا میں حسب تصریح حافظ ابن حزم پانچ سو سے زیادہ مسند اور تین سو سے زیادہ مرسل حدیثیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون کی نظر سے موطا بھی نہیں گزری۔

اسلامیہ سے بہت زیادہ آگے تھا حجاز کی طرح یہاں کے بھی دو مشہور شہر کوفہ و بصرہ روایت کے دو عظیم الشان مرکز تھے، شہر کوفہ میں رسول اللہ صلعم[ل] کے بہت سے صحابہ مقیم ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، لیکن حضرت علیؓ کو عراق کی سیاسی پیچیدگیوں اور جنگی مشغولیتوں نے علمی دنیا سے روک دیا تھا البتہ ابن مسعودؓ کوفہ میں تمام صحابہ سے زیادہ علمی اثر رکھتے تھے، کیونکہ ان کو روایت حدیث، معانی قرآن اور اعمال رسول کے سمجھنے میں بہت بڑا درجہ حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ والوں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر کوفہ روانہ کیا تھا آپ سے بے شمار کوفیوں نے علم روایت حاصل کیا اور بڑے بڑے تابعین آپ کی برکت سے وجود میں آئے چنانچہ سعید بن جبیر ان کے شاگردوں کے متعلق کہتے ہیں "عبداللہؓ کے اصحاب اس شہر کے چراغ تھے" حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں میں سے چھ شخص بہت مشہور ہوئے جو لوگوں کو قرآن و حدیث پڑھاتے اور فتاوے دیا کرتے تھے وہ یہ ہیں۔ علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث بن قیس، عمرو بن شراجیل۔ ان حضرات کی تعلیم سے کوفہ میں ایک زبردست علمی حرکت نمودار ہو گئی اور بڑے بڑے مشہور محدثین پیدا ہوئے مثلاً شریح، شعبی، اور سعید بن جبیر وغیرہ ان حضرات کی کوششوں سے عراق میں بہت زیادہ حدیث رسول ﷺ پھیلی۔" (ص ۲۵)

اس کا افسوس ہے کہ مولانا کھندیلوی نے اپنے اس مقالہ میں مودودی کی تو تردید کی ہے مگر ابوالکلام کے قول سے سند لائے ہیں، حالانکہ اہل حدیث کے نقطہ نظر سے صحیحین کے وقار کو مجروح کرنے والوں میں دونوں برابر کے

ل صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہئے (نعمانی)

شریک ہیں بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو ابو الکلام صاحب اس کار خیر میں مودودی صاحب سے پیش پیش ہی نکلیں گے چنانچہ ابو الکلام نے اپنی مشہور تصنیف ترجمان القرآن میں جن الفاظ میں صحیحین پر تنقید کی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

"باقی رہی صحیحین کی روایت لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کلھن فی اللہ الخ۔ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ[1] کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرا لیا ہے یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں، اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلطیاں تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری سے عمارت درہم برہم ہو گئی!

بلاشبہہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی "صحت" ہے "عصمت" نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلح فن ہے نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن، پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی

---

[1] امام ابو حنیفہ کی طرف اس امر کی نسبت مولانا کی طبع زاد ہے۔

مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہر حال غیر معصوم انسان کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے ایسا فیصلہ ہر بات کے لئے مفید حجت ہو سکتا ہے مگر یقینیات وقطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا جب بھی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی----انبیاء کرامؑ کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ وعقلیہ میں سے ہے روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لحہ کے لئے بھی یقینیات کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا قول نہیں ہو سکتا یقینا یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔ اصل یہ ہے کہ ہر گوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں اور اس کی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آرہے ہیں ایک طرف فقہائے حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری و مسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے اس امر کی کوشش شروع کر دی، کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیئے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ محض ان کے شروط کی وجہ سے ہے، پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بناء پر

نہیں بلکہ "شہرت" اور "قبول" کی بناء پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے دوسری طرف عامہ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہاء مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا ان کے سامنے جونہی بخاری و مسلم کا نام آجاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل و حجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ، اس کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں !---اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود و تقلید کا شیوہ اٹمی اختیار نہیں کیا یہ بخاری کی روایت اسرا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالکؓ میں ہے، اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل اللہ کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی ؟"

(ص ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱)

ہاں اس حیثیت سے مولانا ابوالکلام اور مولانا مودودی میں ضرور فرق ہے کہ اول الذکر مشہور اہل حدیث ہیں اور دوسرے صاحب ابھی تک حنفیت کی طرف منسوب ہیں مولانا کھنڈیلوی نے اپنے مقالہ کے خاتمہ میں امام بخاری کی افضلیت کو بڑی لطیف تشبیہ میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں۔

تشبیہ

"امام بخاری کو علماء[1] پر ایسی فضیلت ہے جیسی مردوں کو عورتوں پر۔"

(ص ۹۵)

اس کے بعد اخیر مقالہ "صحیح بخاری کی عظمت و مقبولیت" کے عنوان سے مولانا عبد الرحمٰن صاحب عمری مالوی کا ہے جو نہایت سرسری ہے اور مختصر بھی۔

یہ واضح رہے کہ ہم نے ان مقالات پر ایک اہل حدیث کے نقطہ نظر سے تنقیدی نگاہ ڈالی ہے، حنفی بھائی ہمیں معاف رکھیں اگر ان کو ان مقالات میں کچھ چیزیں باعث شکایت ملیں کیونکہ ان امور پر تنقید کرنا خود ان کا کام ہے بہر حال یہ نمبر اپنی مجموعی خوبیوں کے اعتبار سے بہت دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے، اور اہل حدیث حضرات کے لئے تو بالخصوص بڑی کام کی چیز ہے۔

ماہنامہ "تذکرہ"

ذی الحجہ و محرم سنہ ۱۳۷۵-۷۶ھ بمطابق اگست سنہ ۵۶ء

۱؎ غالباً بقیہ ارباب صحاح ستہ مراد ہیں۔

(۱) صبح صادق کا قرآن نمبر

ضخامت (۲۰۰) صفحات، کتابت و طباعت نہایت عمدہ مقام اشاعت، دفتر "صبح صادق" مکارم نگر، لکھنؤ قیمت قرآن نمبر دو روپے، چندہ سالانہ پانچ روپے۔ پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ - جناب شجاعت علی صاحب، نمبر ۲، ۲۷، کاٹن ایکسچینج بلڈنگ - میکلوڈ روڈ کراچی

"صبح صادق" ایک دینی، علمی اور اصلاحی ماہنامہ ہے، جس کی ادارت کی خدمت شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب ندوی نگرامی اور مولانا ارشد حسین صاحب ندوی جیسے ذمہ دار حضرات کے سپرد ہے ندویوں کا قلم جس صلاحیت کا مالک ہے وہ اہل ملک سے پوشیدہ نہیں قرآن نمبر حضرت شیخ التفسیر کے اپنے ذوق کی چیز تھی اس لئے اس گلدستہ کو انہوں نے جس حسن اسلوب سے سجایا ہے اس کا صحیح اندازہ ناظرین بغیر مطالعہ کے نہیں لگا سکتے۔

مضامین کی افادیت کو سمجھنے کے لئے ان بلند پایہ مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی کافی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین، مولانا شاہ معین الدین ندوی، مولانا اسحٰق ندوی وغیرہ، بعض مقالات کے عنوانات ملاحظہ ہوں- (۱) قرآن مجید کی دعوت (۲) قرآن کی تعلیم و تلاوت اور اس کے آداب (۳) تدوین قرآن (۴) عربی زبان میں تفسیری خدمات (۵) انگریزی تراجم قرآن (۶) تاریخ علوم قرآن (۷) اکابر مفسرین (۸) قرآن مجید اور

اسوہ خیر القرون (۹) انسان کو زیان و خسران سے بچانے والا قرآن کا دوآیاتی نظام و اصلاح، وغیرہ وغیرہ

یہ قرآن نمبر اپنی افادیت کے پیش نظر اس امر کا مقتضی ہے کہ اہل ملک اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں اور اس کو خرید کر یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں کے کتب خانوں اور عام دار المطالعوں میں رکھیں، تاکہ اس کا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو۔ عربی طلباء اور قرآن پاک کا عام ذوق رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور معلومات افزا ہے۔

(۱) قادیانی غلط بیانی !

(۲) قادیانیت کا آغاز و انجام

ضخامت ہر دو رسالہ (۴۲، ۴۲) صفحات، تقطیع خورد، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت بہتر، بلا قیمت تقسیم عام بقدر گنجائش ملنے کا پتہ - بیت السلام، سیف آباد، حیدر آباد دکن۔

یہ دونوں رسالے جناب پروفیسر الیاس برنی کے تالیف کردہ ہیں۔ قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے میں موصوف کے جو شاندار کارنامے ہیں محتاج بیان نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے علماء نے مرزائے قادیانی کی تردید میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو جتنا فائدہ برنی صاحب کی تالیفات سے پہنچا، اتنا دوسری کتابوں سے نہیں پہنچا۔

پروفیسر برنی کی مشہور تصنیف "قادیانی مذہب" جو اپنے موضوع پر مبسوط ترین کتاب ہے، قادیانیت کی قاموس مانی جاتی ہے اسی طرح موصوف کی دوسری کتاب "قادیانی قول و فعل" میں بھی مرزائیت کے ڈھول کا پول خوب کھولا گیا ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ برنی صاحب کی کتابوں سے، قادیانی جس قدر چراغ پا ہوتے کم ہے۔ چنانچہ قادیانی اخبار ہفتہ وار "آزاد نوجوان" میں، مدراس جو مدارس سے شائع ہوتا ہے ایک مضمون نکلا جس کا عنوان تھا "الیاس برنی کی تحریف و تدلیس" جس میں برنی صاحب پر نہایت بے غیرتی اور دیدہ دلیری کے ساتھ حقائق کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے برنی صاحب کا پہلا پمفلٹ "قادیانی غلط بیانی" اسی مضمون کے جواب میں ہے بعد کو پھر "آزاد نوجوان" میں ایک دوسرا مضمون بعنوان "الیاس برنی کو چیلنج" شائع ہوا۔ برنی صاحب نے پھر اس کی تردید میں یہ دوسرا رسالہ شائع کیا ہے جس کا نام "قادیانیت کا آغاز و انجام" ہے یہ دونوں رسالے نہایت بصیرت افروز اور معلومات افزا ہیں زبان بیان نہایت عمدہ اور ترتیب بہت اچھی ہے حقیقت یہ ہے کہ جو اصحاب یہ معلوم کرنا چاہیں کہ قادیانی عقائد کیا ہیں، اعمال کیا ہیں، منصوبے کیا ہیں، تدبیریں کیا ہیں، قادیانیت کی اصلیت کیا ہے، نوعیت کیا ہے - ان کے لئے برنی صاحب کی تصانیف کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

برکات الاسلام

از مولانا عبدالحمید خان صاحب ارشد - تعداد صفحات (۱۰۴) کتابت و طباعت اور کاغذ سب عمدہ، تقطیع متوسط، ناشر مکتبہ "الصدیق" بیرون بوہڑ دروازہ، ملتان قیمت ۱ روپیہ

مولانا عبدالحمید خان صاحب ارشد متعدد کتابوں کے مصنف ہیں چنانچہ ان کی مشہور اور مفید کتاب "نصرۃ القرآن" پر جو پرویزی فتنہ کی سرکوبی کے لئے لکھی گئی ہے، عرصہ ہوا کہ تذکرہ میں تبصرہ ہو چکا ہے اب مولانا کی یہ کتاب چھپ کر آئی ہے جس میں انہوں نے نہایت ہی والہانہ انداز میں نظام اسلامی کی برکات کو بیان کیا ہے یہ کتاب مختلف معلومات کی کشکول ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کی فتح مبین سے لیکر مسلمانوں کے عہد اولین کے جملہ فتوحات کی تفصیل ہے اور اس کی بدولت دنیا میں جو خیر و برکت پہنچی، اس کا بیان ہے ضمناً آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کی بحث بھی آگئی ہے جس پر مصنف نے آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کے مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے پھر اسلامی نظام کی تفصیل پیش کی ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے دعا ہے کہ مصنف نے جس ولولہ سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے حق تعالیٰ اس کے طفیل اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

نئی نسلیں (خاص نمبر)

مرتب م نسیم - طیب عثمانی - مقام اشاعت، دفتر "نئی نسلیں" ۶----۱۰۴ نظر آباد لکھنؤ

پاکستان کا پتہ - نمائندہ "نئی نسلیں" ۱۶۵ کلیٹن روڈ، کراچی---- قیمت فی شمارہ ۴ سالانہ، تین روپے - خاص نمبر آٹھ آنے

ماہنامہ "نئی نسلیں" جس نے اب اپنی عمر کے تیسرے سال میں قدم رکھا ہے، اپنی معنوی اور صوری خوبیوں کے لحاظ سے ایک مثالی ماہنامہ ہے۔ تقطیع، کتابت، طباعت دیدہ زیب، ترتیب مضامین دلکش، یہ رسالہ علمی اور ادبی دونوں قسم کے موضوعوں پر مشتمل ہے اور ہر شعبہ کی ادارت علیحدہ علیحدہ ذمہ دار حضرات کے سپرد ہے یہی وجہ ہے کہ اس رسالہ نے تھوڑے ہی دنوں میں ترقی کرلی کہ جو دوسرے رسالے مدتوں میں بھی نہ کرسکے اس رسالہ کے مختصر لیکن صحیح تعارف کے لئے وہی دو جملے کافی ہیں جو اس کے سرورق پر مرقوم ہیں یعنی "خدا پرستانہ، پاکیزہ اور تعمیری ادب کا ترجمان" اب ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ اس کا خاص نمبر کس خصوصیت کا حامل ہونا چاہیئے۔

دانش:

مرتبہ، سید مقصود حسین عابدی، ضخامت (۶۴) صفحات، شائع کردہ ادارہ "دانش" ۷۷ نور چیمبرس، ہند روڈ کراچی چندہ سالانہ، دس روپے، فی پرچہ ایک روپیہ

پیش نظر مجلہ "دانش" کا پہلا شمارہ ہے جس کا مقصد اداریہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام و اسلامیات کو پڑھے لکھے روشن خیال طبقے کے سامنے اپنے اصلی خط و خال میں پیش کیا جائے، تاکہ موجودہ تعلیم یافتہ طبقے کی تشنگی تحقیق بھی آسودہ ہو سکے اور پرانے خیال کے بزرگوں کے لئے تسکین و اطمینان کا سامان بھی مہیا ہو جائے- یہ مجلہ شیعہ حضرات کا مرتب کردہ ہے، اسی لئے جا بجا "نہج البلاغۃ" کے اقتباسات اس میں درج ہیں- یہ کتاب دراصل شریف رضی کی تالیف ہے مگر شیعہ حضرات اس کو امیر المومنین حضرت علیؓ کی تصنیف بتاتے ہیں رسالہ کے اول میں بسم اللہ ندارد ہے اور سرنامہ پر جس عبارت کا انتساب آنحضرت ﷺ کی طرف کیا گیا ہے، وہ بھی حضور ﷺ سے باسناد صحیح منقول نہیں ہے-

ماہنامہ تذکرہ صفر ۱۳۷۶ھ

تنقید و تبصرہ

اشتراکیت کی تبلیغ

ابوذر غفاری کا مذہب

از سید شہاب الدین الٰہی تقطیع خورد، تعداد صفحات (۹۴) طباعت و کاغذ نہایت عمدہ قیمت ۴ شائع کردہ، سید احمد علی معتمد بزم ادب شہداد پور، سندھ

کتاب کے مصنف اور شائع کنندہ دونوں نام کے اعتبار سے مسلمان ہیں اور مذہب و عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے پکے کمیونسٹ۔ یہ کتاب جو بے بسم اللہ کے شروع کی گئی ہے اور جس میں کہیں ایک جگہ پر بھی محمد ﷺ (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) کے ساتھ "ﷺ" کے الفاظ موجود نہیں صاف صاف اشتراکیت کی تبلیغ کے لئے لکھی گئی ہے جس میں دجل، فریب، جھوٹ، تلبیس اور ابلہ فریبی میں کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی ہے کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"جھوٹ دیرپا نہیں ہوتا، ایک نہ ایک دن اس کا بھانڈہ پھوٹ جاتا ہے اور صداقت کسی نہ کسی طرح اپنے لئے راستہ نکال لیتی ہے، تیرہ سو سال کے قریب قریب اسلام کے حقائق اور تعلیمات پر کفر و بدعات کے پردے ڈالے گئے اسلام کی شکل کو مسخ کر کے دنیا کے

سامنے پیش کیا گیا----آخرت، جنت، دوزخ کے مسائل کو وہ وہ
حاشیہ چڑھا کر پیش کیا گیا کہ عوام ان کی گہرائیوں میں کھو گئے----
اسلام کے متعلق یہ اعتقاد قائم کروایا گیا کہ وہ محض تزکیہ نفس اور
روحانی صفائی کا ایک ذریعہ ہے، اعمال میں عبادت ہی سب کچھ ہے اور
عبادت سے مراد نماز[ل]، روزہ اور حج کے سوا کچھ اور نہیں اس
عبادت کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ جنت کی
خوبصورت اور جوان حوریں حاصل ہو سکتی ہیں----ہماری زندگی
سے اسلام کو اگر کوئی تعلق ہے بھی تو صرف اس قدر کہ اللہ اپنے خاص
اور مقرب بندوں کو افلاس میں مبتلا کر کے آزماتا ہے، دنیا مومن کے
لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت، غربت اور افلاس اللہ کی
نعمتیں ہیں المفلس فی امان اللہ جنت غریبوں کا ورثہ ہے بھوکوں
کے لئے جنت میں مزیدار کھانے اور طرح طرح کے میوے ہیں
دودھ اور شہد کی نہریں، تالاب اور حلوے کے پہاڑ ہیں جو مسلمان
تن ڈھانکنے کو ایک ایک دھجی کو ترستے ہیں ان کے لئے مخمل اور زربفت
کے لباس جنت میں تیار رکھے ہیں، یہاں سر چھپانے کو گھاس پھونس
کا سایہ تک نصیب نہیں ان کے لئے اونچے اونچے محل اور شاندار
کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں، جو افراد بے یار و مددگار ہیں ان کے لئے کم عمر
لڑکے لڑکیاں خدمت کے لئے موجود ہیں، غرض تیرہ سو سال سے

ل۔ زکوٰۃ کا ذکر قصداً چھوڑ دیا ہے کیونکہ زکوٰۃ شخصی ملکیت پر آتی ہے اور شخصی ملکیت اشتراکی دین میں نہیں
ہے۔

"حاملان شرع متین" غریب عوام کو سبز باغ دکھلا کر ان کو غرب
غربت پر قانع اور ان کو اپنی پستی پر شاکر رکھنے کی کوشش میں لگے
ہوئے ہیں، تاکہ صاحبان اقتدار کا اقتدار اور دولت مندوں کی دولت
محفوظ رہے اس طرح یہ ناپاک مثلث مولوی، سرمایہ دار اور زمیندار
غریب عوام کا خون اطمینان سے چوستے رہتے ہیں ----- استبداد
سرمایہ داری کے نمائندوں نے اس دین فطرت کو کس طرح مسخ
کر دیا قرآن اپنی جگہ موجود ہے مگر اس کی روح علماء و مفسرین نے ذبح
کر دی، رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی تمام تفاصیل موجود ہیں مگر اس
بات کا کہیں اشارہ اور پتہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس انقلاب کی
بنیاد رکھی تھی۔"

لطف یہ ہے کہ دین اشتراکی کے اس علمبردار نے اپنے اس "ابتدائیہ"
میں جن باتوں پر ناپاک مولوی، سرمایہ دار، زمیندار اور علماء و مفسرین کو پانی پی پی کر
کوسا ہے، وہی باتیں بقول خود اس کے ہیرو کا طغرائے امتیاز تھیں، چنانچہ کتاب
مذکور میں زیر عنوان "بوذر کی سادہ زندگی" حسب ذیل تفصیلات درج ہیں۔

"بوذر جس طریقہ معاشرت کے مبلغ تھے خود اس کے سختی سے
پابند بھی تھے، ذخیرہ اندوزی اور جاگیرداری کو حرام بیان کرتے تھے اور
خود کبھی اندوختہ نہیں رکھا جائیداد قسم کی کوئی چیز آپ کے پاس کبھی
نہیں رہی ---- بوذر نے بھی آنے والے کل کی کبھی فکر نہ کی آپ
ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ ---- اے اللہ مجھے مسکین حالت میں

زندہ رکھ اور مسکینی ہی میں موت بھی دے اور قیامت میں مساکین کے زمرہ میں حشر فرما۔ بوذر نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی گھر نہیں بنایا، جہاں جاتے ایک کمبل تان کر سایہ بناتے اور اس کے نیچے مع اہل وعیال رہ پڑتے، شادی کرنے سے قبل مسجد نبوی کا صحن ان کا ٹھکانہ تھا بوذر نے نہ صرف خود مکان نہیں بنایا بلکہ جو لوگ مکان بناتے ان پر بوذر بگڑتے تھے اور فرماتے ، یہ دو روزہ زندگی ایسی ہے جیسے کوئی مسافر دم لینے ٹھہر گیا ہو اس کے لئے اس قدر اہتمام غیر ضروری ہے بوذر کا کل اثاثہ ایک آدھ کمبل، دو چار ہانڈیاں لکڑی کے پیالے، ستر پوشی کے قابل لباس اور چند بکریاں تھیں۔" (صفحہ ۴۵، ۴۶)

"بوذر کی بے سرو سامانی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ، جس وقت آپ کا انتقال ہوا پورے گھر میں اس قدر بھی کپڑا نہیں تھا جس میں اس مرد مومن کے جسم کو لپیٹ کر دفن کیا جا سکتا---- اکثر آپ ایک پھٹا پرانا کمبل جسم کے اطراف لپیٹ کر گزار دیتے تھے۔" (صفحہ ۵۰)

"وہ تمام اصحاب رسول جن کو مال غنیمت [1] اور ریاست کی دیگر آمدنیوں کے حصہ رسدی وخلافت کی

---

[1] مال غنیمت کی تقسیم کا حکم خود قرآن مجید میں موجود ہے اور ریاست کی دیگر آمدنیوں میں صرف زکوۃ مسلمانوں کو دی جاتی تھی اور وہ بھی مالدار کو نہیں۔

داد و دہش [1] نے مال دار بنا دیا تھا اور جن کی زندگیاں عجمی جاگیرداروں اور نوابوں کی سی ہو گئی تھیں [2]، وہ بوذر کو مساکین کے زمرہ میں دیکھ کر ناک بھوں [3] چڑھاتے اور کبھی ان میں کا کوئی فرد آپ کو اس حرکت پر ٹوک بھی دیتا، بوذر جواب میں فرماتے ہیں کیا کروں میرے حبیب نے خود ایسا ہی کیا اور مجھے بھی ان مفلسوں میں رہنے کی وصیت فرمائی ہے۔" [4] (صفحہ ۴۸)

"بوذر کی اہلیہ ---- بوذر کو مجبور کرتیں کہ وہ بھی دوسرے اصحاب کی طرح روپیہ کیوں نہیں لاتے وہ دوسرے مسلمانوں کی دولت مندی اور خود کے افلاس کا موازنہ کر کے بوذر کو بھی مجبور کرتیں کہ وہ بیت المال سے یا کہیں سے روپیہ کیوں اکٹھا نہیں کرتے۔

بیوی کے اس اصرار کو بوذر خود بیان کرتے ہیں۔

"اے لوگو! یہ کالی عورت مجھے مجبور کرتی ہے کہ، میں عراق جاؤں جہاں مسلمان میرے پاس روپیہ لیکر آئیں گے مگر میں کیا کروں میرے حبیب نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ صراط سے ہلکا گزروں۔" (صفحہ ۴۹)

"میرے حبیب نے مجھ کو پانچ باتیں بتلائی ہیں (۱) مسکینوں کے

---

[1] ابوذرؓ نے عہد خلافت عثمانی میں وفات پائی ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے یہاں ناجائز داد و دہش کا سلسلہ نہیں تھا۔ [2] یہ محض جھوٹ ہے اصل مقصد یہ ہے کہ صحابہؓ کو سرمایہ دار بتا کر جذبہ نفرت کو ابھارا جائے۔ [3] یہ مؤلف کی بدتمیزی ہے [4] یہ واضح رہے کہ سارا مکالمہ مؤلف کا طبع زاد ہے

ساتھ اچھا سلوک کروں اور ان ہی میں اٹھوں بیٹھوں (۲) اپنے سے بہتر حال افراد کو دیکھوں اچھی حالات والوں کو نہ دیکھوں۔"[1] (صفحہ ۴۱)

اب غور فرمایئے کہ افلاس کی ترغیب اور غربت پر قناعت کا سبق مؤلف کے ہیرو کے طرز عمل اور ان کی تعلیم میں ملتا ہے یا ان لوگوں کے یہاں کہ جو ان کی اس رائے سے متفق نہیں تھے؟

مؤلف نے اپنے ہیرو کے جو حالات سپرد قلم کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

"کمسنی ہی سے ابوذر نے ان قومی مشاغل میں حصہ لینا شروع کر دیا اور قتل و غارت گری میں اس قدر مہارت پیدا کر لی کہ کمسن ابوذر کی جرأت کو دیکھ کر قبیلہ و خاندان کے بزرگ خوش ہوتے --- ابوذر نے تن تنہا قریش کے سرمایہ داروں کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے کسی گھاٹی میں چھپے رہتے اور جوں ہی مال سے لدے ہوئے کارواں اس طرف سے نکلتے ابوذر ان پر ٹوٹ پڑتے اور آناً فاناً اپنا کام کر کے نکل جاتے ---- ابوذر ان مہمات سے جو کچھ لاتے وہ تمام خاندان اور قبیلہ میں تقسیم کر دیتے، اس طرح ابوذر کی عزت قوم میں روز بروز بڑھنے لگی، قریش کے تجارتی قافلوں کے علاوہ ابوذر دور دراز کی آبادیوں اور قبیلوں پر بھی جا گرتے اور اونٹ بکریوں کے ریوڑ بھگا لاتے تھے۔"[2] (صفحہ ۶، ۷)

---

[1] غور کیجئے طبقاتی کشمکش کی اس زریں تعلیم نے کس خوبی سے جز اکیز دی اور اشتراکیت جو سرمایہ دار اور مزدور کی طبقاتی کشمکش پر مبنی ہے اس پر کیسی کاری ضرب لگی۔[2] یہ سارا افسانہ اس غرض سے سنایا جا رہا ہے کہ کیونسٹ عناصر پاکستان میں بھی یہی کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ خذلھم اللہ و اخزاھم۔

"ابوذر نے مسلسل لوٹ مار قتل وغارت گری کے

اپنے سابقہ کارناموں پر نظر ڈالی تو انھیں خیال پیدا ہوا کہ مال داروں کو لوٹنا ان کو قتل کرنا اور اس طرح غریبوں کا پیٹ بھرنا معاشرہ کا مستقل علاج نہیں ہو سکتا گو یہ وقتی علاج ضرور ہے، ابوذر غور کرنے لگے کہ کوئی ایسا طریقہ سوچا جائے کہ امیری و غریبی کا فرق مستقلاً دور ہو جائے۔" (صفحہ ۸)

"ان ہی دنوں مکہ شہر میں قریش کے ایک خاندان میں عبداللہ کے بیٹے محمد نے اپنے رسول خدا ہونے کا اعلان کر دیا تھا"---ابوذر کو اس نوجوان قریش اور اس کی باتوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی" (صفحہ ۱۲) "اقرار لسانی کی شرط کو پورا کر کے ابوذر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور محمد کی جماعت کے چوتھے رکن بن گئے" (صفحہ ۲۴) رسول اللہ نے ابوذر کو تبلیغ کا عظیم الشان کام سپرد کر کے مکہ سے رخصت کر دیا آپ سیدھے اپنے خیمہ پر پہنچے اور سب سے پہلے اسلام کا پیام اپنے چھوٹے بھائی انیس کو پہنچایا" (صفحہ ۲۲) "ان دونوں جانبازان اسلام نے یہ طے کیا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کے راستہ پر ڈیرا ڈال کر کفار سرمایہ داروں کو لوٹا بھی جائے اور ان کے غلاموں کارندوں اور ملازموں کو ان کے خلاف ابھار کر اسلام قبول کرنے پر تیار کیا جائے۔" [1] (ص ۳۲)

---

[1] کمیونسٹ طریق کار کی تشریح

"ابوذر اپنے بھائی اور والدہ کے ساتھ مکہ جانے والے راستہ پر ایک ایسے مقام پر جا بسے جو بہترین کمین گاہ تھی اس طرف سے جو قافلہ گزرتا تھا یہ دونوں بھائی اس پر ٹوٹ پڑتے جی کھول کر لوٹتے اور ان کے اونٹ مال واسباب کے ساتھ ہنکا لاتے اور اکثر ان کے غلام اور ملازم طبقہ کے افراد کو بھی پکڑ لاتے، ان گرفتار شدگان کے سامنے اسلام کا پیام پیش کرتے لـ جو افراد اسلام قبول کر لیتے ان کو مال واسباب دیکر مکہ کی طرف روانہ کر دیتے یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا اور اس طرح بہت سے غلام اور غریب اسلام کی جماعت میں شریک ہو کر اسلام کی تقویت کا باعث بنتے رہے لـ ۔(صفحہ ۳۳)

ابوذر نے قریش کے سرمایہ داروں سے جی کھول کر انتقام لیا اور ان کے کمزور اور غلاموں کو ان کے خلاف کھڑا کر دیا۔ (صفحہ ۳۴)

"ابوذر نہایت پرہیزگار صحابی رسول تھے ------ ان کے مذہب میں ذخیرہ اندوزی حرام ہے چاہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کیوں نہ ہو۔" (صفحہ ۵۳)

لـ اسلام کا پیام مؤلف کے نزدیک (جو مذہباً کمیونسٹ ہیں) یہ ہے "اسلام مساوات وآزادی کا علمبردار تھا اور اس کے نعرہ لا الٰہ الا اللہ میں سرمایہ دار اور صاحب اقتدار افراد کی موت مضمر تھی۔" (ص ۲۶) نمبر لـ یہ بچے بچے حقائق کہاں سے منقول ہیں اور اس کے بارے میں خود مؤلف کی یہ تصریح کافی ہے "تاریخ وسیر کی تمام کتب اس بات کا پتہ دینے سے قاصر ہیں کہ ابوذر کا یہ تبلیغی سلسلہ کب تک جاری رہا اور کون کون اس طرح مسلمان بنتے رہے مگر یہ بات واضح ہے کہ ابوذر کو اس مہم میں بڑی کامیابی نصیب ہوئی اور ابتدائی اسلامی تاریخ ان ہی جاہ حال غلاموں اور مسکینوں نے بنائی جو بوذر کی تبلیغ سے متاثر ہوئے (ص ۳۳) اور جن میں کسی ایک کا نام بھی مؤلف صاحب بااین ہمہ دروغ بے فروغ نہیں بتا سکتے۔

"آپ بتلاتے کہ دنیا میں اسلام کے آنے کی غرض معاشی مساوات قائم کرنا تھا۔" (صفحہ ۵۵) "آپ تمام مزدوروں اور غلاموں کو مخاطب کر کے فرماتے میں تمام دولت مندوں اور عمال ریاست کو جہنم کی خوشخبری دیتا ہوں---- ان کی پیشانیاں بازو اور پیٹھ داغے جائیں گے اور ان کو حشر کے دن دولت جمع کرنے کا مزہ چکھایا جائے گا۔ بوذر کی ان تقاریر سے غریب طبقے جرأت حاصل کرنے لگے اور جہاں کوئی دولت مند نظر آتا عوام اس کے پیچھے "داغ، داغ" پکارتے ہوئے دوڑتے شام کے بازاروں میں دولت مندوں کا نکلنا مشکل ہو گیا امیر معاویہ جو شام کے عامل تھے انہوں نے بوذر کو ڈرایا، دھمکایا مگر ابوذر کسے ڈرنے والے تھے۔" (صفحہ ۵۶) "معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ بوذر کی ذات سے شام میں فساد پیدا ہو گیا ہے عوام کے جوش و خروش کا حال بھی تفصیل سے لکھا، معاویہ کی شکایت پر حضرت عثمان نے بوذر کی دربار خلافت میں طلبی کے احکام جاری کر دیئے، حسب فرمان عثمانی بوذر کو رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی کے ساتھ شام سے نکال دیا گیا تاکہ شام کے بازاروں میں ہنگامہ نہ ہو جب بوذر مدینہ لائے گئے لاکھوں غریب عوام آپ کے گرد ہو گئے اور نعرے بلند کرنے لگے---- شام کا فساد مدینے میں بھی پھیلنے لگا غریب عوام نے بھی دولت مندوں کی نیند حرام کر دی، غریب اپنا حق طلب کرتے اور مال

داروں کو گالیاں دیتے ہوتے ہوتے مدینہ کی فضا شام کی طرح مکدر ہوگئی، مدینہ کے سرمایہ داروں نے دربار خلافت میں شکایتیں شروع کردیں۔" (صفحہ ۵۸)

" ابوذر راستہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ابودرداء کھڑے مزدوروں سے کام لے رہے ہیں ان کے لئے مکان تعمیر ہو رہا ہے۔ بوذر سے رہا نہ گیا، ابودرداء کو مخاطب کر کے فرمایا" اے ابودرداء تم نے بھی آخر پتھر کی چٹانیں اپنے جیسے انسانوں کے کاندھوں پر لدوادیں۔" (صفحہ ۶۲)

" معاویہ کی یہ کوشش کہ بوذر کو پابند کر کے یا عوام کو ان سے دور رکھ کر معاشی مساوات کے نعرہ کو دبا دیا جائے ناکام ہوئی۔" (صفحہ ۷۱) اور شام کی فضا دن بدن مکدر ہوتی گئی، عوام بالداروں پر پھبتیاں کستے اور مطالبہ کرتے کہ غریبوں اور امیروں کو ایک سطح پر لایا جائے (صفحہ ۷۴)" حضرت عثمان نے امیر معاویہ کی شکایت پر ابوذر کو مدینہ طلب کرلیا----- مدینہ میں بھی ابوذر نے اپنے مسلک کی اشاعت شروع کردی اور مدینہ کے فلاکت زدہ عوام، غریب مزدور ان کے گرد جمع ہونے لگے اور عوام نے امراء اور عمال کو ستانا اور چھیڑنا شروع کردیا" (صفحہ ۷۵) عثمان جن افراد کو لاکھوں روپیہ دیکر خوش رکھنا چاہتے تھے ابوذر ان کو ناراض کرتے تھے اور وہ نظام جو عثمان چلا رہے تھے یا جو ان کے ذہن میں تھا اس کے راستے میں

ابوذر سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔" (صفحہ ۷۶) "مباحثہ اور طرح طرح سے سرمایہ داری کے جواز اور ذخیرہ اندوزی کی اباحت پر ابوذر کو قائل نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ تو حضرت عثمان نے اس میں مصلحت دیکھی کہ ابوذر کو مدینہ سے دور قید کر دیا جائے تاکہ ان کے خیالات کی اشاعت نہ ہوسکے اور عوام اپنا حق مانگ کر امراء اور حکام کو دق نہ کرسکیں، چنانچہ ایک تاریک رات جب مدینہ کے عوام خواب غفلت میں تھے نہایت خاموشی سے مدینہ سے خارج کر دیا گیا اور ربذہ کے ویرانے میں ان کو معہ ان کی بیوی اور کمسن لڑکی کے قید کر دیا گیا" (صفحہ ۸۰، ۸۱) "امیر معاویہ نے شام سے اس فساد کو نکالا تو مدینہ میں اس "فساد" نے سر اٹھایا، حضرت عثمان نے اس فساد کو ایسی جگہ بند کر دیا کہ اس کے ابھرنے اور اسلامی حکومت میں انتشار پیدا کرنے کا امکان ختم ہوگیا، عوام کو دبانا اور کچل دینا حکومت کے لئے زیادہ مشکل نہیں تھا چنانچہ بہت جلد ابوذر کی تحریک کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا گیا تیرہ سو سال تک کسی مسلمان نے اپنے حاکموں سے دنیا کے کسی گوشہ میں اپنے ان حقوق کا مطالبہ نہیں کیا جو فطرت نے اس کو عطا کئے تھے اور اسلام جن کا علمبردار تھا، ابوذر نے جن کے لئے زندگی بھر جہاد کیا"[1] (صفحہ ۸۲)

---

[1] حالانکہ ابوذر کے متعلق خود مؤلف ہی نے یہ نقل کیا ہے کہ میرے حبیب نے فرمایا ہے کہ "تم کبھی اپنے حاکم کو ذلیل کرنے کی سعی نہ کرنا، جس سے تم خود ذلیل ہو جاؤ گے" (صفحہ ۸۵)

"خلافت نے ابوذر اور نگرانی کرنے والے سپاہیوں کے راشن کا انتظام کر رکھا تھا" (صفحہ ۸۱) "مگر اس کے باوجود ربذہ میں ابوذر پر کئی کئی دن کے فاقے گزرتے"ؔ (ص ۸۴)

ناظرین نے ان عبارتوں سے اندازہ لگایا ہوگا کہ، ابوذرؓ کے نام پر مؤلف نے کیا جھوٹ کا طومار کھڑا کیا ہے اور اشتراکیت کی تبلیغ کس کس انداز سے کی جارہی ہے لطف یہ ہے کہ مؤلف اور شائع کنندہ دونوں کو اعتراف ہے کہ تاریخ اسلام اور سیر کی کتابیں ان واقعات سے سراسر خالی ہیں چنانچہ اختتامیہ میں مرقوم ہے۔

"حضرت ابوذر غفاریؓ کے سوانح حیات اور ان کے پیام کی تفصیلات، تاریخ اسلام اور سیر کی کتابوں میں نہیں ملتیں، مسلمان حاکموں کی غیر اسلامی روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، بیت المسلمین کا ابوذر کے ساتھ ہو کر سرمایہ دار، امراء و عمال حکومت کے خلاف نعرہ بلند کرنا، شام کے گورنر امیر معاویہ کا ابوذر کو خاموش کرنے کے لئے قوت کا استعمال کرنا، شام کے فساد کو فرد کرنے کے لئے خلیفہ وقت حضرت عثمان کا مداخلت کرنا، شام کا "فساد" مدینہ میں منتقل ہونا، دربار خلافت میں تمام اکابر صحابہ کا جمع ہو کر ابوذر سے مسئلہ کنز پر مباحثہ، ابوذر کو ربذہ کے ویرانے میں نظر بند کر دینا، اور یہ سب باتیں اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ ابوذر کی مہم نہایت منظم اور کامیاب تھی، جس کو ہمارے مورخین نے خاص مصالح کی بناء پر چھپادیا ہے" (صفحہ ۹۱)

ؔ سچ ہے، ع۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

لیکن اس اقرار کے باوجود جس طمطراق اور ڈھٹائی کے ساتھ اس جھوٹ کو نوک قلم پر لایا گیا ہے اس کے لئے سوا اس کے کیا کہا جائے کہ۔۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس کتاب کی تالیف کا منشاء آخر میں صاف لفظوں میں بتا دیا گیا ہے کہ۔

"ہمارے سامنے ابوذرؓ کا نمونہ[ل] موجود ہے کیوں نہ ہم استبداد و سرمایہ داری سے اسی انداز پر جنگ کریں۔" (صفحہ ۹۴)

شخصی ملکیت کے بارے میں اشتراکی مؤلف کی یہ نئی تحقیق ہے کہ۔

"قرآن شخصی ملکیت کو قطعاً حرام قرار دیتا ہے" [ل] (صفحہ ۶۶)

تقسیم میراث کے بارے میں نئی اپج ملاحظہ ہو کہ۔

"جب اسٹیٹ کفالت کی ذمہ دار بنادی گئی تو اندوختہ اور وراثت محض بیکار اور بے معنی سی بات ہے قرآن کے یہ احکام عبوری دور کے لئے یا ان مقامات کے لئے ہیں جہاں اسلامی نظام رائج ہو۔" (صفحہ ۷۸)

یہ واضح رہے کہ اصل میں اشتراکیت کی بنیاد مذہب دشمنی پر ہے لیکن سردست چونکہ پاکستان کے حالات مذہب دشمنی کے لئے سازگار نہیں، اور بقول مؤلف

"رازداری اور احتیاط انقلابی تحریکات کی ابتدا میں لازم ہیں"

اس لئے یہ دشمنان دین اسی احتیاط کے مد نظر انتہائی رازداری کے ساتھ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر خود مذہب کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

ل فرضی اور طبع زاد ہے۔ پھر زکوٰۃ اور حج کس پر فرض ہیں؟

التقریظ والانتقاد

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

فتویٰ متعلقہ جماعت تہجد در رمضان تقطیع متوسط، تعداد صفحات ۲۴۔ کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت درج نہیں۔ ناشر ادارۃ المعارف الاسلامیہ، لسبیلہ چوک کراچی ۵ ملنے کا پتہ :۔ مولانا اکبر علی صاحب جامع مسجد، درگا محلہ، سلہٹ۔

عرصہ ہوا جب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کا ایک فتویٰ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوا تھا کہ

"تمام وہ نوافل جو رمضان کی راتوں میں پڑھی جائیں خواہ تراویح ہوں یا تہجد، اوائل شب میں ہوں یا آخر میں سب ہی میں جماعت کی اجازت ہوگی"

"فتاویٰ رشیدیہ کی تصریح جلد ثانی ص ۱۵۹ اور جلد اول ص ۴۹ جس میں مستثنیات کو منحصر تراویح کے ساتھ کیا گیا ہے قول مرجوح پر مبنی ہے۔ پس رمضان کی جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالتداعی ہو یا بلا تداعی سب کی ماذون فیہ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان الخ داخل ہوگی۔ اس پر نکیر غیر صحیح ہوگا بلکہ جملہ رکعات طواف نفل یا عمرۂ نافلہ وغیرہ اسی میں محبوب اور مرغوب فیہ قرار دیئے جائیں گے کما ذکرہ العینیؒ۔ ہم نے حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا عمل بھی مکہ معظمہ میں اسی پر پایا ہے اور حضرت شیخ الہند کا بھی یہی معمول تھا۔ اور حرمین شریفین میں قدیم سے عمل سنت عشریہ وغیرہ کا جو کہ بالخصوص شوافع اور چالیس رکعت کا عمل جو کہ موالک کا معمول بہ تھا اور اہل مکہ کا قدیمی عمل ہر ترویحہ پر اسبوع طواف کا اسی کا مؤید ہے"

چنانچہ حضرت مدنی کے یہاں رمضان میں نوافل کی جماعت کا عام معمول تھا۔ اور حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے زمانہ قیام پاکستان میں بھی بارہا یہ دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ خانقاہ میں مقیم بعض حضرات تراویح سے فارغ ہو کر

نوافل کی جماعت کرتے اور بعض دوسرے حضرات جن میں حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گنگلوہی خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس پر ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے۔

حضرت مدنی کا یہ فتوی جمہور فقہاء حنفیہ کے خلاف ہے، حنفی مذہب میں رمضان کے اندر تراویح کے علاوہ دیگر نوافل تہجد وغیرہ کا جماعت سے ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس پر التزام کرنا یا اس کو کار ثواب سمجھنا حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی بدعت سیئہ، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں خطا ہوئی اور انھوں نے غور نہیں فرمایا مسئلہ وہی ہے جو حضرت شیخ عصر امام سنت مولانا گنگوہی نے منقح فرمایا ہے۔

زیر تبصرہ فتوی اسی مسئلہ سے متعلق ہے، یہ دراصل دو فتووں کا مجموعہ ہے۔ پہلا فتوی حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانی علیہ الرحمہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا مرتب کردہ ہے، جس میں نفس مسئلہ کی تنقیح ہے اور فقہ کی تمام متداول کتابوں کے حوالے اس باب میں جمع کر کے ثابت کیا ہے کہ رمضان شریف میں تہجد کی نماز باجماعت جس میں چار آدمی شامل ہوں مکروہ تحریمی اور بدعت ہے۔ مفتی صاحب موصوف نے اپنے مدعا کے اثبات میں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کی حسب ذیل تصریح بھی نقل کی ہے کہ

ان الجماعة لو كانت مستحبة في حق النوافل لفعلها المجتهدون القائمون بالليل لان كل صلاة جوزت بالانفراد وبالجماعة كانت الجماعة فيها افضل ولم ينقل اداءها بالجماعة في عصره صلى الله عليه وسلم ولا في زمن الصحابة ولا في زمن غيرهم من التابعين فالقول بها مخالف للامة اجمع وهذا باطل (مبسوط شرح کافی، جلد ثانی

اگر نوافل کی جماعت مستحب ہوتی تو تمام قائم اللیل مجتہدین کا اس پر عمل ہوتا کیونکہ ہر وہ نماز جس کا تنہا اور باجماعت دونوں طرح ادا کرنا جائز ہو ان میں جماعت ہی افضل ہے حالانکہ ان نوافل کا جماعت سے ادا کرنا، نہ عہد رسالت میں منقول ہے نہ عہد صحابہ میں اور نہ عہد تابعین وغیرہ میں، لہذا یہ قول کہ رکعات تراویح کے علاوہ اور نوافل بھی رمضان میں جماعت سے ادا کیے جا سکتے ہیں تمام امت کے خلاف ہے اور یہ باطل ہے۔

کتاب التراویح، بحث عدد رکعات تراویح، ص ۱۴۴)

مولانا مفتی محمد سہول صاحب مرحوم نے فتوی کے آخر میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریف سے اس کے

بدعت ہونے کی تصریح بھی نقل کی ہے۔ مولانا سہول صاحب کا یہ فتویٰ صفحہ ۹ پر ختم ہو جاتا ہے۔ پھر صفحہ ۱۰ سے مولوی محمد تقی صاحب کا فتویٰ شروع ہوتا ہے جو اسی موضوع سے متعلق ہے۔ پہلے استفتاء درج ہے پھر حضرت مدنیؒ کا فتویٰ، ص ۱۲ سے اصل مسئلہ کا جواب شروع ہوتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے اس فتویٰ میں حضرت مدنیؒ کے تمام دلائل کا تفصیلی جائزہ لیکر ہر ایک کا جواب دیا ہے۔ اور فقہا کے حوالوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ مولوی محمد تقی صاحب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند ارجمند ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس تحریر میں انھوں نے الولد سر لابیہ کی مشہور عربی مثل کو اپنے اوپر بالکل صحیح کرکے بتا دیا ہے اور پھر ادب کا دامن کہیں ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید برکت فرمائے۔ اخیر میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تصدیق و تائید ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک مسئلہ زیر بحث میں فتویٰ یہی ہے کہ علاوہ تراویح کے رمضان میں کسی دوسری نفل کی جماعت درست نہیں جمہور فقہاء و محدثین اسی پر ہیں اور اسی پر اکابر علماء دیوبند کا عمل رہا ہے۔ سیدی وسندی حضرت شیخ الہند قدس سرہ جن کا معمول پورے رمضان کی شب بیداری اور نفلوں میں سماعت قرآن کا تھا جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی گھر کا دروازہ بند کرکے اندر حافظ کفایت اللہ صاحب کی اقتداء میں قرآن سنتے تھے پھر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو معمول یہ بنا لیا کہ فرض نماز مسجد میں بجماعت پڑھ کر مکان پر تشریف لے آتے اور کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد تراویح میں پوری رات قرآن شریف سنتے تھے مکان پر جماعت ہوتی تھی جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے یہ احقر خود بھی حضرت کی اسارت مالٹا سے پہلے دو سال اس جماعت میں شریک رہا ہے جو تراویح کی جماعت تھی نفل تہجد کی جماعت کو حضرتؒ نے کبھی گوارا نہیں فرمایا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی جلالت شان اور علمی پایہ بلند اپنی جگہ ہے لیکن جب جمہور حنفیہ نے محقق ابن ہمام کے تفردات کو قابل عمل نہیں سمجھا حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ اسمٰعیلؒ کے تفردات کو معمول نہیں بنایا تو بعد کے علماء کا معاملہ اہون ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"

توحید یا تثلیث | از جناب محمد حفیظ اللہ صاحب لاری۔ ایم۔ اے، ایل ایل بی (علیگ) تقطیع خورد، ضخامت ۳۲ صفحات، کاغذ رف، کتابت طباعت معمولی، شائع کردہ "انجمن تحفظ اسلام" منارہ روڈ، سکھر

"انجمن تحفظ اسلام" کا مقصد جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ملک میں بڑھتے ہوئے فتنۂ نصرانیت سے مسلمانوں کا تحفظ ہے۔ جناب لاری صاحب نے اس سلسلہ میں متعدد کتابچے قلمبند کئے ہیں جو انجمن مذکور سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے "بینات" میں موصوف کے ایک رسالہ "بشارات خاتم الانبیاء بزبان مسیح و دیگر انبیاء" پر مفصل تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ کا دوسرا کتابچہ ہے۔ جس میں موصوف نے عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی قلعی کھولی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"عیسائیت کی توحید در تثلیث ایک ایسا معمہ ہے جس کو اس کا بڑے سے بڑا پادری یا فلسفی آج تک نہ سمجھ سکا ہے اور نہ کسی ادنیٰ عیسائی کی سمجھ میں عقلاً آسکتا ہے کہ تین اکائیاں (۱+۱+۱) مل کر ایک ہو جاتی ہیں۔ وہ یہی کہے گا کہ تینوں مل کر تین ہوتے ہیں نہ کہ ایک۔ اور یہ ایک عددی بدیہی حقیقت ہے جس پر دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔ پھر عیسائیوں کا ایک فرقہ اسی عقیدۂ تثلیث ہی کی تبلیغ کرتا ہے اور اسی خلافِ عقل عقیدہ کو باور کرانے پر مصر ہے کہ باپ، بیٹا، روح القدس، یہ تینوں ہستیاں مل کر ایک خدا ہو جاتا ہے اور یہ تینوں مل کر تین بھی ہیں اور ایک بھی۔ مسیحی تعلیم یہی ہے کہ

"خدا میں تین شخص ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ خدا اس پاک تثلیث کا پہلا شخص ہے جو بیٹے اور روح القدس کا شروع ہے۔ یہ تینوں شخص آپس میں بالکل برابر ہیں ان میں کچھ فرق نہیں اس لئے تینوں شخص یکساں الٰہی عزت کے لائق ہیں۔ یسوع مسیح سچا خدا اور سچا آدمی بھی ہے اور مقدسہ مریم سچ مچ خدا کی ماں نہیں۔ باپ خاص کر قادر مطلق اس لئے نہیں کہلاتا کہ وہ زیادہ قدرت والا ہے بلکہ اس لئے کہ پاک نوشتوں میں قدرت باپ کی، دانائی بیٹے کی اور پاکیزگی روح القدس کی کہلاتی ہے۔" (مسیحی تعلیم باب پاک تثلیث ص۱۹ تا ۲۷ شائع کردہ ورنا کیولر کیتھولک ٹریکٹ سوسائٹی ۸ کچہری روڈ انارکلی۔ لاہور)۔"

پھر لطف یہ ہے کہ جب سوال کیا جاتا ہے کہ "کیا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خدا میں تین شخص کس طرح ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ

"ہم ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے۔" (مسیحی تعلیم ص۲۰)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس توحید در تثلیث کو کوئی ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے؟ ایک

بیوقوف سے بیوقوف بھی اس عددی بدیہی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ تین مل کر تین ہی ہوتے ہیں نہ کہ ایک۔ یہ ہے ان کے تثلیث در توحید کے عقیدہ کا لاینحل معمہ اور اس پر ان کی تبلیغی جدوجہد کی کامیابی! اور مسلمانوں کی غفلت و جمود کا عبرتناک منظر کہ پچاس پاکستانی روزانہ عیسائی ہو رہے ہیں۔ جس کی تفصیل پمفلٹ نمبر ۱ میں بتائی گئی ہے۔

دوسرا عیسائی فرقہ حضرت مسیحؑ کو خود خدا مانتا ہے اور خدائی کا درجہ دیئے ہوئے ہے یہ عقیدہ پرانے زمانے ہی کا نہیں ہے بلکہ حال ہی کا ہے۔ ابھی ۱۶ اگست ۱۹۶۰ء کے لندن ڈیلی ٹیلیگراف اینڈ مارننگ پوسٹ روزانہ کے شمارہ میں عالمی کلیساؤں کے اتحادی اجتماع کے موقعہ پر یہ شرط شائع ہوئی تھی کہ اس کا ممبر وہی عیسائی ہو سکتا ہے جو حضرت مسیح کو "God" یعنی خدا مانتا ہو[1]۔

لیکن قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عقیدے رکھنے والے عیسائی فرقوں پر تکفیر کا حکم صاف صاف صادر فرمادیا ہے کیونکہ یہ عقائد کفر پر صاف دلالت کرتے ہیں۔" (توحید یا تثلیث ص ۳ تا ۵)

"اور عیسائی صاحبان باوجود حضرت مسیحؑ کو تین خداؤں میں سے ایک یا مستقل اور منفرد خدا عقیدۃً ماننے کے ان کی توہین کرتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ کہ صرف چند یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو بے بسی کی حالت میں مصلوب کر دیا، عقلاً بالکل متضاد (Paradoxical) ہے کہ خدا اور اتنا مجبور!" (ایضاً ص ۱۰)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث پر بحث کرتے ہوئے مولف نے ان کے بعض دوسرے عقائد سے بھی اعتناء کیا ہے مثلاً عقیدہ کفارہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"عیسائی صاحبان کا عقیدۂ کفارہ مختصراً یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن اللہ جب مصلوب ہوئے تو اب دین مسیحی میں جو شخص بھی داخل ہوگا وہ جنتی ہوگا خواہ اس کا کردار عملی دنیا میں کیسا ہی ناقص اور سیاہ ہو کیونکہ ان کا مصلوب ہونا ہر عیسائی کی سیہ کاری اور گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

بتائیے جب مذہب کے ایسے عقیدہ پر عمل ہوگا تو پھر دنیا میں ضبط و نظم (Law & order)

---

[1] یاد رکھئے کہ لفظ "god" جملہ کے بیچ میں تھا پھر بھی چھوٹے جی سے یعنی "god" نہیں لکھا تھا جس سے کسی بزرگ ہستی یا دیوتا کا تصور ہو سکتا۔ بلکہ بڑے جی سے "God" لکھا تھا تاکہ خدا ہی کا تصور و عقیدہ ہو سکے اور کوئی دوسرے معنی نہ لئے جا سکیں۔ ۱۲ منہ

ایک منٹ کیلئے قائم رہ سکتا ہے نہ کوئی متنفس سکون کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔ دنیا سے امن اٹھ جائیگا اور لاقانونیت (Anarchy) کا دور دورہ ہوگا۔" (توحید یا تثلیث ص ۱۱)

عقیدۂ کفارہ کے ساتھ ساتھ بائبل کی یہ تصریح بھی سننے کے لائق ہے:۔

"اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔" (متی باب ۱۹ آیت ۲۳) "اور پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔" (متی باب ۱۹ آیت ۲۴)۔

[ا]لاری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے دو پادری صاحبان سے آسمانی بادشاہت کی صراحت چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ آسمانی بادشاہی سے مطلب (Paradise) یعنی بہشت ہے۔ اب معنی بالکل صاف ہیں کہ دولتمند عیسائی بہشت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ دوسرے الفاظ میں جہنم کے مستحق ہیں۔ یہ حضرت مسیح کا قول ہے جو عیسائی بائبل سوسائٹی برطانیہ کے لندن میں چھپوائے ہوئے بائبل ۱۹۵۱ء میں درج ہے۔ بدقسمتی سے مغربی عیسائیوں میں دولتمند ہی زیادہ ہیں تو پھر ان کا انجام کیسا خراب و حسرتناک ہے۔" (ص ۲۱ و ۲۲)

[ا]سی طرح انجیل کے اس حکم پر بھی کہ "شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تمہارے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا [ب]ھی اس کی طرف پھیر دے" خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے کہ یہ وہ تعلیم ہے جو کبھی دنیا میں شرمندہ عمل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ [با]ئبل تو یہ بتاتی ہے کہ

"حضرت مسیح فرماتے ہیں یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔" (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴ مطبوعہ برطانیہ ۱۹۵۱ء)۔ (توحید یا تثلیث ص ۱۵)

[ا]س کتابچہ کے پڑھنے سے معمولی پڑھے لکھے آدمی پر بھی یہ بات اچھی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کیا ہے؟ [خ]لاف عقل، متضاد اور بالکل بے جوڑ باتوں کے ماننے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب مؤلف اور جملہ ارکان و معاونین "تحفظ اسلام" کو اس عمل خیر پر اپنے شایانِ شان جزا عطا فرمائے۔ اور آئندہ کے لئے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی [م]زید توفیق عنایت کرے۔

قصیدۂ نعتیہ

جائزہ و تبصرہ

[ذیل کا قصیدہ حضرت امام اعظم رح کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مگر اس کی زبان و بیان اور در و بست شاہد ہے کہ کسی بتندی کی مشقِ سخن ہے۔ اس غلط انتساب کے ازالہ کی غرض سے یہ قصیدہ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی زید مجدہم کے تنقیدی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ مدیر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ قصیدہ جو سردست "بینات" میں شائع کیا جا رہا ہے۔ عرصہ ہوا کہ ایام طالب علمی میں نظر سے گذرا تھا یاد پڑتا ہے کہ فل اسکیپ سائز پر جلی قلم سے طبع ہوا تھا۔ اب ایک مدت مدید کے بعد پھر یہ سامنے آیا تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کا انتساب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سراسر جعلی ہے۔

اندرونی شہادتیں جو حضرت امام عالی مقام رحمہ اللہ کی طرف اس کے انتساب کی نفی کر رہی ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ جریر و فرزدق کے معاصر تھے۔ اس قصیدہ کی زبان اس عہد کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔ اس زمانہ میں نہ توسل کا یہ طریقہ رائج تھا نہ بجق جاهک کے الفاظ کا استعمال عربی زبان میں شروع ہوا تھا۔ یہ زمانہ مابعد کے عجمیوں کی زبان ہے۔

۳۔ اس قصیدہ میں حسب ذیل واقعات سراسر صحت سے عاری ہیں (ا) حضرت خلیل علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے دعا مانگی تھی اس بناء پر وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی (ب) حضرت ایوب علیہ السلام نے جب وہ سخت مرض میں مبتلا تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارا تھا جس کی برکت سے ان کو شفا حاصل ہوئی تھی (ج) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے توسل کرنا (د) ابر کا آپ پر سایہ فگن رہنا (ھ) پتھر پر آپ کے نقش پا کا کندہ ہونا اور ریت پر آپ کا نشانِ قدم نظر نہ آنا (و) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا مرنے کے بعد آپ کی دعا سے دوبارہ زندہ ہو جانا (ز) ان کے علاوہ اور بھی متعدد واقعات اس قصیدہ میں نظم کیے گئے ہیں جو محتاج ثبوت ہیں اور گو ان کا ذکر پرلے درجے کی ضعیف روایات میں موجود ہے۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ ایسی بے اصل روایات کا تذکرہ اپنی زبان پر لائیں۔

۴- اس میں مالکی شافعی کی جو تجنیس معنوی ہے وہ خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قصیدہ اس دور کا بنایا ہوا ہے جب کہ مذاہب اربعہ کا رواج ہو کر یہ نسبتیں عام ہو چکی تھیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عہد حیات میں تو امام شافعیؒ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

۵—— عربی شعرا، تخلص کا استعمال نہیں کیا کرتے یہ خالص عجمی شعرا کی روش ہے اس قصیدہ میں تخلص کی جگہ پر حضرت امام رحمہ اللہ کی کنیت مذکور ہے۔

۶- شاعر نے اپنے جعل و اختلاق کو چھپانے کے لیے یہ بھی کوشش کی ہے کہ اس نظم میں کہیں کہیں شاذ لغت کا استعمال کیا ہے تاکہ...... اس قصیدہ کو قدیم عرب کی زبان سمجھ لیا جائے جیسے:

انت الذی لما توسل آدمٌ　　　من زلتہ بک فاز وھو اباک

عام محاورہ کے اعتبار سے ھو ابوک ہونا چاہیے تھا، مگر شاعر نے اس کی جگہ "ھو اباک" نظم کیا ہے جو لغت شاذہ ہے۔ یا جیسے:

فاذا سمعت فعنک قولاً طیباً　　　فاذا نظرت فما اریٰ الاّ لک

کہ "الاک" لغت شاذہ ہے۔ اس کی جگہ الا ایاک ہونا چاہیے تھا، مگر جو اہلِ نظر ہیں ان کے نزدیک شاعر کی یہ کارستانی اس کی جعلسازی پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ اگرچہ اس سلسلہ میں ضرورت شعری کا عذر بارد کیا جاسکتا ہے۔

بیرونی شہادت جو اس قصیدہ کے جعلی ہونے کو ثابت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قصیدہ کی سند میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ سب فسانہ معلوم ہوتا ہے۔ غور کیجئے۔ جب

موذن نے یہ قصیدہ بآواز بلند مسجد نبوی کے منارہ پر پڑھا ہوگا تو اس کے سننے والے اس عہد کے سیکڑوں ہزاروں ہی آدمی ہوں گے کوئی تو اس فسانہ کا راوی ہوتا۔ تاریخ و تذکرہ کی ساری کتابیں، اشعار و نظم کے تمام مجموعے اس فسانہ کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔ تحفہ نام کی کوئی کتاب جو امام نسفی کی طرف منسوب ہو اور جس کا اس فسانہ کے سلسلہ میں حوالہ دیا گیا ہے اس کا ذکر نہ تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ نہ فہارس کتب میں۔ نہ طبقات میں اس نام کی کسی کتاب کا ذکر آیا ہے۔ نہ کشف الظنون اور اس کے ذیل ایضاح المکنون میں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔ محمد عبدالرشید نعمانی

شنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۷ ھجری

مقدمہ[عہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً

قصیدۃ الامام الاعظم رضہ التی نظمہا مادحاً و متوسلاً بحضرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اثناء زیارتہ لجنابہ الرفیع فما استتمہا حتی اشرف علی المدینۃ المنورۃ فلدی وصولہ الی باب المسجد الشریف المعروف بباب السلام۔

سمع المؤذن یقولہا علی منارۃ مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذہ العجب و وقف بالباب ینتظر نزول المؤذن لیسئلہ من این وصلت الیہ ہذہ القصیدۃ التی لم یطلع علیہا سوی الجلیل جل و علا فلما فرغ المؤذن منہا و نزل من المنارۃ فقابلہ الامام ابو حنیفۃ النعمان رضہ علی بابہا فسألہ الامام رضی اللہ عنہ من این وصلتک ہذہ القصیدۃ التی کنت تقرءہا فقال لہ اتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذہ اللیلۃ فی المنام و اخبرنی بان الامام ابا حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ عنہ قد مدحنی و توسل بی بقصیدۃ فی ہذہ اللیلۃ فتعلمہا و اقرءہا علی المنارۃ فتعلمتہا منہ علیہ الصلاۃ والسلام و استیقظت و انا حافظ لہا فقرأتہا علیہا۔ فلما سمع ابو حنیفۃ رضہ منہ ذلک

[عہ] یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مقدمہ کس صاحب نے لکھا ہے۔ تاہم اس میں قصیدے کی شان نزول اور خواص و فوائد کے بارے میں جو کچھ درج ہے۔ قصیدے کی طرح وہ بھی جعلی اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مدیر۔

انبشر بقبولها لدی حضرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وخر ساجداللہ تبارک وتعالیٰ شکرا لنعمۃ قبولہا۔

وروی الامام النسفیؒ فی تحفتہ عن الامام الکامل شمس الائمۃ الحلوانیؒ انہ لما کان بمکۃ المکرمۃ رأی فیما یری النائم سیدنا عبداللہ بن عباس رضؓ یقول یا شمس الائمۃ ان الامام ابا حنیفۃ قد مدح سیدنا وقرۃ أعیننا سید الانبیاء والمرسلین بقصیدۃ مبارکۃ میمونۃ وعد الکثیر من خواصہا ومزایاہا النفیسۃ قال شمس الائمۃ فلما انتبہت من منامی جعلت ابحث عن ہذہ القصیدۃ المبارکۃ بمکۃ المکرمۃ فلم یتیسر لی الحصول علیہا حتی من اللہ علی بالعثور علیہا عند احد الفضلاء ببغداد فلما رأی منی شدۃ حرصی علیہا بث الی من مکنون خواصہا العجیبۃ وفوائدہا الغریبۃ مالا یسعہ فہمی القاصر الی ان قال ان ہذہ القصیدۃ لا یدرک اسرارہا وآثارہا الا الذین یلازمون قرأتہا باخلاص قوی وعزم صفی فأخذتہا وانا بغایۃ السرور وشکرت المولیٰ تبارک وتعالیٰ حیث انعم علی بنوال مقصودی فآلیت علی نفسی انی ما دمت علی قید الحیوٰۃ اکون مداوما بقراءتہا کل یوم مرۃ اھ

وقد اجازنی بقراءتہا بعض الکمل العارفین وذکر لی من خواصہا ان من داوم علی قراءتہا صباحا ومساء نال وفاء رسول رب العالمین وعد من المنتسبین الیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا سید السادات جئتک قاصدا	أرجو رضاک واحتمی بحماکا
واللہ یا خیر الخلائق ان لی	قلبا مشوقا لا یروم سواکا
وبحق جاہک اننی بک مغرم	واللہ یعلم أننی أہواکا
انت الذی لولاک ما خلق امرؤ	کلا ولا خلق الوریٰ لولاکا
انت الذی من نورک البدر اکتسی	والشمس مشرقۃ بنور بہاکا
أنت الذی فینا سألت شفاعۃ	فأجاب ربک لم تکن لسواکا
أنت الذی لما توسل آدم	من زلۃ بک فاز وہو اباکا
وبک الخلیل دعا فعادت نارہ	بردا وقد خمدت بنور سناکا
ودعاک أیوب لضر مسہ	فازیل عنہ الضر حین دعاکا

وبك المسيح أتى بشيرا مخبرا ... بصفات حسنك مادحا لعلاكا

وكذاك موسى لم يزل متوسلا ... بك في القيامة محتم بحماكا

والأنبياء وكل خلق في الورى ... والرسل والأملاك تحت لواكا

لك معجزات أعجزت كل الورى ... وفضائل جلت فليس تحاكا

نطق الذراع بسمه لك معلنا ... والضب قد لباك حين أتاكا

والذئب جاءك والغزالة قد أتت ... بك تستجير وتحتمي بحماكا

وكذا الوحوش أتت اليك وسلمت ... وشكا البعير اليك حين رآكا

ودعوت أشجارا أتتك مطيعة ... وسعت اليك مجيبة لنداكا

والماء فاض براحتك وسبحت ... صم الحصا بالفضل في يمناكا

وعليك ظللت الغمامة في الورى ... والجذع حن إلى كريم لقاكا

وكذاك لا أثر لمشيك في الثرى ... والصخر قد غاصت به قدماكا

وشفيت ذا العاهات من أمراضه ... وملأت كل الأرض من جدواكا

ورددت عين قتادة بعد العمى ... وابن الحصين شفيته بشفاكا

وكذا حبيب وابن عفرا بعدما ... جرحا شفيتهما بلمس يداكا

وعلي من رمد به داويته ... في خيبر فشفي بطيب لماكا

وسألت ربك في ابن جابر بعدما ... أن مات أحياه وقد أرضاكا

ومسست شاة لام معبد بعدما ... نشفت فدرت من شفا رقياكا

ودعوت عام القحط ربك معلنا ... فانهل قطر السحب حين دعاكا

ودعوت كل الخلق فانقادوا إلى ... دعواك طوعا سامعين نداكا

وخفضت دين الكفر يا علم الهدى ... ورفعت دينك فاستقام هناكا

اعداك عادوا في القليب بجهلهم ... صرعى وقد حرموا الرضا بجفاكا

في يوم بدر قد أتتك ملائكة ... من عند ربك قاتلت اعداكا

والفتح جاءك يوم فتحك مكة ... والنصر في الأحزاب قد وافاكا

هو ذو یونس من بهاك تجملا　　وجمال یوسف من ضیاء سناکا

قد فقت یا طٰهٰ جمیع الانبیاء　　طرا فسبحان الذی اسراکا

والله یٰسین مثلك لم یکن　　فی العالمین وحق من نباکا

عن وصفك الشعراء یا مدثر　　عجزوا وکلوا عن صفات علاکا

انجیل عیسی قد أتی بك مخبرا　　ولنا الکتاب اتی بمدح حلاکا

ماذا یقول المادحون وما عسی　　أن تجمع الکتاب من معناکا

والله لو ان البحار مدادهم　　والعشب اقلام جعلن لذاکا

لم تقدر الثقلان تجمع ذرة　　ابدا وما اسطاعوا له إدراکا

لی فیك قلب مغرم یا سیدی　　وحشاشة محشوة بهواکا

فاذا سکت ففیك صمتی کله　　واذا نطقت فمادح علیاکا

واذا سمعت فعنك قولا طیبا　　فاذا نظرت فما اری الاکا

یا مالکی کن شافعی فی فاقتی　　انی فقیر فی الوری لغناکا

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری　　جدلی بجودك وارضنی برضاکا

انا طامع بالجود منك ولو یکن　　لأبی حنیفة فی الانام سواکا

فعساك تشفع فیه عند حسابه　　فلقد غدا متمسکا بعراکا

فلأنت اکرم شافع ومشفع　　ومن التجا لحماك نال وقاکا

فاجعل قرائ شفاعة لی فی غد　　فعسی اری فی الحشر تحت لواکا

صلی علیك الله یا علم الهدی　　ماحن مشتاق الی مثواکا

وعلی صحابتك الکرام جمیعهم　　والتابعین وکل من والاکا

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

کچھ انیس الارواح کے بارے میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ "انیس الارواح" حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ نے مرتب کیا تھا۔ حالانکہ واقع میں اس میں جو کچھ مذکور ہے اس کا اکثر حصہ الحاقی معلوم ہوتا ہے اور اس کا انتساب ان دونوں بزرگوں کی طرف خالی از علت نہیں۔ لہٰذا اس کتابچہ میں جو کچھ مرقوم ہے نہ ہمیں اسے صحیح ماننے کی ضرورت ہے نہ اس کی کسی غلط بات کی تاویل کرنے کی۔ معلوم نہیں کس ظالم نے یہ حرکت کی ہے کہ اپنی طرف سے بہت سی غلط باتیں درج کر کے ان کی نسبت ان حضرات خواجگانؒ کی طرف کر دی ہے اور پھر ان بزرگوں کی طرف انتساب کی وجہ سے اس کتابچہ کو شہرت حاصل ہو گئی۔ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی "ماثر الکرام" میں رقمطراز ہیں۔

و در ملفوظ خواجہ عثمانؒ ہرونی مسطور است کہ "ہر کہ دو مادہ گاؤ ذبح کند یک خون کردہ باشد، و ہر کہ چہار مادہ گاؤ ذبح کند دو خون کردہ باشد، و ہر کہ دہ گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد" انتہٰی شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ انکار کردہ است کہ ایں ملفوظ خواجہ عثمانؒ نیست۔	خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ملفوظ میں تحریر ہے کہ "جو شخص دو گائیں ذبح کرے اس نے گویا ایک خون کیا، اور جو شخص چار گائیں ذبح کرے اس نے گویا دو خون کئے، اور جو شخص دس بکریاں ذبح کرے اس نے گویا ایک خون کیا" (انتہٰی) شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ نے انکار کیا ہے کہ یہ ملفوظ خواجہ عثمانؒ کا نہیں ہے۔

(ص ۱۲ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۸ھ)

علامہ آزاد بلگرامی نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کے بعض انکار کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے اس کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "اخبار الاخیار" میں حضرت ممدوحؒ کے تذکرہ میں "خیر المجالس" کے حوالہ سے یہ دی ہے۔

عزیزی درخدمت او عرضہ داشت کہ در ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی نوشتہ است کہ ایشاں فرمودند ہر کہ دو مادہ گاؤ ذبح کند یک خون کردہ باشد، وہر کہ چہار مادہ گاؤ ذبح کند دو خون کردہ باشد، وہر کہ دہ گوسپند ذبح کند یک خون کردہ باشد، اول خواجہ فرمود کہ "ہارونی" نیست "ہرونی" ست۔ "ہرون" دیہے است خواجہ دراں دہ بودے، بعدہ فرمود ایں ملفوظ ایشاں نیست، ایں نسخہا بر من ہم رسیدہ است و دراں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشاں نیست، بعدہ فرمود کہ شیخ نظام الدین مے فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نبشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین، شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است (ص۸۱ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ)

ایک عزیز نے حضرت ممدوح کی خدمت میں عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے "ملفوظات" میں لکھا ہے کہ حضرت نے یوں ارشاد فرمایا۔ "جو شخص دو گائیں ذبح کرے گویا اس نے ایک خون کیا، اور جو شخص چار گائیں ذبح کرے گویا اس نے دو خون کئے، اور جو شخص دس بکریاں ذبح کرے گویا اس نے ایک خون کیا" (یہ سن کر) پہلے تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ یہ "ہارونی" نہیں ہے بلکہ "ہرونی" ہے "ہرون" ایک گاؤں[1] ہے حضرت خواجہ اس گاؤں میں رہتے تھے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ حضرت کا ملفوظ نہیں ہے (ملفوظات کے) یہ نسخے مجھے بھی پہنچے ہیں، ان میں بہت سے ایسے ملفوظات ہیں جو ان کے اقوال (وتعلیمات) کے مناسب نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نظام الدین (اولیاءؒ) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب

---

[1] اس کا ذکر نہ تو یاقوت حموی کی معجم البلدان میں ہے، نہ قاموس اور اس کی شرح تاج العروس میں، البتہ تاریخ فرشتہ کے "مقالہ دوازدہم" میں حضرت خواجہ اجمیریؒ قدس سرہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "قصبہ ہارون نیشاپور کے اطراف میں ہے"

نہیں لکھی ہے کیوں کہ شیخ الاسلام فرید الدین
(گنج شکر) اور شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار
کاکی) اور خواجگان چشت میں سے کسی شخص نے
بھی تصنیف نہیں کی"

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ کی وفات ۷۵۵ھ میں ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات خواجگان چشت قدس اللہ اسرارہم کی طرف ان کے ملفوظات کے یہ جعلی نسخے ان حضرات کی طرف انتساب کی بنا پر اس وقت تک مشہور ہو کر رائج ہو چکے تھے، اسی لئے حضرت موصوف کو واشگاف الفاظ میں اس غلط فہمی کو دور کرنا پڑا اور کہنا پڑا کہ ان نسخوں میں بہت سی ایسی باتیں درج ہیں کہ جو حضرات خواجگان چشت کے اقوال کے مناسب نہیں۔ حضرت چراغ دہلی قدس سرہ کی اس تصریح کے بعد اب کس کی مجال ہے کہ وہ ان جعلی ملفوظات کے انتساب کو ان حضرات کی طرف صحیح باور کرے کہ اھل البیت ادری بما فیہ (گھر والا گھر کے اندر کی چیز کو خوب جانتا ہے)۔ پھر حضرت ممدوح جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اپنے شیخ طریقت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کے حوالے سے فرما رہے ہیں، ان دونوں حضرات سے بڑھ کر مشائخ چشت کے حالات وکوائف اور ان کی تعلیمات و معمولات سے اور کون باخبر ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اولیاء ہند کے تذکرہ نگاروں میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور آزاد بلگرامیؒ سے زیادہ اور کون مستند ہے، لہٰذا ان جعلی ملفوظوں کے انتساب کی نفی کے لئے ہمارے نزدیک ان بزرگوں کی تصریحات شاہد عدل ہونے کی بنا پر کافی و وافی ہیں، اور اب اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ان نسخوں میں چونکہ بعد میں بھی بہت کچھ رد و بدل کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ خود ملفوظ زیر بحث بھی اب موجودہ مطبوعہ نسخے میں جو مطبع مجتبائی دہلی کا ۱۳۱۲ھ کا طبع شدہ ہے اس طرح مرقوم ہے۔

"مجلس یازدہم" سخن در کشتن جانوران افتاد | گیارہویں مجلس" جانوروں کے قتل کرنے پر بات

یلفظ مبارک راند کہ عبداللہ بن مسعودؓ
ے کرد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
لہ چہل مادہ گاؤ بسمل کند یک خون کبیرہ
ن او بنویسند و ہر جانورے کہ بہوائے
ند ہمچناں باشد کہ بویران کردن
بہ یاری کردہ باشد مگر محلیکہ دران
ل کردن روا باشد۔

آنگاہ شنیدم از زبانِ خواجہ حاجیؒ
ے بود کہ اورا خواجہ عبداللہ بن مبارک
ے و ہفتاد سال عمر او بود قسم راند کہ
فتاد سال وقتے یاد ندارم کہ مرغے
.دہ باشم۔

آنگاہ فرمود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
م فرمودہ است کہ نشاید جانورے
ے در آتش افگند یا بہ بے رحمی بکشد
.او آنست کہ بردہ آزاد کند یا
ین را طعام دہد و ماہِ دو روزہ دارد
. ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ے میدانید کہ ہیچ جانورے را آتش
ر خدائے تعالےٰ شمارا العقوبت اندر
آخرت عذاب خواہد داد ، ہر کہ جانور را
ش افگند چنانستے کہ مادر خود را زنا کرد

چل رہی تھی ۔ حضرت خواجہؒ نے زبان مبارک
سے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ
تعالےٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و
سلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص چالیس گائیں
ذبح کرے ایک خونِ ناحق کا کبیرہ گناہ اس کی
گردن پر لکھتے ہیں ، اور جو شخص کسی جانور کو اپنی
خواہش نفس سے ذبح کرے تو وہ ایسا ہے
گویا اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے پر مدد کی ، ہاں
جس مکان میں ذبح کرنا روا ہو تو وہ اور بات ہے
اسی وقت فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ
حاجی شریف زندنی رحمہ اللہ کی زبان سے سنا ہے
کہ ایک درویش تھا جس کو خواجہ عبداللہ بن مبارک
کہتے تھے ان کی عمر ستر سال تھی ، انہوں نے
قسم کھا کر بیان کیا کہ مجھے ان ستر سال میں کوئی
ایسی گھڑی یاد نہیں کہ جس میں میں نے کسی چڑیا
کو بھی ذبح کیا ہو۔

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو یہ نہ چاہئے کہ کسی جانور
کو آگ میں ڈالے یا بے رحمی سے اس کو قتل کرے
جو ایسا کرے ، اس کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد
کرے ، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ، یا
دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھے ، رسول اللہ

باشد، نعوذ باللہ منہا، ہمیں کہ خواجہؒ این فوائد تمام کرد مشغول شد خلق و دعاگو بازگشت۔ (ص ۲۱)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جانتے ہو کہ کوئی جانور ایسا نہیں کہ جس کو آگ کی لپٹ پہنچے مگر حق تعالےٰ تم کو اس کی سزا میں دنیا و آخرت میں عذاب دے گا۔ جو شخص جانوروں کو آگ میں ڈالتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اپنی ماں سے زنا کیا، نعوذ باللہ منہا، جوں ہی خواجہؒ نے یہ فوائد تمام کئے، حق تعالےٰ کی یاد میں مشغول ہو گئے اور خلقت اور دعاگو لوٹ آئے"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی برہمچاری سادھو نے یہ ملفوظ گڑھ کر حضرات خواجگان کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے۔ یہ حضرات علم شریعت سے ناواقف نہ تھے جو اس قسم کی بے سر و پا ہفوات ان کی زبان مبارک پر جاری ہوتیں، نہ یہ حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں[1]، نہ اس کفارہ کی کوئی شرعی حیثیت ہے۔ نہ حضرت خواجہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے جن کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے حضرت حاجی شریف زندنی رحمہ اللہ کی ملاقات ممکن ہے کیونکہ وہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے شیخ طریقت تھے ان کی وفات حسب تصریح صاحب "خزینۃ الاصفیا" ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس پوری مجلس کی داستان خود ساختہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

غرض اس مجلس کا حال پڑھ کر جی چاہا کہ "انیس الارواح" کا خود بھی ایک سرسری جائزہ لیا جائے، مطالعہ کرنے پر پتہ چلا کہ اس کتاب میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں وہ اکثر و بیشتر اباطیل و

---

[1] اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جاندار کو آگ میں جلانے کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے اور اسی طرح غیر شرعی طریقہ پر جانور کا ذبح کرنا بھی ممنوع ہے۔

موضوعات ہیں ہی مگر ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم کو ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس مجموعۂ اکاذیب کا انتساب حضرات خواجگان کی طرف کرنا ان کی جلالت شان کے قطعاً منافی ہے ۔ ہاں جو لوگ اپنی جہالت و لاعلمی کی بنا پر گرفتارِ اوہام ہیں ان کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے ۔ اس سرسری مطالعہ میں جو باتیں بالکل غلط معلوم ہوئیں وہ یہ ہیں ۔

(۱) ۔ بعد ازاں در بدخشاں آمدیم و بزرگے را دریافتیم از پیش کاراں خواجہ جنید بغدادیؒ بودہ عمر او صد سال بود از مشغول الخ (ص ۳)

اس کے بعد ہم بدخشاں آئے ، وہاں ایک بزرگ کو پایا جو حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پیش کاروں میں سے تھے ان کی عمر سو سال کی تھی (عبادت الٰہی میں) حد درجہ مشغول تھے ۔ الخ ۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی ، اور حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ تعالےٰ کی ولادت ۵۳۷ھ میں ۔ اور جن بزرگ سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کی عمر بوقت ملاقات سو برس کی بتلائی جا رہی ہے ، اب ظاہر ہے کہ ان صاحب نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالےٰ کا زمانہ ہی نہ پایا ، ان کے پیش کار کہاں سے بن جاتے ؛ لہٰذا یہ حکایت صحیح نہیں ہے ۔

(۲) ۔ آنگاہ فرمود ہر کہ دست از نماز باز دارد کافر شود بحکم حدیث من ترك الصلوٰة متعمّدًا فقد كفر۔ مستوجب القتل عند الشافعی ، نماز ترک کنندہ بدرستی کہ کافر گردد واجب است نزدیک امام شافعی کہ او را بکشند زیرا چہ او کافر شد ۔ (ص ۵)

اس وقت فرمایا کہ جو کوئی نماز سے ہاتھ روک لے کافر ہو جائے گا اس حدیث کے حکم کے مطابق کہ "جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا" اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک قتل کا مستوجب ٹھہرا یعنی نماز ترک کرنیوالا قطعی کافر ہو جاتا ہے پس امام شافعی کے نزدیک واجب ہے کہ اسکو مار ڈالیں کیونکہ وہ کافر ہو گیا ۔"

یاد رہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تارک صلوٰۃ قطعاً کافر نہیں ہے، اگرچہ قصداً بلا وجہ نماز ترک کرنے کی سزا ان کے مذہب میں قتل ہی ہے جیسے کہ بعض دوسرے جرائم مثلاً خونِ ناحق کی سزا قتل ہے۔

(۳) — "شنیدم از زبان خواجہ یوسف چشتیؒ" (ص ۶)

حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کی زبان سے ان کے ملفوظات کو حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کے سننے کا ذکر بار بار "انیس الارواحؒ" میں آتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۷، ۲۲، ۲۶، ۳۲)۔

خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات مولانا جامیؒ کی تصریح کے مطابق ۴۵۹ھ میں ہوئی ہے اور حضرت خواجہ ہرونیؒ نے ۶۱۷ھ میں ۹۱ سال کی عمر میں انتقال فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کی زبان مبارک سے حضرت خواجہ ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کے کچھ سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ حضرت خواجہ ہرونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت سے بہت عرصہ پہلے حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔

(۴) — مجلس دوم میں سورج گرہن اور چاند گرہن کے جو اثرات بیان کئے گئے ہیں وہ محض واہی تباہی باتیں ہیں، شریعت و حقیقت سے ان کا کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(۵) — مجلس سوم میں شہروں کی تباہی و بربادی کی تفصیل کے سلسلہ میں جو فسانہ حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے نقل کیا گیا ہے محض بے اصل ہے، حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ، حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ۶۷ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔

(۶) — "بعد ازاں فرمود کہ شنیدم از زبان خواجہ مودود چشتیؒ" (ص ۷)۔

حضرت خواجہ مودود چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ نے ۵۲۷ھ میں وفات پائی ہے اور حضرت

خواجہ ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کا سال ولادت ۵۲۶ھ ہے، ایک سال کا بچہ کیا سنے گا اور کیا یاد رکھے گا؛ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کی زبان مبارک سے حضرت خواجہ ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کے سننے کا ذکر بھی "انیس الارواح" میں متعدد جگہ آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۷ و ۲۹) جو صحیح نہیں ہے۔

(۷) — آنگاہ فرمود شنیدم از خواجہ محمد چشتی ہر کہ بردہ آزاد کند۔ الخ (ص ۱۲)۔

خواجہ محمد بن ابی احمد چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کا انتقال ۴۱۱ھ میں ہوا ہے جیسا کہ "نفحات الانس" میں مذکور ہے، اور حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ کی ولادت ان کی وفات کے ایک سو پندرہ سال بعد ہوئی ہے ایسی صورت میں یہ نقل کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے۔

(۸) — روایت کرد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضؓ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ در "مشارق الانوار" مسطور است از خوردن شراب مویز گفت اے عمر حلال نیست وآں محض حرام است وخراب، واین شراب مومناں نیست" (ص ۱۴)۔

یہ روایت "مشارق الانوار" میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات ۶۲۷ھ یا ۶۳۲ھ یا ۶۳۳ھ میں ہوئی ہے، اور حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کی ۶۱۷ھ میں اور مصنف "مشارق الانوار" محدث حسن صنعانی رحمہ اللہ کی ۶۵۰ھ میں۔ اس لئے یہ بھی ثابت کرنا ضروری ہے کہ "مشارق الانوار" ۶۱۷ھ سے پہلے تصنیف ہو کر اس قدر شائع ذائع ہو چکی تھی کہ حلقہ ارباب صفا میں پہنچ کر اس سے استفادہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

(۹) — آنگاہ فرمود کہ وقتے جانب خانہ کعبہ معظمہ درمیان مجاوران چند گاہے معتکف بودم درمیان ایں بزرگواران بزرگے بود خواجہ عمر نسفی الخ (ص ۱۶)۔

اس کے بعد خواجہ عمر نسفی رحمہ اللہ تعالےٰ کے علم مجاہدہ کی برکت کا ایک قصہ مذکور ہے۔ مفتی الثقلین حضرت خواجہ عمر نسفی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات ۵۳۷ھ میں سمرقند میں ہوئی ہے اور حضرت خواجہ ہرونی رحمہ اللہ تعالےٰ کی وفات ۶۱۷ھ میں۔ خواجہ ہرونی کا آغاز عمر میں اور خواجہ نسفی کا آخیر عمر میں حرم مکہ میں اعتکاف کی غرض سے جمع ہونا گو عقلاً ممکن ہے لیکن عادۃً مستبعد ضرور ہے۔ ہاں

اگر اس قصہ میں یہ اضافہ بھی ہوتا کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد ان کو بچپن ہی میں جب کہ ان کی عمر دس سال کی تھی اپنے ساتھ لے کر حرم مکہ میں اقامت گزیں تھے۔ اور حضرت خواجہ عمر نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس زمانے میں وہاں آئے ہوئے تھے تو بات بن جاتی۔

(۱۰) — در تفسیر امام یافعی نبشتہ دیدہ ام " (ص ۲۴)۔

امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۷۰۰ھ سے کچھ پہلے ہوئی ہے، یعنی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بھی تقریباً ستر سال بعد اس لئے ان کے پیر بزرگوار کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے امام یافعی کی تفسیر سے کسی قسم کا استفادہ کیا تھا محض غلط ہے۔

(۱۱) — آنگاہ فرمود کہ وقتے خواجہ ابراہیم ادہم در راہے مے گزشت " الخ (ص ۲۰)۔

اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ "حضرت ابراہیم ادہم ایک بار کسی راہ سے گزر رہے تھے کہ دفعتہ نوحہ گر کی آواز کان میں پڑی، سننے کے ساتھ ہی حضرت نے فوراً سیسہ پگھلا کر اپنے دونوں کانوں میں ڈال لیا آخر بہرے ہوگئے"۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت محدثین، فقہاء اور صوفیاء سب میں معروف ہے۔ ان کے تذکرہ نگاروں میں کوئی ان کے بہرے ہونے کی تصریح نہیں کرتا۔ پھر گرم گرم سیسہ بہرا ہی نہیں بنتا بلکہ اندرون دماغ تک پہنچ کر آدمی کا جان لیوا بھی بن جاتا ہے۔

(۱۲) — آنگاہ فرمود در رسالہ خواجہ محمد مرعشی نبشتہ دیدہ ام " الخ (ص ۲۵)۔

اس کے بعد اس رسالہ کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ "حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بار مسجد میں آئے تو انہوں نے بایاں پاؤں مسجد میں پہلے داخل کیا اس پر غیب سے ندا آئی کہ "اے ثور (بیل)، خانۂ خدا میں اس طرح بے ادبی سے داخل ہوتا ہے"، غرض اس بے ادبی کے سبب کہ مسجد میں بایاں پاؤں پہلے داخل کیا ان کا نام "ثور" پڑ گیا"۔

یہ وہ نکتہ ہے کہ جس سے تاریخ و تذکرے کی ساری کتابیں خالی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار کبار مجتہدین امت میں ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ میں ان ہی کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو "ثوری" اس افسانہ کی

وجہ سے نہیں کہا جاتا بلکہ وہ قبیلہ "بنی تمیم" کی ایک شاخ "ثور تمیم" کی طرف منسوب ہیں جس کا سلسلۂ نسب "ثور بن عبد مناف" پر منتہی ہوتا ہے۔

(۱۳) — آنگاہ فرمود کہ احمد معشوق را ہمیں معاملہ بود" الخ (ص ۱۸)۔

اس سلسلہ میں حضرت احمد معشوق رحمہ اللہ تعالےٰ کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ۔

"ایک بار چلّے کے جاڑوں میں آدھی رات کو حضرت باہر تشریف لائے اور گھر سے پانی میں گھس کر جہاں جان جانے کا خوف تھا جا کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ بار الٰہا میں اس وقت تک یہاں سے باہر نہ نکلوں گا جب تک کہ مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں۔ اس پر آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے کل قیامت کے دن بہت سے لوگوں کی تمہاری شفاعت کی بنا پر دوزخ سے خلاصی ہوگی۔ شیخ احمد نے عرض کیا کہ میں اتنی بات پر اکتفا نہیں کر سکتا مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں کون ہوں۔ اس پر یہ آواز آئی کہ میں نے یہ حکم کر دیا ہے کہ سب درویش اور عارف تو ہمارے عاشق ہیں اور تم ہمارے معشوق ہو۔ یہ سن کر حضرت خواجہ احمدؒ پانی سے برآمد ہوتے اب جو بھی سامنے آتا اس طرح سلام کرتا۔ السلام علیك احمد معشوق۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے تھے لوگ جب ان سے کہتے کہ آپ نماز نہیں پڑھتے تو فرماتے کہ میں نماز تو پڑھوں گا مگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسی نماز، جب لوگوں کا اصرار زیادہ ہوا تو فرمایا اچھا سورۂ فاتحہ پڑھوں گا مگر ایاك نعبد وایاك نستعین نہ پڑھوں گا، لوگوں نے کہا سب پڑھئے۔ غرض بہت کہنے سننے پر یہ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کی جب ایاك نعبد وایاك نستعین پر پہنچے تو ان کے تمام اعضاء میں سر بن مُو سے خون جاری ہو گیا، آخر انہوں نے نماز توڑ دی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگ تو مجھے نماز پڑھنے کے لئے کہتے ہیں مگر میری نماز نہیں ہوتی"

یہ احمد معشوق علیہ الرحمۃ حضرت شیخ صدر الدین عارف بن حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہما کے مشہور خلفاء میں سے ہیں جن پر جذب وسکر کی کیفیت اکثر وبیشتر طاری رہتی تھی۔ ان کا اصل نام شیخ احمد بن محمد قندہاری[1] ہے۔ حضرت صدر الدین عارف ملتانی قدس سرہ کی وفات ۶۸۴ھ میں ہوئی ہے، احمد معشوق رحمہ اللہ یا تو حضرت عارف سے عمر میں چھوٹے ہوں گے ورنہ ان کے معاصر تو ضرور ہی تھے اس لئے حضرت خواجہ عثمان ہرونی المتوفی ۶۱۷ھ کی زبان پر ان کا یہ واقعہ کس طرح آسکتا ہے ان کی وفات کے وقت تو شیخ صدر الدین عارف خود نہایت خوردسالی بچے تھے ان کے خلیفہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

"نفحات الانس" میں مولانا عبد الرحمٰن جامی نے "معشوق" نامی ایک بزرگ کا ترجمہ لکھا ہے جو معشوق طوسی کہلاتے ہیں لیکن ان کا نام محمد تھا یہ بھی مجذوب تھے اور اپنے وقت کے کبار اولیاء میں سے تھے یہ حضرت شاہ ابو سعید ابو الخیر کے معاصر تھے ان کے بارے میں بھی حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں تصریح کی ہے کہ یہ بھی (حالتِ جذب کی وجہ سے) نماز نہیں پڑھتے تھے[2]۔ (رحمہ اللہ تعالےٰ)۔

غرض "انیس الارواح" کے موجودہ نسخے میں ایسی بہت سی بے سروپا باتیں درج ہیں جن کے بارے میں ذہن سلیم کسی طرح یہ باور کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتا کہ ان کی نسبت حضرات خواجگان چشت اہل بہشت کی طرف کی جائے۔ حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کی طرف ایسی غلط باتوں کا انتساب کیا جائے۔ "انیس الارواح" (ص ۴) کی تصریح کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے بیس سال کامل حضرت خواجہ ہرونی قدس سرہ العزیز کے ساتھ سفر وحضر میں گزارے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس بیس سال کی طویل مدت میں حضرت خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیر ومرشد سے کیا کچھ نہ سنا ہوگا، پھر ان ملفوظات کا

---

[1] ملاحظہ ہو "سیر العارفین" از مولانا جمالی ص ۱۲۹، ۱۳۰ مطبوعہ مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۱ھ۔ [2] ملاحظہ ہو "نفحات الانس" ص ۳۴۹، ۳۵۰ طبع قدیم۔

ایک حرف بھی آخر اس کتابچہ میں کیوں منقول نہیں ؟ حضرات خواجگان چشت کے معارف عالیہ کا اگر کچھ اندازہ لگانا ہو تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اخبار الاخیار" میں حضرت سلطان التارکین خواجہ حمید الدین ناگوری قدس سرہ اور دوسرے اکابر چشتیہ کے تراجم میں ان حضرات کی زبان فیض ترجمان سے جو معارف عالیہ اور علم تصوف کے گراں قدر نکات منقول ہیں ان کا مطالعہ کیجئے اور پھر ان ہفوات سے ان کا مقابلہ کیجئے جو "انیس الارواح" میں بیان کی گئی ہیں گوہر و خزف میں جو فرق ہے وہی فرق آپ کو نمایاں طور پر ان دونوں کے مندرجات میں معلوم ہوگا۔ "انیس الارواح" کے ملفوظات کی اگر واقعی کوئی حیثیت ہوتی تو تمام اکابر سلسلۂ چشتیہ میں ان کا وہ چرچا ہوتا کہ باید و شاید۔ جاہل معتقدوں اور بے علم مجاوروں نے معلوم نہیں اپنی طرف سے کیا کیا گھڑ کر ان حضرات اکابر کے نام لگا دیا ہے۔ مولانا جمالی نے "سیر العارفین" میں اس سلسلہ میں حضرت چراغ دہلی قدس اللہ سرہ کی زبانی جو کچھ نقل کیا ہے وہ گوش ہوش سے سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں۔

نقل است از حمید قلندر کاتب ملفوظ "خیر المجالس" ایشاں کہ یکے بحضرت شیخ نصیر الملۃ والدین محمود قدس سرہ عرض نمود کہ در ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ وحضرت خواجہ قطب الدین چنیں نوشتہ دیدم ایشاں بفرمودند کہ ایں نسخہا بر من رسیدہ اند حاشا کہ از ایشاں باشد دراں جا بسیار کلمات مجاوراں و معتقداں ناوقوف نوشتہ اند کہ ہرگز موافق احوال و اقوال ایشاں نیست۔ (ص ۹۵)۔

حمید قلندر سے جو حضرت کی "خیر المجالس" کے کاتب ہیں منقول ہے کہ ایک شخص نے نصیر الملۃ والدین محمود قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ، اور حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے ملفوظات میں میں نے ایسا لکھا دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ باتیں مجھے بھی پہنچی ہیں حاشا وکلا کہ ان حضرات نے ایسا فرمایا ہو، ان ملفوظات میں ایسی بہت سی باتیں بیوقوف مجاوروں اور معتقدوں کی لکھ دی گئی ہیں جو ہرگز ان خواجگان عالیشان کے احوال و اقوال کے موافق نہیں۔

افسوس ہے کہ ان بزرگوں کی طرف انتساب کی وجہ سے "انیس الارواح" جیسے کتابچے کو زمانہ قدیم سے عوام میں غلط شہرت حاصل ہوگئی ہے اور بعد کو زرطلب تاجروں نے بغیر تحقیق کئے ان کے تراجم اردو میں شائع کرکے خوب تجارتی فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ سب سے پہلے لکھنؤ میں۔ "انیس الارواح" کا ترجمہ "رفیق الارواح" کے نام سے شائع ہوا جو محمد فضل اللہ صدیقی حنفی لکھنوی کا کیا ہوا ہے۔ اور بعد کو پھر مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۱۲ھ میں اس کی دوبارہ طباعت عمل میں آئی۔ اور اس کے بعد پنجاب کے مشہور تاجر کتب ملک چنن الدین نے "اللہ والے کی قومی دکان" سے "ہشت بہشت" کے نام سے ایک مجموعہ شائع کیا جو حضرات اہل چشت کے آٹھ مختلف ملفوظات کے تراجم کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ کا پہلا حصہ "انیس الارواح" کا ترجمہ ہے۔ اور اب حال میں مکتبہ فریدیہ ساہیوال سے اس کا تیسرا ترجمہ نہایت آب و تاب سے شائع ہوا ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ ان مترجمین نے بھی اپنے ترجموں میں جابجا تصرفات کئے ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمہ اللہ کی طرف بھی ایک رسالہ کی غلط شہرت ہوگئی ہے جو "حکم نامہ شیخ شرف الدین" کے نام سے مشہور ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں

> "ورسالہ دیگر درعوام الناس شہرت دارد کہ او را "حکم نامہ شیخ شرف الدین" میگویند، ظاہر آنست کہ آں از مخترعات عوام است"۔ (ص ۱۲۷، طبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ)۔

اسی طرح بعض اہل مطابع حضرت خواجہ اجمیری و حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ تعالےٰ کے نام سے بعض فارسی دیوان طبع کرکے شائع کر رہے ہیں جن کا انتساب ان حضرات کی طرف قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کی صحیح تعلیمات کی قدر کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی سچی توفیق عطا فرمائے اور ان حضرات اکابر کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے سے محفوظ فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد عبدالرشید نعمانی

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ بروز سہ شنبہ

مولانا عبدالرشید نعمانی

انسان کی وراثت

"انسان کی وراثت"

از سرکار زینی جارچوی ۔ تقطیع متوسط ۔ کاغذ رف ۔ تعداد صفحات :- ۲۵۴
قیمت -/۲۵ روپے ۔ شائع کردہ :- "بلغ ما انزل اللہ" ناظم آباد ۔ کراچی

اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قرابتداروں کے لئے زکوٰۃ وصدقات کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا ۔ اسی طرح آپ نے اپنی کوئی میراث بھی نہیں چھوڑی کہ جو آپ کی وفات کے بعد ان میں تقسیم کی جاتی ، تاکہ کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ نبی مال جمع کر کے اپنی اولاد واقارب کے لئے چھوڑ جاتے ہیں جن لوگوں نے بھی سیرتِ نبوی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام حیات مبارکہ میں آپ کی جو آمدنی بھی ہوتی تھی اگر وہ زکوٰۃ وصدقات کی مد کی ہوتی تو اس کو فوراً فقراء ومساکین اور ارباب حاجت میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور اگر ہدایا کی مد میں ہوتی تو بقدر کفاف اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے رکھ کر باقی سب مستحقین کو عطا فرما دیا کرتے تھے ۔ فئے ۔ خمس ، غنیمت کے اموال میں آپ کا تصرف متولّی اور صاحب الامر کی حیثیت سے تھا ، ذاتی ملکیت کی حیثیت سے نہیں ۔ ان سب مدات کے مصارف کی تفصیلات قرآن کریم اور احادیث میں مذکور ہیں ۔ لیکن یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اصل حاملانِ دین ہیں ۔ جن کی مساعی کی بدولت اسلام پھیلا ، اس کی اشاعت ہوئی ۔ ملک فتح ہوئے اور آدھی دنیا اسلام کے زیرنگیں آگئی ۔ یہی لوگ اصل حاملانِ دین ہیں جن کے ذریعہ قرآن کریم کی حفاظت ہوئی ۔ اسی کی تدوین ہوئی ۔ اور نہ صرف کتابی صورت میں مدون ہوا

بلکہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے حافظہ میں منتقل ہو کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا اور آج بھی حق تعالیٰ کے فضل سے ہر شہر اور ہر قصبے میں قرآن مجید کے حفاظ موجود ہیں۔ ان لوگوں نے نہ صرف قرآن کریم بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کو اس کی اصلی حالت میں محفوظ رکھا۔ آپ کے تمام اقوال، افعال، احوال بلکہ آپ کی ہر ادا کو یاد رکھا۔ ہزاروں لاکھوں محدثین نے حدیث پاک کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں وقف کر دیں۔ فقہاء نے اسلامی قانون کی تدوین کی۔ متکلمین نے عقائد اسلامی کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ صوفیہ اور اہل دین نے اخلاص عمل پر محنت کی۔ مجاہدین نے اسلام برپا کرنے کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں۔ غرض آج تمام عالم میں جہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہے۔ وہ ان ہی غازیان اسلام کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور اسلامی تعلیمات کا جو سرمایہ کتاب و سنت کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ وہ ان ہی علمأ ربانیین اور بزرگان دین کی مساعی حسنہ کا نتیجہ ہے اور آج بھی ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ۔

ہنوز آں ابر رحمت درافشان است　　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

یہ اہل اسلام اور اصل حاملان ملت وہی ہیں جو "اہل السنت والجماعت" کے نام سے معروف ہیں لیکن جس طرح ہر باغ و بوستاں میں بہت سے بیکار، خراب، خودرو پودے اور درخت ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو گل و گلزار کی زینت کو تباہ اور اس کی بہار کو برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اور باغ کا مالی ہر وقت ان کو کاٹنے اور نکالنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اسی طرح باغ اسلام میں بھی وقتاً فوقتاً "حاملان ملت" کے ساتھ ساتھ "نوابت ملت" کی روئیدگی کا سلسلہ بھی جاری ہے اور علمأ راسخین ہر دور میں ان نوابت کا قلع قمع کرتے رہے ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد سے لیکر آج تک کتنے باطل فرقے ظاہر ہوئے اور فنا ہو گئے۔ یہ اہل علم سے مخفی نہیں لیکن ان نوابت میں بعض ایسے سخت جان بھی ہیں جو تقیہ اور کتمان کے دبیز پردہ میں روپوش ہو کر ہر زمانے میں اپنے آپ کو بچا کر چلتے رہے۔ اور جب بھی موقع ملا۔ مار آستین کی طرح "حاملین ملت" کو ڈستے رہے۔ ابن علقمی اور نصیر دین الکفر والشرک محقق طوسی نے زوال بغداد کے سلسلہ میں جو کچھ کیا سب کو معلوم ہے۔ خلافت عباسیہ کا خاتمہ ان ہی کی سازش سے ہوا۔ ۹۱۴ھ تک ایران میں اہل السنۃ کی عملداری تھی صفویوں نے جس طرح سازش کر کے ایران پر قبضہ جما لیا۔ سب جانتے ہیں۔ ہندوستان میں سادات بارہ جو کچھ کرتے رہے وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ دکن کی ریاستیں جس طرح وجود میں آئیں اور لکھنؤ پر جس طرح انہوں نے قبضہ کیا آشکارا ہے۔ حتیٰ کہ تقسیم برصغیر کے بعد حیدر آباد دکن کی ریاست آصفیہ کو تباہ کرنے میں بھی معین باور

جنگ نے جس طرح ہندوؤں سے مل کر سازش کی وہ بھی مخفی نہیں۔ اب خمینی صاحب حرمین پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور زینی سرکار جاچوی زیر تبصرہ کتاب کا خاتمہ " لٹکتی ہوئی تلوار " کے عنوان سے کرتے ہوئے تنبیہ کرتے ہیں:۔

" آج کل عالمی سیاست جس نہج پر چل رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی حقدار مدعی کا عالمی سطح پر حمایت حاصل کرنا مشکل نہیں رہا ہے۔ اسرائیل اپنی آبائی میراث اسی طرح حاصل کر چکا ہے۔ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے ہے ..... ہندی قوم نے بابری مسجد قبضہ کرلی ہے اور اس کی بنیادوں پر مندر تعمیر کیا جارہا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ دعوے بہر حال اجتماعی وراثت کی بنیاد ہی پر کئے گئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے۔ ملک، قوم، مذہب اور عقیدے کے تعلق سے انفرادی وراثت بھی اجتماعی حق وراثت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جب تک وارث اور وراثت کا وجود باقی رہتا ہے، حق وراثت بھی بحال رہتا ہے۔ چاہے اس پر صدیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں۔

آج وارث کی حیثیت میں آل رسول موجود ہے اور وراثت کی حیثیت میں علاقہ حجاز (جس میں خیبر و فدک واقع ہیں) بھی موجود ہے۔ لہٰذا یہ خدشہ ہر لمحہ موجود ہے کہ کسی دن بھی " سادات عظام " متحد ہو کر عالمی سطح پر اپنی مقبوضہ و مغصوبہ وراثت کا دعویٰ کریں ایسی صورت میں اس امر کا واضح امکان موجود ہے کہ چند سیاسی اور مخالف طاقتیں اس دعویٰ کی حمایت میں آواز بلند کریں گی۔ اور عملی اقدام سے بھی گریز نہ کر سکیں گی۔ ایسا متوقع لمحہ فکریہ ہے!" (ص ۲۵۳، ۲۵۴)

کیا کوئی صاحب سرکار زینی سے یہ پوچھنے کی جرأت کریں گے کہ سرکار جس طرح " آج وارث کی حیثیت میں آلِ رسول موجود ہے "۔ اسی طرح خیبر فدک کے اصل وارث بنی اسرائیل جو خود بھی آل رسول ہیں۔ موجود ہیں کیونکہ اسرائیل علیہ السلام بھی رسول ہی تھے اور وہ آپ سے پہلے خیبر و فدک و مدینہ کے دعویدار ہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے فدک خیبر اور بنی النضیر کی زمین کو حضرت فاطمہ سے چھین لیا۔ (معاذ اللہ) اور بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) خود فاطمہ کے والد ماجد نے بزور شمشیر ہم سے ہماری زمینیں لی ہیں۔ آپ خلیفہ رسول کو مطعون کرتے ہیں اور وہ خود رسول پاک کو۔ آپ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اس

لئے وہ اس سلسلہ وراثت میں آپ سے پہلے حقدار ٹھیرے۔ پھر آپ نے خدا لگتی کیوں نہ کہی اور ان کو اپنے سے مقدم کیوں نہ رکھا؟ یا " سادات عظام " اور بنی اسرائیل میں پہلے سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے۔ جس سے آپ عالم اسلام کو بے خبر رکھنا چاہتے ہیں یا جس طرح آپ کے پیش رو ابن سبا یہودی کے کہنے پر چلے۔ آپ بھی ان کے اکسانے پر فتنہ انگیزی پر آمادہ ہیں اور عالم اسلام کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟

ذرا غور فرمائیے کہ اس ذہنیت اور مزاج کا شخص جب کسی موضوع پر قلم اٹھائے گا تو کیا گل کھلائیگا۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

بہر حال زیر تبصرہ کتاب بے بسم اللہ کے شروع ہوتی ہے اور جب بسم اللہ ہی ندارد ہے تو حمد و ثنا کا کیا ذکر؟

زینی صاحب نے سرورق پر لکھا ہے " یہ قطعاً غلط ہے کہ انبیاؑ کی وراثت نہیں ہوتی "۔ اور اپنے زعم میں اسی بات کا ثبوت سائنس، تاریخ اور مذہب سے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ صاف ناکام نظر آتے ہیں۔

انتساب، استحسان اور فہرست مضامین کے بعد، کتاب زینی صاحب کے اُن پرکھوں کی تصویروں سے شروع ہوتی ہے جو اُن کے خیال کے مطابق " پانچ کروڑ سال قبل زمین پر شہری زندگی گزارنے والے ڈائنوسار نما انسانوں کا ایک کنبہ تھا "۔ تصویر میں ان سب کے دُمیں لٹکی ہوئی نظر آرہی ہیں، جو انسانوں کی بنسبت گوریلوں اور بندروں سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر زینی صاحب بضد ہیں کہ نسل انسانی کا آغاز زمین میں انہیں جانوروں سے ہوتا ہے اور وہی ان کے جدّ امجد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

" فلاسفہ قدیم اور سائنس دانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبات ہی ترقی کر کے حیوان کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے "۔ (ص ۱۳)

" قدیم فلاسفہ اور جدید سائنس داں اس امر پر متفق ہیں کہ انسان حیوانیت ہی کی راہوں سے گزر کر انسانیت کی منزل تک پہنچا ہے کوئی بیس لاکھ سال قبل تک یعنی سنگی دور سے پہلے انسان حیوانات کی طرح زندگی گزارتا تھا "۔ (ص ۲۶)

" ایک کروڑ سال قبل حیوان انسان میں تبدیل ہونا شروع ہوا۔ ۷۰ لاکھ سال قبل پہلی انسانی نسل " بوزنے تیھکن تھروپس " سے پیدا ہوئی۔ جو انسان کم اور حیوان زیادہ تھی۔ بیس لاکھ سال قبل پہلی باشعور انسانی نسل پیدا ہوئی "۔ (ص ۲۹)

سرکار زینی اس کو ماننے پر بھی تیار نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں :۔

"حضرت آدم (علیہ السلام) کے والدین نہ تھے — اس میں ہمیں کلام ہے" (ص ۱۲۴)

یہ وہ فلسفہ ہے جس پر زینی صاحب کو پورا پورا یقین ہے۔ ہم اس فلسفہ کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ   پس کل آں ہم سفہ باشد کہ حکم الکل حکم الاکثر است

خود زینی صاحب ہی لکھتے ہیں :۔

"تاریخ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے، جو ہمیں ماضی کے حالات و واقعات اور عصری تبدیلیوں سے آگاہ کرتا ہے لیکن خود تاریخ کی اپنی عمر پانچ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے تو ہم کیونکر اس سے قبل کے زمانے کے حالات معلوم کر سکتے ہیں" (ص ۲۹)

اسی کے ساتھ ان کے یہ الفاظ بھی پڑھنے کے قابل ہیں کہ :۔

"قرآن نے چودہ سو سال قبل ایسے مسائل کا حل آسان الفاظ میں بیان کیا ہے جو مستقبل میں دریافت ہونے والے تھے۔ انہی میں سے ایک وراثت کا مسئلہ ہے۔ تخلیق کائنات اور افزائش نسل کے متعلق جو تصورات قرآن نے دیئے تھے۔ وہ نزول قرآن کے وقت بلکہ آئندہ کئی صدیوں تک نامعلوم رہے۔" (ص ۱۳)

مصنف کی اس تصریح سے پتہ چلا کہ حضرات ابو الائمہ اور ان کی ذریت میں بقیہ گیارہ امام بھی جن کو عالم ما کان و ما یکون بتایا جاتا ہے۔ ان حقائق سے جن کو مصنف نے اس زور شور سے بیان کیا ہے بے خبر تھے۔ کیونکہ ان سب حضرات کے عہد پر نظر ڈالی جائے۔ تو وہ نزول قرآن کے وقت سے شروع ہو کر تیسری صدی میں ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے امام غائب کے کہ ان کا وجود مصنف جیسے حضرات کے ذہن کا مرہون منت ہے۔ معلوم ہوا یہ وراثت کا مسئلہ جس کے ثبوت کے لئے جناب زینی نے اس قدر کاوش کی ہے۔

"نزول قرآن کے وقت سے لیکر آئندہ کئی صدیوں تک نامعلوم ہی رہا۔"

اور اس عرصہ میں تمام عالم اسلامی بشمول ائمہ اہل بیت اس سے ناواقف ہی رہا۔ بعد کو کئی صدیاں گزر جانے

پر جس طرح جناب مصنف کو فلاسفۂ قدیم اور سائنس دانوں کے طفیل مسئلہ ارتقاء سے واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ ان کے بڑوں کو عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم خیال لوگوں کے طفیل پتہ چلا کہ انبیاء کی میراث علم نبوت نہیں۔ بلکہ وہ زر، زمین اور جائیداد ہے جس کو وہ اپنی زندگی میں حاصل کر کے اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ذہنی صاحب کہتے ہیں کہ:۔

"یہ قطعاً غلط ہے کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی"

کتاب کا پہلا عنوان ہے "وراثت سائنس کی نظر میں" ص ۹ تا ص ۲۷۔ فرماتے ہیں:۔

"سائنس کی نظر میں جنسی عمل نسل کی بقاء کے لئے وراثت کے انتقال کا عمل ہے۔ یعنی ایک جسم اپنے تمام خواص ظاہری و باطنی دوسرے جسم کو منتقل کرتا ہے یہ خواص منتقل کرنیوالا باپ اور جسے منتقل کیا جائے وہ بیٹا کہلاتا ہے۔ ایک والد دوسرا مولود۔ یہی وجہ ہے کہ مولود اپنے والد کے تمام خواص و صفات، رنگ و قد کا حامل ہوتا ہے "الولد سر لابیہ" یعنی بیٹا باپ کا ثانی ہوتا ہے" (ص ۹)

اس سلسلۂ ولادت کو آپ کے خیال میں سائنس "وراثت کا نام دیتی ہے تو یہ محل نزاع کب ہے۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ "کیا پیغمبر اپنی کچھ میراث چھوڑ کر مرتے ہیں یا نہیں؟" اور یہ عجیب سائنس ہے کہ جو حقائق سے کشتی لڑتی ہے آپ کی سائنس آپ کو بتاتی ہے کہ۔

"ایک جسم اپنے تمام خواص ظاہری و باطنی دوسرے جسم کو منتقل کرتا ہے"

اگر یہ کلیہ صحیح ہے تو پیغمبر کا بیٹا پیغمبر اور امام کا بیٹا امام ہونا چاہیئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے خاندان سے امامت گم ہو گئی اور پورے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں منحصر ہو کر رہ گئے۔ کیوں کافر کی صلب سے مومن پیدا ہوتا ہے اور مومن کی صلب سے کافر۔ کم از کم سادات عظام تو سب معصوم ہی ہونے چاہیئے تھے۔ یہ تو ہوا خواص باطنی کے انتقال کا مسئلہ اور خواص ظاہری کے بارے میں جو آپ کی سائنس نے آپ کو یہ بتلایا ہے کہ:۔

"مولود اپنے والد کے تمام خواص و صفات رنگ و قد کا حامل ہوتا ہے، بیٹا باپ کا ثانی ہوتا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ کوتاہ قامت دراز قد کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ نہ دراز قد کوتاہ قامت کا۔ نہ کالے کے گوری اولاد ہو سکتی ہے نہ گورے کی کالی۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے آپ کی اس سائنس کے کہ ہر وقت آنکھوں میں دھول

ڈالنے کے لئے تیار ہے ۔ اسی سائنس کے برتے پر آپ " وراثت انبیاء " کا مسئلہ حل کرنے نکلے ہیں ۔

دوسرا عنوان ہے " وراثت تاریخ کے آئینے میں " ص ۲۸ تا ۵۴ سمیریوں کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے زینی صاحب لکھتے ہیں :۔

" وہ توارث کے خود کار عمل اور وراثت کے باپ سے بیٹے کو منتقل ہونے کا راز معلوم کر چکے تھے وہ بیٹے کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور سب سے پہلے بیٹے کو باپ کی قوت کا مظہر جانتے تھے اسی لئے منصب یا عہدہ کی وراثت پہلوٹے کو منتقل ہوتی تھی ۔ بعد میں دیگر اقوام عالم خصوصاً بنی اسرائیل نے اس ضابطہ کو پوری طرح اپنا لیا تھا ۔ حتیٰ کہ وہ جانوروں کے پہلوٹے کو بھی اہمیت کا حامل جانتے اور اسی کو اپنے خدا کے لئے مخصوص کرتے تھے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی قربانی اپنے پہلوٹے ہی کی دی تھی " (ص ۳۲ و ۳۳)

اگر زینی صاحب کے لئے یہ تاریخ بڑی پرکشش ہے اور وہ اس کو شرع محمدی پر بھی نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے مجتہدین کو مشورہ دیں کہ وہ اس، کو اپنائیں اور پہلوٹے کے ان احکام کو فقہ امامیہ میں شامل کریں ۔ ہم تو کفار کی رسوم کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دے سکتے ۔ زینی صاحب خواہ کتنا ہی اس کو بطور حجت پیش کریں اور اگر یہ تاریخ ان کے لئے حجت ہے تو ذرا بتائیں کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلوٹے لڑکے کو امامت کے منصب سے کیوں محروم رکھا گیا ۔ اور یہ بھی سوچیں کہ آپ کی یہ سائنس کیا صرف پہلوٹے ہی پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسری اولاد پر اس کا کچھ بس نہیں چلتا ۔

اس عنوان کے تحت زینی صاحب نے دوبارہ ان بندروں اور گوریلوں کی پانچ تصویریں دی ہیں جن کی جنس سے وہ اپنی نسل کا آغاز بتاتے ہیں ۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے صاف لفظوں میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ :۔

" ترکہ کی تاریخ داخلی وراثت کی طرح بہت زیادہ پرانی نہیں ہے " (ص ۳۷)

اس بحث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار زینی ، سرمایہ داری کے حق میں نہیں ، اور وہ اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ نہایت مذموم سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ وہ " ملکیت اور اس کے ذرائع " پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" فطرت نے ملکیت کا صرف ایک ہی ذریعہ قرار دیا تھا ۔ اور وہ ذریعہ تھا محنت اور

ملکیت کی حد بھی بقدر محنت۔ یہ ایک ایسا اصول تھا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہمیشہ کی مساوات کے قیام کا حتمی ذریعہ تھا۔ آخر ایک انسان کہاں تک محنت کر سکتا ہے صرف اپنی قوت برداشت کی حد تک یہی اس کی ملکیت کی آخری حد بنتی ہے۔ پھر یہ ترکہ بن کر اولاد میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس طرح ملکیت میں اضافہ کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ نہ سرمایہ داری کا دروازہ کھلتا ہے قرآن نے "لیس للانسان الا ما سعی" کہہ کر یہی اصول اسلام کو دیا تھا۔ مگر ہم نے اس کو عبادت سے متعلق کر کے سرمایہ داری کی راہ ہموار کر دی۔

جب تک انسان دورِ فطرت میں زندگی گزارتا رہا۔ سرمایہ داری میں مساوی رہا۔ مگر جوں ہی اس نے شعور کے دائرہ میں قدم رکھا اس نے ملکیت کے حصول کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور دوسروں کی محنت کا ثمر خرید کر سرمایہ کے ذخیرہ کرنے کا آغاز کیا۔ چنانچہ قدیم ترین انسانی معاشرہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ سمیری تہذیب کے باقیات سے جو اب دستیاب ہوئے ہیں پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں دوسروں کی محنت کا حاصل خرید کر ملکیت میں اضافہ اور ذخیرہ اندوزی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کی ابتداء غالباً مندر کے پروہتوں کی اختراع تھی۔ دیوتاؤں پر قربانی کا گوشت، اون اور کھالیں، پروہت ذخیرہ کرنے لگے تھے۔ بھوکے غریبوں کو وہ بہت کم تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ "کے ایل ہاشم" نے اپنی کتاب "ہندوستان کا شاندار ماضی" میں قدیم ہندوستان کے ابتدائی مذہبی دور میں قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کا طریقہ ایجاد کرنے کا ذکر کیا ہے۔"

"پروہتوں ہی نے عوام کو دیوتاؤں کے لئے نذرانہ پیش کرنے کی ترغیب دلائی جس سے ان کی دعائیں قبول ہوں۔ اور دیوتا ان سے خوش ہو کر ان کے گلوں میں اضافہ اور زراعت میں برکت دیں، نیز بیماری اور آفات کو ان سے دور کر دیں۔ یہ نذرانے اتنی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے کہ کہ مندروں کی عمارت میں مزید کوٹھڑیاں تعمیر کرنا پڑتی تھیں۔ اور یہ نذرانے ان میں ذخیرہ کئے جانے لگے تھے۔" (ص ۴۱ و ۴۲)

لیکن پانچویں عنوان "وراثت انبیاء" کے تحت انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی کثرت دولت اور ان کی ذخیرہ اندوزی کی جو تفصیل دی ہے وہ کچھ پروہتوں کے گھناؤنے کردار سے جدا نہیں معلوم ہوتی۔ ناظرین

دونوں بحثوں کا بغور جائزہ لیں۔ اب یا تو زیدی صاحب نے انبیاؑ کی دولت اور سرمایہ داری کا جو فسانہ سنایا ہے وہ محض جھوٹ ہے یا انہوں نے سرمایہ داری کی مذمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے ویسے یہ حقیقت ہے کہ زیدی صاحب انبیاؑ کو پروہت نہ صرف سمجھتے بلکہ لکھتے بھی ہیں چنانچہ (ص ۵۲) پر تحریر ہے۔

"مندروں میں پروہت کی جگہ اس کا بیٹا پروہت ——— کے منصب پہ فائز ہوتا۔ یہ طریقہ بنی اسرائیل میں مدت مدید تک جاری رہا۔ خیمہ اجتماع کے تیاری کے بعد سب سے پہلے پروہت یا کاہن حضرت ہارون مقرر ہوئے اور ایک خدائی حکم کے مطابق یہ عہدہ ان کی نسل میں وراثت قرار دیا گیا" (خروج باب ۲۹)

یہی وہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ان سے فرمایا تھا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ پھر اب کیا زیدی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امت کا سب سے پہلا پروہت اور ان کی اولاد کو جنہیں وہ امام معصوم مانتے ہیں اپنے اپنے دور کے پروہت کہنے پر راضی ہوں گے (ونعوذ باللہ من ذالک)

اسی بحث میں زیدی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ :۔

"زمین دائمی ملکیت کسی شخص کی نہیں ہو سکتی ..... مذہبی دنیا میں دو شخصیتیں ہی ایسی ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے زمین پر مالکانہ تصرف بخشا اور یہ ملکیت ان کی اولاد میں بطور وراثت منتقل ہوتی رہی۔ ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کی

لہ یہ بھی صریح غلط بیانی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت ان کی اولاد میں کبھی منتقل نہیں ہوئی۔ زیدی صاحب کے حواس اُن کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں بندہ خدا تم نے تو ساری کتاب میں یہی واویلا کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور علیہ السلام کے ترکہ میں سے کچھ نہیں دیا گیا۔ اگر حضور علیہ السلام کی ملکیت ان کی اولاد میں بطور وراثت منتقل ہوتی رہی ہے تو پھر کاہے کو اتنے اوراق سیاہ کئے اپنا وقت تو ضائع کیا ہی تھا۔ قارئین کا دماغ بھی بلا وجہ کھایا اور جب مذہبی دنیا میں یہی دونوں شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کی ملکیت ان کی اولاد میں بطور وراثت منتقل ہوتی رہی۔ تو پھر آپ نے دوسرے انبیاؑ کی وراثت کو ان کی اولاد میں کیوں تقسیم کرایا ہے۔ خدا کے بندے کبھی تو سچ بولو۔

وحدت پرستی سے خوش ہو کر خدائے تعالیٰ نے سرزمین کنعان دینے کا وعدہ کیا اور جب حضرت ابراہیم کنعان پہنچ گئے اور حضرت لوط ان سے الگ سدوم میں رہنے لگے تو اللہ نے حضرت ابراہیم سے خطاب کیا۔

"اور لوط کے جدا ہو جانے کے بعد خداوند نے ابرام سے کہا کہ اپنی آنکھ اٹھا اور جس جگہ تو ہے وہاں سے شمال اور جنوب اور مشرق اور مغرب کی طرف نظر دوڑا کیونکہ یہ تمام ملک جو تو دیکھ رہا ہے تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لئے دوں گا"

(پیدائش باب ۱۳ - نشان ۱۶)

ایک اور مقام پر جب حضرت ابراہیم بے اولاد ہونے پر رنجیدہ اور شاکی تھے اللہ نے اولاد کی خوش خبری دی اور کہا۔

"اور اس (اللہ) نے اس (ابراہیم) سے کہا کہ میں خداوند ہوں جو تجھے کسدیوں کے "اور" سے نکال لایا کہ تجھے یہ ملک میراث میں دوں" (پیدائش باب ۱۵ نشان ۸)

"اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان کا خدا ہوں گا" (باب ۱۷ - نشان ۹)

"یہ سرزمین حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو دی گئی اور وہ ان کی اولاد میں برابر بطور وراثت منتقل اور تقسیم ہوتی گئی" (ص ۴۶ و ۴۷)

فہم رسا ہو تو ایسی ہو۔ تسلط، اقتدار اور تولیت کو جناب والا شخصی ملکیت سمجھ بیٹھے اور لگے میراث تقسیم کرنے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ "جب ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں ان کی یہ ملکیت بطور وراثت منتقل ہوتی رہی" تو ان کے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی ذاتی ملکیت سے کیا ملا۔ کنعان کا کونسا حصہ حضرت اسمٰعیل کے قبضہ میں آیا۔ سارے قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے پھر ذرا اس کی تفصیل تو بتلایئے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس متروکہ زمین کے کس حصے کے وارث تھے۔ یا یہ فرمایئے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سرے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہ تھے حضرت اسمٰعیل کے بارے میں کچھ نہ بتا سکیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اولاد ہی کے بارے میں

ذرا سوچیے یہ کس کی میراث تھی جو ان کو دی گئی۔ کیا یہ ان کے باپ آذر کا ترکہ تھا۔

لکھنے کہ کس کو وراثت میں کتنا حصہ ملا۔ کیا کہنا اس تحقیق انیق کا۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

البتہ آپ کے قول سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں کسی نبی کے پاس جائیداد غیر منقولہ نہ تھی اور نہ وہ کسی قطعہ زمین کا مالک تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت آدم، حضرت شیث حضرت ادریس اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث کی بابت جو کچھ لکھا ہے محض غلط ہے۔ (جاری ہے)

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ

انسان کی وراثت

اس کے بعد لکھا ہے کہ :۔

"دوسری مکرم شخصیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ آنجناب کو فتح خیبر کے موقع پر "فدک" کی سرزمین عطا کی گئی اور کہا گیا۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم (اور جو کچھ اللہ نے ان سے اپنے رسول کو دیا) ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ[1] (اور جو کچھ اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے لے کر دے دے۔ سو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے ورثاء کا۔ (سورۂ حشر آیت ۶-۷)

تمام مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ بنی النضیر کی چھوڑی ہوئی زمین اور خیبر کے قریب موضع فدک کے مضافات کی زمین سے متعلق آیات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دائمی ملکیت میں دے دی تھی اور اس امر کا باقاعدہ مسلمانوں میں اعلان کر دیا تھا۔"

(ص ۴۷-۴۸)

ممکن ہے زینی صاحب کے اپنے آبائی قرآن میں آیت مذکورہ لذی القربیٰ پر ختم ہو گئی ہو۔ آگے کچھ نہ ہو اس لئے ان کو اپنے قرآن میں صرف "رسول کے ورثاء" کا ہی حصہ نظر آیا۔ اور آگے کچھ نہ ملا لیکن ہم مسلمان جس قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اس میں لذی القربیٰ پر آیت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے آگے بھی مذکور ہے اور "فئی" کے مستحقین کا ذکر دسویں آیت پر جا کر تمام ہوتا ہے اگر زینی صاحب کے پاس مسلمانوں کا قرآن کریم موجود ہے تو وہ سورۂ حشر کی ان آیات کا بھی مطالعہ کر لیں۔

---

[1] ذی القربیٰ" کا ترجمہ قرابت دار ہے۔ ورثاء نہیں۔ کیونکہ نبی کی وراثت نہیں ہوتی۔ یہ ترجمہ قرآن مجید میں معنوی تحریف کی ایک مذموم کوشش ہے۔

ما أفاء الله على رسوله من اهل
القرى فلله وللرسول ولذى
القربى واليتمى والمساكين وابن
السبيل كى لا يكون دولة بين
الاغنياء منكم ط وما اتاكم الرسول
فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا ج
واتقوا الله ط ان الله شديد
العقاب ٥ للفقراء المهجرين
الذين اخرجوا من ديارهم
واموالهم يبتغون فضلا من
الله ورضوانا وينصرون الله
ورسوله ط اولئك هم الصادقون
والذين تبوؤا الدار و
الايمان من قبلهم يحبون
من هاجر اليهم ولا يجدون
فى صدورهم حاجة مما
اوتوا ويؤثرون على انفسهم
ولو كان بهم خصاصة ط
ومن يوق شح نفسه فاولئك
هم المفلحون ٥ والذين
جاءو من بعدهم يقولون ربنا
اغفرلنا ولاخواننا الذين
سبقونا بالايمان ولا تجعل

جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں
والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے
اور قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں
کے اور مسافر کے تا کہ نہ آئے لینے دینے میں
دولتمندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو
رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو
چھوڑ دو۔ اور ڈرتے رہو۔ اور بیشک اللہ کا
عذاب سخت ہے یہ مال واسطے ان مفلسوں
وطن چھوڑنے والوں کے ہے جو نکالے ہوئے
آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں
سے ڈھونڈھتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور
اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی
اور اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے
اور واسطے ان لوگوں کے جو جگہ پکڑ رہے ہیں
اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ
محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے
ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی
اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم
رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو
اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے
تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے، اور واسطے
ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے
اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو

في قلوبنا غلا للذين آمنوا	جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور
ربنا انك رؤف رحيم ۔	نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا
	اے رب تو ہی ہے ۔ نرمی والا مہربان ۔

معلوم ہوا " مال فئی " صرف قرابتداروں کے لئے مخصوص نہیں ۔ بلکہ اس میں بنص قرآنی یتامیٰ مساکین ، ابن السبیل (مسافر) فقرا مہاجرین ، انصار مدینہ جنہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مہاجرین کا استقبال کیا اور ہر طرح سے ان کی مدد کی اور وہ سب مسلمان جو صحابہ سے بیر نہیں رکھتے اور ان کے ایمان کے اقراری ہیں اور ان کے حق میں ہمیشہ کلمہ خیر کہتے اور ان کے ثنا گو ہیں ۔ ان سب کا حق ہے ہاں جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " جو شخص صحابہ سے بغض رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کے لئے " مال فئی " میں کچھ حصہ نہیں ۔

بلاشبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہد مبارک میں " اموال فئے " خاص حضور علیہ السلام کے اختیار و تصرف میں تھے لیکن حق تعالیٰ نے " سورہ حشر " کی آیات مذکورہ نمبر ۷ ، ۸ ، ۹ / ۱۰ میں آپ کو ہدایت فرمادی کہ مذکورہ مصارف میں ان کو صرف کیا جائے ۔ آپ کی وفات کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں ۔ لیکن ان کا تصرف مالکانہ نہیں حاکمانہ ہوتا ہے ۔ وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالح میں خرچ کرے گا " مال فئے " صرف سادات کا حق نہیں کہ وہ عام مسلمانوں کو محروم کر کے اس پر اپنا حق جتائیں ۔ ہاں حضور علیہ السلام کے زمانے میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور اُن میں فقیر کی بھی قید نہ تھی ۔ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو دولتمند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا ۔ اب آپ کے بعد فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے قرابتدار جو حاجت مند ہوں امام کو چاہیئے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے ۔ قرآن کریم نے تو کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم فرما کر اس امر کی نفی کی تھی کہ " اموال فئے " پر کسی ایک طبقہ کا تسلط و اجارہ ہو اور سرمایہ اسی طبقہ میں منحصر ہو کر رہ جائے ۔ لیکن زینی صاحب اسی آیت کے ذریعہ " بنی فاطمہ " کی اس پر اجارہ داری قائم کر کے ان کے ہر فرد کو امیر سے امیر تر اور ملک کا سب سے بڑا سرمایہ دار بنا کر ساری امت کے یتامیٰ مساکین ابن السبیل ۔ فقرا اور عام لوگوں کو محروم کرنا چاہتے ہیں ۔

تیسرا عنوان ہے " تاریخ کا دوسرا دور" ص ۴۵ تا ۶۵ اس عنوان کے تحت ان کی تحقیق یہ ہے:

"دوسرا دور تاریخ ایک اندازہ کے مطابق اٹھارہ سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اس دور کی ابتداء سے آج تک وراثت کے فطری قانون کو تو نہیں بدلا جا سکا لیکن ایسے جواز اور فریب کارانہ طریقے ضرور اختیار کئے جانے لگے جن سے وراثت پر ناجائز قبضہ کر لیتے یا اس کا کچھ حصہ اپنا لیتے تھے۔ چونکہ مورث اپنی زندگی میں ردّوبدل کا فطری حق رکھتا تھا لہٰذا اس حق سے فائدہ حاصل کرنے کی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ کچھ ایسے جواز اختراع کئے گئے جو معاشرے میں ایک رواج کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس رواج کے ذریعے ایک ایسا شخص جو مورث سے کوئی دور کا بھی خونی رشتہ نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی وہ وراثت کا حق دار بن جاتا تھا۔ وصیت کا رواج بھی اسی دور میں پڑا" (ص ۴۵)

چلئے چھٹی ہوئی جب " وصیت " بھی زینی صاحب کے نزدیک فریب کارانہ طریقے میں داخل ہوئی تو اب علی وصی رسول اللہ کا نعرہ لگانا جھوٹ اور فریب کے سوا کیا ٹھیرا۔

اس بحث میں زینی صاحب نے مہمل نگاری کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ مثلاً۔

" آئرلینڈ کے آرچ بشپ جیمس اشیر نے تخلیق آدم کا تعین ۲۳ اکتوبر ۴۰۰۴ ق م کو نو بجے کیا تھا یعنی تین ہزار سات سو قبل مسیح " (ص ۵۵)

ناظرین غور فرمائیں۔ زینی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں اور اس عبارت کا مطلب کیا ہوتا ہے اسی کے ساتھ ان کی یہ تحقیق بھی سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں۔

" قرآن اور بائیبل کے بیان کے مطابق یہ امر حتمی ہے کہ آدم کا ہبوط اس دور میں ہوا۔ جب انسان کھیتی باڑی کے فن کو عروج پر لے آیا تھا۔ یہ وہی زمانہ ہے۔ جب دجلہ و فرات کی وادی میں مہذب انسان زندگی گزار رہے تھے یہ بالکل غلط خیال ہے کہ جب آدم کا ہبوط ہوا تو روئے زمین پر انسان موجود نہ تھا " (ص ۵۵)

یہ بات بھی اس قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں جو آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے ہاں زینی صاحب کے اس قرآن میں ہو جس سے مسلمان آشنا نہیں اور وہ " سرمن رائے " کے کسی غار میں رکھا ہوا ہے تو اور بات ہے

اگر ذہنی صاحب دیدہ و دانستہ غلط بیانی نہیں کر رہے ہیں تو انہیں اپنے دعوٰی کے ثبوت میں آیات قرآنی پیش کرنا چاہئے تھیں۔

ذہنی صاحب کا یہ کہنا کہ:

"آدم کی وراثت ان کی اولاد کی ملکیت میں مخلوط ہو کر منتقل ہوئی۔" (ص ۵۶)

نرا دعوٰی ہے اس کا ثبوت کہاں۔ جھوٹ کے بار بار دہرانے سے صرف احمق فریب میں آتا ہے۔

اور یہ بھی صریح غلط ہے کہ:-

"اس زمانہ کے تمام لوگوں میں صرف ایک نوح تھے جو نیک اور صالح انسان تھے آپ کو تباہ کن طوفان آنے کی قبل از وقت خبر دی گئی اور اس سے بچنے کے لئے ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا گیا اور جانداروں کے جوڑے یعنی نر و مادہ رکھنے کے حکم کا مقصد نظام وراثت کو قائم کرنا تھا۔" (ص ۵۶ و ۵۷)

کیا خوب اس زمانے میں "نیک اور صالح انسان" تو وہ حضرات تھے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور جن کا شمار ان کی امت میں ہے۔ مگر آپ کو ان کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ آپ صرف حضرت نوح علیہ السلام سے واقف ہیں۔ ان کے صحابہ سے نہیں۔ قرآن کریم کی یہ تصریح آپ کی نظر سے نہیں گزری کہ: وما آمن معہ الا قلیل۔ اور حضرت نوح علیہ السلام صرف ایک نیک اور صالح انسان نہیں بلکہ ان کا شمار پیغمبران اولو العزم میں ہے۔ آپ کے ائمہ معصومین فضیلت میں ان کے ہم سنگ کیا۔ پاسنگ بھی نہیں۔ کوئی پیغمبروں کا تذکرہ اس طرح کیا کرتا ہے؟

اور یہ محض جھوٹ ہے کہ:-

"انگور کا ایک باغ .... آپ کی ملکیت تھی جو آپ کے بیٹوں کو منتقل ہوئی۔" (ص ۵۷)

کیونکہ خود ذہنی صاحب ہی اسی صفحہ میں لکھ رہے ہیں کہ۔

"حضرت نوح کے تین بیٹے سم، حام اور یافث ہوئے .... سم کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص فلج نامی پیدا ہوا۔ جو اس کی چوتھی پشت سے تھا۔ یہ شخص ذہین اور خاندان کا سردار تھا اسی نے زمین کی تقسیم کا طریقہ رائج کیا۔ اسی زمانے میں وراثت کی تقسیم کا عمل میں آنا ثابت ہوتا ہے۔" (ص ۵۷)

معلوم ہوا حضرت نوح علیہ السلام کی کوئی وراثت تقسیم ہی نہیں ہوئی ۔ زینی صاحب نے حضرت آدم حضرت شیث ، حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث کے ان کی اولاد میں تقسیم ہونے کی جو کہانی سنائی ہے وہ سب ان کی طبع زاد ہے ۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے خود ان ہی کی تحریر سے ان کی غلط بیانی ظاہر ہو جاتی ہے ۔

قرآن کریم نے آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے ارشاد ہے ۔

واذ قال ابراھیم لابیہ آذر　　اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا

مگر زینی صاحب اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں وہ اس کے برخلاف یہ لکھتے ہیں کہ ۔

"حضرت نوح کے بیٹے سم ہی کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص "تارح" نامی پیدا ہوا ۔ تارح یا تارخ ہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ ہے ۔" (ص ۵۷)

زینی صاحب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں ،۔

"آپ نے بھیڑ بکریوں سے اپنی ملکیت کا آغاز کیا ۔ پھر شاہ مصر کی طرف سے دئے گئے چوپایوں کے تحائف نے آپ کی ملکیت میں مزید اضافہ کیا ۔ کنعان میں کچھ زمین خریدنے کے ثبوت بھی تاریخ میں موجود ہیں ۔ اس کے بعد سرزمین کنعان خدائے تعالیٰ نے آپ کو بخشدی جو آپ کی اولاد اور بنی اسرائیل میں بطور وراثت منتقل اور تقسیم ہو کر گردش کرتی رہی ۔ آج اسرائیل اسی وراثت کا دعوے لے کر کھڑا ہوا ہے ۔" (ص ۵۸)

یہ ہے اسرائیل کی واقعی وکالت زینی صاحب کو چاہیئے اپنے سادات عظام کو ساتھ لے کر اسرائیل میں جا بسیں اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں ۔ یوں مسلمانوں کے ملک میں رہ کر فتنہ و فساد کے لئے اپنے آپ کو منظم کرنا جیسا کہ انہوں نے اس کا اظہار کتاب کے آخر میں "لمحہ فکریہ" کے زیر عنوان کیا ہے ، زیب نہیں دیتا ۔ تاہم مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنا ضروری ہے کہ قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر ۔ زینی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ بنی اسمٰعیل آخر کس گناہ کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت سے محروم ہوئے ۔ وہ بنی اسرائیل کی وکالت تو کرتے ہیں ۔ بنی اسماعیل کی نہیں ۔

اس بحث میں زینی صاحب نے آگے چل کر یہ بھی بتایا ہے کہ فلاں فلاں نبی یا بزرگ نے اپنی میراث

اپنی زندگی ہی میں تقسیم کردی تھی یہ کھلا مغالطہ ہے۔ زندگی میں ہر شخص کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی ملکیت جس کو چاہے منتقل کردے اس کو میراث کہنا ابلہ فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ بحث تو اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو وہ اپنی تعلیم کا لوگوں کو وارث بنا کر جاتے ہیں۔ یا زر و جواہر، زمین جائیداد، دولت کا ڈھیر اور روپیہ پیسہ اکٹھا کر کے اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے بعد خوب عیش کریں اور مزے اڑائیں۔ جیسا کہ امامیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق ستر ہزار اشرفی سالانہ آمدنی کی جائیداد "فدک" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اکلوتی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چھوڑ کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ تاکہ وہ اس سے اپنا اور اپنے بیٹوں اور شوہر کا پیٹ پالیں۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس مفت کی جائیداد کو ان سے روک کر انہیں ایسا صدمہ پہنچایا کہ وہ غریب اس غم میں گھل گھل کر دنیا سے رخصت ہوگئیں (نعوذ باللہ) ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کسی نبی کے متعلق بھی اس خیال کے روادار نہیں کہ وہ سرمایہ اکٹھا کر کے اپنی اولاد کے لئے بطور میراث چھوڑ جائے۔ نہ حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

لے اور اتنا تو خود زینی میاں ہی بیان کرتے ہیں کہ :-

> "مدینہ کے گرد تمام قبائلی مرتد ہو چکے تھے ..... ادھر اس سلسلہ میں جو لشکر مدینہ سے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجے جا رہے تھے ان کا خرچ آنحضرت صلعم کے ترکہ کی آمدنی سے پورا کیا جا رہا تھا"
>
> (ص ۱۶۳ و ۱۶۴)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ اتنا تھا کہ اس کی آمدنی سے عہد صدیقی میں جو لشکر قتال مرتدین کے لئے مدینہ طیبہ سے بھیجے جا رہے تھے ان کا تمام خرچ پورا کیا جا رہا تھا۔ ذرا غور کیجئے زینی میاں کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنی بڑی آمدنی کی جائیداد چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے (العیاذ باللہ) دوسری طرف بیٹی کی حرص ملاحظہ ہو کہ بابا کی جائیداد پر کیسی دانت لگائے بیٹھی تھیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت صدیق اکبر اس جائیداد کی ساری آمدنی مرتدین سے جہاد و قتال پر صرف کر رہے ہیں پھر ترکہ کا مطالبہ جاری ہے اور سارے وارثوں کو چھوڑ کر اکیلے ہی اس کو سمیٹنے کی فکر میں ہیں اور یہ ترکہ نہ ملا تو اسی غم میں گھٹ گھٹ کر مر گئیں۔ اتنا بھی صبر نہ ہو سکا کہ کم از کم مرتدین کا قضیہ تو ختم ہو جانے دیتیں۔ آخر حضرت ابوبکر یہ رقم اپنے اوپر تو خرچ نہیں کر رہے تھے جو بھی خرچ ہو رہا تھا یا کہ دین کی اشاعت پر ہی تو خرچ ہو رہا تھا۔ افسوس زینی میاں نے حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کیسا حلیہ بگاڑا ہے (نعوذ باللہ) زینی میاں کو ذرا سمجھ نہیں کہ ان کی غلط بیانی کیا کیا گل کھلاتی ہے۔

متعلق یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی دنیادار تھیں کہ میراث نہ ملنے کے غم میں گھل گھل کر انہوں نے اپنی جان گنوادی ۔ جیسا کہ ذینی صاحب کا دعویٰ ہے کہ :-

"کچھ متفقہ معتبر روایتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا وراثت دینے سے انکار کے سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر واپس لوٹ گئی تھیں اور تمام عمر بات نہ کرنے کا عہد کر لیا تھا .... حضرت فاطمہ اسی شدت غم سے مرض الموت میں مبتلا ہو گئیں ۔" (ص ۲۴۷ و ۲۴۸)

اس صدمہ سے آپ بیمار ہو گئیں اور اس واقعہ سے تین چار ماہ بعد انتقال کر گئیں "

(ص ۱۶۳)

اسی بحث میں ذینی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"آنحضرت نے اپنے نواسوں کو اپنی اولاد قرار دیکر وارث ٹھیرایا تھا ۔" (ص ۶۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عمداً جھوٹ بولنا بڑی قابل نفریں حرکت ہے اور بہت بڑا گناہ مگر دروغگو را حافظہ نباشد کے بموجب ان کا یہ دروغ بے فروغ بار بار اسی کتاب میں ظاہر ہوتا رہا ہے چنانچہ خود ان ہی کے الفاظ ہیں ۔

۱ ۔ "آپ کی واحد وارث آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا " (ص ۱۵۹)

۲ ۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا وارث آپ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا (ص ۱۶۲)

تیسری جگہ یہی جھوٹ پھر دہرایا ۔ مگر اب کی بار جھوٹ کی حد کر دی کہ یہی بات حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے کہلوادی ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

۳ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کی اس روایت کے بین السطور میں غور سے دیکھا جائے تو گویا آپ بڑی پریشانی کے عالم میں فرما رہے ہیں ۔ " اے عبداللہ ابن مسعود میں عنقریب وفات پانے والا ہوں، میری ایک ہی بچی، میری واحد وارث ہے مجھے ڈر ہے یہ عرب میری وراثت میری واحد وارث لڑکی کو دینے میں لیت و لعل سے کام لیں گے ۔" (ص ۲۳۲)

ء کیا عجیب بات ہے سید العرب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے عہد اقتدار میں جبکہ وہ عہدہ خلافت پر فائز تھے ۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ہی کی سنت پر عمل کیا ۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جائداد " فدک " وغیرہ تمام اموال فئے سے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اب ناظرین غور فرمائیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر حضور علیہ السلام کی واحد وارث تھیں تو پھر دونوں نواسے کہاں سے وارث بن گئے اور معلوم ہوتا ہے زینی صاحب نے قرآن کریم نہیں پڑھا وہ پڑھتے تو انہیں معلوم ہوتا۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ازواج کو بھی وارث قرار دیا ہے اور شوہر کی میراث میں بیوی کے حصہ کی بھی تفصیل بیان کی ہے۔ نبی کی اگر واقعی میراث ہے تو زینی صاحب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو کیوں ورثا کی فہرست سے خارج کر کے بار بار حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تنہا وارث ہونے کی رٹ لگائے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں کیا چچا شریعت میں بھتیجے کا وارث نہیں۔ پھر حضور علیہ السلام کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں ورثاء کے زمرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ اور اگر آپ بیوی اور چچا کو وارث ماننے کے لئے تیار نہیں۔ نہ قرآن پر آپ کا عمل ہے نہ حدیث پر تو نواسوں کو تو بہر حال آپ وارث مان رہے ہیں۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا "تنہا اور واحد وارث" کیسے بن گئیں۔ آپ اس جرأت کے ساتھ غلط بیانی کیوں کرتے ہیں۔ (جاری ہے)

بقیہ حاشیہ:۔ جو بزعم امامیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا میراث پدری میں حصہ تھا ان کے صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو محروم ہی رکھا۔ اور ان صاحبزادگان کو بھی خاص اپنے ابا سے اس میراث کے مطالبہ کی اتنی بھی جرأت نہیں ہو سکی۔ جتنی ان کی والدہ ماجدہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دکھائی تھی (نعوذ باللہ من اکاذیب الرافضۃ) زینی صاحب کو چاہیئے کہ جتنا طعن انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا ہے اس سے دس گنا ان حضرات پر کریں کہ اپنے دور اقتدار میں بھی یہ حضرات اس بارے میں کچھ نہ کر سکے۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے فیصلہ سے سر مو انحراف کیا نہ ان کے صاحبزادوں نے۔ اگر حضرت صدیق اکبر اس بارے میں مجرم ہیں تو حضرت علی اور حضرات حسنین ان سے بڑے مجرم اور اگر وہ حق پر تھے تو ان کی اتباع میں ان کا خاموش رہنا علین ثواب۔

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ

انسان کی وراثت

۳

چوتھا عنوان ہے "وراثت پر انسان کی دست درازیاں" ص ۶۶ تا ۹۳۔ اس عنوان کے تحت زینی صاحب نے "خیرامت" کو "شرامت" ثابت کرنے کے لئے اپنے ذہن کی پوری توانائی صرف کردی ہے اور جس قدر ان سے بن سکا عرب کی برائیاں اور حیلہ سازیوں کا پردہ چاک کیا۔ جزئی واقعات کو قوم کی خصوصیت بتایا۔ تاریخی ثبوت فراہم نہ ہوسکا۔ تو محاضرات اور ادبی کتابوں کی بے سروپا حکایات ہی سے کام چلایا۔ مقصد سابقین اولین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مطعون کرنا ہے جن کے ایمان اور تقویٰ کی خود قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔ لیکن اگر عرب کی یہی خصوصیات تھیں۔ جن کو ثابت کرنے پر زینی صاحب تلے ہوئے ہیں تو پھر ان کی زد صرف صحابہ کرام پر ہی کیوں پڑے؟ حضرت ابوالائمہ جو سید العرب ہیں اور ان کی اولادیں وہ حضرات جو منصب امامت پر فائز ہیں وہ خالص عرب اور عرب کی سیادت کے حامل ہونے کی بنا پر ان خصوصیات کے سب سے بڑے حامل ہونا چاہییں اور حضرات امامیہ نے ان کا جو کردار بیان کیا ہے وہ اس بات کی حرف بحرف تصدیق کرتا ہے مثلاً جیسا کہ زینی صاحب نے لکھا ہے کہ:-

"زنا کو غلط قرار دیا مگر اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے خفیہ راستے بنا لئے" (ص ۶۷)

چنانچہ متعہ اسی خواہش کی تکمیل کا ایک خفیہ راستہ ہے اور مذہب امامیہ میں یہ بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔

"وہ زنا کو عالمی برائی قرار دیتے اور اس سے منع کرتے مگر اس کے مقابلے میں انہوں نے سات ایسے طریقے ایجاد کر لئے تھے جو نکاح کے خلاف زنا کے مترادف تھے۔ مگر ان طریقوں کو جواز کی سند حاصل تھی ... اس کی وجہ افرادی قوت میں اضافہ اور جنسی تسکین

کے سوا کچھ نہ تھا"۔ (ص ۷۳ و ۷۴)

زینی صاحب ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں کیا "متعہ" ان سات طریقوں میں شامل نہیں؟

زینی صاحب کو قرآن کریم کی متعین کردہ "خیرامت" سے جو بغض و عناد ہے وہ اس کی بھڑاس کبھی یہ کہہ کر نکالتے ہیں کہ:۔

"غرض قانونی اور مذہبی پابندیوں سے آزادی حاصل کرنے میں عربوں کے مکر و فریب اور حیلوں بہانوں کی اتنی زیادہ اور طویل داستانیں ہیں جن کا یہاں ذکر ممکن نہیں" (ص ۷۵)

اور کبھی یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ:

"بہر حال دنیا کی کسی قوم کسی قبیلے، کسی انسانی گروہ یا کسی مملکت نے عالمی صداقتوں اور فطری قوانین کی نہ اجتماعاً خلاف ورزی کی نہ اسے کالعدم قرار دیا اور نہ ہی کسی صداقت یا قانون کو بدلنے کی کوشش کی بلکہ انہیں مزید مستحکم کرنے اور ان پر پوری طرح عمل کرنے کے لئے ان کی ذیلی اور ضمنی دفعات متعین کر کے جرم و گناہ کے دروازے مسدود کرنے کی سعی ضرور کی۔ پھر بھی جرم و گناہ ہوتے رہے تو یہ انفرادی مسئلہ ہے اجتماعی نہیں نہ اس سے قانون کالعدم ہوتا ہے اور نہ اس کی خلاف ورزی کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

اگر بغور تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور دقت نظر سے ایسی قوم تلاش کی جائے تو اس کوشش میں مایوسی ہرگز نہ ہوگی۔ آج سے چودہ سو سال قبل ساتویں صدی عیسوی میں قبائلی سرداری نظام سے منسلک ایک ایسی قوم بحیرہ عرب کے جزیرہ نما میں روئے زمین ..... پر موجود تھی جس نے عالمی صداقتوں کو من و عن تسلیم کیا۔ فطری قوانین کو بھی جوں کا توں برقرار رکھا۔ اس لئے کہ ایسا کرنے ہی میں دوسری اقوام کی طرح اس کی بھی اجتماعی اور انفرادی عافیت تھی، لیکن دوسری طرف ان کی خلاف ورزی میں انفرادی مفاد بھی وابستہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ذہانت کو کام میں لاتے ہوئے حیلے تراشے اور اس کے ارتکاب کے لئے جواز پیدا کئے۔ یہ تو سب ہی اقوام کے افراد نے کیا تھا مگر جو بات دیگر اقوام کے مقابلہ میں عرب کر گزرے وہ ان حیلوں کو اجتماعی طور پر جواز کی سند عطا کر دینا تھی جو دنیا کی کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔ جواز کے لئے ذہنی اختراع میں گویا عربوں نے یہودیوں کو مات دیدی تھی۔

لہ جو سب رافضیوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

اس کی محض دو اہم اور بنیادی وجوہات تھیں - ایک جذبہ انتقام کی شدت دوسری مال کی طمع۔ (ص ۷۱ و ۷۲)

یہی لوگ جب اسلام قبول کرکے دین میں داخل ہوگئے تو احکام دین سے بچاؤ اور حصول مقصد کے لئے ذہانت کے خوب جادو جگائے حتیٰ کہ حدود اللہ پر بھی تصرف حاصل کرلیا۔ (ص ۷۳)

یہ ہے خیر الامم کا کردار زینی میاں کی نظر میں اور ظاہر ہے کہ ایک کافر اس سے زیادہ اور کیا ہرزہ سرائی کرے گا لیکن کیا "تقیہ" اسی کردار کو برقرار رکھنے کے لئے ایجاد نہیں کیا گیا اور اس کو ائمہ معصومین کے سر تھوپا نہیں گیا اور جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے دشنام دہی کو دینی شعار بنایا نہیں گیا۔ جس کو تبرا کا نام دیا جاتا ہے۔

اور تو بس نہیں چلتا ہے رقیبوں کا مگر   سوز کے نام کو لکھ لکھ کے جلا دیتے ہیں

اور مال کی طمع کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو امت "بتول" کے لقب سے جانتی ہے جس کے معنی ہی ہیں "دنیوی آلودگی حرص جاہ و مال کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والی" کے

ان کے متعلق دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونک کر یہ باور کرایا جاتا ہے کہ سیدہ طاہرہ حب مال اور حب دنیا میں اس قدر آلودہ تھیں کہ بابا کی جائیداد نہ ملی تو مارے غم کے گھٹ گھٹ کر ہلاک ہوگئیں۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الاکاذیب والخرافات) آفرین ہے "امامیہ" کی ہمت پر کہ زینی صاحب نے جتنی برائیاں عرب قوم کی گنائیں وہ سب انہوں نے اپنے ائمہ میں ثابت کر دکھائیں اور گالیاں دیتے ہیں ان بزرگوں کو جنہوں نے "اہل بیت اطہار" کی عزت و حرمت کا ہمیشہ پاس اور لحاظ رکھا اور اپنی قرابت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کو ترجیح دی اور ان کے وظیفے اپنی اولاد سے کہیں زیادہ مقرر کئے۔ اب ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ۔

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد   مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

زینی میاں اتنا نہیں سمجھتے کہ حصول زر اور طمع دنیا ہی کے لئے ان کے بزرگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ انبیاء کی میراث ان کا علم نہیں بلکہ وہ مال جائیداد ہے جو وہ چھوڑ کر مریں اور پھر اس سے ان کے وارث مزے اڑائیں۔ حضرات اہل سنت کے تو یہ بات تصور ہی میں نہیں آتی کہ کوئی نبی ہو کر اس لئے سرمایہ جمع کرے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کے کام آئے۔ افسوس ہے کہ زینی میاں کے ذہن کی رسائی اس کھلی حقیقت تک نہ ہو سکی اور انہوں نے خواہ مخواہ یہ کتاب لکھ کر۔ ع۔ دماغ بے ہدہ نجست وخیال باطل بست کا مظاہرہ کیا۔ زینی میاں کے مذہب کی اساس تین چیزوں پر ہے۔

(۱) حسب موقع جھوٹ بولنا جس کا نام انہوں نے "تقیہ" رکھا ہے۔
(۲) جنسی تسکین کے لئے جب بھی موقع ملے عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا جسے "متعہ" کہا جاتا ہے۔
(۳) دوسرے مذہب کے بزرگوں کو گالیاں دینا جسے وہ "تبرا" کہتے ہیں۔
ان تینوں باتوں کو انہوں نے اپنے مذہب کا شعار بنا کر تمام مذاہب باطلہ کو مات کر دیا ہے۔
زینی صاحب نے اس بحث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی چوٹ کرنے سے گریز نہیں کیا۔ چنانچہ وہ وراثت کے لئے حیلہ سازیوں کی داستان سناتے ہوئے اور حصول وراثت کے ناجائز طریقے شمار کراتے ہوئے دوسرا طریقہ یہ بتاتے ہیں کہ۔

"اگر ایک قبیلہ کا شخص کسی دوسرے قبیلہ کے شخص کو بھائی بنالیتا تو یہ دونوں ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار قرار دیے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی داخلی وراثت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد اسی مروجہ (طریقہ) سے آنحضرتؐ نے فائدہ اٹھایا تھا اور مہاجرین وانصار میں مواخاۃ قائم کردی تھی۔" (ص ۷۸)

اب ایسے شخص کے بارے میں ناظرین خود ہی فیصلہ کریں کہ جو اس امر کا قائل ہو کر "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ناجائز مروجہ طریقہ سے فائدہ اٹھایا اور مہاجرین وانصار میں مواخاۃ قائم کردی۔" (نعوذ باللہ منہ) اس سے بھی بڑھکر یہ کہ خود اللہ میاں کے جائز کردہ طریقۂ انتقال ملکیت کو وہ ناجائز طریقہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پانچویں ناجائز طریقے کی تفصیل ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"(۵)۔ ملکیت کے مالک کی حیثیت سے فطرت نے جو اختیار مورث کو دیا ہے۔ یہ لوگ اس سے بھی ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور دھونس دھمکی یا کسی حیلے بہانے سے وراثت کے کچھ حصے کے لئے اپنے حق میں وصیت کرالیتے تھے۔" (ص ۸۰)

اگر یہ بات صحیح تھی تو پھر "قرآن کریم" نے وصیت کے نفاذ کا کیوں بار بار حکم دیا اور "علی وصی رسول اللہ" کا کیوں نعرہ بلند کیا جاتا ہے اور مولانا شبلی کا حوالہ اس سلسلہ میں جو دیا ہے وہ محض ان کی ابلہ فریبی ہے۔ مولانا مرحوم نے یہ بات قطعاً نہیں بیان کی جو زینی میاں ان کے حوالے سے باور کرانا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات بھی قطعاً غلط ہے کہ۔

"جو عرب صاحب اولاد نہ ہوتے وہ خود بھی اولاد حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو مہمان کے سپرد کردیتے تھے۔" (ص ۸۱)

اس موقع پر زینی میاں اپنی شرافت پر پوری طرح اتر آئے ہیں اور انہوں نے عرب قوم کو وہ وہ ملاحیان سنائی ہیں کہ لکھنؤ کی بھٹیارنوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ عرب غیرتمند تھے ..... وہ قوم جو عورت کو بے قیمت مال میں شمار کرے۔ جو بلا قیمت اسے غنیمت میں حاصل کرے۔ وہ قوم جو وارث حاصل کرنے کیلئے اپنی بیوی کو دوسرے کے پاس شب بسری کی کھلے بندوں اجازت دیدے، وہ جس کی بیٹیاں علی الاعلان گھروں پر جھنڈے لگاکر زنا کراتی ہوں پھر جس کو چاہیں اپنی اولاد کا باپ تسلیم کرلیں[۱] ..... اور وہ قوم جو اپنی بیٹی کو وراثت سے محروم رکھے وہ بیٹی کے حق میں کیا غیرت مند ہوسکتی ہے" (ص۸۲)

"وہ معاش کے معاملہ میں بڑے تنگدل اور تنگ نظر تھے ان کی ذہنیت اس سبب سے اس قدر پست ہوچکی تھی کہ وہ کماؤ پوت کے سوا کسی کو اہمیت دینا گوارا نہ کرتے تھے۔" (ص۸۴)

"عرب عہد جاہلیت کے جو واقعات، یمن، حبشہ، روم، ایران اور عراق کی قدیم تاریخوں[۲] جاہلی ادب اور ان کتب میں ملتے ہیں جو خاص طور سے اس موضوع پر مرتب کی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے عربوں کی خصلت و ذہنیت کا بخوبی علم ہوجاتا ہے بلکہ "خباثت" انسان کی ناگوار شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ ان کے صرف دو ہی ہتھیار تھے، تلوار اور فریب، کمزور کیلئے تلوار اور طاقتور کے لئے فریب اور یہ دونوں ہتھیار وہ اپنے مفاد ہی کے لئے استعمال کرتے تھے کسی کے فطری حق میراث کے تو وہ پیدائشی دشمن تھے۔" (ص ۸۴ و ۸۵)

"وہ عورت کو صرف عورت جانتے تھے اس کا رشتہ یا درجہ ان کے یہاں معدوم تھا۔ بیٹی ہو یا بہن، ماں ہو یا بیوی وہ صرف ایک عورت تھی اور بس یعنی عورت رشتوں اور درجوں میں تقسیم نہیں ہوتی تھی بلکہ رشتے اور درجے عورت میں جمع کردیئے گئے تھے یہی وجہ ہے کہ عربوں کی نظر میں ایک عورت بیک وقت اس کی بیٹی، بہن، ماں اور بیوی تھی۔ وہ بیٹی، بہن اور ماں کو جب چاہتے بیوی بنالیتے اس لئے کہ وہ ایک عورت تھی نہ کہ بیٹی، بہن اور ماں، یوں وہ عورت کے لئے صرف بیوی کا درجہ تسلیم کرتے تھے مگر یہ بھی محض اس وقت جب وہ ان کی رانوں کے درمیان ہو۔ اسی معنی کے اعتبار سے اسے عورت کہا گیا کہ رانوں کے درمیان کا حصہ ہی عورت کہلاتا ہے۔ عرب کے یہاں عورت، بیوی! اور بس، رہے بیٹی، بہن اور ماں (کے درجے) تو یہ دوسری اقوام میں اپنا وجود رکھتے ہیں اور قابل احترام مدارج ہیں' .... ان کے ذہن سے یہ احساس بالکل مٹ چکا تھا کہ لڑکی کو وراثت نہ دینا کسی کا فطری حق مارنے کے مترادف ہے۔" (ص ۸۵ و ۸۶)

---

[۱] لکھنؤ میں آصف الدولہ کے عہد میں کسبیاں موجود تھیں تو پھر کیا لکھنؤ کے سارے شیعہ بے غیرت تھے اور رنڈیوں میں جو کچھ ہوتا تھا کیا سارے مجتہد اور سادات ان پر عمل پیرا تھے پھر ساری عرب قوم کو گالیاں دینا کیا معنی ہے؟ [۲] جو زینی میاں کی نظر سے نہیں گزریں محض جھوٹ بولتے ہیں۔

اس ساری بکواس اور دشنام طرازی کا حاصل یہ باور کرانا ہے کہ ۔

"۶۳۲ء میں قوم عرب نے دعویٰ کیا کہ نبی کی وراثت ہی نہیں ہوتی، اور اس دعویٰ کو عملی جامہ بھی پہنایا یعنی نبی کی بیٹی کو نبی کا ترکہ نہیں دیا۔" (ص ۸۷ و ۸۸)

زینی میاں کی اس بکواس پر اگر اتنا اضافہ اور کر لیا جائے کہ ۔

"حیف ہے کہ علی مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادے حسن مجتبیٰ نے بھی اپنے اپنے دور اقتدار میں جب کہ دونوں باپ بیٹے یکے بعد دیگرے منصب خلافت پر فائز ہوئے ۔ عرب قوم کے اسی دعویٰ کو برقرار رکھا اور اس میں ذرا سی بھی ترمیم و تنسیخ کو گوارا نہ کیا یعنی نبی کی بیٹی کو نبی کا ترکہ جو زمین و جائداد کی صورت میں ابھی تک بعینہ برقرار تھا۔ حسن و حسین کو جو نبی کی بیٹی کے بیٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ نہیں دیا۔ نہیں دیا۔"

تو بات بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کتاب کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت بالکل نہیں رہتی ۔ اب زینی میاں چاہیں تو عرب قوم اور ان کے سادات علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد میں جو ائمہ گذرے ہیں ان سب کو ان اوصاف سے متصف کر کر ان سے تولّی کریں یا ان پر تبرّا بھیجیں جو ہونا تھا ہو گیا ۔ جو شیخین نے کیا تھا وہی علی مرتضیٰ اور حسن مجتبیٰ نے کیا پھر شیخین پر طعن کرنا اور علی مرتضیٰ و حسن مجتبیٰ کی محبت کا دم بھرنا کیا معنی؟ جب سب کا عمل یکساں تھا تو پھر محبت و نفرت کے اعتبار سے ان حضرات میں باہم تفریق کرنا چہ معنی دارد؟

غرض زینی میاں نے اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے سراسر غلط ہے اور اسی سلسلہ میں ان کی یہ غلط بیانیاں بھی خاص طور سے قابل ذکر ہیں :۔

(۱) "اس واقعہ (یعنی حضرت فاطمہ کو میراث نہ دینے) کے کوئی چالیس سال بعد ..... اس بحث کو طعن کے ذریعہ از سر نو زندہ کیا گیا الخ" (ص ۹۰)

اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟

(۲) "بنو امیہ کا ابتدائی دور ہی موضوع احادیث کا زرخیز دور ہے یہ ایسی تاریخی مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔" (ص ۹۲)

بلا دلیل ایک دعویٰ کرنا اور پھر اس کو تاریخی مسلمہ حقیقت قرار دینا سراسر " دروغ گویم بر روئے تو" کا مصداق ہے

(۳)۔ حدیث نفی ارث کے بارے میں یہ کہنا کہ :

"اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہے۔" الخ (ص ۹۲)

خلاف واقعہ ہے اہل سنّت کی کتابوں میں یہ حدیث بہت سے صحابہ سے مروی ہے اور شیعہ امامیہ کی معتبر ترین کتاب "کافی کلینی" میں بھی حضرت جعفر صادق سے منقول ہے ۔ جعفر صادق کو جو کاذب سمجھے وہ خود جھوٹا ہے ۔

(۴) "امام ابو حنیفہ بھی اسے (حدیث نفی ارث کو) احاد ہونے کے سبب نامعتبر گردانتے تھے" (ص ۹۲)

یہ صریح غلط بیانی ہے امام ممدوح کی تالیفات یا حنفی علماء کی معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت چاہیئے۔

⑤ "یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسی سبب سے اموی علماء امام ابوحنیفہ پر طعن کرتے تھے" (ص ۹۲)

کیسے معلوم ہوا؟ کس نے کہدیا؟ وہ اموی علماء کون تھے؟ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟

پانچواں عنوان ہے "وراثتِ انبیاء ص ۹۴ تا ۱۳۱"

ان انبیاء میں سب سے پہلے حضرت آدم کا نام آتا ہے ان کے بارے میں بغیر کسی حوالہ اور ثبوت کے زینی صاحب نے دعویٰ کردیا ہے کہ:

"آدم کی وراثت ان کے بیٹوں کو ملی" (ص ۹۵)

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت شیث کا نام لیا ہے مگر ان کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر ان کو ترکہ میں سے کیا ملا۔ ان کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ مگر ان کے بارے میں صاف اقرار کرلیا ہے کہ:

"حضرت ادریسؑ کی وراثت محض پیشہ و ہنر تھا جو ان کی اولاد کو منتقل ہوا" (ص ۹۶)

ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں بھی بغیر ثبوت یہ فرض کرلیا ہے کہ:

"ایک انگور کا باغ بطور وراثت آپ کے تینوں بیٹوں سام، حام اور یافث کو ملا" (ص ۹۷)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ہے۔ غنیمت ہے ان کے بارے میں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ:

"جہاں تک حضرت ابراہیم کی ملکیت کا تعلق ہے اس کا ذکر اسلامی کتب میں بھی روایات کی بنیاد پر مبہم انداز میں پایا جاتا ہے" (ص ۹۷)

سچ یہ ہے کہ اسلامی لٹریچر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے کسی متروکہ کی تقسیم کا ان کی اولاد میں ذکر نہیں نہ اس کا کوئی ثبوت ہے غیر اسلامی کتابوں سے زینی صاحب نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کہ:

"آپ نے اپنی زندگی میں وراثت تقسیم کردی تھی" (ص ۱۰۲)

لیکن اس کو وراثت کہنا زینی صاحب کا قارئین کو مغالطہ دینا ہے۔ زندگی میں جو کچھ تقسیم کیا جائے وہ میت کا ورثہ نہیں کہلاتا۔ زینی صاحب چاہیں تو اسے "ترکہ" کہدیں لیکن فی الواقع یہ نبی کی وفات پر اس کی میراث کی تقسیم کا مسئلہ نہیں کہ جو محل نزاع ہے۔

(جاری)

حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

انسان کی وراثت

(۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی بھی وفات پر ان کی میراث کا ان کی اولاد میں تقسیم ہونے کا ثبوت فراہم نہ کر سکے۔ خالی زبانی جمع خرچ ہے اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام لیا ہے ان کے تذکرہ میں یہ لکھدیا ہے کہ۔

"باپ کی وفات کے بعد دونوں بیٹے باپ کی وراثت کے حقدار تھے مگر عیسو نے اپنا حصہ حضرت یعقوب ہی کے لئے چھوڑ دیا۔" (ص ۱۰۵)

یہ وہی بات ہوئی گردم دشد "ثبوت بھی تو درکار ہے محض غلط بیانی سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"آپ کو اپنے باپ کے ورثہ میں منقولہ جائداد سے جانور ملے تھے۔" (ص ۱۰۵)

کیوں غیر منقولہ جائداد سے کس جرم کی پاداش محروم ہوئے؟ اور منقولہ جائداد میں بھی آخر وہ کونسے جانور تھے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر خود کنعان میں موجود تھے اور یہ ترکہ انہوں نے خود وصول کیا تھا یا حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ان کو بھیجا تھا۔ کسی چیز کا ثبوت بھی ہے یا خالی باتیں ہی باتیں ہیں یہ جو لکھا ہے کہ۔

"آپ کی وفات کے بعد آپ کی میراث بارہ بیٹوں کے حصے میں آئی۔" (ص ۱۰۶)

محض غلط اور کذب ہے۔ زینی صاحب اپنے دل سے گھڑ کر تاریخ بناتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔

ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ یہاں بھی وہی کذب بیانی ہے کہ:

"آپ کو باپ سے جو کچھ وراثت میں ملا۔ اس سے کہیں زیادہ آپ نے اپنی ذاتی محنت سے پیدا کیا۔" (ص ۱۰۶)

وراثت کا ثبوت کچھ نہیں مگر انبیاء پر افترا پردازی کی ٹھان رکھی ہے۔ زینی صاحب نے لکھا ہے کہ۔
"حضرت اسحاق کا ترکہ بھی یعقوب کو ملا" (ص ۱۱۱)
مگر ثبوت کچھ نہیں۔ ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔
"حضرت یعقوب مصر میں سترہ سال زندہ رہے ..... جب آپ نے وفات پائی تو آپ نے حضرت یوسف کو بلایا ان کے دونوں بیٹوں کو اپنے بیٹے کہہ کر اپنے ترکے سے علاحدہ حصہ دیا یعنی دونوں پوتوں کو بیٹوں کی طرح اپنی میراث میں شامل کیا" (ص ۱۱۲)
یہ بات اگر صحیح ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی کی ہے۔ مگر زینی صاحب نے ان کے جیتے جی ان کے بارے میں یہ بھی لکھدیا کہ "وفات پائی" اور پھر اس عطیہ کو ترکہ اور میراث بھی بنا دیا۔ جب مغالطہ ہی دینا ٹھہرا تو اس کے سوا اور کیا کیا جاتا اور پھر یہ بھی لکھدیا کہ:
"اگر نبیوں کی میراث نہ ہوتی تو حضرت یعقوب وفات کے وقت تقسیم وراثت کا اتنا اہتمام نہ فرماتے" (ص ۱۱۳)
واہ رے ابلہ فریبی۔ ابھی مرے نہیں کہ میراث پہلے ہی سے تقسیم ہوگئی۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت یوسف کی۔
"وفات کے بعد آپ کی میراث آپ کے دونوں بیٹوں منسی اور افرائیم کو ملی" (ص ۱۱۳)
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:
"حضرت موسیٰ کی کوئی ملکیت موجود تھی لے اور جب آپ کی ملکیت نہ تھی تو ترکہ کا وجود کیسے ہو سکتا ہے اس لئے یہ مسئلہ وراثت انبیاء کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے" (ص ۱۱۵)
الحمدللہ! چشم ما روشن دل ما شاد۔
حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں بھی ان کو یہ تسلیم ہے کہ:
"حضرت موسیٰ کی طرح حضرت ہارون کی ملکیت کا بھی کہیں ذکر موجود نہیں ہے" (ص ۱۱۶)
مگر اس کے باوجود زینی میاں فریب دہی سے باز نہیں آتے۔ لکھتے ہیں۔
"البتہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ حضرت ہارون کو بطور وراثت دیا اس کی وضاحت متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً جب خیمہ اجتماع یعنی اللہ کا متحرک گھر تیار ہو گیا تو موسیٰ کو حکم ہوا کہ اپنے بھائی ہارون کو میری کہانت کا منصب سونپ دو اور یہ منصب اولاد میں وراثت کے طور پر ہوگا" (ص ۱۱۶)
یہ وراثت تو دینی علم و دین کی ہوئی اس کو متنازعہ مسئلہ سے کیا تعلق؟ تمام علماء، انبیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔ خلافت انبیاء کی نیابت ہی کا نام ہے۔ یہاں اس وراثت متنازعہ کی رٹ لگانا محض ابلہ فریبی ہے۔ آگے چل کر تان اس پر توڑی ہے کہ۔

لے کیا آپ کا عصا اور کپڑے بھی نہیں؟

"حضرت ہارون کا انتقال ہوا ..... کہانت کا منصب بڑے بیٹے کو وراثتاً ملا۔ اور ترکہ آپ کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوا۔ جو اس وقت زندہ تھے لڑکیوں کو بھی ترکہ سے مقررہ حصہ ملا" (ص ۱۱۹)

زینی صاحب محض گپ لگا دینے سے کام نہیں چلتا پہلے ہارون علیہ السلام کی ذاتی ملکیت ثابت کیجئے پھر ترکہ کا ثبوت دیجئے پھر اس کی تقسیم کی بات کیجئے۔ خدا کے حضور نذرانہ مستحقین کا حق ہوتا ہے۔ جس طرح اموال فئے میں سے حضور علیہ السلام کے قرابت داروں کو بھی ملے گا۔ اسی طرح حضرت ہارون اور ان کی اولاد کا بھی حق بنے گا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ۔

"آپ کی اولاد کا علم نہیں، اگر اولاد ہوگی، تو یقیناً دستور کے مطابق آپ کا ترکہ انہیں ملا ہوگا" (ص ۱۲۰)

دستور تو آپ کا من گھڑت ہے۔ جب اولاد ہی نہیں تو ترکہ کا کیا سوال، کسی نبی کی میراث اس کے مرنے کے بعد کبھی تقسیم نہیں ہوئی وہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے۔

ایک فرضی نبی زینی صاحب کے نزدیک "حضرت کالوت" بھی ہیں لیکن مسلمان ان سے واقف نہیں، زینی صاحب نے ان کی جاگیر بھی ان کی اولاد میں تقسیم کرائی ہے۔ ہم اس بارے میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ زینی صاحب جانیں اور ان کا ایمان (جس کے اجزائے ترکیبی ہیں تقیہ، تبرا، فریب نفس اور کذب)

پھر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر چھیڑا ہے اور لکھا ہے کہ:

"آپ کا تمام ترکہ آپ کی اولاد کو ملا۔ چنانچہ قرآن نے واضح الفاظ میں کہا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمان، داؤد کے وارث ہوئے وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ اور اللہ نے داؤد کو حکومت و حکمت عطا کی، قرآن نے داؤد کی وراثت منتقل ہونے کی گواہی دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ منصب بطور وراثت حضرت سلیمان کو ملا اور ترکہ تمام اولاد میں تقسیم ہوا۔" (ص ۱۲۲)

قرآن کریم میں تو ترکہ تمام اولاد میں تقسیم ہونے کا ذکر نہیں، یہ آپ کا افترا ہے اس میں تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ وراثت علم و نبوت کی ہے۔ ترکہ کی تقسیم کی نہیں کہ جو مسئلہ زیر بحث ہے خود زینی صاحب کی تصریح کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کی:

"اولاد ذرینہ کی کل تعداد ۱۷ ہے۔" (ص ۱۲۲)

پھر سوچنے کی بات ہے کہ ان میں خاص حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ہی کیوں لیا گیا۔ صرف اسی لئے کہ ان کی ساری اولاد میں نبوت، حکمت اور اقتدار ملنے کے اہل یہی تھے۔ معلوم ہوا آیت میں مال اور ترکہ کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم و نبوت کی وراثت مراد ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مخصوص تھی اب ذرا آیت کے سیاق، سباق پر بھی غور کر لیجئے اس میں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی فضیلت علمی کا بیان ہے یا ان کی جائداد کی تقسیم کا ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد اٰتینا داؤد وسلیمٰن علماً وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علیٰ کثیر من عبادہ المؤمنین ۝ وورث سلیمٰن داؤد وقال یٰاَیھا الناس عُلّمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیٔ ط ان ھذا لھو الفضل المبین۔

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔ اور ان دونوں نے کہا کہ شکر اللہ کا جس نے ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا۔ اور کہا کہ اے لوگو ہم کو سکھائی گئی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا گیا ہے ہم کو ہر چیز میں سے۔ بیشک یہی ہے کھلی فضیلت۔

حق تعالیٰ نے جو علم حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو عطا فرمایا تھا اسی کا یہ اثر تھا کہ وہ اس کے انعامات کا شکر ادا کیا کرتے تھے شکر نعمت بہت بڑی نعمت ہے اس لئے حق تعالیٰ نے دونوں کی علمی منقبت بیان فرمائی اور اسی علم کے بارے میں فرمایا کہ۔

"وورث سلیمٰن داؤد" الخ سلیمان داود کے قائم مقام ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو سکھائی گئی بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے۔ مطلب صاف ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے تمام بیٹوں میں یہ امتیاز و اختصاص آپ کو ملا کہ آپ اس علم میں ان کے وارث ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات عالی میں نبوت و بادشاہت دونوں نعمتیں جمع فرما دیں۔ دوسری آیت بھی زینی صاحب نے پوری نقل نہیں کی انہوں نے اتنا تو نقل کیا کہ۔

"واٰتٰہ اللہ الملک والحکمۃ" اور اللہ نے داؤد کو حکومت و حکمت عطا کی" (ص ۱۲۲)

لیکن اس کے بعد کے الفاظ "وعلّمہ مما یشاء" (اور سکھایا ان کو جو چاہا) چھوڑ دیے جن میں ان کے علمی امتیاز کا بیان تھا۔ اور علم جو انبیاء علیہم السلام کی اصل میراث ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی میراث ہے جس کے بارے میں امامیہ کی معتبر کتاب "کافی کلینی" میں جناب جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے (جو بزعم امامیہ امام معصوم مفترض الطاعۃ ہیں) مروی ہے کہ۔

ان داؤد ورث علم الانبیاء وان سلیمان ورث داؤد وان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان وانا ورثنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم۔

(باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی)

بلاشبہ حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے علم کے وارث ہوئے اور بلاشبہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے وارث ہوئے، اور بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے اور بلاشبہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے۔

اب کہئیے کیا بات رہی آپ کے ثقۃ الاسلام کلینی صاحب نے باب قائم کر کے بتا بھی دیا کہ "یہ علم نبی کی میراث کا ذکر ہے اب آپ کیوں نہیں مان جاتے۔ جناب جعفر صادق کے یہ الفاظ کہ " انّ داؤد ورث علم الانبیاءؑ " پھر پڑھ لیجئے اور مغالطہ دینے سے باز آیئے۔ اسی بحث میں زینی میاں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

" اس کے بعد بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے۔ بسا اوقات ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر ایک سے زائد نبی بھی ہوئے ان کا جو کچھ ترکہ تھا، وہ بائیبل کے مطابق ان کی اولاد کو ملا " (ص ۱۲۵)

لیکن اس سلسلہ میں " بائیبل " کی کوئی تصریح نقل نہ کی جس سے ان کے دعویٰ کا بائیبل کے مطابق ہونا ثابت ہوتا۔

ان کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس اقرار کے باوجود کہ:

" قرآن صرف فرائض بیان کرتا ہے۔ اس کا تاریخ سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن بائیبل میں بھی زیادہ تفصیل دستیاب نہ ہوئی " (ص ۱۲۵)

بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ یہ غلط بیانی کی ہے کہ۔

" حضرت شعیب کا ترکہ ان کی لڑکیوں کو ملا " (ص ۱۲۵)

زینی میاں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ایک لڑکے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن معلوم نہیں کس مصلحت سے اس کو وارث نہیں بنایا۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ۔

" یہ وہ ملکیت ہے جو حضرت ایوب نبی کے پاس اس وقت موجود تھیں، اور جو آپ نے اپنی زندگی میں بطور ترکہ اپنے سات بیٹوں اور تین بیٹیوں میں تقسیم کی " (ص ۱۲۶)

زینی میاں اتنا نہیں سمجھتے کہ " ترکہ " اس متروکہ کو کہتے ہیں جو مرنے والا اپنے مرنے پر چھوڑ جائے اور اگر وہ زندہ انسان کی تمام ملکیت کو ترکہ سمجھتے ہیں تو کیا کہنے اس زباندانی کے۔ زندگی میں انسان جو کچھ کسی کو دیتا ہے اسے ترکہ نہیں کہتے۔ بحث اصل یہ ہے کہ کوئی نبی جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اپنی وفات پر جو کچھ چھوڑ جائے وہ اس کے قرابت داروں میں بطور وراثت تقسیم ہو گا یا حسب ضرورت اس کی امت کے افراد پر۔

خود زینی میاں نے " بائیبل " کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

" اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں بھی ہوئیں ...... اور اس ساری سرزمین میں ایسی عورتیں کہیں نہ تھیں جو ایوب کی بیٹیوں کی طرح خوبصورت ہوں۔ اور ان کے باپ نے ان کو ان کے بھائیوں کے درمیان میراث دی اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس جیتا رہا اور اپنے بیٹے اور پوتے چوتھی پشت تک دیکھے " (ایوب باب ۴۲ نشان ۱۳ تا ۱۷) (ص ۱۲۶)

زینی میاں اگر آپ اسی کا نام ترکہ اور میراث کی تقسیم سمجھتے ہیں تو آپ کو مان لینا چاہیئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے دونوں نواسوں حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ___ کو اپنی زندگی میں بطور ترکہ کچھ نہیں دیا۔ چلیئے قصہ ختم اب طعن کرنا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیجئے (نعوذ باللہ منہ) اور حضرت صدیق اکبر اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا پیچھا چھوڑیے۔

ان کے بعد حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہاں کو تسلیم ہے کہ:

"حضرت زکریا کے حالات زندگی مفصل طور پر کہیں ذکر نہیں کئے گئے۔" (ص ۱۲۷)

اور وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ:

"قرآن حکیم اور انجیل لوقا سے صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ آپ بے اولاد تھے اور آپ نے ایک وارث کے لئے خاص طور پر اپنے رب سے دعا کی تھی جو قبول ہوئی، اور آپ کو حسب وعدہ وارث عطا کیا گیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کی ملکیت تھی یا نہیں۔" (ص ۱۲۹)

لیکن چونکہ زینی میاں کے نزدیک "وراثت" صرف ملکیت کی ہوتی ہے۔ ان کو اصرار ہے کہ

"حقیقت صرف اس قدر ہے کہ مادّی ملکیت ہی وراثت ہو سکتی ہے۔ علم یا اس جیسی غیر مادی اشیاء وراثت کے دائرہ میں نہیں آتیں۔" (ص ۵۲)

اور ظاہر ہے کہ ایک "مادہ پرست" کی نگاہ اس سے آگے جا بھی نہیں سکتی کہ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست اس لئے انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں بھی "وارث" سے علوم نبوّت کا وارث نہیں بلکہ مادی ملکیت کا وارث مراد لیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام "نجار" یعنی بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے۔ ایک بڑھئی کی حلال کی کمائی کتنی ہو سکتی ہے اور وہ اس میں سے کتنا پس انداز کر سکتا ہے اور وہ بھی بڑھاپے کے زمانے میں۔ اس کا ناظرین خود اندازہ لگالیں اب ان کی ملکیت کا ثبوت ملے تو کہاں سے ملے لیکن آفرین ہے زینی میاں کے ذہن کی بلند پروازی پر انہوں نے ملکیت کا ثبوت نکال ہی لیا، لکھتے ہیں۔

"یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کی ملکیت تھی یا نہیں لیکن دعا کرنا ہی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ کی ملکیت تھی اور آپ اس کا وارث چاہتے تھے دُعا کے قرآنی الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنی ملکیت کو دوسرے رشتہ داروں سے بچانا چاہتے تھے۔" (ص ۱۲۹)

سبحان اللہ کیا کہنے زینی میاں کی اس بلند پروازی کے کہ ان کے نزدیک "ایک نبی کا کردار بھی یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس محنت مزدوری کرنے کے بعد چار پیسے جمع ہو جائیں تو اس کو بڑھاپے میں یہ غم پڑ جائے کہ کہیں یہ پیسے اس کے مرنے کے بعد اس کے رشتہ داروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ (جو زینی میاں کے اصول پر اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث ہو سکتے ہیں) اس لئے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی جا رہی ہے کہ "یا اللہ مجھے بیٹا دے

تاکہ ان وارثوں سے پیچھا چھوٹے " ناظم برین فطانت، فہم رسا ہو تو ایسی ہو، صدقہ خیرات کا تو نبی کی ملکیت میں تصور ہی فضول ہے۔ وہ تو مال اسی لئے جمع کرتا ہے کہ اس کی اولاد کے کام آئے۔ زینی میاں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کردار بھی یہی بتایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

" جس طرح حضرت ابراہیم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اے میرے رب اگر تو نے وارث نہ دیا تو میرا خانہ زاد میری ملکیت کا وارث ہو جائے گا اور یہ خدشہ آپ کو اس لئے تھا کہ آپ کا ترکہ کافی مقدار میں موجود تھا بالکل یہی مفہوم حضرت زکریا کے دعائیہ الفاظ سے مترشح ہوتا ہے" (ص ۱۲۹)

اور یہی وہ پست ذہنیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی کام کر رہی ہے اور آپ کے بارے میں بھی یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ آپ بھی نعوذ باللہ بہت سی جائیداد جس کی آمدنی کا اندازہ کم از کم پچیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ستر ہزار اشرفی سالانہ امامیہ حضرات بتاتے ہیں اور بہت سا ساز و سامان مال مویشی اپنی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چھوڑ کر وفات پا گئے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے ترکہ میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کچھ نہ دیا اور ان کو میراث سے محروم کر دیا۔ ایک ملحد مادہ پرست کسی نبی کے مقام رفیع کو کیا جانے وہ تو نبی کو اپنے اوپر ہی قیاس کرتا ہے اور مادی ملکیت کے بارے میں اس کا اپنا جو رویہ ہوتا ہے وہی نبی کے بارے میں بھی خیال کرتا ہے۔

اب قرآن کریم کی ان آیات پر بھی غور کر لیجئے جو زینی میاں نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے سلسلے میں پیش کی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب پکارا اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے۔ عرض کیا۔ اے میرے رب کمزور ہو گئیں میری ہڈیاں اور شعلہ بھڑ کا سر میں بڑھاپے کا۔ اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے۔ اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش تو مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام سنبھالنے والا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی اور کر اس کو اے رب من مانتا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا رات کی تاریکی اور خلوت میں آہستہ سے کی تھی بڑھاپے میں بیٹا مانگتے تھے بھائی بندوں کی نااہلی کا اندیشہ تھا خیال تھا کہ یہ لوگ میرے بعد راہ نیک نہ بگاڑ دیں اور جو دینی اور روحانی

دولت حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت زکریا علیہ السلام تک پہنچی تھی۔ وہ ضائع نہ کردیں اس لئے دعا مانگی کہ میں بوڑھا ہوں، بیوی بانجھ ہے تو اپنی رحمت سے ایسا بیٹا عطا فرما جو "ولی" یعنی دینی خدمات کا سنبھالنے والا اور کار نبوت کا اٹھانے والا ہو جو میرا بھی وارث ہو اور خاندان یعقوب کا بھی یعنی اس علم و حکمت اور کمالات نبوت کا حامل ہو جو اس خاندان میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے متوارث ہے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ان کی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔ خود زینی میاں نے لکھا ہے کہ۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: "علم انبیاء کی وراثت ہے۔" (ص ۵۲)

اور امامیہ کی مستند ترین کتاب "اصول کافی" میں ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی المتوفی ۳۲۹ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظا وافرا۔ (کتاب فضل العلم)	حضرت ابو عبد اللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء روپیہ اشرفی کا وارث نہیں بناتے۔ وہ صرف اپنی حدیثوں (تعلیمات) کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے ان احادیث (تعلیمات) کو حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔

اس لئے زینی میاں کی سمجھ میں آئے نہ آئے اور وہ مانیں نہ مانیں یہ امر متیقن و متعین ہے کہ "یرثنی ویرث من آل یعقوب" میں وراثت مالی مراد نہیں ہے۔ اور اس کی تائید خود لفظ "آل یعقوب" سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے تمام آل یعقوب کے اموال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ "مالی وراثت" مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلّم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے پھر دعا میں اس کا ذکر کرنا محض بے کار تھا اور یہ خیال کرنا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے مال و دولت کی فکر تھی کہ کہیں میرے گھر سے نکل کر بنی اعمام اور دوسرے رشتہ داروں میں نہ پہنچ جائے نہایت پست اور ادنیٰ خیال ہے انبیاء علیہم السلام کی شان یہ نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاع حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کوئی بڑے دولتمند بھی نہ تھے بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے۔ بھلا ان کو بڑھاپے میں کیا غم ہو سکتا تھا کہ چار پیسے رشتہ داروں کے

ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ العیاذ باللہ۔ علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں قتل کر دیئے گئے تھے پھر ترکہ سے حضرت زکریا کی میراث کے پانے کا کیا سوال رہا۔ غرض یہ محض جھوٹ ہے کہ۔

"حضرت یحییٰ ...... اپنے باپ کے وارث بنے یعنی اپنے باپ کا ترکہ پایا۔" (ص ۱۳۰)

"ترکہ" کے نہیں بلکہ علوم نبوت کے وارث ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ تو زینی میاں کو تسلیم ہے کہ:

"آپ کی کوئی وراثت کسی کو نہ ملی۔ پھر آپ کی کوئی ملکیت موجود نہ تھی ..... لہٰذا حضرت عیسیٰ ہی ایسے نبی ہیں جو نہ وارث بنے اور نہ مورث" (ص ۱۳۱)

مگر ان کو یہ یاد نہ رہا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی اظہار خیال پہلے کر چکے ہیں کہ:

"کہ حضرت موسیٰ کی کوئی ملکیت موجود ہی نہ تھی اور جب آپ کی ملکیت نہ تھی تو ترکہ کا وجود کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ وراثت انبیاء کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔" (ص ۱۱۵)

سچ ہے۔ ؏ دروغ گو را حافظہ نباشد

زینی میاں نے اس بحث کے خاتمہ پر ایک غضب اور کیا ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے برخلاف وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ لکھ گئے ہیں کہ:

"تینتیس سال کی عمر میں یہودیوں نے سازش کر کے مصلوب کرا دیا۔" (ص ۱۳۱)

معلوم ہوا زینی میاں کا ایمان قرآن کریم پر نہیں ہے وہ اس مسئلہ میں یہود کے ہمنوا ہیں کیونکہ قرآن پاک میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ۔

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً ۵ بل رفعہ اللہ الیہ ط وکان اللہ عزیزاً حکیماً ۵

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔ اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر، صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک، بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

یعنی یہود بے بہود پر ان کی جن غلط باتوں پر حق تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب نازل فرمائے اور ان کے دلو
پر مہر لگادی ۔ ان میں ان کا یہ غلط دعویٰ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ۔ مگر زینی میاں اس
کے قائل ہیں شاید ان کے دل پر بھی مہر لگ گئی کہ کسی طرح حق بات ان کے گلے نہیں اترتی ۔ اس بحث میں زینی میاں نے
بعض لطیفے بھی چھوڑے ہیں مثلاً ایک طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ ۔

"آپ حضرت اسحاق کے چھوٹے بیٹے ہیں ۔ آپ کو باپ سے جو کچھ وراثت میں ملا اس سے
کہیں زیادہ آپ نے اپنی ذاتی محنت سے پیدا کیا ۔ تمام نبیوں میں سب سے زیادہ ملکیت آپ ہی
کی تھی ان انبیاء کو چھوڑ کر جو بادشاہ بھی ہوئے ہیں ۔" (ص ۱۰۷)

دوسری طرف تحریر ہوتا ہے ۔

" لابن کی دو لڑکیاں تھیں ۔ لیاہ اور راخل ۔ راخل خوبصورت تھی ۔ حضرت یعقوب نے راخل
کو پسند کیا لیکن آپ کے پاس مہر میں دینے کے لئے کچھ نہ تھا ۔ اس لئے طے پایا کہ وہ مہر کی ادائیگی کے
طور پر لابن کی بھیڑیں سات سال تک چرائیں اور جب شادی ہوئی تو آپ کو معلوم ہوا وہ راخل نہیں
بلکہ اس کی بڑی بہن لیاہ ہے لابن نے کہا ہمارے یہاں بڑی سے پہلے چھوٹی کو بیاہنے کا دستور
نہیں اب تم چاہتے ہو تو سال مزید گلہ بانی کی خدمت انجام دو تو راخل بھی تم سے بیاہ دی جائے
گی سات سال مزید بھیڑیں چرانے پر راخل کی شادی بھی یعقوب سے کردی گئی ۔" (ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

کیا کہنے یا بایں شور اشوری یا بایں بے نمکی ۔ کبھی دولت کے اتنے انبار کہ سارے نبیوں میں سب سے زیادہ
آپ کی ملکیت تھی ۔ کبھی افلاس کا یہ زور کہ مہر تک کی رقم ادا کرنے کے لئے کچھ پاس نہیں ۔ ع ۔
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے ۔ (جاری ہے)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

انسان کی وراثت

(آخری قسط)

چھٹا عنوان ہے "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت" ص ۱۳۲ تا ۱۴۹ -
اس عنوان کے تحت زینی میاں نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ نے کئی شادیاں کیں لیکن ان سے اولاد نہ ہوئی صرف ایک بیوی ماریہ قبطیہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جو کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا" (ص ۱۳۲)

تو واضح رہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ کا شمار ازواج مطہرات میں نہیں، ملک یمین میں ہے۔
اس بحث میں زینی میاں نے لکھا ہے کہ:

"آپ کے ترکہ میں نقد تو کچھ نہ تھا لیکن سواری کے جانور، اسلحہ، زمین اور باغات ضرور تھے" (ص ۱۳۲)

پھر ان کی تفصیل دی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

"کہ آپ کا غیر منقولہ ترکہ ہی ہمیشہ زیر بحث آتا رہا ہے منقولہ ملکیت پر کبھی اظہار خیال نہیں کیا گیا" (ص ۱۴۳)

پھر خود ہی منقولہ ملکیت کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

"یہ تمام اشیاء اور اسلحہ وغیرہ حضرت عائشہ ہی کے قبضہ میں تھا" (ص ۱۴۳)

اور بغیر کسی روایت کا حوالہ اور سند نقل کئے یہ لکھ دیا ہے کہ:

"ان روایات سے جنہیں معتبر تسلیم کر لیا گیا ہے اس امر کا ثبوت واضح طور پر مل جاتا ہے کہ تمام منقولہ ترکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبضہ میں تھا" (ص ۱۴۴)

پھر یہ افسانہ تراشا ہے کہ:

"حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت کی وفات کے بعد کچھ دن انتظار کیا اور پھر اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ترکہ طلب کیا، خلاف توقع جواب سن کر آپ کو انتہائی دکھ ہوا یہی شکایت لے کر آپ حضرت عائشہ کے والد بزرگ کے پاس آئیں، مگر یہاں بھی مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔" (ص ۱۴۶)

یاد رہے یہ سب کہانی خود زینی میاں کی بنائی ہوئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جھوٹوں کا منہ کالا کرے ۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین
کیونکہ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ:

" یہ حقیقت (ہے) کہ وراثت کے مسئلہ سے بحث کے متعلق تمام کتب میں صرف غیر منقولہ ترکہ ہی کا ذکر ملتا ہے اور منقولہ ترکہ کی کوئی بات نہیں کی گئی اس کی صاف وجہ محض یہ ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ دونوں قسم کا ترکہ دینے سے انکار اور اس پر ردو قدح کے بعد مایوس ہو کر صبر سے کام لے کر خاموشی اختیار کر لی گئی اور اسی غم واندوہ اور مایوسی کی حالت میں تقریباً تین ماہ بعد وارث کا انتقال ہو گیا پھر یہ مسئلہ اس طور پر زیر بحث نہیں آیا۔" (ص ۱۴۶ و ۱۴۷)

جب تمام کتب میں منقولہ ترکہ کی کوئی بات نہیں کی گئی، تو منقولہ ترکہ کے بارے میں آپ کا یہ فسانہ طبع زاد نہیں تو اور کیا ہے افسوس ہے کہ زینی میاں کو حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ کے بارے میں یہ فسانہ تراشتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی اور یہ بھی محض جھوٹ ہے کہ۔

" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اسی غم واندوہ اور مایوسی کی حالت میں انتقال ہو گیا۔"

ایک دنیا دار آدمی دوسرے کو بھی اپنی طرح کا ہی سمجھتا ہے۔ وہ اللہ والوں کو کیا جانے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ حضرت بتول کا انتقال اسی دنیا کے مال ومتاع کے نہ ملنے کے باعث اس کے صدمے اور غم سے ہو گیا تو ایک پرلے درجے کے دنیا دار اور ان میں کیا فرق باقی رہا۔ اور ان کی اصلاح کیا خاک ہوئی۔ زینی میاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تو دشمن ہیں ہی مگر وہ اپنے بزرگوں کا کردار بھی ایسا غلط کر کے پیش کرتے ہیں کہ جو شخص سنے ان پر نفریں کرنے لگے حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک طرف۔ انہوں نے تو انبیاء اولوا العزم کو بھی ایسا سرمایہ دار اور دنیا کا حریص بنا کر پیش کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جھوٹ کو سچ باور کر لے تو اس کا ایمان سلامت نہ رہے العیاذ باللہ آدمی جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی عقل بھی ماری جاتی ہے۔ خود ان ہی کا بیان ہے کہ:

" تمام روایات واحادیث کی کتب میں، یا ان تحریروں میں جہاں کہیں اس مسئلہ پر کوئی بحث ہے، صاف طور پر لکھا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خیبر اور فدک کی زمین اور باغات کی حیثیت کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رائے رونما ہوا۔ ایک طرف حضور کی ازواج مطہرات نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ رسول اللہ کے ترکہ سے ان کا ایک حصّہ ادا کیا جائے۔ دوسری طرف آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تقاضا کیا کہ خیبر اور فدک کی جائداد حضور کی میراث کے طور پر ان میں تقسیم کی جائے۔"

" کتب احادیث اور تاریخ میں جو روایات ملتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک اصول کی بنا پر یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ زمین اس مصرف میں لائی جائے گی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لایا کرتے تھے۔" (ص ۱۴۸ و ۱۴۹)

سابق میں گزر چکا کہ مال فی جس میں خیبر و فدک کی زمین اور باغات داخل تھے ان کا مصرف خود قرآن

کریم نے متعین فرمایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں اس کی آمدنی کو اسی مصرف میں صرف فرماتے تھے جس میں صرف کرنے کا حق تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔ آپ کی وفات پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو آپ نے ان تمام حضرات سے جو مال فے کو بطور میراث تقسیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے صاف فرما دیا کہ۔

"یہ زمین اس مصرف میں لائی جائے گی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لایا کرتے تھے۔"

یہ اصول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی جی سے نہیں گھڑا تھا۔ قرآن کریم کی یہی تصریح ہے۔ کتاب اللہ کو کھول کر آج بھی دیکھا جا سکتا ہے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد اسی کے مطابق تھا۔ ظاہر ہے کہ اس اصول کے واضح ہو جانے کے بعد میراث مانگنے والوں کو اپنے موقف کی غلطی واضح ہو گئی اور پھر ان میں سے کسی نے بھی اس کے تسلیم کرنے میں ذرا سی بھی چون و چرا نہ کی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غم میں مرے کہ ہائے مجھے حضور علیہ السلام کی میراث میں سے حصہ کیوں نہ ملا۔ نہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی ایک کا بھی اسی اندوہ والم میں انتقال ہوا اتنا ہی نہیں بلکہ ان میں سے کسی سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس موقف سے اختلاف مروی نہیں۔ خود زینی میاں نے لکھا ہے کہ۔

"اس موقع پر کسی عرب قبیلے نے آواز بلند نہ کی" (ص ۸۶)

معلوم ہوا اس وقت کی ساری اسلامی دنیا کا بشمول علی مرتضیٰ وہی متفقہ فیصلہ تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا۔ اہل سنت کا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ وہ بھی حضرت صدیق اکبر کے فیصلے پر مطمئن تھیں اور اسی بنا پر انہوں نے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں کی اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے اپنے دور خلافت میں اسی کے مطابق کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ مگر زینی میاں کی عقل میں اتنی موٹی سی بات نہیں آتی وہ اسی پر اڑے ہوئے ہیں کہ نہیں اور کوئی مرے نہ مرے مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تو باغ فدک کے نہ ملنے کا ایسا غم ہوا کہ اس نے ان کی جان لے کر چھوڑی لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آپ غم واندوہ کا غبار لئے حضرت ابوبکر سے ناراض واپس آگئیں۔ آپ پر اس مایوسی کا غلبہ اس درجہ رہا کہ پھر آپ نے کسی عنوان سے اس کا مطالبہ نہ کیا۔ اس صدمہ سے آپ بیمار ہو گئیں اور اس واقعہ سے تین چار ماہ بعد انتقال کر گئیں۔" (ص ۱۶۳)

ہائے دنیا کی محبت بھی کیا بلا ہے جان لئے بغیر نہ رہ سکی۔ نعوذ باللہ من اکاذیب المفترین۔ خدا کی جھوٹوں پر لعنت ہو۔ زینی میاں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ حضرت بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دنیا کی حریص ترین خاتون ثابت کیا۔ بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ان کے اخلاق حسنہ کے دامن پر جھوٹ کا دھبہ بھی ڈال دیا لکھتے ہیں۔

"اسی طرح معتبر کتب میں ہبہ سے متعلق ایک دعویٰ کا ذکر ملتا ہے جس میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے یہ کہا تھا " فدک کا ایک باغ میرے بابا نے اپنی زندگی ہی میں مجھے دیدیا تھا ۔ اگر ترکہ دینے میں عذر ہے تو ہبہ ترکہ سے خارج ہے " کہا جاتا ہے اس پر حضرت ابوبکر نے گواہ طلب کئے اہل بیت میں سے تین مرد اور ایک کنیز فضہؓ نے گواہی دی ۔ مگر یہ گواہی رد کردی گئی اور ہبہ تسلیم نہیں کیا ۔ اگر یہ صحیح ہے اور اسے صحیح ہونا چاہئے تو صاحب معاملہ شخصیت نے گواہی اور ہبہ کو تسلیم نہیں کیا مگر ترکہ کے وجود سے انکار نہیں کیا ۔ (ص ۱۴۹) یہی بات ص ۱۶۰ و ۱۶۱) پر بھی دہرائی گئی ہے ۔

" فدک " کے ہبہ کا دعویٰ محض جھوٹ ہے اور اُسے جھوٹ ہونا ہی چاہیئے جب بابا نے (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی زندگی میں اپنی پیاری بیٹی کو باوجود درخواست کرنے کے خدمت کے لئے ایک غلام کا دینا تک گوارا نہ کیا کہ جو گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹا سکے اور اس کی بجائے " تسبیح فاطمہ " کا ورد بتا دیا تو " فدک کے باغ " کو کیونکر ہبہ کیا جا سکتا تھا کہ جس کی آمدنی سے ایک غلام نہیں بیسیوں غلام خریدے جا سکتے تھے ۔ پھر ہبہ کی صحت قبضہ پر موقوف ہے ۔ جب باغ پر قبضہ نہ ہوا تو ہبہ کالعدم ۔ پھر ایسا جھوٹا دعویٰ کب قابل سماعت ہے اور اگر ہبہ کا دعویٰ صحیح تھا تو شئی موہوبہ پر وراثت کا دعویٰ غلط ہے اور اگر وراثت کی بنا پر استحقاق کا دعویٰ تھا تو ہبہ کا دعویٰ غلط تھا ۔ غرض کسی پہلو سے غور کیا جائے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اسلامی عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کرنے کا الزام عائد ہوتا ہے ۔ جو زینی میاں کی عقل میں آئے تو آئے ۔ ہم تو ہزار بار ایسی مقدس خاتون کے بارے میں اس قسم کا اظہار خیال کرنے سے تحاشی کرتے ہیں ۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں کو سمجھے ۔

اور " معتبر کتب " کی خوب رہی ۔ حضرات اہل سنت کی کتابیں تو اس قسم کی بے ہودہ خرافات سے بالکل خالی ہیں رافضیوں کی کتابوں میں اگر یہ کہانی منقول ہے تو قابل اعتبار نہیں کہ وہ اکذب خلق اللہ ہے ۔

اور زینی میاں نے جو یہ لکھا ہے کہ

" منقولہ ملکیت پر کبھی اظہار خیال نہیں کیا گیا جب کہ یہ بھی ترکہ اور وارث کے حق میں شامل ہے " (ص ۱۴۳)

یہ محض ان کی کم علمی کا نتیجہ ہے ۔ شیعہ امامیہ کی معتبر ترین کتاب " اصول کافی " میں ایک مستقل باب ان الفاظ میں قائم کیا گیا ہے یعنی ۔

باب ما عند الائمۃ من سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ومتاعہ ۔	ائمہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحہ اور ساز و سامان میں سے کیا کیا چیزیں موجود تھیں

اور پھر اس باب کے تحت حسب ذیل روایات منقول ہیں ۔

(۱) امام جعفر صادق فرماتے ہیں :

ان عندی لسیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، وان عندی لرایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ودرعہ ولامتہ ومغفرہ۔ وان عندی لرایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المغلبۃ۔ ولقد لبس ابی درع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطت علی الارض خطیطا ولبستہا انا فکانت وکانت وقائمنا من اذا لبسہا ملأھا ان شاء اللہ۔	بیشک میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ہے اور بے شک میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم اور جوشن اور زرہ اور خود ہے۔ اور بے شک میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم ظفر بخش ہے اور بیشک میرے پدر بزرگوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ پہنی تھی تو اس کا دامن تھوڑا سا زمین پر گھسٹتا تھا اور خود میں نے پہنی تو کبھی گھسٹتا تھا اور کبھی نہیں۔ اور قائم آل محمد وہ ہوگا کہ جس کے بدن پر یہ زرہ بالکل راست آئے گی۔

(۲) امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

عندی سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا انازع فیہ۔	میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار ہیں اور اس بات میں کسی کو مجھ سے نزاع نہیں ہے۔

(۳) امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المتاع سیفا ودرعا وعنزۃ ورحلا وبغلتہ الشہباء فورث ذلک کلہ علی بن ابی طالب علیہ السلام۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامان میں حسب ذیل اشیا چھوڑی تھیں۔ شمشیر زرہ، بھالا، کجاوہ، سفید خچر اور یہ سب چیزیں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو وراثت میں ملیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں بنتا اس لئے اس روایت پر "کافی" کے شارح جواد مصطفوی نے یہ نوٹ دیا ہے کہ:

"یعنی چون ایں اسلحہ نشانہ امامت و جانشینی آنحضرت بود، باو منتقل شد وایں ہامانند دین ووصیت از ترکہ خارج است۔" (ج ۱۔ ص ۳۳۹۔ طبع طہران ۱۳۸۵ھ)	یعنی چونکہ یہ اسلحہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت و جانشینی کی علامت تھے اس لئے یہ آپ کو منتقل ہوئے اور یہ سب چیزیں قرض اور وصیت کی رقم کی طرح ترکے سے خارج ہیں۔

زینی میاں ذرا سوچیں ابو الائمہ نے اپنی امامت و جانشینی کا سارا ساز و سامان تو اپنے قبضہ میں کر لیا مگر حضرت

سیدہ طاہرہ بتول رضی اللہ تعالی عنہا کو اپنے بابا کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں دلوایا۔ معلوم ہوا۔ حضرت کا مذہب بھی یہی تھا کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور تاریخ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالی عنہما نے ان اسباب کے لینے پر حضرت علی کی کچھ مزاحمت کی ہو یا کسی نے ان سے اس سلسلہ میں باز پرس کی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے متروکہ میں اگر حضرت فاطمہ و حضرت عباس یا ازواج مطہرات کا از روئے شرع کوئی حق ہوتا تو ضرور ان حضرات کو دیدیا جاتا۔

(۴) امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

لبس أبی درع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات الفضول فخطت ولبستھا انا ففضلت۔	میرے ابا (امام باقر) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ ذات الفضول نامی پہنی تو وہ زمین پر گھسٹنے لگی اور میں نے اس کو پہنا تو وہ میرے قد سے زیادہ تھی۔

(۵) احمد بن ابی عبداللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے امام ابو الحسن رضا سے شمشیر ذوالفقار کی بابت جو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تلوار تھی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

ھبط بہ جبرئیل علیہ السلام من السماء وکانت حلیتہ من فضۃ وھو عندی۔	جبرئیل علیہ السلام اس کو آسمان سے لیکر آئے تھے اس پر چاندی کا کام تھا اور وہ تلوار میرے پاس موجود ہے۔

(۶) امام موسیٰ بن جعفر فرماتے ہیں:

السلاح موضوع عندنا مدفوع عنہ۔	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) اسلحہ ہمارے پاس رکھے ہوئے۔ اور ہر قسم کی گزند سے محفوظ ہیں۔

(۷) امام باقر فرماتے ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قبض ورث علی علیہ السلام علمہ وسلاحہ وماھناک ثم صار الی الحسن ثم صار الی الحسین علیھما السلام۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کا علم، آپ کے ہتھیار اور جو کچھ بھی آپ کا ساز و سامان تھا سب حضرت علی علیہ السلام کو وراثت میں ملا۔ پھر آپ کے بعد حضرت حسن کو اور ان کے بعد حضرت حسین کو علیہما السلام۔

خدا جانے جب علم، اسلحہ اور وماھناک یعنی جو کچھ اس وقت کاشانہ نبوی میں موجود تھا سب ان کو مل گیا تو اب کاہے کا واویلا ہے۔ خدا سمجھے ان لوگوں کو جو کسی طرح ماننے کو تیار نہیں۔

(۸) امام جعفر صادق فرماتے ہیں؛

ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لما قبض ورث علی علیه السلام علمه وسلاحه وما هناک ثم صار الی الحسن ثم صار الی الحسین علیهما السلام قال - قلت: ثم صار الی علی بن الحسین ثم صار الی ابنه ثم انتهی الیک فقال - نعم -	بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام آپ کے علم کے اسلحہ کے اور جو کچھ اس وقت وہاں موجود تھا اس سب کے وارث ہوئے پھر ان کے بعد یہ سب چیزیں حضرت حسن کے پاس آئیں پھر حضرت حسینؑ کے پاس علیہما السلام - راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق سے عرض کیا کہ پھر یہ سب متروکہ حضرت امام علی بن الحسین (زین العابدین) کو ملا - پھر ان کے صاحبزادے (امام باقر) کو - اور پھر آپ تک پہنچا امام جعفر صادق نے فرمایا - ہاں -

(۹) حضرت جعفر صادق سے ایک طویل روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقتِ وفات حضرت علیؑ سے فرمایا -

قال یا علی یا اخا محمد اتنجز عدات محمد وتقضی دینه وتقبض تراثه؟ فقال نعم بابی انت وامی ذاک علی ولی، قال ، فنظرت الیه حتی نزع خاتمه من اصبعه فقال : تختم بهذا فی حیاتی، قال : فنظرت الی الخاتم حین وضعته فی اصبعی فتمنیت من جمیع ما ترک الخاتم ثم صاح یا بلال علیّ بالمغفر والدرع والرایة والقمیص وذی الفقار والسحاب والبرد والابرقة والقضیب قال فو الله ما رأیتها غیر ساعتی تلک یعنی الابرقة فجئ بشقة کادت تخطف الابصار فاذا هی من ابرق الجنة فقال یا علی! ان جبرئیل اتانی بها	اے علی! اے برادر محمد! کیا تم محمد کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کر سکو گے ، اس کے قرض کو ادا کرو گے اور اس کی میراث کو لو گے ، علی نے عرض کیا: جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان ، اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میراث بھی میں ہی لوں گا - حضرت علی کا بیان ہے پھر میں نے آنحضرت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنی انگوٹھی نکالی اور مجھ سے فرمایا کہ تم اس کو میرے جیتے جی ہی پہن لو حضرت علی کا بیان ہے کہ جب میں نے انگشتری مبارک کو اپنی انگلی میں ڈال کر دیکھا تو میری یہ تمنا ہوئی کہ آپ کے تمام متروکہ میں سے اگر صرف یہ انگشتری ہی مجھے مل جاتی تو کافی تھی - اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا کہ وہ خود ، زرہ ، پرچم ، قمیص ، ذوالفقار ، سحاب نامی عمامہ ، چادر ، کمر پیٹی - عصا سب میرے

قال : یا محمد اجعلها فی حلقة الدرع
واستذفر بها مکان المنطقة ۔ ثم
دعا بزوجی نعال عربیین جمیعًا
احدهما مخصوف والآخر غیر مخصوف
والقمیصین ، القمیص الذی اسری
به فیه والقمیص الذی خرج فیه
یوم احد والقلانس الثلاث قلنسوة
السفر وقلنسوة العیدین والجمع و
قلنسوة کان یلبسها ویقعد مع اصحابه
ثم قال یا بلال علیّ بالبغلتین الشهباء
والدلدل والناقتین العضباء والقصواء
والفرسین ۔ الجناح کانت توقف
بباب المسجد لحوائج رسول الله
صلی الله علیه واله وسلم
یبعث الرجل فی حاجته فیرکبه
فیرکضه فی حاجة رسول الله
صلی الله علیه واله وسلم
وحیزوم وهو الذی کان یقول
اقدم حیزوم والحمار عفیر
فقال : اقبضها فی حیاتی
فذکر امیر المؤمنین علیه
السلام ان اول شیء من الدواب
توفی عفیر ساعة قبض رسول
الله صلی الله علیه واله
وسلم قطع خطامه ثم
مرّ یرکض حتی اتی
بئر "بنی خطمة"

پاس لیکر آؤ ۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ بخدا میں
نے اس سے پہلے اس کمر پیٹی کو نہ دیکھا تھا ۔ اس
کمر پیٹی کا ایک قطعہ لایا گیا تو معلوم ہوتا تھا آنکھیں
خیرہ ہو جائیں گی ۔ پتہ چلا کہ یہ تو جنت کے کمر پیٹیوں
میں سے ہے پھر آپ نے ارشاد فرمایا علی یہ
جبریل میرے لئے لیکر آئے اور کہنے لگے اے محمد اس
کو زرہ کی کڑیوں میں سے نکال کر کمر پیٹی کی جگہ باندھ
لو ، پھر آپ نے دو جوڑے عربی جوتوں کے منگوائے
جن میں ایک جوڑا مرمت شدہ تھا اور دوسرے کی
مرمت کی ضرورت نہ پڑی تھی ، اور دو قمیصیں منگوائیں
ایک وہ جو شب معراج کو زیب تن فرمائی تھی ، دوسری وہ
جس کو پہن کر آپ جنگ احد کو روانہ ہوئے تھے
اور تین ٹوپیاں منگوائیں ایک وہ جو سفر میں استعمال
فرماتے تھے دوسری وہ جو عیدین اور جمعہ کے
دن پہنتے تھے تیسری وہ جس کو پہن کر آپ
مجمع اصحاب میں تشریف فرما ہوتے تھے ۔
پھر ارشاد ہوا بلال وہ دونوں خچر بھی لیکر آؤ "سفید
خچر" بھی اور "دلدل" بھی اور دونوں اونٹنیاں
بھی حاضر کرو ، "عضباء" بھی اور قصواء بھی ، اور
دونوں گھوڑے بھی ، ایک "جناح" جو مسجد نبوی
کے دروازے پر اس لئے حاضر رہتا تھا کہ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی ضرورت
پیش آئے کسی شخص کو بھی اس پر سوار کر کے بھیج دیں
دوسرا "حیزوم" جس سے آپ فرمایا کرتے
تھے کہ بڑھ اے حیزوم اور وہ گدھا بھی لاؤ جس
کا نام "عفیر" تھا (جب یہ سب چیزیں آگئیں)
تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی

بقباء فرمی بنفسہ فیھا فکانت قبرہ۔

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا تم ان سب چیزوں پر میری زندگی ہی میں قبضہ کر لو۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ ان جانوروں میں سب سے پہلے جس کو موت آئی وہ "عفیر" (نامی گدھا) تھا جیسے ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اس نے رسی تڑا کر بھاگنا شروع کیا اور جب قباء میں پہنچا تو بنی خطمہ کے کنویں میں کود کر اپنی جان دیدی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔

اب زینی میاں ذرا اپنے لکھے پر نظر ڈالیں وہ کہتے ہیں :-

"ان اشیاء میں سے کسی معمولی چیز کا وارث کو دنیا تاریخ سے ثابت نہیں۔" (ص ۱۴۲)

یہ ٹھیک ہے کہ بزعم زینی میاں حضور علیہ السلام کی "تنہا وارث" حضرت فاطمہ کو ان میں سے کوئی معمولی چیز بھی نہیں ملی مگر اب تاریخ سے کیا ثابت ہوا۔ تاریخ کو چھوڑیے شیعہ امامیہ کی معتبر ترین کتاب "اصول کافی" جو ان کے یہاں حدیث کی سب سے معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے مرتب کو "ثقۃ الاسلام" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس نے کیا بتایا؟ یہ سب چیزیں کس کے گھر سے نکلیں؟ اب اس سے زیادہ کیا اور کوئی معتبر ثبوت درکار ہے؟

زینی میاں مدعی ہیں کہ:

"تمام منقولہ ترکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبضہ میں تھا۔" (ص ۱۴۴)

اور نکلا حضرت علی اور ان کی اولاد کے پاس مگر حسن کی اولاد کے پاس نہیں کہ وہ تو محروم الارث تھے خدا جانے کیوں؟ شاید اس جرم کی پاداش میں کہ حضرت حسن نے خلافت حضرت معاویہ کو منتقل کر دی تھی۔ سب ترکہ اولاد حسین ہی نے اپنے پاس رکھا بلکہ "اصول کافی" کی روایت کے مطابق تو وہ حسنیوں کو اس کے دکھانے تک کے روادار نہ تھے۔

اب تین ہی صورتیں ہیں:

(۱) یا تو زینی میاں خود جھوٹے ہیں۔

(۲) یا ان کے ثقۃ الاسلام کلینی صاحب جھوٹے ہیں کہ انہوں نے ایک نہیں نو روایتیں اپنی طرف سے گھڑ کر کتاب میں درج کر ڈالیں۔

(۳) یا پھر ائمہ کا دعویٰ جھوٹا ہے کہ بغیر کچھ ملے ملائے نری شیخی بگھارتے ہیں۔

زینی میاں ان تینوں صورتوں میں جونسی صورت ان کو پسند ہو اختیار کر لیں ہم نے ساری صورت حال ان کے سامنے واضح کر دی ہے۔

ثقۃ الاسلام ابوجعفر کلینی صاحب نے ان روایات میں بار بار " ورث " کا صیغہ نقل کیا ہے اور ایک جگہ تراث کا۔ اگر یہ وراثت اسی معنی میں ہے جس معنی میں زینی میاں سمجھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ہوتے حضرت علی کا وارث ہونا کیا معنی، اور حضرت فاطمہ کو وراثت سے حضرت علی نے محروم رکھا یا حضرت ابوبکر نے۔ حضرت علی کو تو یہ چاہیئے تھا کہ خدمت نبوی میں یوں عرض پیرا ہوتے کہ یہ سب چیزیں تو حضرت فاطمہ کا حق ہیں میں کیونکر ان چیزوں کا وارث ہو سکتا ہوں اور زینی میاں نے جس طرح حضرت فاطمہ کو حضرت عائشہ سے جا بھڑایا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے بھی یہ علم میں تھا کہ نہیں کہ یہ سب چیزیں حضرت علی وصول کر چکے ہیں۔ کیا حضرت علی نے ان سب گھوڑوں، گدھوں، خچروں اور اونٹنیوں کو کسی چوہے کے بل میں لے جاکر چھپا دیا تھا جو وہ ان کو نظر نہ آسکیں؟ یا یہ سب مال واسباب کسی اور کے یہاں لے جاکر اس طرح رکھ آئے تھے کہ حضرت فاطمہ کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو سکی اور وہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد سیدھی جاکر حضرت عائشہ سے ان کا تقاضا کرنے لگیں۔ کیا یہ سب چیزیں حضرت عائشہ نے اپنے حجرہ میں جو مسجد نبوی سے ملحق تھا محفوظ کر رکھی تھیں۔ اللہ کے بندے کچھ شرم سے کام لو حضرات صحابہ پر طعن کرنے سے جو پھٹکار پڑتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی کو سچ بولنے کی توفیق نہیں ملتی۔ عقل جاتی رہتی ہے اب ہم اس کے سوا آپ سے کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع بے باش وہرچہ خواہی کن۔

آپ کی ساری کتاب اسی بے حیائی کا مرقع ہے کاش آپ کو توبہ کی توفیق نصیب ہو۔

یہ تھی اس منقولہ ملکیت کی تفصیل جو امامیہ کے ائمہ معصومین کی زبانی ہم نے ان کی سب سے معتبر کتاب " اصول کافی " کے حوالہ سے پیش کی۔ رہی غیر منقولہ جائداد تو اس کے بارے میں خود زینی نے لکھا ہے کہ۔

"آپ نے مدینہ میں ۶۲ سال کی عمر میں ۶۳۲ء میں وفات پائی اس وقت آپ کی اولاد میں صرف ایک شادی شدہ لڑکی موجود تھیں۔ مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ نے بوقت وصال ترکہ چھوڑا تھا۔ آپ کے ترکہ میں نقد تو کچھ نہ تھا لیکن سواری کے جانور، اسلحہ، زمین اور باغات ضرور تھے۔ ام المؤمنین جویریۃ کے بھائی عمرو بن حویرث سے بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے"۔ (ص ۱۳۲ و ۱۳۳)

اسلحہ، سواری کے جانور اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشاک کے بارے میں آپ نے " کافی کلینی " کے حوالہ سے پڑھ لیا کہ وہ سب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیدیے گئے تھے۔ آپ کے وہ قرابت دار جو اگر انبیا کی وراثت تقسیم ہوا کرتی تو آپ کے وارث ہوتے ان کو ان میں سے کچھ نہ ملا۔ نہ حضرت فاطمہ کو نہ حضرت عباس کو نہ ازواج مطہرات کو (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) یہ بات خود حضرات امامیہ کو بھی تسلیم ہے ورنہ ان کے ائمہ معصومین کی وہ تصریحات

ھ ملاحظہ ہو " اصول کافی " باب ما عند الائمۃ من سلاح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ومتاعہ۔

جو"اصول کافی" سے نقل کی گئیں غلط ٹھیریں گی۔ ظاہر ہے ایسا کیوں ہوا اسی لئے کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ وہ وقف عام ہوتا ہے ورنہ سب سے پہلے یہ چیزیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملتیں کہ باپ کے ترکہ میں بیٹی کا آدھا حصہ ہوتا ہے نصف متروکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دینے کے بعد متروکہ کا آٹھواں حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ملنا چاہیئے تھا اور پھر جو کچھ بچ جاتا وہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملتا۔ یعنی بالفرض اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متروکہ میں وراثت جاری ہوتی تو کل متروکہ ۲۴ سہام پر تقسیم ہو کر ۱۲ سہام ان میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں آتے۔ تین سہام حضرات ازواج مطہرات کے بنتے اور باقی نو سہام ترکے میں سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملتے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا اور ہرگز نہیں ہوا بلکہ بقول زینی میاں کے۔

"جب وراثت کے انکار کے لئے حیلہ تراشا گیا تو کوئی ایک عرب بھی ایسا نہ تھا جو اس عمل کو رد کرنے کے لئے دو ٹوک بات کرتا۔" (ص ۲۲۳)

چلئے چھٹی ہوئی خود حضرت علی کو بھی دو ٹوک بات کرنا نصیب نہ ہوا۔ بڑے بزدل تھے مگر یہ تو زینی میاں کا مالیخولیا ہے۔ ہم تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بارے میں ایسا تصور خواب میں بھی نہیں کر سکتے۔ بہر حال جب باتفاق عامہ مسلمین ایسا ہی ہو گیا تو صاف واضح ہوا۔ کہ تمام امت کے نزدیک بشمول اہل بیت انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوا کرتی ان کا متروکہ اگر ہو تو وہ سب مسلمانوں کا حق ہے۔ خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، منقولہ اگر کسی کے پاس ہو گا تو وہ بطور تبرک ہو گا۔ نہ کہ بطور وراثت اور غیر منقولہ کو امام و خلیفہ اسی مصرف میں صرف کرے گا۔ جس میں خود انبیاء صرف کرتے آئے تھے۔ چنانچہ اموال فئی میں جو حضرات شیخین کا عملدر آمد تھا وہی حضرات علی اور حضرت حسن کا اپنے اپنے عہد خلافت میں رہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اموال فئے کے بارے میں مکرر بحث گزر چکی ہے کہ ان کا مصرف خود قرآن کریم نے متعین کر دیا ہے اب اگر حضرات امامیہ اس حدیث کو نہ مانیں کہ۔

" لانورث ما ترکنا صدقۃ (ہم انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔"

تو کچھ ہرج نہیں۔ قرآن کریم ابھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس میں مال فئے کا مصرف بیان کر دیا گیا ہے۔

اس لئے زینی میاں نے اس حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے بقیہ عنوانات کے تحت آخر کتاب تک جو کچھ ہرزہ سرائی کی ہے وہ قابل لحاظ نہیں۔ خواہ مخواہ انہوں نے اتنے اوراق سیاہ کر کے اپنا وقت ضائع کیا۔ البتہ اس سلسلہ میں انہوں نے جو بے سند ہوائی باتیں کی ہیں ان میں سے بعض کی نشاندہی مناسب معلوم ہوتی ہے جو نمبر وار حسب ذیل ہیں۔

(۱) "ایک وہ روایت ہے جس میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے تنازعہ کا ذکر ہے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بیہوشی کی حالت میں حضرت عائشہ کے حجرہ میں لایا گیا۔ روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلعم کا لباس نکال کر دکھلایا اور کہا " ابھی تو آپ کا لباس میلا بھی نہیں ہوا کہ اصحاب رسول اتنے بدل گئے۔" (ص ۱۴۴)

یہ روایت کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کی صحت کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) "سنہ ۴۰ھ کے بعد جب فریقین کے درمیان اس قضیے نے سر اٹھایا" (ص ۱۴۷)

میراث نبوی کی تقسیم کے سلسلے میں سنہ ۴۰ھ کے بعد اس قضیے کو سر اٹھانے کا ثبوت کیا ہے؟

(۳) " کیا آنحضرت صلعم بار بار صحابہ سے نہ کہتے رہے کہ "تم میں سے ابھی تک جاہلیت کی بو نہیں گئی ہے" (ص ۱۵۲)

یہ بات آپ نے کہاں پڑھ لی ثبوت دیجئے۔ ان صحابہ کے نام بتایئے جن سے آپ نے یہ فرمایا۔ بار بار کہنے کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔

(۴) " زینی میاں نے لکھا ہے کہ:

" ماہرین نے نسلی عادات کی تبدیلی کی مدت کا تعین دوسری نسل کے جوان ہونے تک کیا ہے اور یہ فطرت کا بنایا ہوا اصول ہے الخ (ص ۱۵۲ و ۱۵۳)

یہ اصول صرف صحابہ پر کیوں لاگو ہوا علی اور ان کی اولاد کے بارے میں کیوں معطل رہا؟

(۵) " ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں ایک نبی بھی ایسا نہیں جس نے چند کے سوا اپنے پیروکار پیدا کئے ہوں " (ص ۱۵۴)

کیوں جھوٹ بول کر اپنا منہ کالا کرتے ہو۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت بحر قلزم پار کیا تو ان کے ساتھ صرف چند ہی آدمی تھے؟ فرعون کی عقل بھی آپ کی طرح ماری گئی تھی جو وہ اتنا بڑا لاؤ لشکر لے کر گنتی کے چند آدمیوں کے تعاقب میں نکلا اور اپنا بیڑہ غرق کیا آپ کا قرآن سے زیادہ بائیبل پر یقین ہے پھر اسی کو نکال کر پڑھ لیجئے کہ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو اس وقت ان کی تعداد کتنی تھی، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان لانے کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے اور ان کی تعداد بھی خود قرآن کریم نے ایک لاکھ سے اوپر ہی بتائی ہے۔ مگر آپ کے نصیب میں ایمان کہاں؟ یا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام نبی ثابت کرنے کے لئے اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن کرتے ہوئے اس مقام پر کئی صفحے سیاہ کئے ہیں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ زینی میاں یاد رکھیں۔ صحابہ پر جو طعن ہوگا اس کی زد سے اہل بیت بھی نہ بچ سکیں گے۔ سوچئے خوب سوچئے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت موسیٰ اور یونس علیہما السلام سے بھی کم ہے کہ ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد معدودے چند افراد سے تجاوز نہ کر سکی۔ خوارج اور نواصب اگر یہی بات حضرت علی اور ان کی اولاد کے

بارے میں دہرائیں تو آپ کیا جواب دیں گے ؟ آپ نے دولت ہتھیانے کے لئے حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو کردار اس کتاب میں پیش کیا ۔ وہ وہی ہے ۔ جو آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن کرنے کی غرض سے عرب قوم کا بتارہے ہیں اور سادات اہل بیت تو ساری عرب قوم کے سردار تھے پھر ان میں تو یہ سب باتیں بدرجہ اولیٰ ہونی چاہییں تھی جو آپ عرب قوم کا شعار بتاتے ہیں ۔ نعوذ باللہ من ھذہ الاکاذیب و الخرافات ۔

زینی میاں نے بڑی ترنگ میں یہ بات مزے لیکر بیان کی ہے کہ ۔

" ڈاکٹر طٰہٰ نے کیا خوب کہا کہ اسلام اپنی صحیح صورت میں صرف تیئیس سال رہا اور اس کے بعد جاہلیت لوٹ آئی "۔ (ص ۱۵۷)

افسوس ہے کہ اس اندھے بے ایمان کے کہنے میں آکر زینی میاں نے بھی اپنا ایمان کھویا وہ یہ الفاظ لکھ کر اپنے جی میں بہت خوش ہوئے کہ صحابہ پر تبرا کا حق ادا کر دیا مگر اتنا نہ سمجھ پائے کہ اس ملحد نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہی کو بیکار بنا دیا ۔ جب آپ کے دنیا سے جاتے ہی جاہلیت لوٹ آئی تو اب علی و فاطمہ و حسن و حسین کا اسلام کہاں باقی رہا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خود اللہ میاں نے بھی اپنی رسالت کے لئے ایسا آدمی چنا کہ ادھر اس کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر اس کا اثر غت ربود ہوا ۔ واہ کیا کہنے زینی میاں کی اس سمجھ کے ۔ تبرا کیا کیا ۔ اللہ اور اس کے رسول کو بھی نہ بخشا لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ اسی منہ سے ایمان کا بھی دعویٰ ہے ۔ ے

کار شیطان می کنی نامت ولی   گر ولی ایں است لعنت بر ولی

بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم صٰدقین

⑦ زینی میاں نے یہ بات تسلیم کرنے کے باوجود کہ :

" حضرت عمرؓ نے صرف فدک کی تولیت آنحضرت کے چچا حضرت عباسؓ اور چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی کے سپرد کر دی "۔ (ص ۱۶۴)

پھر بھی حضرت عمرؓ کو بخشا نہیں ۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی نے اس کی تولیت کیوں قبول کی ؟ یہ تو وہ میراث کا مال تھا جو بزعم امامیہ اس کے اصل وارث کو نہیں دیا گیا ۔ پھر اس مغصوبہ مال کا متولی بن کر اس میں تصرف کرنا کیا معنی ؟ کیا مال مسروقہ یا زنا کی آمدنی کا حضرت علی کو متولی بنایا جاتا تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تولیت کو قبول کر سکتے تھے ؟ ہمارے نزدیک تو اس کا جواب سراسر نفی میں ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زینی میاں حضرت علی کی اس تولیت کی کیا توجیہ کرتے ہیں ۔ اہل سنت کے اصول پر تو جواب صاف ہے ۔ کہ اس مال میں میراث جاری ہی نہیں ہوتی تھی لہٰذا حضرت علی فدک کی آمدنی کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرتے تھے اور اس بنا پر ان کی تولیت بالکل صحیح تھی ۔ لیکن زینی میاں بتائیں کہ غصب کردہ مال کا متولی ہونا کیسا ہے ؟

⑧ یہ بھی زینی میاں کو تسلیم ہے کہ :

" فیصلہ صحیح تھا یا غلط عصبات نے صبر کے ساتھ خاموشی اختیار کر لی تھی ، حتیٰ کہ پورے زمانہ خلافت

راشدہ میں اس مسئلہ پر دوبارہ گفتگو نہیں ہوئی۔ اس تیس سال کے طویل عرصہ میں مدعیان و مدعی علیہان اللہ کو پیارے ہو گئے۔" (ص ۱۶۴)

جب یہ بات تھی تو زینی میاں کے دماغ میں اب کیا سودا سمایا جو انہوں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا۔

(۹) زینی میاں لکھتے ہیں۔

"بنی امیہ کے مؤیدین اور زرخرید علما کا وہ کردار بھی ہے جو انہوں نے .... اس کارروائی کو جائز اور صحیح ثابت کرنے کے لئے موضوع احادیث و روایات سے دلائل دینا شروع کئے۔ یہی وہ زمانہ ہے جو روایت و حدیث پر جرح کرنے والوں کی نظر میں جھوٹی روایتوں اور حدیثوں کا زرخیز زمانہ کہا گیا ہے۔" (ص ۱۶۸)

کیا آپ ان علما میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہیں۔ اور اس دعویٰ کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

(۱۰) حدیث منع ارث پر بحث کرتے ہوئے زینی میاں لکھتے ہیں۔

"مگر سیوطی اور ابن حجر مکی کے قول کے مطابق اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کر دیا جانے لگا۔ تاکہ سند کی صحت دیکھ کر لوگ اسے تسلیم کرنے میں تامل سے کام نہ لیں واضح رہے کہ یہ دونوں راوی اموی محدثین کے خاص راوی ہیں۔" (ص ۱۶۲)

زینی میاں ذرا سوچکر جواب دیں کہ وہ کیا اوٹ پٹانگ لکھ گئے۔ کیا حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما "یہ دونوں راوی اموی محدثین کے خاص راوی ہیں" اگر یہ دونوں ہی جھوٹے ٹھیرے تو پھر علی و فاطمہ کے بارے میں کیا ذمہ داری ہے کہ یہ ہی دونوں سچ بولیں گے۔ تم حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ کو جھوٹا سمجھتے ہو، نواصب اور خوارج علی و حسنین کو اور خود زینی میاں نے " فدک " کے حاصل کرنے کے بارے میں حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جو کردار پیش کیا ہے وہ وہی کردار ہے جو ایک دنیادار بے ایمان مقدمہ باز کا ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلعم کی وفات کے چند روز بعد جب آپؐ کی واحد وارث آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے والد کا ترکہ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر سے طلب کیا۔ حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر ترکہ دینے سے انکار کر دیا کہ جس طرح آنحضرتؐ اپنی زندگی میں اسے صرف کرتے تھے اسی طرح میں بھی کروں گا۔" حضرت فاطمہ نے وراثت کے بارے میں یہ جواب پایا تو آپ نے کہا " فدک کا باغ میرے بابا نے مجھے اپنی زندگی میں عطا کر دیا تھا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے گواہ طلب کئے۔ آپ کے شوہر دو بیٹے اور ایک کنیز گواہی میں پیش ہوئے۔ مگر ان کی گواہی تسلیم نہیں کی گئی۔" (ص ۱۵۹ و ۱۶۰)

ناظرین ذرا غور کریں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واحد وارث نہیں

تھیں، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ابھی زندہ تھیں اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم تھے وہ بھی ابھی بقید حیات تھے ۔ حضرت فاطمہ میں اگر ذرا بھی دیانت ہوتی تو وہ تنہا اپنی وراثت کا دعویٰ نہ کرتیں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں کہتیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جتنے ورثا بھی بقید حیات ہیں ان سب کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے ان کا جائز حق ملنا چاہیئے ۔ لیکن انہوں نے ایسا بالکل نہ کیا بلکہ تنہا اپنی وراثت کا دعویٰ کیا جس سے ان کی خود غرضی پوری طرح عیاں ہوتی اور چونکہ انبیأ کے متروکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی نہ ان کا ترکہ ورثا میں تقسیم ہوا کرتا ہے ۔ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ٹکا سا جواب دیدیا کہ فدک کسی کی میراث نہیں ۔ اس کی آمدنی کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی زندگی میں صرف کرتے تھے اسی طرح میں بھی کروں گا لیکن لالچ بری بلا ہے ۔ حضرت فاطمہ نے جب دیکھا کہ دعویٰ ارث سے کام نہیں چلا تو مقدمہ کو دوسرا رخ دیا ۔ اب کیس نئے سرے سے چلایا ۔ بجائے میراث کا مطالبہ کرنے کے کہ ترکہ کا وجود ہی نہ تھا ۔ اب یہ دعویٰ کردیا کہ " فدک کا باغ میرے بابا نے مجھے اپنی زندگی میں عطا کردیا تھا " ظاہر ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ چھوڑا اس کا حکم ترکہ کا تھا ہی نہیں ۔ بلکہ وہ وقف عام اور صدقہ تھا تو دعویٰ وراثت کی اساس کالعدم ہوچکی اس لئے وراثت کا دعویٰ قابل سماعت نہ تھا لہٰذا اب مقدمہ کی کاروائی اس طرح شروع کی گئی کہ باغ فدک " تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی ہی میں مجھے عطا فرمادیا تھا ۔ یعنی اس جائداد پر اب ورثہ کی بجائے ہبہ کا دعویٰ کردیا گیا ۔ اس دعویٰ میں صحت ہوتی تو پہلے ہبہ کا دعویٰ کرنا چاہیئے تھا نہ کہ ورثہ کا ۔ قدرتی ترتیب اس قسم کے کیس کی یہی ہونی چاہیئے کہ موہوبہ چیز جو مالک کے قبضہ میں ہو اس کے بارے میں گواہ پیش کرتے جائیں کہ یہ مرنے والے نے اپنی زندگی ہی میں مجھے دیدی تھی ۔ لہٰذا اس کے بارے میں تو کسی کی میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ البتہ فلاں فلاں متروکہ اشیاء میں مجھے میراث پہنچتی ہے لہٰذا وہ مجھے ورثہ میں ملنا چاہیئیں، لیکن یہاں الٹی گنگا بہائی گئی ۔ پہلے میراث کا دعویٰ ہوا اور جب یہ معلوم ہوا کہ نبی کے متروکہ میں میراث نہیں ہوا کرتی تو یوں دعویٰ کردیا کہ " فدک تو بابا نے مجھے زندگی ہی میں ہبہ کردیا تھا " ہبہ کی صحت کے لئے قبضہ شرط تھا ۔ اور قبضہ ندارد تھا ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر بھی یہ عنایت کی کہ دعویٰ قابل سماعت قرار دیا اور گواہ طلب کئے گواہ کہاں سے ہوتے ، جب قبضہ ہی نہ تھا تو کون گواہی دیتا کہ ہاں واقعی فدک ان کا ہی ہے ان کے قبضہ میں تھا ۔ گواہی کے لئے کوئی نہ ملا تو اپنے دو نابالغ بچوں کو ہی عدالت میں پیش کر دیا ۔ جن کی عمریں ابھی نو دس برس کی بھی نہ ہوئی تھیں ، عورتیں بھی کتنی سادہ ہوتی ہیں ۔ اتنا بھی خیال نہ آیا کہ نابالغ کی گواہی عدالت میں نہیں چلا کرتی ۔ اپنی کنیز کو بھی شہادت کے لئے ساتھ لے لیا ۔ کنیز تو وہ کہے گی جو مالکن اس کو بتادے گی شوہر بھی گواہی کے لئے آموجود ہوئے ۔ مگر انہوں نے عدالت میں یہ نہ بتایا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی منقولہ ملکیت سے اپنی بیٹی کو محروم کردیا ہے اور سب چیزیں مجھے عنایت فرمادی ہیں ڈر ہوگا کہ کہیں خود ان کے خلاف وراثت کا دعویٰ کرکے ان چیزوں کی تنہا وارثہ نہ بن بیٹھیں ۔ بہرحال انہوں نے بیوی کے حق میں گواہی دی ۔ عدالت سے

ڈگری خارج ہونا ہی تھی، خارج ہوگئی۔ بھلا کسی عدالت میں نابالغ کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے۔ پھر یہی شوہر صاحب ہیں کہ جب ان کو "فدک" کی تولیت سپرد کی گئی تو بخوشی منظور کر لی۔ اگر ہبہ واقعی صحیح تھا اور اس کے جائز مالک سے اس کو چھین کر غصب کر لیا گیا تو مال مغصوبہ میں متولی ہو کر اس میں تصرف کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں تو عہدہ مطلوب تھا۔ چاہیے وہ تحصیلداری ہی کا کیوں نہ ہو اور چاہے غلط جگہ پر ہی تعین کیوں نہ ہو۔ اور لطف یہ کہ جب خود بدولت نے زمام خلافت سنبھالی تو اسی غلط فیصلے کو برقرار رکھا۔ جس میں خود شاہد بن کر عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ واہ سبحان اللہ کیا کہنے اس کردار کے جو زینی میاں کی تحریرات سے بنتا ہے (العیاذ باللہ) یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الزام دینے چلے تھے الٹی آنتیں گلے میں پڑ گئیں۔

دوسرا سوال آپ سے یہ کرنا ہے کہ سیوطی اور ابن حجر مکی کا یہ قول آپ نے کہاں پڑھ لیا ہے؟ جو آپ نے یہ لکھ مارا۔ ہم آپ کی دریدہ دہنی اور ہرزہ سرائی کا کہاں تک تعقب کریں۔

حدیث "منع ارث" کو آپ خبر آحاد مانتے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کی کتابوں میں وہ بہت سے صحابہ سے مروی ہے خود حضرت علی و حضرت حسن رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے عہد اقتدار میں اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ منع ارث کو بحال رکھا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو فدک و خیبر وغیرہ کی زمینوں کا مالک نہیں بنایا۔ "کافی کلینی" کے حوالہ سے سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کی تصریح اس حدیث کی تائید میں سابق میں نقل کی جا چکی ہے۔ جو امامیہ کے نزدیک پیغمبر کی طرح امام معصوم مفترض الطاعت ہیں، لیکن اس پر بھی نہ مانیں اور اپنی ہی گائے جائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

(۱۱) حدیث "لانورث" پر بحث کرتے ہوئے زینی میاں نے لکھا ہے کہ۔

"اگر آنحضرت صلعم نے واقعاً یہ فرمایا ہوتا تو بعد میں بھی ترکہ دیگر وارثوں کو ہرگز نہ دیا جاتا، یہ امر بھی اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس وقت یہ حدیث موجود نہ تھی"۔ (ص ۱۶۲)

اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے کیا زینی میاں میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ان وارثوں کی نشاندہی کریں جن کو بعد میں ترکہ دیا گیا؟

(۱۲) "حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر تعزیت کے لئے حضرت علی کے پاس آئے اس وقت حضرت علی نے خلافت و وراثت سے متعلق زیادتی کا ذکر کیا اور کہا "آپ نے اس پر قابض ہو کر ہمارا حق چھینا ہے اور اس طرح ہم پر ظلم کیا ہے"۔ (ص ۱۶۲)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کسی صحیح سند سے جس میں کوئی جھوٹا رافضی خبیث نہ ہو زینی میاں ثابت کر سکتے ہیں؟

(۱۳) زینی میاں لکھتے ہیں۔

"وہ حدیث جو بنوامیہ کے عہد میں وضع کی گئی اور حضرت ابوبکر کے نام سے منسوب کر کے بعد میں اس

کا ذکر کرنا حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے متعلق کیا گیا ہے ۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نرث ما ترکنا صدقة (بخاری)

ہم گروہ انبیاء نہ مورث ہوتے اور نہ وارث جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے (ص ۱۷۳)

اور پھر اس پر یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ ۔

" شاید دروغ گو واضع حدیث راوی کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ خود آنحضرت صلعم جن سے وہ اس قول مکذوب کو منسوب کر رہا ہے اپنے باپ کی وراثت حاصل کر چکے ۔ خواہ وہ چند بھیڑ بکریاں ایک تلوار اور ایک کنیز ہی کیوں نہ ہو ۔ آنجناب نے یہ وراثت وضع حدیث کے وقت سے تقریباً ترانوے سال قبل حاصل کی تھی ۔ اس اعتبار سے راوی کو اس کا علم ہونا بھی نہیں چاہیئے تھا ہم نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ اگر تمام انسانوں میں ذہانت ایک سی سطح کی ہوتی تو نہ فریب کبھی کھلتا اور نہ جھوٹ کبھی گرفت میں آتا ۔" (ص ۱۷۴)

واقعی بجا فرمایا اب اسی معیار پر خود اپنے جھوٹ کا بھی جائزہ لیں " صحیح بخاری " چاند پر رکھی ہوئی نہیں ہے اسی دنیا میں اس کے ہزارہا قلمی اور مطبوعہ نسخے ہر جگہ موجود ہیں اب اگر آپ سچے ہیں تو ذرا اس میں " لا نرث " کے الفاظ جس کے یہ معنی ہیں کہ " ہم وارث بھی نہیں ہوتے " نکال کر دکھا دیں ورنہ جیتے جی کسی سنی کو منہ نہ دکھائیں باقی آپ کی ہرزہ سرائی قابل التفات نہیں ۔ ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اس کے بعد لکھتے ہیں ۔

" گزشتہ ایک باب " وراثت انبیاء " میں ہم بڑی تفصیل سے پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ تمام گزشتہ انبیاء مورث بھی تھے اور وارث بھی ۔ وراثت انبیاء کے داد و ستد کا ثبوت حتیٰ کہ ان کی وراثت کی پوری تفصیل ترکہ کے ذرائع اور اس کی تقسیم کے تحریری ثبوت بہم پہنچا دئے گئے ہیں ۔ یہ ناقابل تردید ثبوت اس مسلمہ تاریخ سے پیش کئے گئے جو پیدائش مسیح سے گیارہ سو اور اسلام کے زمانہ میں وراثت کے اس حیران کن مکروب تنازعہ سے سترہ سو تیس سال قبل حیطہ تحریر میں آچکی تھی ۔ چونکہ یہ تحریر عبرانی یا سریانی زبان میں تھی اس لئے راوی اس سے بھی بے خبر ہی تھا ۔ اس راوی ہی پر کیا منحصر تمام عالم اسلام اس سے بے خبر تھا یہی وجہ ہے کہ ہم خود بھی اس حدیث کے نفس مضمون کو درگزر کر کے فروعات پر روایتوں کے ذریعہ بحث کرتے اور غلط موقف پر ڈٹے رہے مگر اب ایسی مزخرفات کی قلعی کھلنا شروع ہو گئی ہے جب سے قدیم لٹریچر کا ترجمہ عالمی زبانوں میں ہونے لگا ہے ۔"

(ص ۱۷۴ و ۱۷۵)

زینی نے جو بڑ ہانکی ہے ۔ ہم " وراثت انبیاء " کی بحث میں اس کا تیا پانچا کر چکے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید واثق ہے کہ جو انصاف پسند بھی ہماری اس بحث کو بغور پڑھے گا وہ زینی میاں کے دام فریب میں نہیں آئے گا ۔ بلکہ

حالانکہ خود ہی ص ۱۶۴ پر یہ بھی نقل کر آئے ہیں کہ :

" حضرت عمر نے صرف فدک کی تولیت آنحضرت کے چچا حضرت عباس اور چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی کے سپرد کر دی "

مگر ابلہ فریبی کے مرض کا کیا علاج - اب تولیت کو وراثت بنا دیا - یا توت کو اور بدنام کیا - اگر آپ واقعی اس کو انتقال وراثت قرار دیتے ہیں تو وراثت نہ دینے کا واویلا کیوں - بندۂ خدا حضرت علی کو وراثت کیسے دی جاسکتی تھی ان کا وراثت میں چچا کے ہوتے ہوئے حق ہی کیا بنتا ہے مگر فریب دہی جس کا کام ہو وہ اس سے باز کیوں رہے -

(۱۷) ص ۱۸۰ پر زینی میاں نے پھر توریث انبیاء کی بحث چھیڑی ہے اور سوال کیا کہ -

" اگر انبیاء کی وراثت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم سے یہ وعدہ نہ کرتا کہ میں کنعان کا علاقہ تمہاری اولاد کو نسل در نسل وراثت میں دوں گا "

اب ہم کیا کہیں ع - سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جا است ـــــ یہ اس وراثت کی بات نہیں جو باپ سے بیٹے کو منتقل ہوا کرتی ہے یہ تو اقتدار و تسلط کے عطا فرمانے کا وعدہ ہے - ورنہ پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے یا نہیں ؟ اور اگر وہ بھی ان کے بیٹے تھے تو ان کو " کنعان " کا کونسا حصہ ملا - اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو کیا ملا کیونکہ وعدہ تو نسل در نسل وراثت دینے کا تھا - ایسی کج فہمی پر آپ کو قلم اٹھانے کی ہمت کس طرح ہوئی - اور ہاں ذرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد کے ان حدود اربعہ کا تو تعین کر دیجئے - جو سرزمین کنعان میں ہر ایک کے حصہ میں آئے - میراث کی بحث پر ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں ایک نظر اس پر پھر ڈال لی جائے -

(۱۸) زینی میاں لکھتے ہیں -

" اگر انبیاء کی وراثت نہ ہوتی تو رسول مقبول خود اپنے باپ کا ترکہ وصول نہ کرتے اور پھر اپنے ہی ایک قول سے اپنے فعل کی خود نفی نہ کرتے " (ص ۱۸۲)

یہ قول تو خود تم نے اپنی طرف سے گھڑ کر حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے - خدا کی جھوٹے پر لعنت اور اس پر دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ بخاری کا حوالہ بھی دے ڈالا - واہ رے بے حیائی اور اب اس کی تردید کرنے چلے ہیں - مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں -

(۱۹) زینی میاں کہتے ہیں -

" اگر انبیاء کی وراثت نہ ہوتی تو خدائے تعالیٰ ان واضح الفاظ میں انبیاء کی وراثت کا ذکر نہ کرتا "

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون " (اور ہم زبور (اور آسمانی کتابوں) میں ذکر (لوح محفوظ) کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث

میرے نیک بندے (انبیاء) ہوں گے (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۵) یہاں صالحوں سے مراد انبیاء بھی ہیں۔ جیسا سورۃ انعام میں کہا ہے۔ "وزکریا و یحییٰ و عیسیٰ والیاس کل من الصلحین" (انعام آیت ۸۶) لہٰذا حدیث ارث ایک بناوٹی حدیث ہے اور ہر لحاظ سے قابل رد ہے اسے کتاب بیان سے خارج کر دینا ہی مناسب ہے۔" (ص ۱۸۲)

اگر اس آیت میں "صالحوں" سے مراد انبیاء بھی ہیں تو آپ نے توسین میں صرف "انبیاء" کو کیوں ذکر کیا۔ کیا آپ کو "بھی" اور "ہی" کے معنی میں جو فرق ہے معلوم نہیں۔ اور اس آیت میں تو خصوصی طور پر "صالحوں" سے مراد انبیاء نہیں ہیں، جن حضرات انبیاء کا آپ نے نام لیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی اس زمین موعود کا وارث نہیں ہوا۔ یہ شرف تو امت محمدیہ میں ان خلفاء راشدین کو حاصل ہوا ہے۔ جن کی مطعون کرنے کی غرض سے آپ نے یہ کتاب "انسان کی وراثت" لکھ کر اپنا منہ کالا کیا ہے اور یہاں بھی وراثت سے وہ وراثت مراد نہیں جس پر آپ بحث کر رہے ہیں۔ اقتدار اور تسلط مراد ہے۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ جو شخص صالح نہ ہو وہ سرے سے وارث ہی نہیں ہو سکتا۔ اب اس اصول پر جو نیک نہ ہو وہ محروم الارث ہوگا۔ نہ کوئی بے نمازی اپنے باپ کے متروکہ کا وارث ہوگا نہ زکوٰۃ کا ادا نہ کرنے والا۔ غرض کسی گنہگار کو کسی قسم کی کوئی وراثت نہ ملے گی۔ واہ واہ اس الٹی سمجھ کے کیا کہنے۔

ہم زینی میاں کی ہرزہ سرائی، لغو بیانی، کذب اور زور کا جائزہ لیتے لیتے اکتا گئے۔ کہاں تک ان کا پیچھا کریں۔ ساری کتاب اسی قسم کی لغویات جھوٹ اور فریب سے بھری ہوئی ہے۔ جس بحث کو اٹھا کر دیکھیے جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اہل فریبی کے سوا کچھ اور کام ہی نہیں۔

جو شخص نعوذ باللہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام ثابت کرنے پر تلا ہو وہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو کیا سمجھے گا۔ چنانچہ اب ص ۱۸۳ سے آخر کتاب تک تبرا ہی تبرا ہے اور ایک غیظ ہے۔ جو حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف نکالا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے صحابہ سے غیظ کو کفار کا شعار بتایا ہے۔ زینی میاں اسی غیظ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بے کلی کا یہ عالم ہے کہ کسی کل چین نہیں آتا۔ کبھی افسانہ تراشتے ہیں۔ کبھی حدیثوں کو جھٹلاتے ہیں کبھی آیات الٰہی کی تحریف معنوی کرتے ہیں۔ کبھی جھوٹے قصے سناتے ہیں اور پھر بھی دل کی بے کلی نہیں تھمتی تو لبنان کے عیسائی فلسفی خلیل جبران کے دامن میں سکون کی تلاش میں جا گھستے ہیں اور اس کافر کی زبان سے طنز و تعریض تلاش کر کے اسے امت مسلمہ پر چسپاں کر کے اطمینان کا سانس لیتے ہیں کہ ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اس طرح یہ کتاب "انسان کی وراثت" جس طرح بے بسم اللہ کے شروع ہوئی۔ ایک کافر کے اقوال پر ختم ہوئی۔ زینی میاں اطمینان رکھیں ان کا حشر بھی اسی کافر کے ساتھ ہوگا کہ۔ المرء مع من احب۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، ولا عدوان الا علی الظالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

غلطی ہائے مضامین

جناب علی بن احمد علاؤالدین ابوالحسن مہائمی کوکنی (۷۷۶ھ تا ۸۳۵ھ) کا شمار ہندوستان جنت نشان کے نامی گرامی علماء میں سے ہے۔ یہ ہندوستان میں نویں صدی کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف یادگار ہیں۔

شیخ عبدالحق نے "اخبار الاخیار" میں، اور علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان" نیز "مآثر الکرام" میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ بعد کے لوگوں میں، رحمٰن علی کی مشہور کتاب "تذکرہ علماء ہند" اور مولانا سید عبدالحی کی "نزہۃ الخواطر" میں بھی ان کا ترجمہ بتفصیل مذکور ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے "حدائق الحنفیہ" میں ان کو حنفی خیال کر کے ان کا تذکرہ لکھ دیا حالانکہ وہ حنفی نہیں بلکہ شافعی ہیں۔ غالباً جہلمی صاحب نے ان کا ذکر "اخبار الاخیار" میں دیکھا تو اس خیال سے کہ ہندوستان میں غالب اکثریت علمائے احناف کی ہے، ان کو حنفی سمجھ لیا جو خلافِ واقعہ ہے۔

علامہ مہائمی کی تصانیف میں سب سے مشہور اور متداول کتاب "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنّان فی تفسیر القرآن" ہے جو بھوپال کے مدار المہام جمال الدین وزیر کے زیرِ اہتمام عرصہ ہوا کہ قاہرہ سے دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، اب حال ہی میں یہ کتاب دوبارہ چھپ گئی ہے۔

اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ربط آیات کے بیان کرنے کا خصوصی اہتمام ہے۔ "تفسیر مہائمی" عام طور سے "تفسیر رحمانی" کے نام سے مشہور ہے اور بہت سے ہندوستانی علماء اس کے مضامین سے خاصے متاثر ہیں بلکہ شیخ باقر بن مرتضٰی مدراسی نے تو "النفحۃ العنبریۃ" میں شیخ حبیب کے حوالہ سے خود مصنف کی زبانی یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے یوں فرمایا تھا کہ "قابلت تفسیری باللوح المحفوظ" یعنی میں نے اپنی تفسیر کا لوحِ محفوظ سے مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے۔

لیکن ہمارے ناظرین شاید اس بات پر چونکیں کہ علامہ مصنف فلاسفہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں اور اسی لیے فلاسفہ کی نحوست کا اثر اس کتاب میں جا بجا نمایاں ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "تفسیر رحمانی" زیغ وضلال سے خالی نہیں رہی۔

یاد رہے! یہ ہمارا خیال نہیں بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے مجدد امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی کی تصریح ہے چنانچہ حضرت ممدوح کا ایک مستقل مکتوب "مکتوبات امام ربانی" کے دفتر سوم میں خصوصیت کے ساتھ اس کتاب کے بارے میں موجود ہے جس میں آیات قرآنی کی مذاق فلاسفہ کے طرز پر تاویل و تفسیر کرنے سے سخت ممانعت کی گئی ہے یہ مکتوب ناظرین کی دل چسپی کے لیے پیش خدمت ہے:

مکتوب صد و یکم

بشیخ عبداللہ در منع تفسیر و تاویل آیات قرآن بر طبق مذاق فلاسفہ۔ سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ عَنِ الْبَلِیَّاتِ، کتاب تبصیر الرحمٰن را کہ مرسل داشتہ بودند بعضے از مواضع آنرا مطالعہ نمودہ واپس فرستادہ کرما مصنف این کتاب خیلے میل بمذہب فلاسفہ دارد و نزدیک ست کہ حکما را عدیل انبیا سازد علیہم الصلوات و التسلیمات آیہ در سورۂ ہود بنظر درآمد کہ بیان آنرا بطرز حکما کہ خلاف طور انبیاست علیہم الصلوات والتحیات کردہ است و تسویہ درمیان قول انبیاء و حکما دادہ و گفتہ است در بیان کریمہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ بِاِتِّفَاقِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْحُکَمَآءِ اِلَّا النَّارُ الْحِسِّیُّ اَوِالْعَقْلِیُّ الخ۔ باوجود اجماع انبیاء علیہم الصلوات والتحیات، اتفاق حکما چہ گنجایش دارد، و در عذاب اُخروی قول شاں را چہ اعتبارست علی الخصوص کہ مخالف قول انبیاء بود علیہم الصلوات والتسلیمات، فلاسفہ کہ عذاب عقلی اثبات مینمایند مقصود شان رفع عذاب حسی ست کہ اجماع انبیاء بر ثبوت آن واقع شدہ است۔ و در مواضع دیگر آیتہائے قرآنی را موافق مذاق حکما بیان میکند ہرچند مخالف مذہب ملیین بود مطالعہ این کتاب بے ضررہائے خفیہ بلکہ جلیہ نیست۔ اظہار این معنی لازم دانستہ بچند کلمہ مصدع گشت۔ والسلام

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم حصہ نہم ص ۱۸ طبع امرتسر)

مکتوب نمبر ایک سو ایک

شیخ عبداللہ کے نام، فلاسفہ کے مذاق کے مطابق آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر کی ممانعت کے بیان میں، اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت رکھیں اور مصائب سے عافیت نصیب فرمائے۔ کتاب تبصیر الرحمٰن جو آپ نے بھیجی تھی اس کے بعض مقامات کا مطالعہ کر کے واپس بھیج دی ہے مکرمی! اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب سے بہت زیادہ رغبت رکھتا ہے اور قریب ہے کہ حکما کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے برابر قرار دے۔ سورۂ ہود کی آیت پر نظر پڑی کہ اس کا بیان حکما کے طرز پر کیا ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات و

والتحیات کے طریقہ کے خلاف ہے اور انبیاء اور حکما کے قول میں برابری کی ہے۔ آیت کریمہ کے بیان میں یہ کہا أُولَئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ بِاتِّفَاقِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْحُكَمَاءِ إِلَّا النَّارُ الْحِسِّيُّ أَوِ الْعَقْلِيُّ الخ۔

انبیاء علیہم الصلوٰت والتحیات کے اجماع کے باوجود حکما کے اتفاق کی کیا گنجائش ہے؟ اور عذاب اخروی میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے؟ بالخصوص جب کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے قول کے خلاف ہو۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی ثابت کرتے ہیں ان کا مقصد اس سے رفع عذاب حسی ہے کہ جس کے ثبوت پر انبیاء کا اجماع واقع ہوا ہے۔

اور دیگر مقامات میں بھی آیات قرآنی کو مذاقِ حکما کے موافق بیان کرتا ہے خواہ تمام ملیین (آسمانی مذاہب رکھنے والے) کے مذہب کے خلاف ہو۔ اس کتاب کا مطالعہ بہت سے مزرِ خفی بلکہ ضررِ جلی سے خالی نہیں ہے۔

اس معنی کے اظہار کو لازم سمجھ کر چند کلمات کے ذریعہ جناب کو تکلیف دی گئی۔ والسلام

ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

مولانا عبدالرشید نعمانی

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ

سرخیل علماء اہلحدیث میاں صاحب سید نذیر حسین دہلوی مرحوم جن کو حضرات اہلحدیث "شیخ الکل فی الکل" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اور جن کے بارے میں ان کے شاگرد رشید مولانا شمس الحق عظیم آبادی "غایۃ المقصود" شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ :

"اگر میں رکن و مقام کے درمیان قسم کھاؤں کہ میاں صاحب سے بڑا میں نے کوئی عالم بالحدیث نہیں دیکھا تو حانث نہیں ہوں گا"۔

ان کو تخطیۂ علماء کا بڑا شوق تھا، چنانچہ وہ جب کسی عالم کی غلطی پر مطلع ہوتے ہیں تو اس کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے کبھی مزاحیہ انداز میں، اور کبھی طنز و تعریض کے پیرائے میں کرتے ہیں۔

موصوف کی کتاب "معیار حق" عدم تقلید کی بحث میں ان کی معرکۃ الآراء کتاب ہے، اس میں اس قسم کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ سردست ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے بطور نمونہ ایک مثال پیش خدمت ہے، وہ امام صاحبؒ کے تابعی نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور اس مقام مزلۃ الاقدام میں حافظ دراز پشاوری بھی پھسلے اور راہ تحقیق سے بچلے، چنانچہ اول ترجمہ فارسی پارہ اول صحیح بخاری میں بیچ بیان مناقب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لکھتے ہیں :

"کہ اسمٰعیل پسر حماد گفت کہ جد من امام ابوحنیفہ در سال ہشتاد متولد شد، و داور ا پدر او ثابت بخدمت علی شاہ ولایت بردہ بود، و دراں حال او خورد سال بود، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ در ہماں حال بدرگاہ ایزد متعال دعا بریں منوال کرد کہ حق تعالیٰ بہ لطف و رحمت بسیار، خیر و برکت بے شمار

درودے اولادوے پائدار نماید، انتہی بحروفہ۔"

عجب یہ لوگ ساتھ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ کے موصوف اور ممتاز ہیں، کہ ایسی بے خبری پر اپنی کہ موجب شرم وحیا کی ہے خبر نہیں رکھتے، کیونکہ سالِ وفات علی مرتضیٰؓ کجا اور سالِ پیدائش امام صاحبؒ کجا۔

آنہا کہ چشم بر گل تحقیق واکنند　　از ہر چہ فہم رنگ نگیرد حیا کنند
درمبحثے کہ غیر خموشی علاج نیست　　بر ہرزہ است تکیہ بجوں وچرا کنند۔

لیکن قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ خود بدولت بھی امام بخاری کا تذکرہ لکھتے ہوئے غلطی کے ارتکاب میں حافظ دراز سے پیچھے نہیں رہے، فرماتے ہیں:

"اور ایک ان میں امام المحدثین، حامل رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں، اجتہاد مستقل ان کا ناظر صحیح ان کے پر مخفی نہیں ہے، اور محتاج طرف اثبات کے ساتھ تصریحات سلف کے نہیں، لاکن جن کا یہ مقولہ ہے کہ ہم حدیث کچھ نہیں سمجھتے، ان کی سوائے نقل اقاویل کے اطمینان نہ ہوگی، اس لئے کچھ اقاویل نقل کئے جاتے ہیں، تو سنو کہ علامہ رملی نے امام بخاری کو مجتہد مستقل لکھا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابو مصعب سے نقل کیا ہے کہ کہا انہوں نے، کہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ہماری دانست میں زیادہ تر ہیں علم فقہ اور حدیث میں امام احمد بن حنبلؒ سے، اور کہا کہ اگر پاتا میں امام مالک کو، اور دیکھتا طرف اس کے اور طرف محمد بن اسمٰعیل بخاری کے، تو بے شک کہتا میں کہ دونوں برابر ہیں فقہ اور حدیث میں، اور کہا قتیبہ بن سعید نے، نشست کی میں نے بہت سے فقہاء اور زہاد اور عباد سے، لاکن نہ دیکھا میں نے جب سے کہ ہوش سنبھالا ہے مثل محمد بن اسمٰعیل کے، اور سوال کیا کسی نے قتادہ سے "مسئلہ طلاق سکران" سے، اتنے میں پہنچے پاس ان کے بخاری، تو کہا قتادہ نے سائل کو، کہ اس محمد بن اسمٰعیل کو امام احمد سمجھ لے، اور اسحق بن راہویہ سمجھ لے، اور علی بن المدینی سمجھ لے، بے شک لے جا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو طرف تیرے، انتہی۔" (ص ۴۶)

ہمارے سامنے اس وقت "معیار حق" کا وہ نسخہ ہے جو مطبع رحمانی دہلی میں، ۱۳۳۷ھ میں شیخ نذیر حسین کے اہتمام سے طبع ہوا تھا، ہم نے "معیار حق" کے متعدد نسخے دیکھے ہیں، ان سب میں یہ عبارت اسی طرح درج ہے، ایک نسخہ "معیار حق" جو پہلی مرتبہ ۱۲۸۲ھ میں مطبع ناصری لاہور میں شیخ محی الدین،

تاجر کتب کے اہتمام سے طبع ہوا تھا، اس کے بھی صفحہ ۳۳ پر یہ عبارت اسی طرح مرقوم ہے۔

میاں صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کسی کتاب کا حوالہ نقل نہیں کیا، کہ حافظ موصوف نے یہ واقعہ کس کتاب میں درج کیا ہے؟ اور یہ قتادہ کون بزرگ ہیں؟ جن کی امام بخاری سے ملاقات ہوئی اور وہ ان کے علم سے اس طرح متاثر ہوئے کہ ان کو ائمہ ثلاثہ کا ہمسر قرار دینے لگے۔

اہل علم عام طور پر جن قتادہ سے متعارف ہیں وہ تفسیر و حدیث کے مشہور امام قتادہ بن دعامہ ہیں، ان کا سن وفات ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ ہے، جب کہ شاید اس وقت امام بخاریؒ کے والدین بھی اس دنیا میں پیدا نہ ہوئے تھے۔

یہاں غالباً یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا، کہ "معیار حق" پر بہت سے علماء نے علمی تنقیدیں کی ہیں، جن میں سب سے پہلے تو خود میاں صاحب کے معاصر مولانا محمد شاہ صاحب پنجابی نزیل دہلی ہیں،[1] انہوں نے ایک مستقل کتاب اس کے رد میں تصنیف کی جس کا نام ہے "مدار الحق"، اور ان کے بعد فاضل رام پوری مولانا ارشاد حسین صاحب نے "معیار حق" کا نہایت مفصل رد لکھا جس کا نام ہے "انتصار الحق"۔

بعض خاص مباحث پر فاضل لکھنوی، مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے قلم اٹھایا اور

---

[1] جن کا شمار اس وقت دہلی کے نامی گرامی علماء میں ہوتا تھا، مولانا موصوف مدرسہ [illegible] کے مدرس تھے۔ فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور معقولات کے بڑے عالم تھے۔ ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ صاحب حدائق الحنفیہ مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

"پہلے پہل پنجابی کٹڑہ میں مولوی نذیر حسین صاحب کے درس میں حاضر ہوا مگر انہوں نے یہ عذر کرکے کہ ہم معقولات نہیں پڑھا سکتے، مولوی محمد صاحب مصنف "مدار الحق" کے سپرد کر دیا (ص ۴۹۵)"

مولانا محمد شاہ صاحب کی ایک قابل قدر تصنیف اصول حدیث میں "عمدۃ الاصول فی مصطلح احادیث الرسول" ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بلاشبہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی "شرح نخبہ" کے مقابلہ کی کتاب ہے۔

ایک مستقل رسالہ جس کا نام " اقامۃ الحجۃ علی ان الإکثار فی التعبد لیس ببدعۃ " سپردِ قلم فرمایا ، اور " جمع بین الصلاتین فی السفر " کی بحث میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کا ایک مستقل مبسوط رسالہ ہے ، جس کا نام " حاجز البحرین عن الجمع بین الصلوتین " ہے ، جو علیحدہ بھی مستقل کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے ۔ اور ان کے فتاوی میں بھی شامل ہے ۔

اس سلسلہ میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ، میاں صاحب کے شاگردوں نے " انتصار الحق " کے رد میں تو قلم اٹھایا ہے ، لیکن مولانا محمد شاہ پنجابی علیہ الرحمۃ اور فاضل لکھنویؒ اور فاضل بریلویؒ کی تنقیدات کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کی گئی ہے ۔

تقاریظ / پیش لفظ

مولانا محمد احسن نانوتویؒ

مؤلفہ

محمد ایوب قادری ایم اے

روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی بی ون، ایریا ۱۱ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

پیش لفظ

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

استاذ مرحوم مولانا قدیر بخش صاحب بدایونی کے انتقال[1] سے غالباً دو تین ماہ پیشتر کا ذکر ہے کہ موصوف کا ایک دستی والا نامہ ہمارے دوست ڈاکٹر قیوم سعادت خاں صاحب کے مطب سے وصول ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ رسالۂ "تحذیر الناس" (مولفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ) حامل رقعہ ہذا جناب محمد ایوب صاحب قادری کو دیدیا جائے۔ چنانچہ مولانا کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور رسالۂ مذکورہ مطب پر پہنچا دیا گیا۔ لیکن جناب قادری صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ رقعہ میرے پاس اُن کے برادر نسبتی لطافت میاں لائے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کون مولانا صاحب ہیں جنہیں اس رسالہ کی ضرورت پیش آئی ہے۔ کہنے لگے مولانا نہیں ہمارے بہنوئی قادری صاحب ہیں جو بی۔ اے پاس[2] ہیں۔ میں نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا کہ انہیں اس رسالہ سے کیا کام ہے اس پر انہوں نے بتایا کہ وہ تو بڑے بڑے مضمون لکھا کرتے ہیں اور تصنیف کیا کرتے ہیں اب ہمیں ان قادری صاحب کے دیکھنے کا اشتیاق

---

[1] استاذ مرحوم کی تاریخ وفات شب سہ شنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء ہے

[2] اس کے بعد ایم۔ اے کیا اور اب اردو کالج میں لکچرار ہیں۔

پیدا ہوا اور لطافت میاں سے کہا کہ ان سے ملاقات ضرور کرائیے گا۔ اتفاق کی بات دو چار دن کے بعد ہی مطب جانا ہوا تو قادری صاحب وہاں تشریف فرما تھے۔ پہلی ہی صحبت میں طبیعت ان کے علمی ذوق سے متاثر ہوئی، دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں۔ موصوف نے بتایا کہ وہ روہیل کھنڈ کے علماء پر کام کر رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں ان کو حضرت نانوتوی علیہ الرحمتہ کا رسالہ مطلوب تھا۔ ذوق کی ہم آہنگی بھی عجیب شے ہے کوئی صاحب ذوق مل جاتا ہے تو پھر اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی مجلس سے باہمی ارتباط قائم ہوگیا۔ ملاقاتیں بڑھتی گئیں اور کوئی مجلس مذاکرہ علمیہ سے خالی نہیں رہی۔ میں نے جب ان سے کوئی بات پوچھی ہمیشہ ان کو حاضر العلم پایا جس سے ان کے ذوق طلب اور تفحص و تحقیق کا نقش دل پر قائم ہوگیا۔ مغرب کی غلامی سے اب مشرق میں بھی معیارِ فضیلت ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہوگیا ہے (ہمارے قادری صاحب کو یہ فضیلت تو ابھی حاصل نہیں ممکن ہے آگے چل کر زمانہ کے ہاتھوں وہ بھی اس فضیلت کے حصول پر مجبور ہو جائیں) لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اپنے موضوع پر ان کی جیسی عمیق اور گہری نظر ہے اور جتنی اہم اور وسیع معلومات وہ رکھتے ہیں اس کے اعتبار سے جناب محمد ایوب صاحب قادری کے "محقق مجانہ" (ریسرچ اسکالر) ہونے میں کسی کوتاہ نظر ہی کو شک ہو سکتا ہے۔ موصوف کے جو کارنامے اب تک منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ وقائع عبد القادر رام پوری) اور تذکرۂ علماء ہند پر ان کی جو قیمتی تعلیقات و حواشی ہیں اور مختلف علماء پر جو ان کے علمی و تحقیقی مقالات وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں وہ اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ قادری صاحب ریسرچ اور تحقیق میں یورپ کے بہترین اسکالروں کے ہم پایہ ہیں۔

مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح وحالات پر قادری صاحب کی یہ کتاب بھی ان کی اسی تحقیق اور ریسرچ کا نمونہ ہے جس میں انہوں نے نہایت تفصیل وجامعیت سے مولانائے ممدوح کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی اور ان کے علمی کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔ مولانا محمد احسن نانوتویؒ کا شمار گذشتہ صدی کے نامور اور باکمال علماء میں ہے اور ان کی علمی خدمات سے عوام وخواص نے یکساں فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ جہاں انھوں نے ایک طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء جیسی بے نظیر کتابوں کو جو اب تک قلمی صورت میں پڑی ہوئی تھیں اپنے مطبع صدیقی بریلی سے طبع کرکے شائع کیا۔ وہاں دوسری طرف احیاء العلوم اور در مختار جیسی بیش بہا اور گرانقدر کتابوں کا ترجمہ کرکے تصوف و فقہ کی دولت کو وقفِ عام کیا۔ قادری صاحب کی یہ مبارک کوشش بلاشبہ نہایت لائق تحسین وباعث ستائش وآفرین ہے۔ اور گو بادی النظر میں یہ ایک چھوٹی سی کتاب معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی ترتیب وتدوین میں موصوف نے جس محنت وجانفشانی سے کام لیا ہے اس کا صحیح اندازہ درحقیقت وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کو اس موضوع پر خود بھی کچھ کام کرنے کا موقع ملا ہو۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ موصوف کی اس سعی مستحسن کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور ان کی عمر وعلم میں برکت عطا کرے تاکہ ان کی مزید تحقیقات سے ملک وملت کو فائدہ پہنچے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد عبد الرشید نعمانی غفر اللہ لہ
شب چہار شنبہ، بعد نماز عشاء
۱۲ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ

۷۸۶

الجامعۃ الاسلامیہ (مغربی پاکستان)

بہاولپور

کانفرنس نمبر

شمارہ سوم

۱۳۸۶ھ
۱۹۶۶ء

مدیر — حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب (نعمانی) نائب الشیخ
مدیر معاون — الٰہی بخش جار اللہ (ایم - اے) لیکچرر

محکمہ اوقاف مغربی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حجیت حدیث"

اطاعتِ رسول

امیر کی حیثیت ——— رسول کا مقام

از

حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ

بہاولپور

تعارف

[حضرت قبلہ سید احمد سعید صاحب کاظمی کا "حجیتِ حدیث" پر مقالہ ایک نہایت جامع اور پُر مغز مقالہ ہے۔ حضرت نے اس مقالے میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو۔ آپ نے معترضین کے تمام اعتراضات اور شبہات کا نہایت متانت سے اور وضاحت سے ازالہ کیا ہے۔ اس مقالے میں ضمناً عصمت انبیاء پر بھی اجمالاً بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ عصمت انبیاء کے عقیدے کے بغیر حدیث کا حجت ہونا بے معنی سی بات رہ جاتی ہے۔ حضرت قبلہ کاظمی صاحب نے "الشیخ والشیخۃ" والی حدیث پر بھی جامع اور مختصر کلام کیا ہے۔ کاظمی صاحب نے چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کر کے مقالے کو آسان فہم اور واضح صورت میں پیش کر دیا ہے۔ مقالے میں مختصر طور پر احادیث کی تدوین کی تاریخ بھی دے دی گئی ہے۔ تاکہ منکرینِ حدیث پر یہ واضح کر دیا جائے۔ کہ حدیث کی تدوین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک سو سال بعد نہیں بلکہ اس سے تہا پہلے شروع ہو چکی تھی۔ الغرض وہ تمام حیلے اور بہانے جنہیں منکرینِ حدیث استعمال کرتے ہیں اور وہ تمام دجل و فریب جو وہ عوام کو دامِ تزویر میں لانے کے لئے کرتے ہیں تار تار کر کے رکھ دیئے گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ایک منصف مزاج انسان اس مقالے کو پڑھنے کے بعد منکرینِ حدیث کے سنہرے جال میں نہیں پھنس سکے گا]

مدیر۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۰۳۴ھ کی ذات ستودہ صفات اپنی شہرت وقبولیت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح کا شمار ان چند مخصوص ائمہ ہدیٰ میں ہے کہ جن کے فیض ہدایت سے ایک عالم مستفیض ہوا۔اور اولیائے کبار کا ایک گروہ کثیر ان ازمنہ متاخرہ میں قرب الٰہی کے مقاماتِ بلند پر فائز ہوا فجزاہ اللّٰہ عنا و عن جمیع المسلمین خیراً

حضرت شاہ عبداللہ علوی المشتہر بشاہ غلام علی دہلوی المتوفی ۱۲۴۰ھ رحمہ اللہ نے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے بارے میں بالکل بجا فرمایا ہے:

> ایشان مجدد الف ثانی اند وحقائق و دقائق و کثرت معارف الٰہیہ و فیوض و برکاتِ ایشان وافاضاتِ کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ و مقاماتِ عالیہ کہ در طریقۂ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ اند و آن مقامات قربِ الٰہی است سبحانہ، معلوم نیست کہ در کتب صوفیہ این مقامات کہ ولایاتِ ثلاثہ و کمالاتِ ثلاثہ و حقائق سبعہ وغیرہ بیان نمودہ تجدیدِ علوم صوفیہ علیہ فرمودہ اند تحریر شدہ باشد فلا تکن من الممترین دلیلے ہست واضح بر مجدد بودن ایشان چنانچہ حضرت خواجہ معروف کرخی و حضرت غوث الثقلین و حضرت خواجہ معین الدین و حضرت خواجہ نقشبند و حضرت علاء الدولہ سمنانی و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم مجددان طریقہ صوفیہ بودہ اند وانوار و علوم و معارف و فیوض اینہا دلیل تجدید ایشان است، تشددات و ریاضات صوریہ را بتوسط مقرر غودن و اسرار توحید بے مجاہدات افاضہ نمودن و دوام حضور در ہر لطیفہ از لطائف عشرہ داشتن و مدار ترقی بر اتباع سننِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقرر ساختن از

خصائص طریقہ نقشبندیہ مجددیہ است کثر اللہ اصلہا رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ وافاض علینا برکاتھم فی الدنیا والآخرہ آمین آمین آمین ۔(۱)

اور ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مجددؒ کے تجدیدی منصب پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

> در حدیث شریف آمدہ کہ بعد ہر ماتہ مجددے پیدا می شود کہ امر امت را تازہ می نماید، مجدد در سلاطین چنانچہ عمر بن عبد العزیز و مجدد در امور دین در علماء چنانچہ امام شافعی و مجدد در صوفیہ معروف کرخی و در اسرار علم امام غزالی و مجدد در افاضہ فیوض با کثرت خوارق حضرت غوث الاعظم این مجددان امر امت را تقویت فرمودہ اند و شیخ جلال الدین سیوطی در حدیث مجدد است و علم حدیث را رواج بخشیدہ و حضرت مجدد الف ثانیؒ در بیان مقامات طریقت و حقیقت ممتاز ندور سوخ و رواج دادن در علم دین با کثرت افشائے انوار و فیوض دلیل است بر مجدد بودن ان اکابر ہمچنیں کثرت فیوض و افادات در صحبت مبارک ایشان و اسرار توحید وشہود وحدت در کثرت و نسبت حضور و یادداشت و مراتب کمالات نبوت و حقائق الہیہ و حقائق انبیاء علیہم السلام کہ بے مجاہدات و ریاضات در صحبت ایشان در اندک زمان دست می داد سالکان را بر درجات ولایت ترقی حاصل می شد از دلائل مجدد بودن ایشان است رضی اللہ عنہم ۔(۲)

ظاہر ہے کہ اس عظیم المرتب امام کی سوانح، ان کے حالاتِ زندگی، ان کی تعلیمات اور ان کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا سراسر ثواب ہی ثواب ہے۔ فارسی زبان میں اگرچہ امام ربانی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کے فضائل و کمالات کی تفصیل پر متعدد قیمتی کتابیں خود حضرت ہی کے خلفائے اور اہل سلسلہ کے قلم سے موجود ہیں، لیکن اردو زبان کا دامن ابھی تک اس سلسلے میں ایسی جامع تالیف کے وجود سے تقریباً خالی تھا کہ جس میں آپ کے مفصل حالات زندگی کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات اور کارناموں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور منصب تجدید اور مقام مجددیت پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کی تالیف سے یہ کمی بڑی حد تک پوری

۱۔ مکاتیب شریفہ، حضرت شاہ غلام علی: ص ۵، ۶۔ شائع کردہ حکیم سیفی طبع لاہور ۱۳۷۱ھ

۲۔ حوالہ مذکورہ بالا: ص ۸۶

ہوگئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے پہلے تو اس کتاب کی تدوین کا داعیہ ہمارے محترم دوست جناب منشی محمد اعلیٰ صاحب مہتمم ادارۂ مجددیہ کے دل میں پیدا کیا اور انہوں نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس کی جمع وتدوین کے لئے تگ و دو شروع کردی۔ خود بھی پڑھنا اور جمع کرنا شروع کیا۔ اور پھر اپنے شیخ حضرت شاہ زوّار حسین صاحب مدفیوضہم کو اس امر پر آمادہ کرلیا کہ حضرت شاہ صاحب موصوف ہی کے قلم سے یہ کارِ خیر تکمیل کو پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے اوقات میں جو حق تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اس کا نمایاں اثر یہ ہے کہ ایک مدتِ قلیل میں جناب ممدوح کے قلم سے متعدد ضخیم کتابیں تالیف ہوکر شائع ہوچکی ہیں انھیں تالیفات میں پیش نظر کتاب حضرت مجددؒ الف ثانیؒ بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں حضرات کو اس کارِ خیر کی تکمیل پر اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس تالیف کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام نصیب کرے اور ان بزرگوں کے صدقے جن کا تذکرہ اس کتاب میں آگیا ہے مجھے بھی حضرت مجددؒ رحمہ اللہ کی برکات سے بہرہ مند فرمائے، ایمان پر خاتمہ کرے اور زندگی بھر عمل خیر کی توفیق دے۔ آمین۔ یارب العالمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ الفقیر الیہ تعالیٰ

محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ لہٗ

۱۸؍رجب ۱۳۹۲ھ، سہ شنبہ بہ وقت چاشت

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

و

استخلاف یزید

بجواب

تحقیق مزید علی خلافۃ معاویہ و یزید

مصنفہ

سید لعل شاہ بخاری تجاوز عنہ ذنبہ الباری

خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ

۲۔ حضرت مولینا محمد عبد الرشید نعمانی صاحب، استاذ درجہ تخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن کراچی۔

میں نے آج رسالہ "القول السدید فی جواب استخلاف یزید" کے جملہ اقتباسات اصل کتاب سے ملا کر دیکھے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ استفتاء اور جواب استفتاء میں جو تاثر ان اقتباسات کے بارے میں دیا گیا ہے وہ اصل کتاب کے مطالعہ سے ہرگز پیدا نہیں ہوتا اِلّا یہ کہ آدمی ناصبی ہو تو اور بات ہے۔ غالباً ارباب فتاوی نے اصل کتاب سے مراجعت نہیں کی۔ اور اگر واقعی اہل فتوی نے بہ نفس نفیس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے یہ فتوی دیا ہے تو جائے تعجب ہے۔ یا للعجب ولضیعۃ الادب۔

کسی مشہور مصنف کی اصل عبارت کو اسکے سیاق و سباق سے کاٹ کر اس پر فتوی لینا اور اہل فتوی کا اصل سے مراجعت کے بغیر فتوی دے دینا شرمناک جسارت ہے جو اہل دیانت و انصاف کا شیوہ نہیں۔

مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری ایک محقق عالم ہیں، سنی حنفی ہیں۔ ان کی تصانیف قابلِ قدر ہیں۔ جو ان کی بالغ نظری کی شہادت دیتی ہیں۔ ایسے شخص پر شیعیت کا الزام تہمت و زور ہے۔ ان کی تصنیفات سے یہ بات قطعاً ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو عمرِ طویل عطا فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق بخشے۔ ان کا وجود مغتنم ہے۔

مولانا ممدوح بحمد اللہ زندہ و سلامت ہیں۔ اگر مفتیانِ کرام فتویٰ صادر کرنے سے پہلے خود ان سے اس سلسلہ میں مراجعت کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ بہرحال الانصاف خیر الاوصاف اب بھی موقع ہے۔ مولانا کی کتاب کا غائر نظر سے ٹھنڈے دل سے مطالعہ فرمائیں اور جہاں اشکال ہو خود ان سے دریافت کر لیں اور اپنے فتاویٰ پر نظرِ ثانی فرمائیں۔ اور اگر ضد و نفسانیت درمیان میں ہے تو اسکا کوئی علاج نہیں۔

یوں مصنف کی رائے سے ہر محقق کو اختلاف کا حق حاصل ہے۔ مگر اختلاف دلائل کی بناء پر ہونا چاہئے۔ ضد اور نفسانیت کی بناء پر نہیں۔ ہر مصنف سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور تعبیر میں کوتاہی بھی۔ مگر اس سے اس کا بد باطن اور بد عقیدہ ہونا ثابت نہیں ہوا کرتا کہ

ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود مثل مشہور ہے من صنف فقد استہدف۔ مولانا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

محمد عبد الرشید نعمانی غفر اللہ لہٗ

معجم القرآن
ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر
سیّد فضل الرّحمن

تقریظ

علامہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ علمی حلقۂ احباب میں محتاجِ تعارف نہیں۔ میں نے مولانا ممدوح کے بارے میں اپنے تاثرات کا ذکر اس مضمون میں کردیا ہے جو ''مقاماتِ زواریہ'' میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خلف الرشید صاحبزادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ مختصر اور جامع فرہنگ اس انداز سے مدون کی ہے کہ ہر لفظ جس شکل میں قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اسی طرح اس کو اپنی اصلی صورت میں بہ ترتیب حروف ہجا مرتب کر کے اس کے معنی اور ضروری تشریح نقل کردی ہے، پھر ہر لفظ کے ساتھ اس کا اشاریہ بھی ذکر کردیا ہے تاکہ ضرورت کے وقت قرآن کریم سے مراجعت میں آسانی ہو۔ اس طرح یہ کتاب مختصر ہونے کے ساتھ عام لوگوں کے لئے خاصی مفید بن گئی ہے۔ اس کتاب کی مزید خصوصیات خود مؤلف نے اس کے دیباچے میں ذکر کردی ہیں جس سے اس کی افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے محترم جناب منشی محمد اعلیٰ صاحب شروع سے دینی ذوق رکھتے تھے۔ توفیقِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی ہے۔ بزرگوں کی صحبت اور فیضان نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی ہے۔ ابتدا میں کسبِ حلال کے لئے خوشنویسی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا، بہت سی دینی کتابیں ان کی حسن کتابت کا آئینہ ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد موصوف نے ادارۂ مجددیہ کی تاسیس کی اور حضرات اکابرِ نقشبندیہ کی تصانیف اور ان کے تراجم شائع کئے۔ نیز اپنے شیخ حضرت مولانا سید زوار

حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تالیفات کو بھی نہایت اہتمام سے شائع کیا۔ اس کتاب کی اشاعت کی سعادت بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے منشی صاحب ہی کی قسمت میں آئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر میں برکت دے، اس خدمت کو قبولیت سے نوازے اور ان حضرات کی سعی کو مشکور فرمائے۔ آمین۔ والحمدللہ اولاً وآخراً۔

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۳۔ رجب ۱۴۰۵ھ

☆ سابق مہتمم ومفتی واستاذِ حدیث مدرسہ امینیہ، دہلی، مہتمم جامعۃ الصالحات، کراچی

علوم الحدیث
تالیف
مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی
مفتی جامعہ عربیہ، ہتھورا (باندہ) انڈیا
نظر ثانی وتقریظ
محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
مجلس نشریات اسلام
۱-کے-۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی-۷۴۶۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مولوی حبیب اللہ جعفری اسعدی کا رسالہ اصول حدیث پیش نظر سے گزرا۔
اس رسالہ کی خوبی یہ ہے کہ مصطلحات فن کو نہایت آسان اردو زبان میں بیان کیا
ہے۔ جس سے نہ صرف طلباء بلکہ عام اردو خوان کو بھی خاطر خواہ فائدہ ہونے کی توقع
ہے۔ حق تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کی اس کوشش کو قبولیت سے نوازے اور اسکے
نفع کو عام فرمائے۔ آمین

اگر مولوی حبیب اللہ صاحب اصول فقہ پر بھی اسی انداز سے کام کریں اور محنت
کرکے پہلے اس کے مصطلحات اور پھر اس کے مباحث کو آسان اردو میں منتقل کردیں
تو بڑی علمی اور اہم خدمت ہوگی۔ واللہ الموفق

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۵ رشوال ۱۴۰۵ھ پنجشنبہ

(نگران شعبہ تحقیق و تصنیف جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

(نیوٹاؤن کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلفہ: سید تنظیم حسین

ناشر
ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر
مؤسس و مدیر
الرحیم اکیڈمی
پوسٹ آفس، لیاقت آباد

قیمت ۵۰/ روپے

پیش لفظ

از گرامی قدر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسماعیلی شیعوں کے دونوں فرقے آغا خانی جو حاضر امام کے معتقد ہیں اور شریعت کے تمام احکام کو معطل سمجھتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی بلکہ اپنی تقریبات کے لئے "جماعت خانہ" میں جمع ہو جایا کرتے ہیں اور بوہرے جو امام مستور کے قائل ہیں اور اس کے داعی برہان الدین کے معتقد' اور چونکہ سردست ان کے یہاں احکام شرع معطل نہیں اس لئے ان کی مسجدیں بھی ہیں اور حج پر بھی چلے جاتے ہیں ان دونوں فرقوں کی اچھی خاصی قابل لحاظ تعداد ہندوپاک دونوں جگہ موجود ہے' مالی حالت ان دونوں فرقوں کی بہت اچھی ہے اور ان میں بڑے بڑے سرمایہ دار افراد ہیں۔ جن کی دولت کا یہ کھلا کرشمہ ہے کہ آئے دن ہمارے ملک کے کثیر الاشاعت روزناموں کے اندر پرنس کریم آغا خان اور سیدنا برہان الدین کے تفصیلی تعارف' اسماعیلیوں کے شاندار کارناموں اور ان کی مداحی کے لئے وقف رہتے ہیں' اخباروں میں ان کے حالات کو پڑھ کر عام قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کا جی چاہتا ہے کہ اسماعیلی تحریک اس کے داعی اور اس کے اماموں کے بارے میں اس کو واقفیت حاصل ہو مگر اس سلسلہ میں بازار میں عام طور پر کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی۔

یوں تو اردو زبان کا دامن شیعہ اسماعیلیہ کے تعارف سے بالکل خالی نہیں بلکہ اس موضوع پر متعدد تالیفات ہماری زبان میں موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا عبد الحلیم شرر کا مشہور ناول "فردوس بریں" اور ان کی دوسری کتاب "حسن بن صباح" اس سلسلہ کی دلچسپ کتابیں ہیں۔ مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری کی کتاب "مذاہب الاسلام" میں بھی ان کے بارے

میں کافی مواد موجود ہے۔ اور ڈاکٹر زاہد علی صاحب نے تو "تاریخ فاطمیین مصر" اور "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" جیسی بیش بہا کتابیں لکھ کر گویا اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں اس موضوع پر سند مستند ہیں۔ لیکن یہ سب تالیفات ایک آدھ کے سوا اب عام طور پر نہیں ملتیں۔

ہمارے محترم دوست جناب سید تنظیم حسین صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس پیرانہ سالی میں اس موضوع پر ایک نہایت گراں قدر کتاب تالیف فرمائی جو اپنی جامعیت' اختصار' سلاست بیان' دلچسپی اور تحقیق کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے۔ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے عوام' خواص دونوں کے مطالعہ کے قابل اور دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ جناب مؤلف کا قلم شروع سے آخر تک جادۂ اعتدال سے ذرا نہیں ہٹا' انہوں نے اسماعیلی تحریک کا جائزہ بالکل غیر جانبدار ہو کر لیا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ خود قاری کے ذہن پر چھوڑ دیا ہے کہ :

لیهلك من هلك عن بینة و یحییٰ من حی عن بینة (سورۃ الانفال ۴۲)

ترجمہ : تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے دلیل کے ساتھ ہو' اور جس کو جینا ہے دلیل کے ساتھ جیئے۔

اللہ تعالیٰ جناب مؤلف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

مشرف :۔ مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کراچی

محمد عبدالرشید نعمانی

دوشنبہ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ ہجری

شرح الفاظ القرآن
قرآن پاک کی تفسیری لغت
تالیف: مولانا عبدالرشید گجراتیؒ
مقدمہ: شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
پسندیدہ فرمودہ
مولانا عبدالرشید نعمانیؒ
مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
مفتی نظام الدین شامزئیؒ
ناشر
شمسی پبلشنگ ہاؤس
جامعہ یوسفیہ بنوریہ شرف آباد کراچی
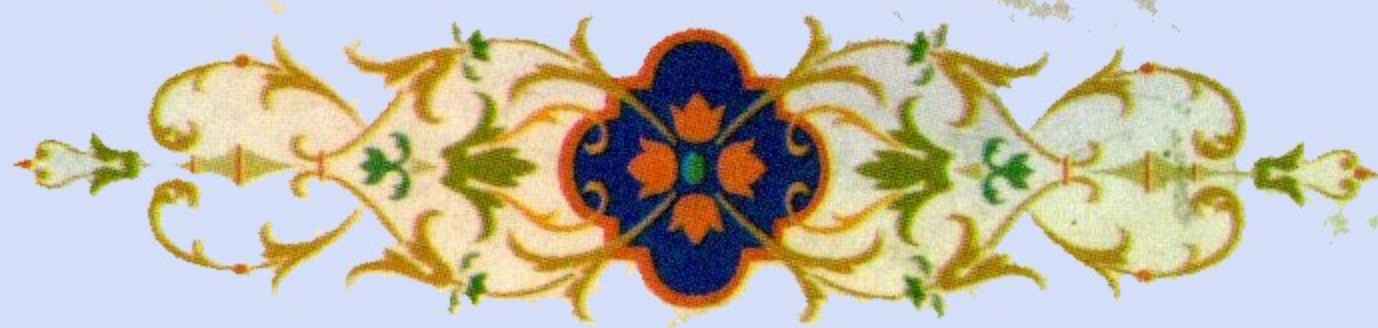
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Majlis-ud-D'awati-wat-Tahqiq-il-Islami
Allama Muhammad Yusuf Banuri Town
Karachi-5, Pakistan

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵۔ پاکستان

NO:

DATE:

TEL:

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

ہمارے فاضل دوست اور شاگرد مولوی عبدالرشید صاحب گجراتی اس اعتبار سے قابل مبارکباد ہیں کہ دورۂ سند فراغ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو ضائع نہیں کیا۔ بلکہ اپنی زندگی کا بہترین مشغلہ علمی انہماک کو بنایا۔ اب خدا کی توفیق ہے کہ اس نے ان کو اپنی کتاب عزیز" کی خدمت کا ذوق عطا فرمایا ہے اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ قرآن کریم کی لغت تیار کریں۔ چنانچہ جس لگن اور جذبہ کے ساتھ وہ اس کام میں منہمک رہے وہ قابل رشک ہے۔ بارہ سال ہونے آئے کہ وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس مبارک خدمت کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہیں بارک اللہ فی علمہ وعملہ واخلاصہ آمین۔

قرآن پاک کی لغت پر راقم السطور نے بھی کچھ ابتداء عمر میں کام کیا ہے۔ میرے بعد مسٹر پرویز نے بھی "لغات القرآن" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔ جیسے کہ وہ اہل نہ تھے۔ اور اس لئے وہ خاصی ضلالات وگمراہی کا مرقع ہے۔ مگر ہمارے مولوی عبدالرشید صاحب گجراتی کی کتاب علم وتحقیق کی روشنی میں خاصی محنت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے۔ اور امید ہے کہ وہ مقبول خاص وعام ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یوں تو سچی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی خدمت کا حق تو کسی بندے سے کیا ادا ہوسکتا ہے۔ لیکن حسب استطاعت جو بندہ بھی اس کار خیر میں حصہ لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم نہیں رہتا۔ اہل علم جب ہمارے مولوی صاحب کی اس کتاب "شرح الفاظ القرآن" کا مطالعہ کریں گے تو ان کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو کر سامنے آئے گی کہ کم ترک الاول للآخر۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قبولیت عام سے نوازے۔ اور مرتب کو اخلاص کی برکت سے مالامال کرکے دنیا وآخرت میں سرخرو وسرفراز فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محمد عبدالرشید نعمانی مصنف "لغات القرآن"

یکشنبہ ۲۶ رجب ۱۴۰۷ ہجری

عہد نبوی کا اسلامی تمدن

اختصار و ترجمہ

شہرۂ آفاق کتاب

"التراتیب الاداریۃ"

تالیف

علامہ عبد الحی کتانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۱ھ

اس کتاب میں علامہ کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نظامِ حکومت عسکری و حربی اُمور وزارت و خلافت صنعت و حرفت اصول تجارت تعلیمی حالات اور مقامی روایات و اقدار اور اندازِ معیشت و معاشرت کو انتہائی دلچسپ و مفید اسلوب سے مستند روایات کے ساتھ پیش کیا ہے

ترتیب و پیش کش

شیخ طریقت حضرت مولانا رضی الدین احمد فخری صاحب مدظلہ العالی

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

۳۷-۴ ڈی۔ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵، فون: ۷۲۳۶۸۸، ۷۱۶۴۸۸

رائے گرامی قدر

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب مدظلہم العالی

Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah
Allama Muhammad Yusuf Banuri Town,
Karachi-5 Pakistan

P. O. Box : 3465
Phones : 413570
419552

جامعة العلوم الإسلامية
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۵۔ پاکستان

REF :
DATE :

علامہ کبیر امام حافظ المحدث سید عبد الحی بن عبد الکبیر الکتانی الفاسی المتوفی ۱۳۸۲ ہجری کا نام علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، یہ اپنی وسعت نظر اور علمی تبحر میں تمام افریقی ممالک میں ممتاز تھے۔ اس دور میں جو چند حضرات اپنی مؤلفات کے اعتبار سے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، ان ہی میں ان کا بھی شمار ہے۔ ان کی تصانیف سب نافع اور علمی خزانے ہیں۔ خاص طور پر فہرس الفہارس والاثبات، اور التراتیب الاداریہ تو اپنے موضوع پر بے نظیر کتابیں ہیں۔

محترمی جناب سید رضی الدین صاحب فخری اس سلسلہ میں قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے موخر الذکر کتاب کا اختصار و ترجمہ کرا کر اس کے فوائد کو وقف عام کر دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۲ رجب سنہ ۱۴۱۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا
تذکرہ
علامہ اختر شاہ امروہوی
علامہ مولانا محمد اختر شاہ خان امروہوی
مدرس اعلیٰ مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
ترتیب
علامہ محمد اسحٰق القاسمی مدظلہ
ناشر
المکتبۃ القیمۃ
سی سینٹرل کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس علامہ اقبال روڈ، نزد طارق روڈ
کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۵۴۰۰

محدّثِ عصر حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید نعمانی دامت برکاتہ و عمت فیوضہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

علماء ربانیین انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے صحیح وارث ہوتے ہیں ان کا وجود اللہ کی نعمت غیر مترقبہ ہے ان کی ساری زندگی نفع رسانی اور خلق خدا کی رہنمائی میں صرف ہوتی ہے ان سے جو علم و فیض ہوتا ہے وہ صدقہ جاریہ ہے جب تک ان کا فیض چلتا رہے گا اس کا ثواب ان کو ملتا رہے گا۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ

اللہ تعالیٰ نے دار العلوم دیوبند کو فیض کا سرچشمہ بنایا ہے اور جن لوگوں کو اس دار العلوم سے فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی وہ سب علم و صلاح میں ممتاز رہے ہیں ان ہی بزرگوں میں ہمارے فاضل و عالم دوست مولانا محمد اسحٰق صاحب مدظلہ العالی کے استاذ علامہ مولانا محمد اختر شاہ خان امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب نے ان ہی دنوں ان کے تذکرہ پر ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں ان کی زندگی کے مختصر حالات ہیں اور ان کے کلام کا مجموعہ شامل ہے جس میں عربی، فارسی، اردو سب کا بیش بہا نمونہ ہے۔

ہمارا مولانا موصوف سے تعلق چالیس سال سے ہے مگر ہمیں نہ تو مولانا کے ذوقِ تجسس کا پتہ تھا اور نہ ہی ان کے ذوق شعری کا مولانا کا کمال یہ ہے کہ اس پیرانہ سالی میں اپنے فاضل استاذ کی سوانح عمری کا خیال آیا اور اپنی یادداشت سے ان کا مجموعہ کلام مرتب کیا جہاں ان کے متعلق کوئی بات معلوم ہوئی اس کو جمع کر لیا اور اس سلسلے میں خاصی کاوش کی ان کی سعی اس بارے میں قابل داد ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم و اخلاص میں برکت عطا فرمائے اور اپنے مشائخ کے ساتھ حشر فرمائے۔

مذاہب اربعہ میں علماء احناف کا ذوق ترجمہ نگاری کم رہا ہے اور اس بنیاد پر حنفی علماء کی ایک بڑی تعداد پردۂ گمنامی میں مستور ہو گئی لیکن یہ ان کے تعلق خاطر کی بات ہے کہ اس تذکرہ کو مرتب کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے اور ہمیں بھی ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد عبد الرشید نعمانی

۲۸ / محرم ۱۴۱۹ھ

حصن حصین
ترجمہ و شرح
قولِ متین
پیدائش سے موت تک انسانی زندگی کے تمام روزمرہ اور اہم مواقع
کیلئے مسنون دعاؤں کا مجموعہ، دعاؤں کی قبولیت اوقات اور
مقامات، فضائل دعا، فضائل ذکر، اسماء الحسنیٰ، حج کی دعائیں سورتوں
اور آیتوں کے فضائل، غم اور خوشی کے مسنون اور مستند اعمال
ایک ایسی کتاب جس کا مسلمان گھرانے میں ہونا ضروری ہے
تصنیف
امام محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ
ترجمہ و شرح
مولانا محمد عبد العلیم ندوی
ناشر
ڈاکٹر حافظ محمد عبد المغیث
ایم بی بی ایس
زبیر ہاسپٹل بھٹی روڈ پھلیلی
حیدر آباد سندھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ذکر الٰہی میں سب سے اوّل قرآن مجید کا درجہ ہے اس کے بعد ان دعاؤں کا ہے جو زبان نبوت سے صادر ہوئی ہیں، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے ایک ایک لفظ اور ایک حرف کو محفوظ کیا ہے، قرآن مجید کے بارے میں تو ہر ایک جانتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے اسی طرح ادعیہ ماثورہ کا حال ہے کہ زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر ایک دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم کی ہے یا کسی موقع اور محل پر آپ نے کی ہے وہ سب محدثین نے اللہ ان پر رحمت فرمائے اپنی تصانیف میں سند کے ساتھ روایت کی ہیں، یہ دعائیں حدیث کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں پھر بعض محدثین نے ان دعاؤں کی سندیں حذف کر کے ان کے متون کو مواقع کے لحاظ سے مرتب کر کے علیحدہ جمع کر دیا ہے۔ ان میں "سلاح المومن" اور "حصن حصین" زیادہ متداول ہیں "ابن جزری کی" حصن حصین" کو ہمارے دیار میں زیادہ شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی۔ متعدد علماء نے اس کا ترجمہ بھی کیا جن میں نواب قطب الدین دہلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ زیادہ شائع ہوا لیکن اس کی زبان پرانی ہے۔

برادر عزیز مولوی عبدالعلیم ندوی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور اپنے مقربین میں داخل کرے اس کا سہل اور آسان زبان میں ترجمہ کیا اور جا بجا مفید تشریح کا بھی اضافہ کیا اللہ

تعالیٰ ان کی اس علمی اور دینی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین 'مدت ہوئی اس
کو حاجی بشیر محمد صاحب نے کراچی سے شائع کیا تھا۔ اب مترجم کے فرزند
حاجی حافظ ڈاکٹر محمد عبدالمغیث سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد بزرگوار کے
ایصال ثواب کے لئے شائع کیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مترجم اور ان
کے فرزند دونوں کے لئے اس کو ذخیرہ آخرت کرے

"حصن حصین" کے مترجم مولوی عبدالعلیم صاحب رحمہ اللہ
میرے حقیقی بھائی تھے جنہوں نے سفر آخرت میں جلدی کی وہ مجھ سے
چار سال چھوٹے تھے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالم کی شہادت کے
حامل تھے، اور پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کی سند حاصل کی تھی،
اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ اور اپنے فضل خاص سے نوازے،
آمین ثم آمین۔

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۷ر صفر ۱۴۱۹ھ

مادہ تاریخ طباعت

حصن حصین ترجمہ از محمد عبدالعلیم ندویؒ ۱۴۲۱ھ
حصن حصین شرح قول متین
از حامی دین محمد عبدالعلیم ندویؒ
۲۰۰۰ء

محدث العصر قطب الاقطاب

حضرت اقدس مولانا محمد انوری

خادم خاص و خلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند

و خلیفہ خاص امام المحدثین قدوۃ العارفین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری

و خلیفہ اعظم حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری

ادارۃ المعارف کراچی

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ اس دور کے بہت بڑے مصلح، بہت بڑے عارف اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھے، حق تعالیٰ نے مقبولیت بھی وہ عطا فرمائی تھی کہ باید و شاید، ایک خلقِ کثیر نے آپ کی صحبتِ بابرکت سے فیض اُٹھایا اور تربیتِ باطنی حاصل کی، اور جن لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر توبہ کی ان کا تو شمار بھی مشکل ہے، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے منتسبین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اس کتاب میں آپ حضرتِ عالی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا محمد صاحب انوری کے جمع کردہ ملفوظات کا مطالعہ فرمائیں گے۔ مولانا موصوف کو ہمارے حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا اختصاص حاصل تھا، اور حضرت کی مجلس میں علمی مسائل میں اکثر ان ہی سے مراجعت کی جاتی تھی، مولانا انوری اپنی ایک تحریر میں جو احقر کے نام ہے فرماتے ہیں:-

یہ حضرت کی شفقت ہے کہ احقر کو رائے کوٹ سے بلا کر بیعت فرمالیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد اجازت مرحمت فرمائی، اور

بار بار اصرار فرماتے رہے کہ تو بیعت کرلیا کر، میں نے عرض کیا کہ شرم آتی ہے، فرمایا: میں لوگوں کو لکھ دیا کروں گا کہ تیری طرف متوجہ ہوں۔ پھر ہر سفر میں یہی فرماتے رہے، جب ملک بدل گیا تو پھر تو بہت بار فرمایا اور خطوط بھی بھیجتے رہے۔

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-

ایک دفعہ احقر رائے پور میں حاضر تھا، حضرتِ اقدس تخلیہ میں تشریف فرما تھے، بعد مغرب احقر کو بلایا، فرمایا کہ: ذکر کے موقع پر کچھ انوارات بھی محسوس ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: سینے میں روشنی محسوس ہوتی ہے اور طبیعت میں اطمینان اور سکونِ قلب ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دِل پر سے بوجھ ہلکا ہوگیا ہے اور ذکر سے دِل کو کچھ ایسا لگاؤ پیدا ہوگیا ہے کہ بغیر پورا کئے چین نہیں پڑتا، اور عموماً خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہوں۔ بہت ہی خوش ہوئے، فرمایا: الحمدللہ، الحمدللہ آپ کو احساس بھی ہے اور یہ سب آثارِ ذکر ہیں اور اس کو تجلی کہتے ہیں، کیونکہ ذات بحت نظر آنے سے بلند و بالا ہے، کسی محبوب ترین شکل میں جلوہ گری فرماتے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یا بیداری میں زیارت ہوجانا بہت ہی مبارک ہے۔ آپ کو اِن شاء اللہ تعالیٰ نسبتِ محمدیہ حاصل ہونے والی ہے، میں بشارت دیتا ہوں۔

ان دونوں تحریرات سے آپ، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا انوری پر جو

خصوصی شفقت و توجہ تھی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہم نے مولانا انوری کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ اگر حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، مکتوبات اور سوانح و حالات کے سلسلے میں کچھ جناب بھی سپردِ قلم فرمائیں تو عین عنایت ہو، مولانا نے از راہِ کرم ہمارے اس التماس کو شرفِ قبول بخشا، جس پر ہم مولانا موصوف کے شکر گزار ہیں۔

محمد عبدالرشید نعمانی

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرۃ آمنہ

کی غیر شرعی اور خفیہ منتقلی

اور

مزارِ اقدس کی بیدردی

سے پامالی

سانحہ

ماہِ رمضان ۱۹۹۹ء

فتویٰ :

محمد عبدالرشید نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت ﷺ کے والدین محترمین سے ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی بھی شرک کا ارتکاب کیا ہو اس لئے جو تمام ان اہل فترت کی طرح کہ جو موحد تھے یہ حضرت بھی مومن تھے ، امام جلال الدین سیوطیؒ نے کئی رسالے ان دونوں حضرات کے ایمان کے ثبوت میں لکھے ہیں جو حیدر آباد دکن مطبع دائرۃ المعارف سے چھپکر شائع ہو چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی والدین ہونے کی وجہ سے ان حضرات کا ادب کرنا ضروری ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کی قبروں کی بے حرمتی نہ کی جائے آنحضرت ﷺ خود بھی اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے اور خلفاء راشدین نے ان قبروں کو اپنے حال پر رکھا ہے اور آج تک امت محمدیہ نے ان پر کوئی تصرف نہ کیا۔ لہٰذا ان کی بے حرمتی بھی رواہ نہیں۔

محمد عبدالرشید نعمانی غفرلہ

۲۵ ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین محترمین سے ثابت نہیں کہ انھوں نے کبھی بھی شرک کا ارتکاب کیا ہو اس لئے جو تمام ان اہل فترت کی طرح کہ جو موحد تھے یہ حضرات بھی مومن تھے ، امام جلال الدین سیوطی نے کئی رسالے ان دونوں حضرات کے ایمان کے ثبوت میں لکھے ہیں جو حیدر آباد دکن مطبع دائرۃ المعارف سے چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدین ہونے کی وجہ سے ان حضرات کا ادب کرنا ضروری ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان قبروں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے اور خلفاء راشدین نے ان قبروں کو اپنے حال پر رکھا ہے۔ اور آج تک امت محمدیہ نے ان پر کوئی تصرف نہ کیا لہذا ان کی بے حرمتی بھی رواہ نہیں

محمد عبدالرشید نعمانی غفرلہ

۲۵ ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

فتویٰ :

مولانا محمود حسن خان ٹونکی

(نجاۃ ابوی النبی ﷺ)

والدین جناب ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام عرب کے وہ لوگ جو ایام جاہلیت میں ملت ابراھیمی پر تھے اور موحد تھے اور یہی توحید ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ قال سبحانہ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاری والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر و عملوا الصلحت فلھم اجر ھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

یہ آیت محکم ہے اور فیصلہ کن ہے ہر ملت مؤحدہ کے لئے تاوقتیکہ اس ملت توحید کا شخص مشرک نہ ہو کہ اس سے شرک کا ہونا ثابت ہو یہی حکم تمام ملت سماویہ کا ہے خواہ امت محمدیہ سے پہلے گذرے ہیں یا ملت محمدیہ کے بعد' نوح علیہ السلام کے عہد سے شریعت سماویہ یعنی اسلام کی ابتداء ہوئی ہے۔

قال سبحانہ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً

یہ آیت چوبیسویں پارے میں ہے صاف تاریخ ہے ابتدائی شریعت اسلام کی۔

نوح علیہ السلام سے پہلے دین اور مذہب فطرتی تھا یعنی خالق عالم ذات واحد ہے اور بس اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا

یہ اختلاف بعثت انبیاء علیہ السلام کے بعد خلق اللہ نے پیدا کیا۔

وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاء تھم البینت

میں ارشاد فرمایا ہے' اسی اختلاف کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیت

کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیّن مبشرین و منذرین آیۃ میں مذکور فرمایا ہے کہ اور کسی آیہ میں

فتقطعوا امرھم بینھم زبرا کل حزب بما لدیھم فرحون

میں ارشاد ہے

جو ابراھیم علیہ السلام نے اپنی ملت میں شروع فرمائی ہے اور جس کی اتباع کا حکم ہم کو ہے'

فاتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین'

اور اسی توحید فطرتی کو اللہ تعالیٰ نے موجب نجات قرار دیا ہے' یہی رسالت کے انکار سے ضائع ہو جاتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا

ہمیشہ تمام امم سابقہ اسی انکار نبوت سے معذب ہوتے ہیں

ان کل الا کذب الرسل فحق وعید بعثت انبیا علیھم السلام سے پہلے اللہ سبحانہ نے تمام موحدین کی نجات کا وعدہ آیہ 'ان الذین امنوا والذین ھادوا، میں فرمایا ہے' جب تک انکار رسالت واقع نہ ہو ملت ابراھیمی کے تمام عرب موحد تھے' ملت ابراھیمی میں عمرو ابن لُحَی نام کے ایک شخص نے عرب میں شرک کی ابتدا کی شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کے خانہ کعبہ میں بتوں کی پرستش ہونے لگی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اس رسالت سے پہلے جو لوگ جاہلیت کے عہد میں فوت ہو گئے ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے بت پرستی نہیں کی جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ دور جاہلیت میں اور بھی لوگ تھے جن سے بت پرستی ثابت نہیں منجملہ ان کے آپ کے والدین بھی جن سے بت پرستی کا واقع ہونا ثابت نہیں ہے پس والدین کا حکم اسی آیت 'وما کنا معذبین' کے تحت میں داخل ہے یہ جواب ہے تمھارے سوال کا۔ یہ اصولی بحث نجات و عدم نجات کی ہے ہر ایک کتاب میں نہیں ملیگی صاف کرا کر محفوظ رکھنا کام کی بحث ہے

(من افادات شیخنا العلام مولانا محمود حسن خان ٹونکی متعنا اللہ بفیوضھم وقد سال عنہ جدا الحکیم مظفر حسن خان فی نجاۃ ابوی النبی ﷺ فاجاب وافاد و من خط نقلت ورسمہ اثبعت)

شیخ الحدیث محمد عبد الرشید نعمانی غفر لہ

(نجاۃ ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

والدین جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے تمام عرب کو کہ جو ایام جاہلیت میں ملت ابراہیمی پر تھے اور موحد تھے اور یہی توحید انکی نجات کے لئے کافی ہے قال سبحانہ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وعملوا الصلحت فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، یہ آیت محکم ہے اور فیصلہ کن ہے ہر ملت موحدہ کیلئے تا وقتیکہ اس ملت توحیدیہ کا شخص شرک نہ کرے اور جب تک شرک کا ثبوت نہ ہو یہی حکم تمام ملت سماویہ کا ہے جو اب تک یکے بعد دیگرے گزرے ہیں یا ملت محمدیہ کے بعد، نوح علیہ السلام سے شریعت سماویہ یعنی اسلام کی ابتداء ہوئی ہے قال سبحانہ تعالیٰ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا الآیہ، یہ آیت جو پچیسویں پارہ میں ہے صاف تاریخ ہے ابتدائی شریعت اسلام کی نوح علیہ السلام سے پہلے دین و مذہب مختلف نہ تھا یعنی خالق عالم پر ایمان رکھتے تھے اور اسکے ساتھ شرک نہ کرتے تھے اسی کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا یہ اختلاف بعثت انبیاء علیہم السلام کے بعد خلق اللہ نے پیدا کیا ہے وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءتھم البینت میں ارشاد فرمایا ہے، اسی اختلاف کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیت کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین الآیۃ میں ذکر فرمایا ہے اور اسی آیت میں فتقطعوا امرھم بینھم زبرا کل حزب بما لدیھم فرحون بیان ارشاد ہے

(فطری توحید)

جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ملت میں مشروع فرمائی ہے اور جس کی اتباع کا حکم ہم کو ہے، فاتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین، اور اسی توحید فطری کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے موجب نجات قرار دیا ہے، رسالت کے انکار سے نجات خالی ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا، بعثت رسالت تمام امم سابقہ اسی انکار رسالت سے معذب ہوتے ہیں ان کل الا کذب الرسل فحق وعید بعثت انبیاء علیہم السلام سے پہلے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام موحدین ملل کی نجات کا وعدہ آیۃ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا الآیہ میں فرمایا ہے، جب تک انکار رسالت واقع نہ ہو ملت ابراہیمی کے تمام عرب موحد تھے، ملۃ ابراہیمی میں عمرو ابن لحی نام ایک شخص نے عرب میں شرک کی ابتدا جاری کی ہے شدہ شدہ یہاں تک نوبت ہوگئی کہ خانہ کعبہ میں بتوں کی پرستش ہوئی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس بعثت سے پہلے جو جاہلیت کے عہد میں فوت ہو گئے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے تھے جنھوں نے بت پرستی نہیں کی ہے تھی جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ جاہلیت میں اور بھی لوگ تھے جن سے بت پرستی ثابت نہیں۔

منجملہ ان کے آپ کے والدین بھی جن سے بت پرستی کا وقوع ہو ثابت نہیں ہے پس والدین کا حکم اسی آیت وما کنا معذبین کے تحت داخل ہے یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ یہ اصولی بحث نجات وعدم نجات کی ہے ہر ایک کتاب میں نہیں ملیگی صاف کر کے محفوظ رکھنا کام کی بحث ہے،

(من افادات شیخنا العلام مولانا محمود حسن خان ٹونکی متعنا اللہ بفیوضھم وقد سأل عنہ نجلہ الحکیم مظفر حسن خان فی نجاۃ ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب وافاد ومن خط نقلت درسمہ اثبت)

محمد عبد الرشید نعمانی عفی عنہ

وعدد مروياته من المرفوعات والآثار

تأليف

الشيخ محمد أمين الأوركزئي

عضو مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي

وأستاذ جامعة العلوم الإسلامية

نيوتاؤن كراتشي-٥-باكستان

قام بطبعه

بسم الله الرحمن الرحيم

طالعت هذه المقالة الثمينة للأستاذ العالم الشيخ محمد أمين الأوركزئي ؛ فوجدته قد وفى البحث حقه ؛ وتكلم على جميع أنحاء الموضوع ، وأتى بغرر النقول ، واجتنب الهذر والفضول مع الوجازة وحسن البيان ؛ فلله دره ، وعليه أجره .

كتبه

الفقير إلى الله تعالى

محمد عبد الرشيد النعماني عفا الله عنه

٢٨ محرم الحرم عام ١٣٩٧ هـ

سيرة الإمام الدارمي
و
التعريف بشيوخه

تأليف

محمد جنيد البابونغري

خادم الحديث بدار العلوم هات هزاري، بنغلاديش.

تقريظ وتصديق

المحدث الناقد العلامة الشيخ عبد الرشيد النعماني رحمه الله
عميد قسم التخصص في علوم الحديث بجامعة العلوم الإسلامية
بنوري تاؤن، كراتشي، باكستان.

حامداً و مسلماً و مصلياً، و بعد! فقد طالعت ما كتبه الأستاذ العالم محمد جنيد ابن مولانا أبي الحسن البابونغري البنغالي حفظه الله في ((سيرة الإمام الدارمي والتعريف بشيوخه)) وكان كلما كتب قطعة عرضها عليّ، فوجدته قد أتعب في جمعه و طالع كتب الفن وجدّ في ذلك، حتى حصلت له ملكة في معرفة الرجال من الثقات و الضعفاء والحفاظ والمحدثين من عهد الصحابة إلى عصر الإمام الدارمي، ووقف على الأخطاء التي وقعت من أيدى النساخ.

وهذه المقالة جمعها الأستاذ للحصول على شهادة التخصص في الحديث النبوي من جامعة العلوم الإسلامية، بنوري تاؤن، كراتشي. وعندي أنه جدير بأن يعطى له شهادة الفوز بالدرجة العليا، فقد لاحت فيه آثار النجابة، والمرجو منه أن يفني عمره في خدمة العلم والدين، والله هو الولي وهو على كل شئ قدير.

كتبه الفقير إليه تعالى
محمد عبد الرشيد النعماني غفر الله له
١٥/شوال/١٣٩٨هـ

إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم(ابن سيرين)

الكلام المفيد

في

تحريرالأسانيد

جمع فيه المؤلف أسانيد العلامة محمّد عبد الرشيد النعماني وأسانيد مشايخ ديوبند إلى أصحاب كتب السنة المطهرة وتراجم رواتها، مع فوائد مهمّة ثمينة، يحتاج إليها المحدّث والفقيه، والطالب النبيه.

تاليف
روح الأمين بن حسين أحمد أخوند القاسمي
الحنفي الفريد بوري البنغلاديشي

تحت إشراف
العلامة المحقق المدقق البحاثة الأصولي المحدث الكبير
محمد عبد الرشيد النعماني قدس سره

الناشر
مكتبه حجاز ديوبند يو.بى، الهند

التوثيق والتأميل

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

أما بعد فإن الشاب الفاضل روح الأمين بن حسين أحمد أخوند الفريدبورى البنغله ديشى وفقه الله تعالى لما يحب ويرضى وجعل آخرته خيرًا من الأولى تخرج علىّ وجد واجتهد فى تراجم الرجال فحصلت له ملكة فى هذا الباب وألف ثبتى وأجاد فى تأليفه وجمعه وتعب فيه. فجزاه الله خيرا ورزق له القبول وأطال فى عمره ونفع به، ووفقه لخدمة العلم والدين، والرجاء منه أن يؤلف معجمًا كبيرًا لتراجم ساداتنا الحنفية رضى الله عنهم والله ولى التوفيق.

وألتمس منه أن لاينسانى فى صالح دعواته فى خلواته وجلواته والحمدلله تعالى أولاً وآخرًا.

كتبه الفقيرإليه تعالى
محمد عبد الرشيد النعمانى غفر الله له ولمن أحسن إليه
٢٣/شوال عام١٤١١هـ
يوم الأربعاء

الشهادة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد: فإن المولوى روح الأمين بن حسين أحمد قد نال شهادة الفراغ من دارالعلوم بديوبند بالهند ثم نال شهادة التخصص فى الفقه من جامعة العلوم الإسلامية بكراتشى عاصمة باكستان سابقًا وكتب مقالة عنوانها" التعريف بالإمام القدورى وكتابه المختصر" والآن هو داخل فى قسم" التخصص فى الحديث" ويرتب" ثبتاً" فى ذكر أسانيد كتب السنة المشرفة المشهورة مع تراجم الرواة المذكورة فى الأسانيد بارك الله تعالى فى علمه وعمله وعمره، وهو جيد الاستعداد، مشتغل بالمطالعة، مكب على العلم. وفقه الله لما يحبه ويرضاه.

كتبه الفقير إليه تعالى
محمد عبد الرشيد النعمانى
١٤١٠/١٢/٢٧هـ

جمع وترتيب

فضيلة الشيخ

محمّد شهيد الله بن محمّد أرض الله

تحت إشراف

المحدث الكبير و الناقد الشهير العلامة الجليل الأستاذ

محمد عبد الرشيد النعماني

تقريظ المحدث العلامة الجليل المحقق الناقد
الأستاذ محمد عبدالرشيد النعماني رحمه الله

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى . أما بعد :

فإن الشيخ العالم محمد شهيد الله بن أرض الله البنغلاديشي وفقني الله تعالى وإياه قد اعتنى بجمع أحاديث الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان رضي الله تعالى عنه ، التي أخرجها الأئمة الثقات الجهابذة الأثبات في تصانيفهم المشهورة المعتمدة التي تداولتها أهل العلم قرناً فقرناً إلى يومنا هذا ، فجاء بحمد الله تعالى مختصراً نافعاً جعل الله تعالى سعيه مشكوراً وعمله مبروراً .

وقد جد في جمعه واجتهد وجمع ما تفرق في بطون الكتب وانتشر ، ولم يذكر مما جمعه الحفاظ في مسانيدهم التي دونوها لجمع أحاديث الإمام خاصة شيئاً ولا من « كتاب الآثار » للإمام الذي يرويه عنه أصحابه ، فإن مسانيد الإمام كثيرة شهيرة قد شاعت وانتشرت ، وكذا « كتاب الآثار » قد تلقاه العلماء بالقبول كباقي كتب الأئمة .

وهذا المختصر علق نفيس ينبغي للحنفية : أن يحفظوه ويعتنوا به درساً وتحقيقاً وشرحاً وتعليقاً ، والحمد لله أولاً وآخراً .

كتبه الفقير إليه تعالى

محمد عبدالرشيد النعماني

١٨/ ربيع الثاني عام ١٤١١هـ

مكانة الإمام أبي حنيفة رحمه الله

بين المحدثين

رسالة نالت شهادة الدكتوراه بمرتبة الشرف
من جامعة الدراسات الإسلامية ○ الباكستان

تأليف
الدكتور محمد قاسم عبده الحارثي

بسم الله الرحمن الرحيم

تقريظ

فضيلة الشيخ العلامة المحدث محمد عبد الرشيد النعماني حفظه الله تعالى

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد سيد الأنبياء والمرسلين.

وبعده:

فقد اطلعت على الكتاب القيم: "مكانة الإمام أبى حنيفة بين المحدثين" للدكتور: محمد قاسم عبده الحارثى -حفظه الله- من أوله إلى آخره وطالعت جميع صفحاته، فوجدته جيدا فى بابه موفيا بالغرض، ولم أجد فيه أى خلل ظاهر، مما يدل على أن مؤلفه -حفظه الله- ذو قدرة بالغة على البحث، وقوة فى المحاكمة بين الأشياء.

ويعتبر هذا الكتاب من أهم المؤلفات التى ألفت حول الإمام أبى حنيفة النعمان -رحمه الله- والرد على ما ألصق به من شبهات.

فجزى الله كاتبه كل خير وأجزل له فى المثوبة.

والحمد لله رب العالمين

كتبه محمد عبد الرشيد النعمانى غفر الله له

٢٨/ شوال عام ١٤١٣هـ

إمداد الفتاح

بأسانيد ومرويات الشيخ عبد الفتاح

وهو ثبت العلامة المحدث الفقيه الأصولي الأديب المسند

فضيلة الشيخ عبد الفتاح أبو غدة

المولود بحلب سنة ١٣٣٦هـ والمتوفى بالرياض سنة ١٤١٧هـ

دفين المدينة المنورة

رحمه الله تعالى

تخريج تلميذه

محمد بن عبد الله آل رشيد

مكتبة الإمام الشافعي

تقريظ
العلامة المحدث الناقد البارع
الشيخ محمد عبد الرشيد النعماني(١)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده.

أما بعد: فإن الشيخ العالم النبيل محمد بن عبد الله آل الرشيد قد جمع ثبتاً لزين الدِّيار الحلبيَّة، وأحدِ مفاخرها العلَّامة الفهَّامة العالم الكبير والحبر النبيل البارع الأديب المحدِّث الشهير الشيخ عبد الفتاح أبو غدة أبقاه الله تعالى بالعزّ والكرامة، ونفع الله به الأمة، بأسلوب بديع مع ذكر فوائد جمَّةٍ علمية بحيث تروق الناظر، وتسرُّ الخاطر، فلله دره، ما أدق نظره، سلمه الله وأبقاه، ووفقه لما يحبه ويرضاه.

كتبه الفقير إليه تعالى

٢٥/ ١/ ١٤١٧هـ **محمد عبد الرشيد النعماني غفر الله له**

---

(١) هو شيخنا العلامة البحاثة، المحدث النقاد، صديق شيخنا ومحبه، العالم الصالح المحقق الشيخ محمد عبد الرشيد بن محمد عبد الرحيم النعماني ـ نسبة للإمام أبي حنيفة النعمان ـ.

ولد ـ حفظه الله ـ في سنة **١٣٣٣** في جيبور بالهند، وطلب العلم على عمه الأكبر الحافظ عبد الكريم، ثم رحل إلى ندوة العلماء، ولازم العلامة المحدث حيدر حسن التونكي، وبه تخصَّص في الحديث وعلومه، وعليه تخرَّج، ولازم شقيقه =

= العلامة المؤرخ محمود حسن التونكي، وعيِّن عضواً لندوة المصنفين بدهلي، وهاجر إلى باكستان سنة ١٩٤٧، ودَرَس في دار العلوم على العلامة المحدث بدر عالم الميرتهي، والعلامة المحدث محمد يوسف البنوري، ثم عُيِّن مدرساً في جامعة العلوم الإسلامية في كراتشي، ودرَّس فيها كتب الفقه والحديث، والكتب الستة، ودرَّس في الجامعة الإسلامية ببهاولبور، وأشرف على طلبة التخصص في الحديث النبوي، وهو من أفذاذ العصر علماً وفهماً وزهداً وتقىً. وقد لمست إجلاله واحترامه وشدة محبته لشيخنا ـ رحمه الله ـ عند زياراتي له بصحبة شيخنا بمنزله بكراتشي.

من أشهر كتبه: «مكانة الإمام أبي حنيفة في الحديث»، و«ابن ماجه وكتابه السنن» وكلاهما اعتنى بهما شيخنا ـ رحمه الله تعالى ـ وطبع الأول منهما، وسيصدر الثاني بعون الله تعالى.